فاتحِ اعظم

حضرت عمرو بن العاص رضؓ

اس اولوالعزم اور بہادر سپہ سالار کی مفصل اور مکمل سوانح حیات، جس نے صرف چار ہزار قلیل فوج کے ساتھ مصر جیسے عظیم ملک پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا اور پھر نہایت شان و شوکت کے ساتھ اُس پر حکومت کی، اور جو عرب کا بہترین مدبر بہترین سیاستداں اور بہترین جنرل تھا ☆

مؤلفہ
محمد فرج مصری

مترجمہ
شیخ محمد احمد پانی پتی

نفیس اکیڈیمی
بلاسس اسٹریٹ، کراچی

قیمت:- بارہ روپیہ

طبع اوّل:۔ ——————— نومبر ۱۹۶۲ء

باہتمام محمد رشید منیجر نفیس اکیڈیمی ، ایجوکیشنل پریس

کراچی میں طبع ہوئی

کتاب ہذا اور اس کا مصنف

مصر کے عظیم الشان فاتح اور حضور اکرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عمرو بن العاص کی عربی اور اردو میں متعدد مختصر اور طویل سوانح عمریاں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر یہ عربی کتاب جس کا اردو ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں آج پیش کیا جا رہا ہے اس لحاظ سے خصوصیت رکھتی ہے کہ وہ اس بزرگ صحابی کی تمام شائع شدہ سوانح عمریوں میں سب سے زیادہ مدلل اور سب سے زیادہ مفصل ہے۔ آج تک اس فاتح اعظم کی اس سے بہتر سوانح عمری نہیں لکھی گئی۔ اس بے نظیر کتاب کا مصنف مصر کا مشہور انشا پرداز اور مورخ محمد فرج ہے۔ جس نے یہ محققانہ تالیف عرصہ دراز کی تلاش و تحقیق کے بعد پچاس عربی، انگریزی اور فرانسیسی کتب سے اخذ و انتخاب کر کے مرتب کی ہے۔ کتاب بڑی تقطیع کے ۴۱۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مصر کے دو بڑے فاضل حضرات احمد نجیب ہاشم وزیر تعلیم متحدہ عرب جمہوریہ اور احمد الشرباصی نے اس کے پیش لفظ اور دیباچے لکھے ہیں۔ مؤلف نے کتاب کو مصر کے آمر مطلق جمال عبدالناصر کے نام معنون کیا ہے۔ اور کتاب کا نام "عمرو بن العاص" رکھا ہے۔ اسے ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء میں "دار الفکر عربی" نے بڑے اہتمام اور نفاست کے ساتھ قاہرہ سے شائع کیا۔ محمد فرج کی مصنفہ دیگر کتب کی فہرست یہ ہے۔

(۱) العبقریۃ العسکریۃ فی غزوات الرسول (۲) سیف اللہ خالد (۳) السلام والحرب فی الاسلام (۴) جبابرۃ حرب (۵) محمد المحارب (۶) نہایۃ طاغیہ (۷) الاشاعات (۸) حقیقۃ الجلاء (۹) بطولۃ وفداء (۱۰) ھذہ الحیاۃ (۱۱) قلوب محطمۃ (۱۲) احادیث فی الحرب (۱۳) قادۃ الحرب العرب فی العراق والشام (۱۴) قادۃ الحرب العرب فی مصر وشمالی افریقیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی سوانح عمریاں

(میرے علم کے مطابق حضرت عمروؓ بن العاص کی عربی اور اردو میں اب تک حسب ذیل سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں)

۱۔ عربی

۱۔ ابن العاصؓ — از عباس محمود العقاد
۲۔ تاریخ عمروؓ بن العاص — از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
۳۔ عمروؓ بن العاص فاتح مصر — از عبدالسلام الشرقی
۴۔ عمروؓ بن العاص — از محمد فرج

۲۔ اردو

۱۔ حیات عمروؓ بن العاص — از مولوی سید حمیدالدین سلیم پانی پتی
۲۔ سیرۃ عمروؓ بن العاص — از مولانا محمد اسلم جیراج پوری
۳۔ فاتح مصر — از شیخ محمود احمد عرفانی
۴۔ عمروؓ بن العاص — تالیف حسن ابراہیم حسن — ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی
۵۔ فاتح اعظم عمروؓ بن العاص — تالیف محمد فرج — ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی

شجرہ کتاب فاتح اعظم

عمروؓ بن العاص

باب الاول
(جاہلیت سے اسلام تک)
۱۔ زمانہ جاہلیت میں
۲۔ آغوش اسلام میں

باب الثانی
(عمرو میدان جہاد میں)
جنگ ذات السلاسل
حروب الردۃ
جنگ ہائے شام و فلسطین
فتح مصر
فتوحات برقہ و طرابلس
عمرو بن العاص کے اصول جنگ

باب الثالث
(عمرو مع الخلفاء)
مع ابی بکرؓ
مع عمر فاروقؓ
مع عثمان ذوالنورینؓ
مع علی ابن ابی طالب
مع معاویہ بن ابی سفیان

باب الرابع
(عمرو بحیثیت قائد سیاست)
معنی قیادت
ایمان و یقین
قائد کی شخصیت
لشکر کا انتظام
عمرو بن العاص کی بساط سیاست

فہرست مضامین فاتح اعظم عمروؓ بن العاص

ممتاز سیاستدان اور عظیم القدر سپہ سالار

حضرت عمرو بن العاص رض

(از محمد اقبال سلیم گاهندری)

حضرت عمرو بن العاص اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کا تذکرہ کئے بغیر اسلام کی تاریخ مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ اُن کا شمار اسلام کے صف اوّل کے سپہ سالاروں، اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ کافی عرصہ اسلام کی مخالفت میں صرف کرنے کے بعد جب عرب کا یہ "عقلمند ترین انسان" حلقہ بگوش اسلام ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی عزت افزائی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور غزوہ ذات السلاسل کی قیادت اُن کے سپرد کی، حضرت عمرو بن العاص کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی ان کی فوج میں شامل تھے۔ جنگ یرموک میں جب رومیوں کی افواج زہرہ قلیل التعداد مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کو تیار تھیں، عمرو بن العاص کی تدبیر سے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ مصر کی فتح کا خیال سب سے پہلے ان ہی کے ذہن میں آیا اور ان ہی کو اسلامی فوج کا سپہ سالار بنا کر اس عظیم مہم پر روانہ کیا گیا۔ چار ہزار سپاہیوں کی مدد سے مصر کو فتح کر لینا ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس پر اُمت مسلمہ جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ جنگ صفین کے موقعہ پر جب کہ امیر معاویہؓ کی فوجیں شکست سے دوچار تھیں عمروؓ بن العاص ہی کے ذہن رسا میں وہ تدبیر آئی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اسلام کی تبلیغ جس دل نشین انداز میں کرتے تھے وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ غرض حضرت عمرو بن العاص مجمع الصفات انسان تھے۔ وہ بہت بڑے سپہ سالار تھے، بلند پایہ سیاست دان تھے اور ان سب سے بڑھ کر اسلام کے بے لوث

مبلغ تھے۔

مصر کے ایک فاضل محمد فرج نے حال ہی میں ان کی سوانح مرتب کی ہے، جس میں ان تمام کارناموں کا تفصیلی بیان ہے۔ جو حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے زمانہ میں سرانجام دیئے انھوں نے اس موضوع پر قدیم و جدید کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اور یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس عظیم الشان سپہ سالار اور بلند پایہ صحابی کے متعلق اب تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں محمد فرج کی کتاب ان سب میں سب سے زیادہ وقیع ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی نے کیا ہے اور ترجمہ پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ شیخ محمد احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے مہلت نہ دی کہ وہ اس ترجمہ کو مکمل کر سکتے۔ بقیہ حصہ کا ترجمہ مرحوم کے والد شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے مکمل کیا۔ اور کتاب کی ترتیب و تہذیب میں بہت محنت کی۔ جس کے لئے ادارہ نفیس اکیڈیمی، ان کا شکر گزار ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

شیخ محمد احمد پانی پتی

مترجم کتاب ہذا

میرا کلیجہ محمد احمد کو مرحوم لکھتے ہوئے شق ہوتا ہے۔ مگر افسوس یہ ایسی حقیقت ہے جسے پتھر کا کلیجہ کرکے میں نے برداشت کیا اور کر رہا ہوں۔ میرے مرحوم فرزند نے صرف ۲۴ برس کی عمر پائی اور مر کر گھر ہی کو نہیں دل کو بھی ہمیشہ کے لئے سونا کر گیا۔ اچھے اخلاق، عمدہ عادات۔ رحم و ہمدردی۔ شرم و حیا۔ امانت و دیانت۔ عفو و درگزر انکساری و سادگی۔ ملنساری و مہمان نوازی۔ تواضع و خاکساری۔ احسان و سلوک۔ شفقت و رحمت اور نیکی و پارسائی وغیرہ صفات حسنہ اس کی فطرت میں داخل تھیں۔ اس کے دوست اُن کو یاد کرکے ہمیشہ غمگین ہو جایا کریں گے۔ جس سعادت مندی کے ساتھ اس نے اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کی۔ اُس کا نہایت گہرا نقش مرتے دم تک ہم دونوں کے دلوں پر رہے گا۔ دینداری و پرہیزگاری میں وہ اپنا نظیر آپ تھا۔ قومی کاموں میں وہ بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتا اور مذہبی امور کی بجا آوری میں اُسے دلی سکون ملتا تھا۔ اپنی پسندیدہ عادات کے باعث وہ ہم میں سے بہتوں کے لئے ایک نمونہ تھا۔ چھوٹوں پر شفقت۔ بڑوں کا ادب۔ دشمنوں سے نیک سلوک۔ دوستوں سے مدارات۔ غریبوں سے ہمدردی۔ ہمسایوں سے محبت۔ جانوروں سے پیار وغیرہ صفات اُس کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں۔ لہو و لعب اور کھیل تماشوں سے وہ ہمیشہ الگ رہا۔ اس کا محبوب ترین مشغلہ کتب بینی اور مضمون نویسی تھا۔ اُس نے اپنی مختصر سی زندگی میں باوجود ہمیشہ بیمار، مضمحل اور کمزور رہنے کے نہایت مستعدی سے ادب، علم اور لٹریچر کی ایسی بیش بہا خدمت انجام دی جو اُس کے نام کو عزت کے ساتھ زندہ رکھے گی۔ اس نے عربی زبان کے موجودہ تمام مشہور ادیبوں اور مورخوں کی بہترین تخلیقات کو ایسی خوبی و روانی اور سلاست و دلچسپی کے ساتھ اردو کا حسین جامہ پہنایا کہ تمام ملک میں اُس کی کوئی دوسری نظیر موجود نہیں۔ اُس نے مترجمہ کتابوں پر ایسے وقیع اور پر از معلومات حواشی لکھے جن کو دیکھ کر پرویز جیسے شخص کو بھی لکھنا پڑا کہ مترجم مصنف (محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر) سے بھی زیادہ صاحب بصیرت ہے۔" مولانا رئیس احمد جعفری نے تحریر فرمایا کہ محمد احمد کے بعض تراجم پر تو رشک کرنے کو دل چاہتا ہے۔" رسالہ نقوش کے مدیر نے کہا کہ جو کام محمد احمد نے صرف چھ سات برس کی عمر میں کیا۔ دوسرے سو برس کی عمر میں بھی نہ کر سکتے۔" بہت سے اخبارات نے اُس کی

مترجمہ کتابوں پر ریویو کرتے ہوئے لکھا کہ ترجمہ اتنا شستہ، شائستہ، رواں اور سلیس ہے کہ ترجمہ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ جو شیرینی و لطافت اس کے ترجموں میں پائی جاتی ہے۔ وہ زبان پر اُس کی حیرت انگیز قدرت کا زندہ ثبوت ہے۔ وہ اگرچہ خود مر گیا، مگر اپنے پیچھے جو بیش بہا تصانیف اور تراجم چھوڑ گیا ہے وہ اُس کے نام کو مرنے نہیں دیں گے۔ - ایڈیٹر نقوش "قیام پاکستان کے بعد محمد احمد پہلا شخص تھا جس نے یہاں کے اُردو داں اصحاب کو عربی کے تاریخی جواہر پاروں سے روشناس کرایا اور اعلیٰ پایہ کا بہترین لٹریچر اپنی یادگار چھوڑا۔" وہ ۱۳؍اکتوبر ۱۹۲۷ء کو پانی پت میں پیدا ہوا، ۵؍نومبر ۱۹۴۷ء کو نہایت تباہ حالت میں لُٹ لُٹا کر پاکستان پہنچا، اور مولوی فاضل اور ایف۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد نہایت انہماک کے ساتھ اسلام، ادب اور علم کی خدمت میں مصروف ہو گیا اور صرف چھ سات برس کی محنت میں تیس سے زیادہ کتابیں لکھیں جو مختلف ناشرین نے شائع کیں۔ اُسے ترجمہ سے عشق تھا اور اسی عشق میں اُس نے اپنی جان دی۔ اس کی مسلسل بیماری اور کمزوری کے پیش نظر اُس کے معالج محترمی حکیم نیر واسطی صاحب نے نہایت پر زور طور پر اُسے لکھنے پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ مگر اُسے ترجمہ کا جنون تھا اور اسی جنون میں رات کے ایک ایک بجے تک بیٹھا "فاتح اعظم عمرو بن العاص" کا ترجمہ کرتا رہا۔ جس کا سلسلہ مرنے سے دو دن پہلے تک چلتا رہا۔ اور بالآخر ۹؍جنوری ۱۹۶۲ء کو علم و ادب کا یہ شیدائی ماں باپ کو سسکتا، بیوی کو بلکتا، بھائی کو روتا اور دوستوں کو تاسف کرتا ہوا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی وفات پر پاکستان، ہندوستان، انڈونیشیا، انگلستان اور افریقہ کے مختلف ممالک سے دو سَو سے زیادہ خطوط اور تار تعزیت کے آئے۔ پاکستان و ہندوستان کے متعدد اخبارات و رسائل نے اُس کے متعلق اداریئے لکھے جن میں اُس کی وفات کو المناک علمی حادثہ اور قومی نقصان قرار دیا۔ اور اس کے ادبی اور علمی کارناموں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ افسوس ؎

یہ پھول اپنی لطافت کی داد پا نہ سکا
کھلا ضرور مگر کھل کے مسکرا نہ سکا

رام گلی نمبر ۳ - لاہور

مورخہ ۲۰؍اگست ۱۹۶۲ء

خاکسار غمگین و حزیں
محمد اسماعیل پانی پتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(از احمد نجیب ہاشم وزیر تعلیم عرب جمہوریہ)

عمرو بن العاص عرب کے وہ بطل جلیل تھے جن کو اپنی گوناں گوں صلاحیتوں کے باعث تاریخ اسلام میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ گہرے غور و فکر، دور رس نظر، بے پایاں علم اور استنباط محکم میں بہت کم انسان ان کے ہم پلہ تھے۔ اس عظیم شخصیت کے حالات پر جس قدر بھی غور کیا جائے اُسی قدر اس کی عبقریت کے نئے نئے پہلو نظر کے سامنے آتے جاتے ہیں۔ بعض مخصوص سیاسی حالات کے باعث ان کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے گو مختلف مؤرخین نے ایک دوسرے سے مختلف راستہ اختیار کیا ہے۔ تاہم ان کی ذاتی عظمت، سیاسی بصیرت اور قیادت کی اعلیٰ صلاحیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔

بعض اصحاب کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کتاب پر مقدمہ لکھتے ہیں تو تصنیف اور صاحب تصنیف کی مدح و ثنا کے پل باندھ دیتے ہیں اور کتاب کی خصوصیات اور ممیزات بیان کرتے ہوئے مقررہ ادبی حدود کو بھی پار کر جاتے ہیں۔ لیکن بالعموم اس کا نتیجہ مؤلف اور خود مقدمہ نویس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا کیونکہ قارئین کرام جب کتاب کو پڑھتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی تعریف میں کس قدر مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ اس طرح تصنیف کی قدر و قیمت ان کی نظروں میں کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ بہت بے دلی سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی امر کے پیش نظر میں اپنے مقدمہ میں اس کتاب کی تعریف و توصیف اور مصنف کی مدح و ثنا میں مبالغہ سے کام نہ لوں گا۔ بلکہ ناظرین کرام کو موقعہ دوں گا کہ وہ کتاب کو پڑھ کر اس کے مباحث سے آگاہی حاصل کریں اور پھر کوئی رائے قائم کریں۔ تاہم مجھے اس بات کا یقین ہے کہ یہ کتاب انہیں مایوس نہ کرے گی اور ان کی توقعات پر پوری اُترے گی۔

حضرت عمرو بن العاص کی زندگی کے متعدد واقعات انسان پر حیرت و استعجاب کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ اس کتاب سے ان تمام واقعات کا تفصیلی علم ہو سکے گا۔ میں ان واقعات کی نشان دہی کر کے قارئین کے لئے تن آسانی کا سامان بہم پہنچانا نہیں چاہتا۔ وہ خود کتاب کا مطالعہ کر کے حضرت عمرو بن العاص کی حیرت انگیز زندگی کے تمام پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح انہیں

اس محنت کا اندازہ بھی ہو جائے گا جو مؤلف نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں برداشت کی ہے۔
مؤلف کتاب ہذا کے متعلق میں اس قدر کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے تاریخ اسلام کے متعدد اہم موضوعات پر خامہ فرسائی کرکے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آئندہ بھی اس مفید سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔ اور نئے نئے مباحث کو سامنے لاکر لوگوں کے علم میں گراں قدر اضافہ کا موجب بنیں گے۔

احمد نجیب ہاشم

کچھ کتاب ہٰذا کے متعلق

(از احمد الشرباصی)

یکم محرم کی صبح کو میں نے اس عظیم اسلامی سپہ سالار اور فاتح مصر کے حالات پڑھنے شروع کئے جسے تاریخ میں عمرو بن العاص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جنہیں متحدہ عرب جمہوریہ کے مایہ ناز فرزند اور مشہور اہل قلم استاد محمد فرج نے تالیف کیا ہے۔

تاریخ اسلام اور مشہور اسلامی شخصیتوں کے بارے میں استاذ موصوف کی یہ پہلی کتاب نہیں ہے۔ یہ دراصل اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو موصوف نے تاریخ اسلام کے مختلف مباحث کے متعلق کچھ عرصہ سے شروع کر رکھا ہے اور جس کے تحت وہ اب تک متعدد کتب مثلاً "محمد المحارب" "جہابذۃ حسب" "العبقریۃ العسکریۃ فی غزوات الرسولؐ" اور سیف اللہ خالد وغیرہ تحریر کر چکے ہیں۔

تاریخی موضوعات پر قلم اٹھانا ہر اہل قلم کے بس کی چیز نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے موضوع سے کامل واقفیت۔ تمام متعلقہ واقعات پر گہری نظر، کامل غیر جانبداری اور ذاتی خیالات و افکار سے علیحدگی از بس ضروری ہے۔ حقائق کو واضح کرنے کی بجائے اپنے ذاتی خیالات و افکار کے زیر اثر واقعات کو مسخ کر کے پیش کرنا اور انہیں لوگوں میں پھیلا کر ان کے ذہنوں کو متاثر کرنا اتنی عظیم مذہبی بد دیانتی ہے جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور جس کی جواب دہی انہیں قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے حضور یقیناً کرنی ہوگی۔

مؤلف کتاب ہٰذا نے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جو اختلافات کا محور ہے اور لوگوں نے اس کی شخصیت کے متعلق بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لئے علیحدہ راستہ اختیار کیا ہے اور متضاد خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس حالت میں جبکہ روایات میں خطرناک اختلافات پائے جاتے ہیں اور ایک روایت دوسری روایت کے بالکل

خلاف نظر آتی ہے۔ ان کا تجزیہ کر کے صحیح واقعات کو پیش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس کتاب کو تالیف کرتے وقت مؤلف نے ایک خاردار وادی میں قدم رکھا ہے۔ جہاں ہر قدم پر جھاڑیاں ان کا راستہ روکے کھڑی نظر آتی ہیں۔ مگر قارئین مطالعہ کے بعد خود محسوس کر لیں گے کہ مؤلف کس طرح ان خاردار جھاڑیوں سے اپنا دامن بچا کر باہر نکلا ہے۔ اور کس طرح تمام مشکلات کو عبور کر کے اس نے اپنا راستہ صاف کیا ہے۔

عمروؓ بن العاص جن کے بارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اسلام کے بطل جلیل، بہت بڑے مدبر انتہائی زیرک اور فطین انسان اور بحر سیاست کے شناور تھے۔ دانائی اور عقلمندی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کا انہیں خاص ملکہ تھا۔ میدان جنگ میں کوئی چیز انہیں آگے بڑھنے سے نہ روک سکتی تھی۔ دشمن سے مقابلہ کرنے کا ڈھنگ انہیں خوب آتا تھا امارت اور قیادت کے وہ دلدادہ تھے۔ اور ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ نہایت مستقل مزاج اور ارادے کے بڑے پکے تھے۔ جس چیز کا عزم کر لیتے تھے اسے حاصل کر کے چھوڑتے تھے۔ ان کے دشمنوں کو بھی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اعتراف تھا۔ چنانچہ رومی لشکر کے سپہ سالار "ارطبون" نے ان کے متعلق کہا تھا۔ عمرو بن العاص عقلمند ترین انسان ہیں میں نے ان جیسا زیرک شخص اور کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت عمرو بن العاص میں صبر و استقلال کا مادہ بے حد تھا۔ جو راستہ اپنے لئے اختیار کر لیتے تھے سخت مشکلات کے باوجود بھی اسے ترک نہ کرتے تھے۔ غور و فکر کے بعد جو رائے ایک مرتبہ قائم کر لیتے تھے اُسے کبھی تبدیل نہ کرتے تھے۔ تردد اور تأمل سے انہیں سخت نفرت تھی جو کام کرنا چاہتے تھے فوراً کر ڈالتے تھے اور اسے تاخیر میں کبھی نہ ڈالتے تھے۔ ذکاوت و فطانت میں انہیں کمال حاصل تھا۔ اس کی روشن مثال ہمیں فتح مصر کے وقت نظر آتی ہے۔ حضرت عمرؓ کو مصر پر فوج کشی کا مشورہ حضرت عمروؓ بن العاص ہی نے دیا تھا۔ اور اس غرض کے لئے خود اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بہت کچھ تردّد اور تأمل کے بعد اس کی اجازت دی جس پر فوراً حضرت عمروؓ بن العاص فوج لے کر چل کھڑے ہوئے۔ بعد میں حضرت عمرؓ کی رائے بدل گئی اور انہیں خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی فوج ایک وسیع و عریض ملک میں داخل ہو کر ہلاکت سے دوچار نہ ہو جائے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر انہوں نے ایک قاصد کے ہاتھ عمرو بن العاص کو خط بھیجا کہ اگر ابھی تک وہ سرزمین مصر میں داخل نہ ہوئے ہوں تو واپس آ جائیں [1]

---

[1] یہ اس لئے تحریر فرمایا کہ مصر کی سرزمین میں داخل ہو کر واپس لوٹنا مسلمانوں کے قومی وقار کے خلاف تھا۔ (محمد احمد)

قاصد "رفح" کے مقام پر حضرت عمروؓ بن العاص سے ملا اور انہیں بتایا کہ وہ ان کے نام امیر المومنین کا ایک خط لے کر آیا ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی ذکاوت سے خط کا مضمون بھانپ لیا۔ انہوں نے قاصد کو مختلف باتوں میں لگائے رکھا اور اس سے اس وقت تک خط نہ لیا جب تک لشکر کوچ کرتا ہوا سرزمین مصر میں داخل نہ ہو گیا۔ سرزمین مصر میں پہنچ کر انہوں نے قاصد کے ہاتھ سے خط لے کر چاک کیا اس میں لکھا تھا۔

"اگر میرا یہ خط تمہیں مصر میں داخل ہونے سے پہلے مل جائے تو واپس مدینہ آ جاؤ۔ لیکن اگر حدود مصر میں داخل ہونے کے بعد ملے تو اللہ کا نام لے کر چلتے چلے جاؤ۔ میں تمہاری مدد کے لئے فوجیں روانہ کروں گا۔"

خط پڑھ کر حضرت عمروؓ بن العاص نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا کہ اب ہم کس مقام پر ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ ہم سرزمین مصر میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس پر انہوں نے فوج کے سامنے خلیفۃ المسلمین کا خط پڑھ کر سنایا اور لشکر کو آگے بڑھنے کی تلقین کی۔ اسی مختصر فوج کے ساتھ انہوں نے مصر کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فتح کر لیا اور تمام سرزمین کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا

مؤلف کتاب ہذا نے حضرت عمروؓ بن العاص کی شخصیت پر غیر جانبدارانہ بحث کی ہے۔ انہوں نے ان کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں اور کمزوریاں بھی ایک ایک کر کے گنوائی ہیں۔ تاہم انہوں نے اعتدال اور احتیاط کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ خوبیاں بیان کرتے وقت مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ صرف وہی خوبیاں بیان کی ہیں جو ان میں درحقیقت پائی جاتی تھیں اور کمزوریاں بیان کرتے وقت مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ایک محتاط ناقد کا انداز اختیار کیا ہے۔

جیسا کہ سب کو علم ہے حضرت عمرو بن العاص کے مداح کم اور مخالف زیادہ ہیں۔ امیر معاویہؓ سے تعلقات اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے خلاف نبرد آزما ہونے کے باعث آج تک ان کی مخالفت میں بہت کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ اگر یہ مخالفت صحیح خطوط پر ہوتی اور صرف ان کمزوریوں کا بیان کیا جاتا جو ان میں درحقیقت پائی جاتی تھیں تو یہ بات چنداں قابل اعتراض نہ تھی لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ مخالفین نے ان کے خلاف معاندانہ اور متعصبانہ رویہ اختیار کیا اور ان کی جانب اس قسم کی باتیں بھی منسوب کر دیں جو ان میں سرے سے موجود ہی نہیں۔

ان حالات میں اگر کوئی شخص غیر جانبدارانہ حیثیت سے حضرت عمرو بن العاص کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کے انداز بیان میں نہ معتقدانہ غلو پایا جاتا ہے اور نہ معاندانہ تنقید تو

ایسا شخص عمروؓ بن العاص کے مداحوں اور دشمنوں دونوں کی جانب سے تعریف کا مستحق ہے۔

ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود حقیقی مانتے ہیں۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رسول۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت ہمارا جزو ایمان ہے۔ آپؐ کی طرح آپؐ کے پاک ومطہر اہل بیت کی محبت بھی ہمارے رگ وریشہ میں سمائی ہوئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی صحابہ کرام اور السابقون الاوّلون کی عزت وتکریم کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ ان لوگوں نے اسلام کی وہ خدمات سرانجام دی ہیں جو بعد میں آنے والے کسی دور کے لوگوں سے بھی ممکن نہ ہو سکیں۔ ان خدمات کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ ہم ان پر بدگمانی کرنے اور ان پر سبّ وشتم کرنے سے اپنے آپ کو سختی کے ساتھ روکیں۔ اور ان کے آپس کے تنازعات اور منافقات کی اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کر دیں کیونکہ وہی اصل حقیقت کو سب سے بہتر جانتا ہے

صحابہ کرام کے جو محاسن ہمیں معلوم ہیں ہمارا فرض ہے کہ وسیع پیمانے پر ان کی اشاعت کریں تاکہ ہم اور ہماری نسلیں اپنے اسلاف کی قربانیوں سے آگاہ ہو کر ان کے اندر بھی خدمت دین کا جذبہ پیدا کریں اور ان کے کارنامے ہمارے اندر زیادہ سے زیادہ ولولہ پیدا کرنے کا باعث ہوں، لیکن اگر کوئی ایسی بات نظر آئے جسے قبول کرنے کے لئے ہمارے دل تیار نہ ہوں یا ہم اس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے ہوں۔ تو اگر ہم اس کی پوری تاویل کر سکیں تو تاویل کر لیں بصورت دیگر اسے بالکل فراموش کر دیں۔ کیونکہ ایسی باتوں کی کرید اور جستجو سے کوئی فائدہ مرتب ہونے کی بجائے ذہن پر زنگ لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کی تنقیص سے فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ لہٰذا ہم اپنے اوقات کو مفید کاموں میں صرف کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ایسے جھگڑوں میں کیوں الجھائیں جو فائدہ مند ہونے کی بجائے سخت مضرت رساں اور نت نئے فتنے برپا کرنے کا باعث ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص کی یہ سوانح حیات اسی صحیح اصول اور اسی نیک مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔

اس سے قبل عبدالوہاب النجار، حسن ابراہیم حسن، محمد حسین ہیکل، رفیق اعظم، عباس محمود العقاد اور عبدالسلام العشری اپنی کتابوں میں حضرت عمروؓ بن العاص کا تفصیلی ذکر کر چکے ہیں اور بعض نے تو ان کے متعلق مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن ان سب میں استاذ محمد فرج کی کتاب ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے ایک نئے انداز بیان سے ان کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ دیگر مؤلفین کے برعکس انہیں اس حقیقت کا احساس تھا کہ عمروؓ بن العاص کا تعلق ایک مخصوص معاشرے سے تھا

اور اس معاشرے نے ان کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ ان کے تمام اعمال و افکار میں اس معاشرے کے اثرات کارفرما نظر آتے ہیں۔ مؤلف کتاب ہذا نے اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اس طرح بعض ان لوگوں کے اعمال و اقوال کا ذکر بھی کتاب میں آگیا ہے۔ جن کا حضرت عمروؓ بن العاص سے کسی طرح کا تعلق تھا۔ مگر دیگر مؤلفین نے اس امر کو نظر انداز کر دیا ہے۔

مؤلف نے سب سے پہلے عمروؓ بن العاص کی جاہلی اور قبل از اسلام زندگی کا حال بیان کیا ہے اور اس دور کا ایک تفصیلی نقشہ ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے۔ اس نقشہ سے ہمیں ان محرکات کا بخوبی علم ہو سکتا ہے جو حضرت عمروؓ بن العاص کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوئے۔

مؤلف نے آپ کی عسکری زندگی پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ بحیثیت ایک سپہ سالار حضرت عمروؓ بن العاص کا مرتبہ کس قدر بلند تھا۔ اور انہیں فنون جنگ پر کس قدر عبور حاصل تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی زندگی کا یہ پہلو دیگر تمام پہلوؤں سے زیادہ لائق اعتنا ہے۔ مؤلف نے ہر اس جنگ کا، جس میں حضرت عمروؓ بن العاص نے حصہ لیا۔ بیان کر کے یہ بتایا ہے کہ اس جنگ میں فتح یاب ہونے کے لئے انہوں نے کیا کیا طریقے استعمال کئے۔ اور کن کن احتیاطوں سے کام لیا۔ اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے مؤلف نے ایک علیحدہ باب میں بھی ان تمام طریقوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو اس عظیم سپہ سالار نے جنگوں کے دوران میں اختیار کئے اور جن سے کام لے کر اس نے اپنے سے بہت زیادہ طاقتور دشمنوں پر فتح حاصل کی۔

اس کے بعد مؤلف نے ایک نازک بحث کا آغاز کیا ہے اور وہ ہے "خلفاء کے ساتھ حضرت عمروؓ بن العاص کے تعلقات کا مسئلہ"۔ اسلام کی تاریخ کا یہ دور بڑے بڑے انقلابات سے پُر ہے اس عہد میں مرتدین کے فتنے برپا ہوئے۔ دشمنان اسلام کے ساتھ خونریز جنگیں ہوئیں۔ فتوحات کا لا انتہا سلسلہ شروع ہوا۔ مفتوحہ ملکوں میں پرانے نظام کی جگہ نیا نظام قائم ہوا۔ خانہ جنگیاں برپا ہوئیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص کا ان تمام انقلابات و واقعات سے گہرا تعلق رہا۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے لے کر خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب تک تمام خلفاء سے ان کا کسی نہ کسی حیثیت میں رابطہ قائم رہا۔ مختلف ادوار میں انہیں مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ کبھی تو انہیں خلیفہ کی خوشنودی حاصل رہی، کبھی نکتہ چینی اور کڑے محاسبہ کو برداشت کرنا پڑا۔ اور کبھی آزادی اور مطلق العنانی کا دور گزرا۔ مؤلف نے ان تمام واقعات و حالات کو تفصیلی طور اور کامل

دیانت داری سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

آخر میں مؤلف نے ایک اور فنی موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ اس نے "قیادت" کے عنوان کے تحت سیادت وقیادت کے اصول وقواعد بیان کئے ہیں۔ اور انہیں حضرت عمرو بن العاص کی شخصیت پر چسپاں کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں قیادت کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں اور وہ اس کے ہر طرح اہل تھے مؤلف نے اس کتاب کی تالیف کے دوران میں تاریخ نویسی کے قدیم وجدید دونوں اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس نے ہمارے اسلاف اور موجودہ زمانہ کے فوجی ماہروں کے اختیار کردہ طریقوں کا موازنہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جن اصولوں کو آج کے فوجی جرنیل اعلیٰ فوجی تربیت گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اختیار کرتے ہیں۔ انہیں آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے بادیہ نشینوں نے اختیار کر کے اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کی تھی۔ اس نے اس جنگی روح پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ جو لڑائیوں کے دوران میں تمام مسلمانوں پر مستولی رہی اور جسے دیکھ کر ان کی مخالف سلطنتوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

مؤلف نے اس کتاب کی تالیف میں جہاں قدیم ماخذوں سے استفادہ کیا ہے وہاں جدید کتابوں سے بھی استفادہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ چنانچہ جہاں اس نے طبری، ابن اثیر، ابن عساکر، واقدی، سیوطی، المسعودی، نویری اور اصطخری کی کتابوں سے کما حقہ استفادہ کیا ہے۔ وہاں جدید مصنفین مثلاً آلوسی، رفیق العظم، محمد حسین ہیکل، عباس محمود العقاد، حسن ابراہیم حسن، مؤنس اور عنتری نیز مستشرقین مثلاً بٹلر، ولیم میور، واشنگٹن ارونگ، گوڈلی اور نورنل وغیرہم کی کتابوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اور ان کی آراء کو اپنی کتابوں میں درج کر کے ان پر غیر جانبدارانہ اور دیانتدارانہ تنقید کی ہے۔ جو بات قبول کرنے کے لائق تھی اسے قبول کر لیا ہے اور جو بات رد کرنے کے لائق تھی معقول وجوہ بیان کر کے اسے رد کر دیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ایک مفید تاریخی دستاویز بن گئی ہے۔ مؤلف ہم سب کے شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ایسی قابل قدر کتاب ہمارے سامنے پیش کر کے ہمارے اسلاف کے روشن کارنامول کو ہمارے سامنے پیش کیا۔

مقدمہ مؤلف

عالم اسلام کی عظیم الشان شخصیتوں میں سے ایک خاص شخصیت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بھی ہے اس عظیم انسان کے حالات زندگی لکھنے کی تحریک مجھے ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ جب میں نے بعض مشہور شخصیتوں کے متعلق مضامین لکھنے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان مشاہیر میں حضرت عمرو بن العاص کا نام بھی شامل تھا۔ میرے ایک دوست نے جو ایک بڑے مؤقر اخبار کے مدیر تھے، عمرو بن العاص والا مضمون اپنے اخبار میں شائع کرنے کے لیے لے لیا۔ جب میں نے اپنی کتاب "جبابرۂ حرب" لکھی تو اس میں بھی ایک پورا باب حضرت عمرو بن العاص کے لئے مخصوص کیا۔ تاہم ان دونوں مضامین میں جگہ کی قلت کے باعث جو کچھ میں حضرت عمرو بن العاص کے متعلق لکھنا چاہتا تھا وہ نہ لکھ سکا۔ اسی وقت سے میں نے آپ کے متعلق ایک مستقل اور مفصل کتاب لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت عمرو بن العاص کا شمار ان عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے عرب اور اسلام کی بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ اپنی گوناں گوں صفات کے لحاظ سے اپنی قوم میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ سیاست، حکمت، عقل و دانش اور قیادت میں ان کا جواب نہ تھا۔ میدان جنگ اور میدان سیاست دونوں میں انہوں نے اپنی کامل صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ زمانہ جاہلیت میں کفار قریش نے انہیں نجاشی کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ اور اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا۔ حالت کفر میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف متعدد جنگوں میں حصہ لیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے فلسطین، شام، مصر اور شمالی افریقہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ یہاں تک کہ ان کا شمار مسلمانوں کے بڑے بڑے سپہ سالاروں میں ہونے لگا۔

ایک ممتاز سیاست دان اور عظیم القدر سپہ سالار ہونے کے علاوہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حیثیت ایک مصلح، معلم، مبلغ اور حاکم کی بھی تھی۔ اور ان سب حیثیتوں میں انہوں نے جو کام سرانجام دیئے وہ اپنی

جگہ نمایاں اور شاندار ہیں اور اُن سے اُن کی حیرت انگیز قابلیتوں اور گوناگوں صلاحیتوں کا پتا چلتا ہے ان ہی لیاقتوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خلفاء نے انہیں بلند ترین مناصب سے نوازا اور وہ مملکت کے اعلیٰ عہدوں پہ فائز رہے۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی شخصیت ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے اختلافات کے موقع پر انہوں نے جو سیاست اختیار کی اس کے باعث مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے اور ان کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا ہر فریق انہیں اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اور بھی ضروری ہے کہ ان کی شخصیت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ اس غرض کے لیئے میں نے کثیر مواد اکٹھا کیا اور اسے بار بار پڑھا تاکہ میں کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکوں۔

میں نے اپنی کتاب میں حضرت عمرو بن العاص کی زندگی کے ایک ایسے پہلو پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے جسے دوسرے مؤلفین نے قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ اور وہ ہے ان کی زندگی کا عسکری پہلو، حالانکہ ایک عظیم الشان قائد کی سوانح حیات بیان کرتے وقت اس اہم پہلو کو قطعاً نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ میں نے اس پہلو پر اس لئے بھی خصوصیت سے زور دیا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی جنگیں اصول و قواعد کے لحاظ سے آج کل کی جنگوں سے کسی طرح مختلف نہیں تھیں۔ آج کل کی فوجی اکیڈمیوں میں بڑے بڑے کمیشن یافتہ افسروں کو جن فنون کی تعلیم دی جاتی ہے ان فنون سے عمروؓ بن العاص پورے طور پر واقف تھے حالانکہ انہوں نے کسی جنگی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ بنابریں اس کتاب کو پڑھ کر قارئین کو معلوم ہو سکے گا کہ حضرت عمرو بن العاص فوجوں کی قیادت، جنگی تیاری اور میدان جنگ میں دشمن سے مقابلہ میں آج کل کے جنگی سپہ سالاروں سے کسی طرح کم نہ تھے اور ان کی زندگی کے حربی پہلو پر بحث نہ کر کے مؤرخین نے ان کے ساتھ بڑی ناانصافی سے کام لیا ہے۔ اس بیان سے میری اس محنت کا اندازہ بھی ہو سکے گا جو اس عظیم الشان سپہ سالار کے شایان شان سوانح حیات بیان کرنے میں میں نے اٹھائی ہے۔

اس ضمن میں میں عالی مرتبت جناب احمد نجیب ہاشم وزیر تربیت و تعلیم متحدہ عرب جمہوریہ اور جناب استاذ احمد الشرباصی صدر جمعیت شبان المسلمین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی بے انتہا مصروفیتوں کے باوجود اس کتاب پر مقدمے تحریر فرمائے اور اس طرح اپنی علم پروری کا ثبوت دیا۔

آخر میں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری غلطیوں کو دور فرمائے اور کارزار حیات میں اپنے فرائض بحسن و خوبی سرانجام دینے کے لئے ہمیں عزم اور توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ہم اپنے اسلاف کے صحیح جانشین ثابت ہو سکیں۔

محمد فرج

باب اوّل

عمرو بن العاص

حالت کفر سے قبول اسلام تک

(۱) دورِ جاہلیّت اور حالتِ کفر
- قبیلہ و خاندان
- ولادت، عہدِ شباب، شغل تجارت اور سیر و سیاحت
- عمرو بن العاص اور اسلام

(۲) زمانۂ اسلام
- عرب اور اسلام
- عمرو بن العاص حبشہ میں
- عمرو بن العاص کا قبول اسلام
- سواع بت کا انہدام
- عمرو بن العاص مملکت عمان میں

(۱)

زمانۂ جاہلیت اور حالتِ کفر

"اے بادشاہِ ذی جاہ! ان مسلمانوں نے ایک
بالکل نیا مذہب اختیار کیا ہے جو ہمارے اور
آپ کے دینوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس نئے
طریقہ کی بنیاد (نعوذ باللہ) ایک کذاب شخص نے
رکھی ہے جو افسوس ہے کہ ہماری ہی قوم کا ایک فرد
ہے۔ وہ برملا اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے مگر
صرف چند بے وقوف لوگوں کے سوا ہم میں سے
کسی نے بھی اس کی پیروی نہیں کی......"
(شہنشاہ حبش نجاشی سے عمرو بن العاص کی گفتگو)

قبیلہ و خاندان | حضرت عمروؓ بن العاص کے حالات شروع کرنے سے پہلے ان کے قبیلہ اور خاندان کا مختصر سا حال بیان کرنا ضروری ہے۔

جس قبیلے، خاندان اور ماحول میں کوئی شخص پرورش پاتا ہے اس کا اثر اس کے اعمال و افکار اور اخلاق و عادات پر ضرور پڑتا ہے۔ لہٰذا کسی نامور شخص کے سوانحی حالات اور کارناموں پر نظر ڈالنے سے قبل اس کے ماحول کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔

حضرت عمروؓ بن العاص مکہ کے مشہور قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو سہم[1] سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش کا یہ قبیلہ متعدد خاندانوں پر مشتمل تھا جن میں قلت و کثرت، طاقت و قوت اور شرف و عزت کے لحاظ سے کافی تفاوت پایا جاتا تھا۔ قریش کے جو خاندان جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں شرف و عزت کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے وہ دس تھے (۱) بنو ہاشم (۲) بنو امیہ (۳) بنو نوفل (۴) بنو عبدالدار (۵) بنو اسد (۶) بنو تیم (۷) بنو مخزوم (۸) بنو عدی (۹) بنو جمح (۱۰) بنو سہم

بنو سہم کو جہاں ایک طرف تعداد کی کثرت اور دولت و ثروت کی فراوانی کے لحاظ سے قریش میں امتیاز حاصل تھا وہاں دوسری جانب سیاسی لحاظ سے بھی وہ مکہ میں ایک بلند ترین حیثیت کے مالک اور شہر کے نظم و نسق[2] میں دوسرے معزز قبائل کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ خانہ کعبہ میں بتوں پر جو نذرانے چڑھاوے چڑھتے تھے وہ بھی سب کے سب بنو سہم کے پاس جمع ہوتے تھے[3]۔

ان ذمہ داریوں کے باعث بنو سہم بعض مخصوص صفات سے بہرہ ور تھے۔ مثلاً جو کام وہ

---

[1] سلسلہ نسب یہ ہے:- بنو سہم بن عمرو بن العاص بن کعب بن لوئی بن غالب بن قریش

[2] عہد جاہلیت میں شہری نظم و نسق کی متعین کیفیت کا تو ہمیں علم نہیں البتہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اہل عرب اجتماعی نظم و نسق سے تعلق رکھنے والے اہم امور بڑے بڑے قبائل میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ بنو سہم کے سپرد قضا کا کام تھا، اہل مکہ کے مابین یا اہل مکہ اور باہر سے آنے والوں کے درمیان جو تنازعات اور متنازعہ فیہ معاملات پیدا ہوتے رہتے تھے وہ تصفیہ کے لیے بنو سہم کے پاس آتے تھے۔

[3] اہل عرب بتوں اور معبدوں پر جو چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ ان کی حیثیت آج کل کے اوقاف کی سی تھی۔ بنو سہم ان اوقاف اور اموال کے نگران تھے۔

اپنے ہاتھ میں لیتے تھے اسے پورے غور و فکر اور پوری احتیاط کے ساتھ سرانجام دیتے تھے۔ تنازعات کے تصفیہ کے وقت انہیں معاملہ فہمی کو کام میں لانا اور نازک معاملات کو سلجھاتے وقت انہیں مختلف طریقوں سے کام لے کر لوگوں کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح ان میں عقلمندی، سیاست حلم اور عدل و انصاف کی صفات پیدا ہو گئی تھیں۔ سخاوت اور مہمان نوازی میں وہ لوگ پیش پیش تھے ادب اور شعر سے بھی انہیں کافی لگاؤ تھا۔ غرض گوناگوں صفات کے باعث بنو سہم کا قبیلہ تمام عرب میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا اور اسے عزت و شرف کا وہ بلند مقام حاصل تھا جو بہت کم قبائل کو میسر تھا۔

یوں تو اس قبیلے کے بیشتر لوگ اعلیٰ صفات سے متصف تھے۔ لیکن اس کے چند افراد کو خصوصیت سے نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ قیس بن عدی کا نام عزت و شرف میں ضرب المثل تھا۔ چنانچہ کہا جاتا تھا کانہ فی العز قیس بن عدی یعنی فلاں شخص عزت و شرف میں قیس بن عدی کی مانند ہے۔ حارث بن سعید بن سہم مہمان نوازی اور سخاوت میں مشہور تھا اور عبداللہ بن زبعری بن قیس بن عدی کا شمار قریش کے بلند پایہ شعراء میں ہوتا تھا۔ فتح مکہ سے قبل اس نے مسلمانوں کی سخت ہجوئیں کہی تھیں[1]

سلسلہ نسب زبیدی نے قاموس کی شرح میں حضرت عمروؓ بن العاص کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ عمرو بن العاص بن وائل بن ہشام بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی بن غالب

والد عاص بن وائل ان کے باپ عاص بن وائل کو زمانۂ جاہلیت میں بڑی عزت و شہرت حاصل تھی۔ اس کا شمار عرب جاہلیت کے بڑے بڑے سرداروں اور اعیان و اشراف میں ہوتا تھا۔ وہ بنی سہم کا سب سے بڑا شخص اور حرب الفجار الثانی میں فوج کا سپہ سالار تھا[2]

صاحب قاموس نے اسے قریش کے حکام میں شمار کیا ہے۔

میدانی نے بھی اپنی کتاب مجمع الامثال میں لکھا ہے کہ عاص بن وائل قریش کے حکام میں سے تھا۔

ابن کلبی نے اس کے متعلق لکھا ہے "عاص قریش کے حکام میں سے تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو اس وقت پناہ دی تھی جب آپ اسلام لائے تھے"۔ زبیر بن بکار نے اس ذیل میں ایک لمبا قصہ بیان کر کے لکھا ہے جب حضرت عمرؓ اسلام لائے اور مشرکین قریش نے حسب معمول آپ کو بھی اذیتیں اور تکلیفیں دینی شروع کیں تو اس وقت عاص آڑے آیا اور اس نے مشرکین کو آپ پر ظلم و ستم کرنے سے روکا

---

[1] العبقریۃ العسکریۃ فی غزوات الرسول۔ باب ثانی ص۴۲

[2] 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۴۲

اس نے ان سے کہا:۔
"ایک آدمی نے اپنی مرضی سے اپنے لئے ایک راستہ اختیار کر لیا ہے تم کیوں اس میں مخل ہوتے ہو؟
چنانچہ عاص کے سمجھانے پر مشرکین نے حضرت توثو کو ستانا چھوڑ دیا۔"
عاص کا شمار مکہ کے بڑے بڑے رؤسا میں ہوتا تھا۔ وہ ایک مشہور تاجر تھا اور اس کے کارندے یمن سے چمڑا اور حبشہ سے خوشبویات لے کر شام جاتے تھے اور شام سے کشمش اور انجیر لا کر یمن اور حبشہ میں فروخت کرتے تھے۔
عاص کی زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا لیکن وہ نہ صرف یہ کہ آپ پر ایمان نہ لایا بلکہ آپ کی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل ہو گیا۔ وہ اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو اس کی زبان درازیوں اور ایذاؤں سے بے حد تکلیف پہنچی تھی۔
ہجرت نبوی کے ایک ماہ[1] بعد پچاسی برس کی عمر میں بحالت کفر اس کا انتقال ہو گیا[2]۔ اس کی مخالفت اور ایذا رسانی میں آخر وقت تک کمی نہ آئی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں قاسم اور عبداللہ کے فوت ہونے[3] پر عاص نے کہا تھا ان محمداً ابتر (یعنی محمد کا نام لیوا کوئی باقی نہیں رہا[4])۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ (یعنی اے محمد! تیرے دشمن ہی کا نام لیوا کوئی باقی نہیں رہے گا[5])

---

[1] زبیر بن بکار کی روایت کے بموجب اس کی موت ہجرت سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔
[2] کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹
[3] ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عاص بن وائل نے یہ فقرہ قاسم کے مرنے پر کہا تھا لیکن ابن اسحاق کے بیان کے بموجب عاص کی زبان سے یہ فقرہ اس وقت نکلا تھا جب قاسم کے مرنے کے بعد عبداللہ بھی فوت ہو گئے۔ اکثر مورخین نے ابن اسحاق ہی کی بیان کردہ روایت کو اختیار کیا ہے۔ ہم بھی ابن اسحاق ہی کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔
[4] ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ساتھی ابتر رہ گئے"
[5] یہ آیت سورہ کوثر کی ہے۔ شانئک کے معنی تجھ سے بغض و عداوت رکھنے والے اور نفرت کرنے والے کے ہیں۔ اور ابتر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا اثر و نفوذ باقی نہ رہے اور نہ اس کے مرنے کے بعد لوگ اچھے نام سے اسے یاد کریں اور اس طرح اس کا ذکر بالکل محو ہو جائے۔ گویا آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اے ہمارے رسول جو لوگ تجھ سے نفرت کرتے ہیں عنقریب لوگوں کے دلوں سے ان کی یاد تک محو ہو جائے گی اور ان کا سارا اثر ختم ہو جائے گا۔

حضرت عمرو بن العاص کو اپنے باپ پر بہت ناز تھا، حتیٰ کہ وہ حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر خلفاء کے مقابل پر بھی اپنے باپ پر فخر کا اظہار کرنے سے نہ ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ جس زمانے میں حضرت عمروؓ بن العاص مصر کے گورنر تھے تو حضرت عمرؓ نے چند رپورٹوں کی بنا پر ایک شخص کو اس غرض کے لیے مقرر کیا کہ وہ عمروؓ بن العاص کے پاس جا کر اموال خراج کی حساب فہمی کرے اور حساب کرنے کے بعد ان کے پاس جس قدر زائد مال نکلے اسے ان سے لے کر بیت المال میں داخل کر دے۔ جب حضرت عمرؓ کا ایلچی حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس پہنچا اور خلیفہ کے حکم سے اُسے آگاہ کیا تو انہیں طیش آگیا اور اسی حالت غضب میں پیغام بر سے کہنے لگے :۔

قبح الله زمانا عمرو بن العاص لعمر بن الخطاب فيه عامل والله انى لا عرف الخطاب يحمل فوق رأسه حزمة من الحطب وعلى ابنه مثلها وما منهما الا فى نمرة لا تبلغ رسغيه والله ما كان العاص بن وائل يرضى ان يلبس الديباج مزورا بالذهب ...... یعنی

"عمرو بن العاص کے لیے یہ بدترین زمانہ ہے جبکہ عمرؓ بن خطاب اُس کے حاکم ہیں۔ خدا کی قسم! مجھے خوب یاد ہے کہ خطاب اور اس کے بیٹے اپنے سر پر ایندھن کے گٹھے اٹھا کر مکہ میں لایا کرتے تھے جبکہ میرا باپ سونے کے بٹن لگے ہوئے دیباج کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا[1] ...."

جب حضرت عثمانؓ نے انہیں مصر کی ولایت سے معزول کیا اور وہ مدینہ آئے تو حضرت امیر المومنین نے انہیں اپنے حضور میں بلایا اور فرمایا:۔

"میں نے تمہیں بعض کوتاہیوں اور لوگوں کی شکایات کے باعث معزول کیا ہے۔"

حضرت عمروؓ بن العاص یہ سن کر بولے :۔

"میں حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مصر کا حاکم تھا۔ اور وہ آخر وقت تک مجھ سے خوش رہے۔"

اس پر دونوں میں کچھ تکرار ہونے لگی اور بالآخر حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ کہہ کر باہر آنے کا ارادہ کیا:۔

---

[1] بعض روایات میں آتا ہے کہ عمرو بن العاص نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی لیکن پھر انہیں اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اس طرح لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عمرؓ کے ایلچی کو قسم دلا کر اس سے یہ درخواست کی کہ وہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔

"میں نے اپنے باپ عاص بن وائل اور تمہارے باپ عفان دونوں کو دیکھا ہے۔ خدا کی قسم عاص عفان سے بہتر تھا۔"

حضرت عثمانؓ نے اس کا صرف یہ جواب دیا۔ مالنا ولذکر الجاهلية یعنی ہمیں جاہلیت کی باتوں کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

عاص کے دو لڑکے تھے۔ عمرو اور ہشام[1]۔ عمرو بن العاص اپنے بھائی ہشام سے بڑے تھے۔

عاص بن وائل کی زندگی میں ایک مرتبہ ایسا واقعہ[2] ظہور پذیر ہوا جسے تاریخ عرب میں زبردست شہرت حاصل ہوئی۔ اس واقعہ کا تعلق چونکہ عاص سے تھا۔ اس لئے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ عاص نے یمن کے قبیلہ بنو زبید کے ایک شخص سے جو عمرہ کی غرض سے مکہ آیا تھا کچھ سامان خریدا لیکن قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ آخر جب قیمت وصول ہونے کی تمام تدابیر ناکام رہیں اور یمنی کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو وہ ایسے وقت جبل ابو قبیس پر چڑھا جبکہ قریش مجلس لگا کر صحن کعبہ میں بیٹھے تھے اور باآواز بلند ان اشعار میں اپنی مظلومیت کا اعلان کرنے لگا۔

"اے لوگو! تم اس مظلوم شخص کی مدد کے لیے کیوں آگے نہیں بڑھتے جو اپنے وطن اور قبیلے سے کوسوں دور پڑا ہے اور جس پر تمہارے ہی قبیلے کے ایک فرد نے ظلم کیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ اہل مکہ حرم میں رہنے کے باعث ہر قسم کی بازپرس سے آزاد ہیں۔ لیکن حرم کے اندر اگر مجھ جیسے کسی اجنبی شخص پر ظلم و ستم ڈھایا جائے اور اسے دھوکا دیا جائے تو اس کے حال زار پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور اس کے مال اور عزت کی حرمت کو علی الاعلان توڑا جاتا ہے۔"

یہ اشعار سن کر جب لوگوں نے اس شخص کو بلایا اور اس سے اس کی مظلومیت کی داستان سنی تو انہیں اس بات پر بے حد غصہ آیا کہ ایک سربرآوردہ شخص نے خانہ کعبہ کی زیارت کی خاطر آنے والے شخص پر زیادتی کی ہے۔ چنانچہ قریش کے تمام قبائل۔ ماسوا بنو سہم۔ مکہ کے ایک نہایت معزز فرد عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور وہاں یہ عہد کیا کہ اگر وہ کسی مظلوم شخص کو بے کسی

---

[1] ہشام اپنے بھائی عمرو سے بہت پہلے مکہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور اولین مہاجرین میں سے تھے انہوں نے جنگ یرموک میں شہادت پائی۔

[2] اس واقعہ کو زبیر بن بکار نے بیان کیا ہے۔

کی حالت میں دیکھیں گے تو بے یار و مددگار نہ چھوڑیں گے بلکہ اس کے ساتھ مل کر ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لیں گے۔ یہ عہد کرنے کے بعد وہ ابن جدعان کے گھر سے نکل کر کعبہ میں آئے تاکہ اپنے بتوں کو بھی وہ اس معاہدہ کا گواہ بنالیں۔ یہ معاہدہ "تاریخ میں "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور آپ کو اس کا اس درجہ پاس تھا کہ نبوت ملنے کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ اگر اس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو بھی میں انہیں قبول نہ کروں۔[1]

اس معاہدے سے عمرو بن العاص کو (جو اس وقت چودہ برس کے تھے) بے حد صدمہ ہوا کیونکہ ان کے خیال میں دراصل یہ معاہدہ بنو سہم کو زک پہنچانے اور ان کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے عمل میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے بارے میں ان کے اور ابن جدعان کے درمیان طویل گفتگو بھی ہوئی جو ہم کتاب "عمرو بن العاص۔ فاتح مصر" مؤلفہ استاذ عبدالسلام القشری سے لے کر یہاں درج کرتے ہیں:

ابن جدعان: عمرو بن العاص! کیا تم نے بھی اس زبیدی کی آواز سنی تھی جس نے جبل ابو قبیس کی چوٹی پر چڑھ کر بلند آواز سے لوگوں کو اپنی مظلومیت کی دردناک داستان سنائی تھی؟ ہم نے خاص تمہارے باپ کے ساتھ برائی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا بلکہ ہم نے ظالموں کے خلاف معاہدہ کیا ہے۔

عمرو بن العاص: لیکن تم عاص سے کچھ پوچھے بغیر زبیدی کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔ یہ کیوں؟

ابن جدعان: عمرو بن العاص! کس شخص میں یہ جرأت ہے کہ تمہارے باپ سے کوئی جواب طلبی کر سکے؟ اس کا تو یہ خیال ہے کہ دنیا صرف اس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ صرف اسی کی بات سنی جائے اور کسی شخص کو حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی رائے کی مخالفت کرے

عمرو بن العاص: ابن جدعان! اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ میرے والد کی رائے درست بھی ثابت ہوتی ہے۔

ابن جدعان: عمرو بن العاص! ہمیں تمہارے والد کی ذکاوت و فطانت سے انکار نہیں ہے لیکن ظلم کرنے سے نہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ اسے۔ وہ بہت بڑا تاجر ہے۔ اور تاجر کو سب سے بڑھ کر امانت اور سچائی کا حامل ہونا چاہیئے۔ اسے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ انہیں اپنے سے نفرت دلائی جائے۔ صرف تمہارے باپ ہی پر منحصر نہیں۔ ہم

---

[1] کتاب العبقریۃ العسکریہ فی غزوات الرسول۔ باب اول صفحہ ۴۵

بھی تاجر آدمی ہیں اور سامان تجارت لے کر مختلف علاقوں اور ملکوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ بات منظور ہے کہ زبید یا کوئی اور قبیلہ قریش کے تجارتی قافلوں سے اس بے انصافی کا انتقام لے؟ کیا تم یہ بات چاہتے ہو کہ عرب حج کے ارکان اور زیارت بیت اللہ سے رک جائیں؟ عمرو بن العاص! تمہارا باپ یقیناً ظالم تھا اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

عمروؓ بن العاص: سب کچھ سہی۔ مگر قریش کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ حقیقت حال سے واقف ہونے سے پہلے میرے والد کے خلاف محاذ قائم کرتے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ عاص ظالم تھا تب بھی ہمیں اس سے نرمی کا سلوک کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ بسا اوقات نرمی سے وہ مشکلات حل ہو جاتی ہیں جو نیزوں اور تلواروں سے حل نہیں ہو سکتیں۔ تم نے یہ معاہدہ کر کے بنو سہم کو ذلیل کرنا چاہا ہے اور یہ چیز کبھی برداشت نہیں کی جائے گی۔

والدہ (سلمیٰ بنت حرملہ) حضرت عمروؓ بن العاص کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت حرملہ تھا اور وہ ایک قحطانی قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنو عنزہ[1] سے تعلق رکھتی تھی۔ ڈاکوؤں نے قبیلہ پر حملہ کیا اور اسے قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے اور سوق عکاظ میں فاکہ بن مغیرہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ فاکہ سے اسے عبداللہ بن جدعان[2] نے خرید لیا اور عاص بن وائل کو ہدیتہً دے دیا۔

سیرۃ حلبیہ میں مذکور ہے کہ سلمیٰ سے چار اشخاص ہم بستر رہے ہیں (۱) عاص بن وائل (۲) ابولہب (۳) امیہ بن خلف اور (۴) ابوسفیان بن حرب۔

جب عمرو بن العاص پیدا ہوئے تو سلمیٰ ان کے باپ عاص کے پاس تھی۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میں نے عاص کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ میری بیٹیوں پر بہت کچھ خرچ کرتا ہے

---

[1] اس قبیلے کا شجرہ نسب یہ ہے:-
بنو عذرہ بن سعد بن ہذیم بن زید بن لیث بن سود بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ ۔۔۔۔۔ بنو عذرہ کی رہائش مدینہ سے دس یوم کے فاصلہ پر تھی۔

[2] بعض قبائل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ کئی کئی مرد ایک عورت سے ہم بستری کرتے تھے اور وہ عورت ان سب کی بیوی کہلاتی تھی۔ حضرت عائشہؓ بھی عہد جاہلیت کے نکاحوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں "بعض اوقات کئی آدمی جن کی تعداد دس سے کم ہوتی تھی ایک ہی عورت سے ہم بستری کرتے تھے۔ جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی تھی تو وہ عورت ان سب کو بلا بھیجتی تھی اور کہتی تھی تمہیں معلوم ہے کہ مجھے حمل ٹھہر گیا ہے۔ میرے بطن سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ تم میں سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عمروؓ بن العاص سلمیٰ سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہوئے بہت شرمندگی محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ سلمیٰ کا واقعہ ان کے مخالفین کے ہاتھ میں بڑا ہتھیار تھا اور ان کے حاسد جابجا اس امر کا تذکرہ کر کے انہیں بدنام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ امارت مصر کے زمانہ میں ایک آدمی نے عین اس وقت جبکہ وہ منبر پر چڑھ کر خطبہ دے رہے تھے، ان سے یہ سوال پوچھ لیا کہ اے امیر آپ کی والدہ کون تھیں۔ انہوں نے جواب دیا:-

"میری والدہ نابغہ بنت عبداللہ تھیں۔ ایک مرتبہ قبیلے پر بعض بدوؤں نے ڈاکہ ڈالا اور انہیں پکڑ کر لے گئے۔ سوق عکاظ میں انہیں عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا۔ انہوں نے انہیں میرے والد عاص بن وائل کو دے دیا اور ان سے اولاد ہوئی۔

مبرد نے اپنی کتاب کامل میں لکھا ہے[1]:-

"ایک مرتبہ حضرت عمروؓ بن العاص سے ان کی والدہ کے متعلق سوال کیا گیا لیکن وہ ٹال گئے۔ بعد میں جب وہ مصر کے گورنر ہو گئے تو وہی شخص ان کے پاس آیا اور دوبارہ یہی سوال کیا کہ میں امیر کی والدہ کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا۔

"وہ قبیلہ عنزہ[2] سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نام سیلیٰ تھا اور لقب نابغہ۔"

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے:-

"ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت عمروؓ بن العاص سے پوچھا کہ آپ افضل ہیں یا آپ کے (سوتیلے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱) فلاں کا لڑکا ہو گا۔ بالعموم وہ اس شخص کو بچہ کا باپ ٹھہراتی تھی جو اسے سب سے زیادہ پسند ہوتا تھا اور وہ شخص بچے کا باپ ہونے سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ (بخاری جزو ۸ صفحہ ۱۵۳ باب من قال لانکاح الا بولی" کتاب بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب جلد ۲ صفحہ ۴ میں بھی حضرت عائشہ کے اس بیان کی تائید کی گئی ہے۔

[1] الکامل فی اللغۃ والادب صفحہ ۲۲۴

[2] حضرت عمرو بن العاص کا یہ قول کہ ان کی والدہ بنو عنزہ سے تعلق رکھتی تھیں اس روایت کے مخالف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ بنو عنزہ میں سے تھیں۔ قبیلہ عنزہ قبیلہ اسد بن ربیعہ کی ایک شاخ تھا اور وہ عراق میں انبار سے تین منزل کے فاصلے پر عین التمر میں آباد تھا۔

بھائی ہشام؛ انہوں نے جواب دیا۔

"ہشام کو مجھ پر چار باتوں میں فضیلت حاصل ہے (۱) اُن کی والدہ ہشام بن مغیرہ کی لڑکی تھیں[1] اور میری والدہ عنزیہ (۲) وہ میرے والد کو میری نسبت زیادہ محبوب تھے (۳) انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کیا (۴) انہیں شہادت کا شرف حاصل ہوا اور میں اس سعادت سے محروم رہا[2]

ان کی والدہ کے متعلق بعض کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ مکہ کی ایک پیشہ ور مغنیہ تھیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کی مجلس میں حضرت عمروؓ بن العاص نے اَروی بنت حارث بن عبدالمطلب کے متعلق کچھ ناروا باتیں کیں اس پر اروی سے نہ رہا گیا اور وہ بولیں:۔

"اے ابن نابغہ! تم میرے سامنے بولنے کی جرأت کرتے ہو حالانکہ تمہاری والدہ مکہ کی مشہور پیشہ ور مغنیہ تھی۔ اپنی حد کے اندر رہو اور اپنی اوقات پہچانو۔ حسب ونسب کے لحاظ سے قریش میں تمہارا کوئی مقام نہیں۔ قریش کے پانچ آدمی تمہارے باپ ہونے کے دعویدار تھے ہر شخص یہ کہتا تھا کہ میں تمہارا باپ ہوں۔ آخر کار جب تمہاری والدہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا یہ پانچوں میرے ساتھ ہم بستر ہوئے تھے اس لئے اس معاملہ کا فیصلہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ لڑکا شکل وصورت میں ان پانچوں میں سے جس کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو اسی کو اس کا باپ قرار دیا جائے۔ چونکہ عاص بن وائل کے ساتھ تمہاری شبیہ کسی حد تک ملتی تھی۔ اس لئے تمہارا نسب اس کے ساتھ ملا دیا گیا۔"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی والدہ کی جانب کتابوں میں جو کچھ منسوب کیا گیا ہے اور غلامی کے نتیجے میں اسے جن ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا اس میں اسے کوئی دخل نہ تھا۔ اس زمانہ میں لڑائیوں اور ڈاکوں کے دوران میں جو عورتیں اور مرد قیدی بنائے جاتے تھے ان کی حیثیت لونڈی غلاموں کی

---

[1] ہشام بن عاص کی والدہ ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھی۔ وہ قریش کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور حضرت عمروؓ بن العاص کی والدہ کی طرح لونڈی نہ تھی۔ وہ اپنے خاوند کی بے حد چہیتی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے بیٹے کا نام اپنے والد کے نام پر ہشام رکھ دیا جو قبائل عرب میں ایک نرالی بات تھی۔ لیکن عاص نے اس محبت کی وجہ سے جو اسے اپنی بیوی سے تھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

[2] کتاب المعارف صفحہ ۹۶

ہوتی تھی۔ بعض اوقات بڑے بڑے معزز خاندان کی عورتیں محاربین کے ہاتھوں پڑ جاتی تھیں اور وہ انہیں لونڈی بنا کر بیچ ڈالتے تھے۔ ان کے مالک ان سے جس قسم کا سلوک چاہتے تھے کرتے تھے۔ وہ مظلوم عورتیں بالکل بے بس ہوتی تھیں اور کچھ نہ کر سکتی تھیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص کی والدہ بھی قیدی بن کر آئی تھی اور دوسری لونڈیوں کی طرح وہ بھی بے بس تھی۔ اس لیے اس کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا۔ اس میں اس کی کوئی خطا نہ تھی۔ وہ اپنی مرضی سے پانچ مردوں کے ساتھ ہم بستر نہ ہوئی تھی۔ بلکہ اسے ایسا کرنے کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس پر کسی قسم کا الزام قائم نہیں کیا جا سکتا۔

ولادت | مورخین میں حضرت عمرو بن العاص کے زمانہ ولادت کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

ابن حجر[1] نے لکھا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص حضرت عمرؓ بن خطاب (فاروق اعظم) سے سات سال بڑے تھے۔ اور آپ کی وفات حضرت عمرؓ کی وفات کے بیس برس بعد ہوئی۔

ابن خلکان[2] نے لکھا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی عمر نوے برس کی ہوئی۔

ابن قتیبہ[3] نے لکھا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص سنہ ۴۳ھ[4] میں ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی تھی۔ اس لحاظ سے آپ کا سن ولادت ۵۸۲ء (۴۰ قبل ہجرت) بنتا ہے۔ چونکہ حضرت عمروؓ بن العاص حضرت عمر بن خطاب سے سات سال بڑے تھے اس لئے ان کا سن ولادت ۵۷۵ء (۴۷ قبل ہجرت) ماننا پڑے گا۔

عجلی[5] بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے ننانوے برس کی عمر پائی۔ ابوالمحاسن[6] نے بھی ان کی عمر ننانوے ہی سال لکھی ہے۔ نووی نے ان کی عمر ستر برس بتائی ہے۔

---

[1] کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد ۵ صفحہ ۳

[2] واقدی اور ابن حجر نے بھی اسی روایت کی تائید کی ہے۔

[3] کتاب المعارف صفحہ ۹

[4] بعض روایات میں ہے کہ ان کا انتقال سنہ ۴۲ھ میں ہوا اور بعض روایات میں ان کا سن وفات سنہ ۵۱ھ بتایا گیا ہے

[5] کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد ۵

[6] کتاب النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ

الفرڈ بٹلر نے اپنی کتاب The Arab conquest of Egypt (عربوں کی فتح مصر) میں نودی کے قول کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ "اگر عمرؓو بن العاص کی عمر نوے برس مانی جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مصر پر چڑھائی کے وقت وہ چھیاسٹھ سال کے تھے۔ حالانکہ اس عمر میں بالعموم انسانی قویٰ انحطاط پذیر ہو جاتے ہیں اور جنگوں کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرنے کے قطعاً ناقابل ہوتے ہیں"۔ لیکن بٹلر کی یہ ترجیح درست نہیں کیونکہ جنگوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے کئی ایسے مشہور سپہ سالاروں کا حال معلوم ہوگا جنہوں نے ساٹھ سال سے بھی زیادہ کی عمر میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے دھڑلے میدان جنگ میں کود کر دشمنوں سے مقابلہ کیا اور پیرانہ سالی کے باوجود بڑے بڑے نازک موقعوں پر عظیم الشان لشکروں کی قیادت کی۔

مندرجہ بالا تمام روایات پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت عمرؓو بن العاص نے نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

عہد شباب حضرت عمرؓو بن العاص نے عرب کے ایک بڑے گھرانے میں پرورش پائی اور جوانی کا زمانہ مکہ کے شرفاء کے لڑکوں کے ساتھ گزارا۔ اگرچہ اس عہد میں بچوں کو تعلیم دینے کا رواج نہ تھا لیکن حضرت عمرؓو بن العاص نے باقاعدہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ اور اس میں کافی مہارت حاصل کی۔ ان کی طبیعت شعر گوئی کی طرف بھی مائل تھی۔ ان سے بہت سے عمدہ اشعار مروی ہیں انہوں نے شعر و شاعری کا مشغلہ محض دل بہلانے اور عقل کو صیقل کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ دوسرے شاعروں کی طرح مدح و ذم اور قصائد و ہجویات کے ذریعہ پیسہ کمانا یا حریف کو بدنام کرنا ان کا مقصد نہ تھا۔

امیر معاویہؓ نے ایک بار ان سے عبداللہ بن ہاشم بن عتبہ بن مالک بن ابی وقاص کے بارے میں مشورہ کیا۔ عبداللہ کے باپ ہاشم جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت علیؓ کی حمایت میں امیر معاویہؓ سے لڑ چکے تھے۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے مشورہ دیا کہ عبداللہ کو قتل کر دیا جائے لیکن امیر معاویہؓ نے درگزر سے کام لیا۔ اس پر حضرت عمرؓو بن العاص نے ناراض ہو کر چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے

"میں نے آپ کو درست مشورہ دیا لیکن آپ نے میرے مشورے کو ٹھکرا دیا۔ حالانکہ آپ چاہتے تو بہت آسانی سے ابن ہاشم کو قتل کر سکتے تھے۔ اے معاویہ! کیا اس کا باپ وہی نہیں جس نے اس روز ہمارے دشمنوں کی مدد کی جب بڑے بڑے سردار موت کے گھاٹ اتارے جا رہے تھے۔ وہ صفین میں ہم سے بے جگری سے لڑا جہاں ہمارے لہو سے میدان جنگ ایک جھیل کی شکل میں تبدیل ہو گیا تھا یہ اسی شخص کا بیٹا ہے اور قطعی اپنے باپ سے مشابہ۔ یقیناً آپ کو اس کے معاملہ میں ایک دن عفو و ترحم

کے بدلے ندامت سے دوچار ہونا پڑے گا۔" [1]

فصاحت و بلاغت اور کلمات حکمت آمیز | فصاحت و بلاغت میں بھی حضرت عمرؓو بن العاص کا پایہ بلند تھا۔ ادبیات عرب میں ان کے متعدد بلند پایہ اقوال اور علم و حکمت سے پُر چٹکلے منقول ہیں۔

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے امیر معاویہؓ سے کہا۔

"نیک شخص اس وقت حملہ کرتا ہے جب وہ بھوکا ہوتا ہے اور کمینہ اس وقت حملہ کرتا ہے۔ جب اس کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے نیک آدمی کی بھوک دور کرو اور کمینے کو قابو میں رکھو۔"

ہشام کلبی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓو بن العاص سے پوچھا کہ سب سے زیادہ بلیغ شخص کون ہے۔ آپ نے جواب دیا جس کی رائے اس کی خواہشات نفسانی کے اُلٹ ہو۔" انہوں نے پھر پوچھا سب سے زیادہ سخی کون ہے ؟"

آپ نے جواب دیا جو شخص اپنی دنیا اپنے دین کی بہتری میں خرچ کرے۔" انہوں نے تیسری بار پوچھا سب سے زیادہ شجاع کون ہے ؟" آپ نے جواب دیا "جو شخص اپنے حلم سے جہالت پر غالب آجائے۔"

مبرد نے اپنی کتاب کامل میں لکھا ہے :۔

"ایک مرتبہ حضرت عمرؓو بن العاص نے عبدالملک بن مروان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے امیر معاویہؓ سے کہا میں نے تین باتیں اختیار کر رکھی ہیں اور تین باتوں کو ترک کر رکھا ہے۔ جو باتیں اختیار کر رکھی ہیں وہ یہ ہیں (۱) میں لوگوں کے دل ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہوں (۲) ہر شخص کی بات کان دھر کر سنتا ہوں (۳) جب کسی امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جو امر زیادہ سہل ہوتا ہے اسے اختیار کرتا ہوں۔ جن باتوں کو ترک کر دیا ہے وہ یہ ہیں (۱) جھگڑے سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہوں۔ (۲) کمینے کی صحبت کبھی اختیار نہیں کرتا (۳) ہر ایسی بات سے بچتا ہوں جس کے متعلق مجھے بعد میں عذر و معذرت پیش کرنی پڑے۔ میری مثال اس شعر جیسی ہے :۔

فَقُلْتُ لَهٗ تَجَنَّبْ كُلَّ شَيْءٍ يُعَابُ عَلَيْكَ اِنَّ الْحُرَّ حُرٌّ

(میں نے اس سے کہا، تو ہر ایسی چیز سے پرہیز کر جس کی وجہ سے بعد میں تجھ پر عیب لگایا جائے یاد رکھ کہ شریف آدمی ہمیشہ وہی کام کرتا ہے جو فی الواقع شرفاء کو زیب دیتے ہیں)"

---

[1] الکامل مبرد صفحہ ۱۵۰

مصر کی امارت کے زمانے میں ایک مرتبہ وہ ایسے خچر پر سوار ہوئے جو بے حد بوڑھا ہو چکا تھا۔ لوگوں نے ان سے کہا آپ امیر ہیں۔ اس کے باوجود ایسے خچر پر سوار ہوتے ہیں" انہوں نے جواب دیا جب تک جانور میرا بوجھ اٹھا رہا ہے، جب تک بیوی مجھ سے خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آتی رہے اور جب تک دوست میرے راز کی حفاظت کرتا رہے اس وقت تک میں ان تینوں سے نہیں اکتاتا۔ اکتانا چھوٹے اخلاق میں سے ہے۔"

ایک مرتبہ فرمایا:۔

"اگر میں اپنا راز اپنے ملنے والے کے سامنے ظاہر کر دوں اور وہ اس کو ظاہر کر دے تو اسے اس کا حق ہے اور اس وقت قابل ملامت میں ہوں گا نہ کہ وہ"

لوگوں نے دریافت کیا "یہ کیونکر"

انہوں نے فرمایا:۔

"اپنے راز کی حفاظت کی ذمہ داری سب سے زیادہ مجھ پر عائد ہوتی ہے۔"

ایک مرتبہ فرمایا:۔

"عاقل وہ نہیں جو خیر و شر کی تمیز رکھتا ہو بلکہ عقلمند وہ ہے جو یہ جانتا ہو کہ دو برائیوں میں سے کونسی نسبتہً کم بری ہے"

حلیہ حضرت عمرو بن العاص کا قد چھوٹا تھا لیکن اعضاء بہت مضبوط تھے اور ان کا جسم ہر قسم کی محنت و مشقت برداشت کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ ان کی پیشانی کشادہ اور آنکھیں سیاہ اور موٹی تھیں۔ داڑھی پر سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ چہرہ بڑا شاندار تھا اور بشرے سے سرداری اور سیادت کے آثار ظاہر ہوتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر فرمایا تھا کہ ابو عبداللہ[۱] کا چہرہ تو واقعی کسی سردار کا معلوم ہوتا ہے

ان کی قوت حافظہ بڑی تیز تھی۔ عزم و ارادے کے دھنی تھے۔ نوے سال کی عمر میں بھی جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتے تھے تو اسے پورا کر کے چھوڑتے تھے[۲]

طبری نے اپنی کتاب میں النجوم الزاہرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص ہکلے تھے اور ان میں صرف یہی عیب تھا۔ لیکن خود کتاب "النجوم الزاہرہ" میں اس قسم کا کوئی عیب بیان نہیں ہوا بلکہ اس میں

---

۱ اصل کتاب میں ابن عبداللہ لکھا ہوا ہے جو صریح غلط ہے (محمد احمد)

۲ یہ اوصاف ابن قتیبہ۔ ابن خلکان اور ابو المحاسن کی کتابوں سے لے کر بیان کیے گئے ہیں۔

ہر لحاظ سے ان کی تعریف ہی کی گئی ہے ۔ چنانچہ لکھا ہے کہ عمروؓ بن العاص اپنی حاضر جوابی، جودت ذہن اور فصیح و بلیغ تقریروں کی وجہ سے مشہور تھے ۔ البتہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار کسی ہکلے شخص کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس شخص کو اور عمروؓ بن العاص کو ایک ہی فرشتے نے گھڑا ہے ۔ لیکن اس قول سے بوضاحت یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمروؓ بن العاص بھی ہکلے تھے ۔ ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ نے اس ہکلے شخص کی کسی اور صفت کی وجہ سے اسے عمروؓ بن العاص سے تشبیہ دی ہو ۔

عادات و خصائل | حضرت عمروؓ بن العاص ابتداء ہی سے سرداری اور قیادت کے خواہش مند تھے ۔ لوگوں کو امامت وہ خود کرایا کرتے تھے اور آخر وقت تک اُن کا یہی معمول رہا ۔

مال و دولت سے انہیں بے حد محبت تھی ۔ ان کے حب مال کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ان کے بڑھاپے کے زمانے میں جبکہ بالعموم اس قسم کی خواہشات دب جایا کرتی ہیں ، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا "اے عمرو بن العاص ! تمہاری کوئی خواہش ایسی بھی ہے جو ابھی تک پوری نہیں ہوئی ؟ انہوں نے جواب دیا "ہاں ! میری خواہش ہے کہ میں مال کو زمین میں بوؤں اور اس کے نتیجہ میں زمین سے جو پودا نکلے اس پودے میں درختوں کی طرح سیم و جواہر کے پھل لگے ہوئے ہوں اور میں ان سے جی بھر کر فائدہ حاصل کروں "۔

مال و دولت کی اس غیر معمولی محبت کے باعث خلفاء راشدین اُن سے ہمیشہ بدگمان رہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے تو ایک مرتبہ ان کا بہت سا مال ضبط بھی کر لیا تھا ۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کی ولایت مصر سے معزولی کا سبب بھی یہی ہوا تھا کہ امیر المومنین کو خیال تھا کہ عمروؓ بن العاص نے خراج کی کثیر رقم اپنے پاس رکھ لی ہے اور اسے بیت المال میں داخل نہیں کرایا ۔

حضرت عمروؓ بن العاص میں بڑائی اور سلف ریسپکٹ کا مادہ بے حد پایا جاتا تھا اور یہ وصف ان میں بچپن سے لے کر آخر عمر تک برقرار رہا ۔

اپنے جذبات و عواطف پر قابو پانے میں بہت کم لوگ ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے تھے ۔ عقل کے مقابلے میں وہ جذبات کی مطلق پروا نہ کرتے تھے ۔ چنانچہ ان کا اپنا ایک مقولہ بھی اس وصف کے مقابلے رخ روشنی ڈالتا ہے ۔ وہ کہتے ہیں :-

"پورا پورا طاقتور ترین شخص وہ ہے جس کی رائے اس کی خواہشات کو دور کر دے اور بہادر ترین انسان وہ ہے جو اپنے حلم سے اپنے جہل کو دور کر دے "۔

عربوں کے نزدیک عرب کے عقل مند ترین اشخاص چار تھے[1]۔ عربوں نے ان چاروں کی خصوصیات مقرر کر رکھی تھیں جو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی تھی۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے معاویہؓ غور و فکر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ عمروؓ بن العاص کو حاضر جوابی میں کمال حاصل ہے مغیرہؓ مشکل امور کو حل کرنے میں اپنی نظیر آپ ہیں اور زیاد ہر چھوٹے بڑے کام کو انتہائی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے میں یکتا ہے[2]۔

مشکلات اور مصائب کے موقع پر حضرت عمروؓ بن العاص ان کے ازالہ کے لیے فوراً کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لیتے تھے۔ ان کی زندگی میں اس کی ان گنت مثالیں موجود ہیں۔ خطرات کا زمانہ ہو یا امن و اطمینان کا، حضرت عمروؓ بن العاص کا ذہن رسا مشکل امور کو حل کرنے اور اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں برابر مصروف رہتا تھا۔ ان کے دوست احباب بھی جب کسی مشکل مسئلہ کو حل کرنے سے عاجز آجاتے تھے تو اسے حضرت عمروؓ بن العاص ہی کے سپرد کیا کرتے تھے اور وہ منٹوں میں اسے حل کر دیتے تھے۔ وہ عجیب و غریب ذکاوت و فطانت اور مضبوط عزم و ارادے کے مالک تھے۔ وہ اپنے دل میں کوئی بات چھپا کر نہ رکھتے تھے بلکہ برملا ظاہر کر دیتے تھے۔ ابن حجر عسقلانی ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی نظر میں عمروؓ بن العاص سے زیادہ کلام اللہ کا عالم اور شریف النفس انسان اور کوئی نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عمروؓ بن العاص مضبوط جسم اور زبردست عقل و خرد کے مالک تھے، مشکلات اور مصائب پر قابو پانے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ ان کا عزم و ارادہ پہاڑ کی مانند تھا۔ وہ بہت بڑے بہادر تھے۔ میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلے میں وہ جو تدبیر بھی اختیار کرتے تھے بڑے غور و فکر کے بعد اختیار کرتے تھے۔ دینی امور کی انجام دہی اور عبادات کی ادائیگی میں بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ وہ پاک دامن اور شریف النفس انسان تھے۔ اپنے قبیلے میں ان جیسا فہیم اور عاقل انسان اور

---

[1] عرب کے ان چار عقلمند ترین اصحاب کے نام یہ ہیں (۱) حضرت معاویہ بن ابی سفیان (۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ (۳) حضرت عمرو بن العاص اور زیاد بن ابیہ۔ موخر الذکر تینوں حضرت معاویہؓ کے دست و بازو اور اُن کے زبردست معاونوں میں سے تھے (محمد احمد)

[2] بعض روایات میں یہ قول خود حضرت عمروؓ بن العاص کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو انہوں نے کسی موقع پر حضرت معاویہؓ کے دربار میں کہا تھا۔

کوئی نہ تھا۔

گانے سے انہیں بہت لگاؤ تھا۔ اگر گانے کی آواز ان کے کانوں میں پڑ جاتی تھی تو اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوئے بغیر انہیں چین نہ آتا تھا۔ شعر و شاعری سے بھی انہیں بہت شغف تھا۔ ان کی شخصیت بہت پرکشش تھی اور لوگ بے اختیار ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کے نتیجے میں حضرت عمرو بن العاص ان سے بآسانی ہر قسم کا کام لے لیتے تھے۔ ان میں ایک بہادر شاعر، متقی اور پارسا انسان کی صفات مجتمع تھیں۔ ان کا ظاہر و باطن ایک جیسا تھا۔ جو بات انہیں کہنی ہوتی تھی بلا جھجک کہہ دیتے تھے۔ اور کسی شخص کی ناراضی کی مطلق پروا نہ کرتے تھے۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ بلند مقاصد رہتے تھے اور ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے وہ بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کو تیار ہو جاتے تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے نوجوانی میں شام، حبشہ اور مصر کے متعدد سفر کیے تھے۔ ان سفروں کے دوران میں انہیں مختلف اقوام سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس چیز نے انہیں بے حد فائدہ پہنچایا۔ ان کے علم میں بے حد اضافہ ہوا، ذہنی افکار کو جلا ملی۔ مختلف علاقوں کے حالات اور وہاں کے رسم و رواج سے اچھی طرح واقفیت ہو گئی۔ ذہن صیقل ہو گیا اور دماغ میں جہالت کی تاریکی کی بجائے علم کی روشنی پھیل گئی۔

شجاعت، بے خوفی، ہمت و استقلال، علم و حکمت، عقلمندی و وفاداری کی جو صفات حضرت عمروؓ بن العاص میں جمع تھیں وہ مشاہیر عالم میں سے بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہیں۔ وہ یکتائے زمانہ انسان تھے۔ اپنی قوم میں جو مرتبہ انہیں حاصل تھا اور کسی کو حاصل نہ تھا۔ سرزمین عرب کو ان پر فخر تھا۔ وہ منجملہ ان ستونوں کے تھے جن پر عرب سیاست کی عمارت قائم تھی اور اس ستون کے ٹوٹنے سے عرب سیاست کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

شغل تجارت | چونکہ عرب کی زمین بالعموم ریتلی تھی، اس لیے وہاں عام طور پر زراعت نہ ہو سکتی تھی۔ اس مجبوری کے باعث اہل عرب نے اپنے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ ان کے تجارتی قافلے جزیرۃ العرب سے حبشہ، یمن، شام اور اطراف عراق میں جایا کرتے تھے۔ اس طرح انہیں متمدن دنیا کے لوگوں سے میل جول بڑھانے اور ان کی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کرنے کا بہت اچھا موقع مل گیا تھا۔ چونکہ مکہ کا شہر یمن، شام اور حبشہ جانے والے راستوں کے درمیان واقع تھا اس لیے وہاں کے باشندوں نے اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود بھی تجارت شروع کر دی اور بہت جلد اس پیشہ میں مہارت حاصل کر لی۔ قریش کے نوجوانوں کو تجارت کی ٹریننگ اسی طرح دی جاتی تھی جس طرح جنگی

علوم و فنون اور شہسواری کی تجارت کے لیئے اہل مکہ سال میں دو بار نکلا کرتے تھے۔ سردیوں میں ان کا سفر یمن کی جانب ہوتا تھا اور اسے "رِحْلَۃَ الشِّتَاءِ" کہا جاتا تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف اور اسے "رِحْلَۃَ الصَّیْفِ" کہا جاتا تھا[1]

حضرت عمروؓ بن العاص کے باپ عاص بن وائل کا شمار بھی بنو سہم کے بڑے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ مکہ کے تجارتی قافلوں میں بیشتر سرمایہ عاص بن وائل کا لگا ہوا ہوتا تھا۔ مال تجارت لے کر کبھی تو وہ خود باہر جاتا تھا۔ اور کبھی کسی بھروسہ کے قابل شخص کے سپرد کر دیتا تھا جو اسے فروخت کر کے زر منافع اس کے حوالے کر دیتا تھا۔ قریش کے دیگر لوگوں کی طرح اس نے بھی اپنے بیٹوں کو تجارت کی ٹریننگ دینی شروع کی اور جب انہوں نے اس فن میں خوب مہارت حاصل کر لی تو دوسرے شخصوں کے سپرد مال تجارت کرنے کی بجائے اس نے اپنے بیٹوں کو قافلوں کے ساتھ بھیجنا شروع کر دیا۔ کندی نے کتاب القضاۃ والولاۃ صفحہ ، میں لکھا ہے کہ عمروؓ بن العاص عطریات کی تجارت کرتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ اکثر شام، حبشہ، یمن اور مصر جاتے رہتے تھے۔ انہوں نے ان سفروں اور غیر قوموں سے میل جول کے نتیجہ میں بہت زبردست فائدہ حاصل کیا۔ شہریت اور تہذیب و تمدن کے درس انہوں نے ان سفروں ہی میں سیکھے۔ اس طرح یہ سفر ان کے لیے بہترین مدرسے ثابت ہوئے جہاں وہ زندگی کے گوناگوں مسائل کا درس لیتے تھے اور جہاں انہیں مختلف لوگوں کے عادات و خصائل معلوم کرنے کا بہترین موقعہ ملتا رہتا تھا۔

عمرو بن العاص کے سفر سطور مندرجہ بالا میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ عمروؓ بن العاص کو تجارت کی خاطر متعدد دفعہ بیرونی ممالک کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس جگہ ہم نمونہ کے طور پر ان کے دو سفروں کا ذکر کریں گے جو انہوں نے عین عنفوان شباب میں کیئے اور جن کا شمار ان کے اہم ترین سفروں میں ہوتا ہے

۱۔ سفر حبشہ[2] نوجوانی کے ایام میں ایک مرتبہ عمروؓ بن العاص کو حبشہ کا سفر درپیش ہوا۔ ان کے ساتھ بنو مخزوم کا ایک اور نوجوان عمارہ بن ولید (جو حضرت خالدؓ بن ولید کا بھائی تھا) بھی تھا۔

---

[1] عہد جاہلیت کی تجارت پر دو بہت اچھی کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں۔ ایک حکیم شمس اللہ قادری کی "تجارت العرب قبل الاسلام" اور دوسری "عرب و ہند کے تعلقات" از مولانا سید سلیمان ندوی (محمد احمد پانی پتی)

[2] عمرو بن العاص نے حبشہ کی جانب ایک اور سفر بھی کیا تھا جس کا ذکر ہم آگے چل کر "اسلام کے بارے میں عمرو بن العاص کا موقف" کے باب میں کریں گے

عمرو بن العاص شادی شدہ تھے اور انہوں نے اپنی بیوی کو بھی سفر میں ہمراہ لے لیا تھا۔ عمارہ بہت ہی بدخلق اور بدفطرت نوجوان تھا۔ کشتی میں شراب بھی موجود تھی۔ عمارہ نے اتنی شراب پی کہ وہ بالکل مدہوش ہو گیا۔ اسی مدہوشی کی حالت میں اس نے عمرو بن العاص کی بیوی سے عشق و محبت کا اظہار کرنا اور اس کے قریب ہونا شروع کیا۔ بالآخر اس نے یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ وہ اسے بوسہ دے۔ یہ سب باتیں عمرو بن العاص کے سامنے ہو رہی تھیں لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے۔ انہوں نے اس معاملے کو عقلمندی اور ہوشیاری سے سلجھانا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کوئی حرج نہیں۔ عمارہ تمہارا چچازاد بھائی ہے۔ تم اس کا بوسہ لے لو" خاوند کے کہنے پر بیوی نے عمارہ کا بوسہ لے لیا۔ عمارہ کی عقل اور بھی ماری گئی اور اس نے خیال کیا کہ عمرو بن العاص کی بیوی ضرور اسے چاہتی ہے۔ اس پر اس نے کھلم کھلا اس کے متعلق عاشقانہ جذبات کا اظہار شروع کر دیا۔ جب اس نے عورت کی بے رخی دیکھی تو یہ سمجھا کہ وہ اپنے خاوند کے ڈر سے ایسا کر رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی راہ سے اس کانٹے کو ہٹانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ برابر تاک میں رہا اور ایک دن موقع پا کر عمرو بن العاص کو چپکے سے پانی میں دھکیل دیا۔ خوش قسمتی سے عمرو بن العاص تیرنا جانتے تھے۔ وہ تیر کر کشتی میں چڑھ آئے (بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے سمندر میں گر کر چیختا چلانا شروع کر دیا اور ملاحوں نے انہیں کھینچ کر کشتی میں چڑھا لیا) جب وہ دوبارہ کشتی میں پہنچے تو عمارہ نے اپنی بے وقوفی سے یہ فقرہ کہہ دیا "عمرو بن العاص! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم تیرنا جانتے ہو تو میں تمہیں کبھی سمندر میں دھکا نہ دیتا" اس فقرہ سے عمرو بن العاص کو عمارہ کی بدنیتی کا حال معلوم ہو گیا اور وہ اس سے انتقام لینے کے لیے کسی مناسب موقعہ کی انتظار میں رہنے لگے۔

عمارہ بے حد خوبصورت نوجوان تھا اور عورتیں ایک نظر دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتی تھیں۔ جب وہ سرزمین حبشہ میں پہنچے تو عمارہ نے اپنے حسن جہاں سوز سے نجاشی کی بیوی کو اپنے دام میں گرفتار کر لیا۔ اور وہ بلا روک ٹوک اس کے محل میں جانے لگا[1]۔ عمارہ نے یہ تمام ماجرا عمرو بن العاص سے بھی بیان کر دیا اور ایک دن ثبوت کے طور پر نجاشی کے تیل کی ایک شیشی بھی لا دی۔ شیشی کو دیکھ کر عمرو بن العاص

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ عمارہ کو خود عمرو بن العاص نے بہلا پھسلا کر نجاشی کی بیوی کے پاس بھیجا تھا۔

[2] واقدی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص نے عمارہ سے کہا تھا کہ میں تو اس وقت تک تمہاری باتوں پر یقین نہیں کر سکتا جب تک تم مجھے نجاشی کے دو کپڑے نہ لادو۔ چنانچہ عمارہ نے اسے نجاشی کے دو کپڑے لا دیئے۔ وہ کپڑے عمرو بن العاص نے جھٹ نجاشی کے سامنے پیش کر دیئے (اغانی جلد ۵ صفحہ ۵۰)

نے کہا " واقعی تم سچ کہتے تھے۔ تم نے ایسی چیز حاصل کی ہے جو آج تک کوئی عرب حاصل نہ کر سکا۔ بادشاہ کی بیوی سے اس طرح تعلق قائم کیا ہے کہ ہمارے ذہن اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

اب انتقام لینے کا وقت آپہنچا تھا۔ عمرو بن العاص اسی وقت نجاشی کے پاس گئے اور کہنے لگے "جہاں پناہ میرا چچا زاد بھائی انتہائی بے وقوف انسان ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنے ساتھ مجھے بھی کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔ میں اس کی کرتوت آپ کے سامنے بیان کئے دیتا ہوں۔ وہ آپ کی کسی بیوی کے پاس گیا اور وہاں سے تیل کی یہ شیشی لا کر مجھے دی ہے۔" یہ سن کر نجاشی نے تیل کو سونگھا اور کہنے لگا "تم سچ کہتے ہو یہ میرے استعمال کرنے کا تیل ہے اور میری بیویوں کے علاوہ اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ یہ کہہ کر نجاشی نے عمارہ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ایک جادوگر کو بھی بلایا۔ جادوگر نے کچھ منتر پڑھ کر عمارہ پر پھونکے۔ جس کے باعث اس کے ہوش و حواس بالکل زائل ہو گئے اور وہ پہاڑوں اور بیابانوں کی طرف نکل گیا۔ اسی حالت میں پہاڑوں اور درختوں سے ٹکرا کر کچھ دنوں میں مر گیا[۲]

۲۔ سفر مصر | سیوطی نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر والقاہرہ" (جلد ۲ صفحہ ۱۴۱) پر عمروؓ بن العاص کے سفر مصر کا حال بڑے افسانوی طریقے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ایک مرتبہ عمروؓ بن العاص قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ تجارت کے لیے بیت المقدس گئے۔ ایک روز وہ وہاں کے پہاڑوں میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے (اس زمانے میں دستور تھا کہ سفر میں باری باری ایک آدمی سارے قافلے کے اونٹ چرایا کرتا تھا)

---

[۱] بعض روایات میں ہے کہ عمروؓ بن العاص نے نجاشی سے کہا "میرا یہ ساتھی عورتوں کا بے حد دلدادہ ہے اور اس کی نظر آپ کے اہل خانہ پر ہے وہ اس وقت بھی وہیں بیٹھا ہوا ہوگا۔ نجاشی نے ایک آدمی کو بھیجا تو واقعی عمارہ نجاشی کی بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شخص اسے نجاشی کے دربار میں لے آیا۔ نجاشی نے اس سے کہا "اگر یہ میرا مہمان نہ ہوتا تو میں اسے قتل کرا دیتا۔ تاہم میں اس کے ساتھ وہ سلوک کروں گا جو قتل سے بھی بدتر ہوگا۔"

[۲] اس واقعہ سے دو باتوں کا علم ہوتا ہے اول عمرو بن العاص کی بے نظیر دانائی اور فہم و فراست کا جس سے کام لے کر انہوں نے اپنی بیوی پر بری نظر رکھنے والے شخص کا خاتمہ کرا دیا۔ دوم اس تعلق کا جو عمرو بن العاص کو نجاشی سے تھا۔ عمرو بن العاص نجاشی سے جو بات بھی کہتے تھے (خواہ وہ اس کے اہل خانہ کے متعلق ہی کیوں نہ ہوتی تھی) وہ اسے بہت غور سے سنتا تھا۔ نجاشی عمرو بن العاص کو دوست کہہ کر پکارتا تھا۔ حتیٰ کہ عمرو بن العاص کی اسلام کی طرف رہنمائی بھی نجاشی ہی نے کی تھی۔

کو ادھر سے ایک آدمی گزرا جس کا نام شماس تھا۔ اس دن شدید گرمی تھی۔ شماس کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ عمرؓو بن العاص نے اسے اپنے مشکیزے سے پانی پلایا۔ سیر ہو کر پانی پینے کے بعد وہ وہیں لیٹ کر سو گیا۔ اس کے قریب ہی ایک گڑھا تھا۔ وہاں سے ایک بہت بڑا سانپ نکلا۔ عمرؓو بن العاص نے اسے دیکھ لیا۔ انہوں نے کمان میں تیر جوڑا اور شست باندھ کر سانپ کی طرف چلا دیا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا اور سانپ کا سر اُڑ گیا۔ جب شماس بیدار ہوا اور اسے اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے عمرؓو بن العاص کے سر کو بوسہ دیا اور کہا "آپ نے مجھے دو بار موت کے منہ سے بچایا ہے۔ ایک بار شدید پیاس سے اور ایک مرتبہ اس موذی سانپ کے ڈسنے سے۔ میں آپ کے اس احسان کا بدلہ کسی طرح ادا نہیں کر سکتا۔" پھر اس نے آپ سے پوچھا "آپ کے نزدیک آپ کو اس سفر میں کتنا منافع ہوگا؟" انہوں نے جواب دیا "جو مال میرے پاس ہے اسے فروخت کرنے سے مجھے تگنا منافع ہونے کی اُمید ہے"۔ اُس نے پھر پوچھا "آپ کے ہاں مقتولین کا خون بہا کتنا دیا جاتا ہے؟" اُنہوں نے جواب دیا "سو اونٹ"۔ شماس نے کہا "ہمارے ہاں اونٹوں کا نہیں بلکہ سکّے کا رواج ہے۔ اس حساب سے بتلایئے" اُنہوں نے جواب دیا "نقدی کے حساب سے خون بہا ایک ہزار دینار کا ہوتا ہے" شماس نے کہا "میں اس علاقے میں اجنبی ہوں۔ میں نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں آ کر عبادت کروں گا اور ان پہاڑوں میں ایک ماہ تک گشت کروں گا۔ میں اس منت کو پورا کرنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ اب میں اپنے شہر واپس جانے والا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ وہاں چل کر آپ کو خون بہا ادا کر دوں گا۔ کیونکہ خدا نے مجھے آپ کے ذریعے سے دو مرتبہ زندہ کیا ہے۔" عمرو بن العاص نے پوچھا "تم کس شہر کے رہنے والے ہو؟" اس نے جواب دیا "میں اسکندریہ کا رہنے والا ہوں جو مصر کا مشہور شہر ہے"۔ عمرو بن العاص نے کہا "میں آج تک نہ تو کبھی وہاں گیا ہوں اور نہ کبھی اس شہر کا نام سنا ہے" شماس نے کہا "آپ وہاں چلیئے، مجھے یقین ہے کہ آپ نے آج تک اس جیسا اور کوئی شہر نہ دیکھا ہوگا" عمرو بن العاص نے کہا "اگر تم مجھے یقین دلاؤ کہ تم نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرو گے تو میں تمہارے ساتھ چلنے کے مسئلہ پر غور کر سکتا ہوں"۔ شماس نے کہا "میں عہد کرتا ہوں کہ میں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے اسے ہر حال میں پورا کروں گا۔ عمرو بن العاص نے پوچھا "تمہیں آنے جانے میں کتنا عرصہ لگے گا؟" شماس نے کہا "دس دن جانے میں لگیں گے۔ دس دن تک آپ کا اسکندریہ میں قیام ہوگا۔ اور دس دن واپسی میں صرف ہوں گے۔ میں یہاں سے آپ کو بحفاظت لے جاؤں گا اور واپسی پر بھی آپ کو آپ کے ساتھیوں کے پاس بحفاظت پہنچانے کا انتظام کر دوں گا" عمرو بن العاص

نے کہا "اچھا تھوڑی سی مہلت دو۔ میں ساتھیوں سے مشورہ کر لوں"۔ چنانچہ وہ ساتھیوں کے پاس گئے اور انہیں سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا کہ وہ ان کی واپسی تک ان کا انتظار کریں اور اپنے میں سے ایک شخص کو ان کے ساتھ کر دیں تو جو مال انہیں شماس سے ملے گا اس میں سے آدھا وہ ان میں بانٹ دیں گے۔ اُن کے ساتھی مان گئے اور عمرؓو بن العاص ان میں سے ایک آدمی کو ہمراہ لے کر شماس کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے۔ جب اسکندریہ پہنچے تو وہ شہر کی شاندار اور بلند و بالا عمارات وہاں کی خوبصورتی، رونق اور مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر بہت متحیر ہوئے اور کہا میں نے اب تک ایسا عظیم الشان شہر نہیں دیکھا تھا"۔

اتفاق یہ ہوا کہ جس دن عمرؓو بن العاص اسکندریہ پہنچے اس روز باشندگان شہر کوئی جشن منا رہے تھے جس میں شہر کے حکام اور رؤسا بھی شریک تھے۔ تمام لوگ ایک میدان میں جمع تھے۔ ان کے پاس سونے کی ایک چمکیلی گیند تھی جسے وہ ہوا میں اچھالتے تھے اور تمام لوگ آستینیں پھیلائے منتظر ہوتے تھے کہ کس شخص کی آستین پر وہ گیند گرتی ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ گیند جس شخص کی آستین میں گرے گی وہ اس وقت تک نہ مرے گا جب تک اسے اس شہر کی بادشاہی نہ مل جائے۔ اسکندریہ پہنچنے پر شماس نے عمرو بن العاص کو دیباج کا لباس پہنایا اور نہایت تعظیم و تکریم سے اس جگہ لا کر کھڑا کر دیا۔ سونے کی گیند اچھالی جا رہی تھی۔ جب گیند اچھالی گئی تو وہ عمرؓو بن العاص کی آستین میں آ گری لوگوں نے بڑے تعجب سے عمرؓو بن العاص کو دیکھا اور کہا کہ اس گیند نے اس مرتبہ کے سوا اور کبھی ہمیں دھوکا نہیں دیا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ بدّو ہمارا حاکم بن جائے؟ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا

اس کے بعد شماس نے شہر والوں کے پاس جانا شروع کیا اور انہیں بتایا کہ کس طرح عمرؓو بن العاص نے دو مرتبہ اس کی جان بچائی اور اس کے صلے میں اس نے انہیں دو ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لیے وہ یہ رقم جمع کر دیں۔ شہر والوں نے بڑی خوشی سے دو ہزار دینار کی رقم جمع کر کے عمرو بن العاص کے حوالے کر دی۔ جب ان کی واپسی کا وقت آیا تو شماس نے بڑے اعزاز و اکرام سے انہیں رخصت کیا اور دو آدمیوں کو بطور رہنما ان کے ساتھ کر دیا۔ اس طرح انہیں مصر کے راستوں سے بخوبی آگاہی ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مصر زرخیزی اور دولت و ثروت کے لحاظ سے ارد گرد کے تمام علاقوں پر فضیلت رکھتا ہے۔ جب وہ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو وعدے کے مطابق ایک ہزار دینار ان میں تقسیم کر دیے اور ایک ہزار دینار خود رکھ کر کہا "یہ پہلا مال ہے جو میں نے جمع کیا ہے"۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے اپنی کتاب "تاریخ عمرو بن العاص" میں سیوطی کے بیان کردہ اس قصہ کو من گھڑت اور ناقابل اعتبار بتایا ہے اور اپنی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں:۔

۱۔ کندی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص نے اوائل عمر میں اسکندریہ دیکھا تھا اور وہ وہاں کے راستوں اور شہروں سے خوب اچھی طرح واقف تھے کیونکہ وہ جاہلیت میں بسلسلۂ تجارت کئی دفعہ مصر جاچکے تھے۔

۲۔ سونے کی گیند اچھال کر بادشاہ بنانے کا قصہ بالکل فرضی ہے کیونکہ تاریخ سے ہمیں کسی ایسے بادشاہ اور حاکم کا پتہ نہیں چلتا جو سیوطی کی بیان کردہ روایت کے مطابق سونے کی گیند کے باعث مصر کا بادشاہ بنا ہو۔

۳۔ مصر کے حاکم براہ راست شہنشاہ روم کی جانب سے مقرر کیے جاتے تھے اور صرف وہی شخص حاکم بنایا جاتا تھا جو اسکندریہ کا باشندہ ہو اور اسے رومی شہریت کے حقوق حاصل ہوں

۴۔ شماس کی زبان یونانی یا قبطی تھی اور عمرو بن العاص اسے سمجھنے سے بالکل قاصر تھے۔ دوسری طرف شماس عربی سے بالکل نابلد تھا اور دونوں کے درمیان بات چیت کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

۵۔ سیوطی کے بیان کے مطابق شماس کو اسکندریہ والوں سے مانگ کر دو ہزار دینار کی رقم جمع کرنی پڑی۔ جب یہ رقم اس کے پاس تھی ہی نہیں تو اس نے عمرو بن العاص سے اس کے دینے کا حتمی وعدہ کس بنیاد پر کیا تھا؟

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی طرح عباس محمود العقّاد نے بھی اپنی کتاب "ابن العاص" میں اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور اسے من گھڑت اور ناقابل یقین بتایا ہے۔

عمرو بن العاص اور اسلام اس دوران میں جبکہ اہل عرب معمول کے مطابق پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے یکایک مکہ میں ایک غلغلہ برپا ہوا اور محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی صدا بلند کر کے تمام عرب میں ایک ہیجان برپا کر دیا۔ آپ نے اعلان کیا کہ خدا نے ابنائے دنیا کو ہدایت دینے اور انہیں گناہوں اور ضلالت کی تاریکی سے نکال کر ان کے دلوں کو نور ایمان سے معمور کرنے کی خاطر مجھے مبعوث فرمایا ہے لہٰذا مجھ پر ایمان لاؤ اور بتوں کی عبادت کو چھوڑ کر خدائے واحد لاشریک کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔

اہل مکہ نے اس دعوت کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھا کیونکہ اس تحریک کی کامیابی کا مطلب یہ تھا کہ ان کے صدیوں پرانے رسوم و رواج اور آبائی عقائد پر مکمل تباہی آجائے۔ اس لیے وہ پورے جوش و خروش

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہُوئے اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ اس نئے دین کو مکہ میں ہرگز پھلنے پھولنے نہ دیں گے۔ اسلام کے شدید ترین معاندین میں عمروؓ بن العاص کے والد اور بنو سہم کے سردار عاص بن وائل کا نام سرفہرست ہے۔

اپنے باپ کے ساتھ عمروؓ بن العاص نے بھی اسلام کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ظہور اسلام کے وقت ان کی عمر چھتیس سال کی تھی۔ انہوں نے صرف یہ کہ دیگر مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابیوں کو ایذائیں پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بلکہ وہ اس مشورہ میں بھی شریک تھے جس کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانان مکہ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا اور جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناقابل برداشت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس اجمال کی کسی قدر تفصیل درج ذیل ہے۔

جب اہل مکہ کی شدید مخالفت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ حق کے فریضہ سے باز نہ آئے اور آپؐ کے متبعین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا تو قریش کو بڑی تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے ابطح میں بنوکنانہ کے ہاں ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں یہ قرار پایا کہ "محمدؐ کو قتل کر دیا جائے"۔ انہوں نے بنو ہاشم سے جو اس مجلس میں موجود تھے کہا کہ محمدؐ نے ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں میں فساد ڈال دیا ہے لہٰذا مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے تاکہ یہ فساد ختم ہو۔ تم ہم سے اس کے بدلے کئی گنا خون بہا لے لو اور ہمیں اسے قتل کرنے دو تاکہ ہم اس مصیبت سے نجات پا سکیں اور تم بھی آرام اور چین سے بیٹھ سکو۔ لیکن بنو ہاشم نے یہ تجویز قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر قریش نے غضبناک ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا بائیکاٹ کر دیا جائے اور انہیں مکہ سے باہر نکال کر شعب ابی طالب میں محصور کر دیا جائے۔ مکہ کا کوئی قبیلہ ان سے کسی قسم کا علاقہ نہ رکھے۔ نہ ان سے صلح کی جائے اور نہ کسی قسم کی نرمی کا سلوک کیا جائے۔ جب تک وہ محمدؐ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ چنانچہ اس مضمون پر مشتمل ایک دستاویز[1] لکھی گئی اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا[2]۔ اس پر بنو ہاشم اور بنو مطلب کو بامر مجبوری مکہ سے نکل کر شعب ابی طالب

---

[1] سیرۃ الحلبیہ میں لکھا ہے کہ دستاویز میں یہ عبارت مندرج تھی "نہ بنو ہاشم کو لڑکیاں دو اور نہ ان کی کوئی لڑکی لو۔ نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرو اور نہ ان سے کوئی چیز خریدو۔ اور ان سے کسی قسم کی صلح مت کرو"۔

[2] معاہدہ کو خانہ کعبہ میں اس غرض سے لٹکایا گیا تاکہ قریش کے تمام قبائل سختی سے اس پر کاربند رہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

میں محصوری کی زندگی گزارنی پڑی۔ صرف ابولہب ایسا شخص تھا جس نے قریش کے مقابلے میں اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ یہ واقعہ محرم ۷ نبوی کا ہے۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس محاصرہ کے باعث بنو ہاشم کی حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ انہیں درختوں کے پتے چبانے پر مجبور ہونا پڑا۔ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب مکہ میں کوئی قافلہ آتا تو شعب ابی طالب کے محصورین میں سے کوئی شخص بازار میں آکر سامان خورد و نوش خریدنا چاہتا۔ لیکن ابولہب کھڑا ہو جاتا اور کہتا:۔

اے گروہ تجار! محمد کے ساتھیوں کو اپنی چیزوں کی اتنی گراں قیمت بتاؤ کہ وہ کسی طرح بھی انہیں خریدنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اس طرح تمہارا جس قدر نقصان ہوگا وہ میں پورا کر دوں گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس قدر مال دار ہوں اور یہ بھی پتہ ہے کہ میں وعدے کا کس قدر پاس کرتا ہوں۔ چنانچہ ابولہب کے بہکانے پر تاجر اپنے مال کی قیمت کئی گنا بڑھا دیتے اور شعب ابی طالب سے آنے والا بے کس و بے بس شخص حسرت و یاس کے ساتھ اپنے بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کے پاس خالی ہاتھ چلا جاتا۔ اگلے روز تجار ابولہب کے پاس جاتے اور وہ معقول منافع دے کر ان کا مال خرید لیتا۔

جب مسلمانوں پر قریش مکہ کے مظالم ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں کا قافلہ مکہ سے بجانب حبشہ روانہ ہو گیا۔ مردوں میں سے جعفرؓ بن ابی طالب، مقدادؓ بن الاسود، عبداللہؓ بن مسعود اور عبیداللہؓ بن جحش کے نام قابل ذکر ہیں۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ بھی اس قافلہ میں شامل تھے۔ لیکن بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ پچاس آدمیوں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے یمن سے کشتی میں سوار ہو گئے۔ لیکن طوفان نے انہیں عرب کی سرزمین پر اتارنے کی بجائے حبشہ کی سرزمین پر لا ڈالا۔ اس طرح وہ بھی ان مہاجرین کے ساتھ مل گئے جو مکہ سے حبشہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷: بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ دستاویز ابو جہل کی خالہ کے پاس تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے خانہ کعبہ میں لٹکانے سے قبل اس کے پاس رکھوایا گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کئی نقلیں کی گئی ہوں اور ایک نقل ابو جہل کی خالہ کے پاس بھی ہو۔

آ گئے تھے۔ عورتوں میں سے جنہوں نے ہجرت کی ان میں سے بنت عمیسؓ زوجہ جعفرؓ بن ابی طالب اور ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان زوجہ عبیداللہ بن جحش کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان مہاجرین کی واپسی فتح خیبر کے موقع پر ہوئی۔

مہاجرین کے اس پہلے گروہ کی حبشہ میں خوب پذیرائی ہوئی اور یہ لوگ نجاشی کے زیر سایہ آرام اور اطمینان کی زندگی گزارنے لگے[1]۔ جب مشرکین مکہ کو معلوم ہوا کہ مسلمان مہاجرین حبشہ میں پُرامن زندگی بسر کر رہے ہیں اور بلا خوف و خطر خدائے واحد کی پرستش کر رہے ہیں تو انہیں بڑا خطرہ محسوس ہوا۔ انہیں خیال پیدا ہوا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیگر متبعین کو اپنے بھائیوں کی پُرآسائش زندگی کا حال معلوم ہوگا تو وہ بھی بھاگ کر حبشہ چلے جائیں گے اور وہاں آہستہ آہستہ اپنی طاقت بڑھا کر مکہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں گے۔

اس واقعہ سے مشرکین مکہ کا غیظ و غضب اس حد تک بڑھ گیا کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لیے مسلمانوں پر حبشہ کا راستہ مسدود کرنے کی کوشش کی بلکہ جو لوگ ہجرت کر کے وہاں پہنچ چکے تھے انہیں واپس لانے کی تدابیر بھی شروع کر دیں۔

مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک نجاشی انہیں اپنے ملک سے نکالنے پر آمادہ نہ ہو جاتا۔ نجاشی کو اپنے ڈھب پر لانے کے لیے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جس کا عقلمندی، دور اندیشی اور حسن تدبیر میں جواب نہ ہو۔ اس غرض کے لیے اُن کو عمروؓ بن العاص سے بہتر آدمی ملنا مشکل تھا۔ چنانچہ اس اہم کام کی بجا آوری انہی کے سپرد کی گئی۔ عمرو بن العاص نے روانگی سے قبل چند قیمتی تحفے فراہم کیے۔ جن میں سے بعض نجاشی کے لیے تھے اور بعض اس کے وزیروں

---

[1] بعض لوگوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا کیوں حکم دیا اور اس غرض کے لیے دوسرے عرب علاقوں مثلاً حیرہ، غسان اور یمن پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہ پڑی۔ مؤرخین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ عرب اور حبشہ کے درمیان پہلے سے تجارتی تعلقات قائم تھے اور اہل حبشہ عربوں سے خوب واقف تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حبشہ آزاد و خود مختار مسیحی ملک تھا جبکہ حیرہ اور یمن کے مسیحی مجوسی المذہب ایرانیوں اور غسانی مسیحی رومی سلطنت کے ماتحت تھے۔ اور یہ لوگ بطور خود کسی ایسے نئے مذہب کی حمایت کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے جو ان کے آقاؤں کے دین کے مخالف اور مغائر تھا۔

(کتاب الحیاۃ العربیہ من الشعر الجاہلی)

اور حاشیہ نشینوں کے لیے۔ وزیروں اور حاشیہ نشینوں کو تحفے دینے سے غرض یہ تھی تاکہ وہ بادشاہ کے سامنے ان کے مطالبے کی حمایت کریں۔

حبشہ پہنچنے پر عمرو بن العاص نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے۔ سب سے پہلے اسے سجدہ کیا اور پھر وہ تحفے پیش کیے جو وہ مکہ سے لائے تھے۔ نجاشی نے تحفے قبول کر لیئے اور حبشہ آنے کی غرض وغایت دریافت کی۔ عمروؓ بن العاص نے کہا "مجھے میری قوم نے آپ کی طرف بھیجا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ آپ عادل بادشاہ ہیں اور کوئی ظالم آپ کے علاقے میں نہیں رہ سکتا۔" اس کے بعد نجاشی اور عمرو بن العاص کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے:۔

نجاشی: عمروؓ بن العاص تم سچ کہتے ہو۔ میرے ملک میں کوئی مجرم اور ظالم نہیں رہ سکتا..... کیا کسی نے تم پر زیادتی کی ہے؟

عمرو بن العاص: جہاں پناہ! آپ کا خیال درست ہے۔

نجاشی: مجھے تو یقین نہیں کہ کسی نے تم پر ظلم کیا ہو۔ کیونکہ اہل حبشہ غیر ملکیوں کا احترام کرتے ہیں اور کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتے۔

عمرو بن العاص: جہاں پناہ! وہ لوگ اہل حبشہ میں سے نہیں ہیں

نجاشی: جب وہ لوگ اہل حبشہ میں سے نہیں ہیں تو میں ان کے متعلق کیا کر سکتا ہوں

عمرو بن العاص: جہاں پناہ! وہ ظالم اور مجرم لوگ آپ کے علاقے میں موجود ہیں۔

نجاشی: میرے علاقے میں؟ مجھے ہرگز یقین نہیں ہے کہ میرے علاقے میں کوئی ظالم موجود ہوگا۔ ہم ظالموں کو اپنے ہاں رہنے ہی نہیں دیتے۔ آخر تم نے کیسے گمان کر لیا کہ سرزمین حبشہ میں ظالم لوگ بھی رہتے ہیں؟ اگر ہیں تو وہ کس جگہ ہیں؟

عمرو بن العاص: جہاں پناہ وہ لوگ حبشی نہیں ہیں بلکہ عرب ہیں۔

نجاشی: عرب؟

عمرو بن العاص: جی ہاں جہاں پناہ! وہ ہمارے رشتے دار ہیں اور ہم سے اور ہمارے معبودوں سے برگشتہ ہو کر آپ کے ہاں آ گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا بلکہ خود ہی ایک نیا دین گھڑ لیا ہے۔ قریش نے آپ کے پاس اپنے معززترین آدمی اس غرض سے بھیجے ہیں کہ آپ انہیں واپس کر دیں

نجاشی: مگر وہ ہیں کہاں؟

عمرو بن العاص: وہ اس شہر میں موجود ہیں۔ چونکہ انہیں یہاں امن اور اطمینان نصیب ہو گیا ہے اس لیے وہ یہیں مقیم ہو گئے ہیں۔ اب ان کے دوسرے بھائی بند بھی ان کے پاس پہنچنے کی فکر میں ہیں۔

نجاشی: خدا کا شکر ہے کہ میرا ملک مظلوموں، بے کسوں اور خوف زدہ لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔

عمرو بن العاص: حضور! وہ مظلوم نہیں بلکہ ظالم ہیں۔

نجاشی: عمرو بن العاص! میں تو تمہیں بڑا عقلمند سمجھتا تھا۔ بھلا کبھی ظالم بھی اس طرح خوف کے مارے بھاگا بھاگا پھرا کرتا ہے؟

اس موقعہ پہ بادشاہ کے درباریوں اور امراء وزراء نے مداخلت کی اور نجاشی سے عرض کی "جہاں پناہ! مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیجئے۔ کیونکہ ان کے حالات سے یہ اچھی طرح واقف ہیں۔"

بادشاہ نے کہا "یہ کبھی نہیں ہوگا۔ جب تک مجھے بطور خود ان کے حالات کا اچھی طرح علم نہیں ہو جائے گا۔ اس وقت تک میں کبھی انہیں ان لوگوں کے حوالے نہ کروں گا۔"

عمرؓو بن العاص نے کہا "وہ نہ بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں اور نہ اس کے آگے کورنش بجالاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مذہب نے انہیں اس بات کی ممانعت کی ہوئی ہے اور ان کا مذہب آپ کے مذہب سے اور ان کے طریقے آپ کے طریقوں سے بالکل مختلف ہیں۔"

نجاشی نے عمرو بن العاص کی باتوں پہ کان نہ دھرا اور ایک آدمی کو مسلمانوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ نجاشی کے دربار میں حاضر ہونے سے پہلے مسلمانوں نے باہم تصفیہ کر لیا تھا کہ ان کی طرف سے جعفرؓ بن ابی طالب نجاشی سے گفتگو کریں گے[1]

دریں اثنا نجاشی نے اپنے اسقف اعظم اور دوسرے پادریوں کو بھی دربار میں بلا لیا تھا اور وہ اپنی کتابیں کھول کر نجاشی کے گرد بیٹھ گئے تھے[2]

جب جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہنچے تو انہوں نے پکار کر کہا "جعفر دروازہ پر موجود ہے اور وہ دربار میں حاضر ہونے کا طلب گار ہے اس کے ساتھ "حزب اللہ" (خدا کی جماعت) بھی ہے۔"

---

[1] جب نجاشی کا قاصد مسلمانوں کے پاس آیا تو دربار میں جانے سے پہلے سب مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ نجاشی سے کیا بات چیت کی جائے۔ جعفرؓ نے کہا "تم سب کی طرف سے میں بات کروں گا اور اس سے وہی باتیں کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی ہیں اور جن کا ہمیں حکم دیا ہے۔"

[2] السیرۃ الحلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۸

نجاشی نے جواب دیا۔" ہاں! آپ سب لوگ بے شک اللہ کی امان اور اس کی ذمہ داری کے ساتھ دربار میں آ جائیں۔"

چنانچہ جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دربار میں داخل ہو گئے۔ جب نجاشی کے سامنے پہنچے تو جعفرؓ نے اسے سلام کیا۔

یہ ماجرا دیکھ کر عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی[1] سے کہا۔" تم نے دیکھا کس طرح جعفرؓ نے اپنے ساتھیوں کو "حزب اللہ" قرار دیا اور نجاشی نے اس کو کس قدر نرمی کے ساتھ جواب دیا۔" اس کے بعد وہ نجاشی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے" جہاں پناہ! آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ یہ لوگ کس قدر متکبر اور مغرور ہیں۔ انہوں نے کورنش بجا لانا بھی پسند نہیں کیا۔" نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا" تم نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا اور اس طرح مجھے سلام کیوں نہیں کیا جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے؟" جعفرؓ نے جواب دیا۔" ہم مسلمان لوگ اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے" نجاشی نے پوچھا" کیوں؟" جعفرؓ نے جواب دیا" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں اپنا ایک رسول بھیجا ہے جس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کو سجدہ نہ کریں! اسی طرح اس نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ جب جنتی آپس میں ملیں گے تو "السلام علیکم" کہہ کر ایک دوسرے سے خطاب کریں گے۔ ہم نے بھی آپ کو مخاطب کرتے ہوئے یہی الفاظ استعمال کیے۔ اس رسولؐ نے ہمیں نماز اور زکوٰۃ[2] کا حکم بھی دیا ہے۔

اس سوال و جواب کے بعد عمرو بن العاص نجاشی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:۔

---

[1] اس موقعہ پر عمرو بن العاص کا ساتھی عمارہ بن ولید تھا۔ اس کی تائید جعفرؓ بن ابی طالب کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ عمارہ بن ولید وہی نوجوان تھا جسے قریش نے ابوطالب کی خدمت میں پیش کر کے کہا تھا کہ یہ مکہ کا سب سے حسین اور خوبرو نوجوان ہے تم اسے اپنے پاس رکھ لو اور محمدؐ کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے کر دو۔ اس پر ابوطالب نے جواب دیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ غیر کے بچے کو لے کر پرورش کروں اور اپنا بچہ پرورش کرنے کے لیے تمہارے حوالے کر دوں۔ خدا کی قسم ایسا کبھی نہ ہو گا۔

[2] السیرۃ الحلبیہ جلد اول میں لکھا ہے کہ جعفر کا مطلب نماز سے صرف دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام پڑھنا تھا۔ موجودہ صورت میں نماز اس وقت فرض نہ ہوئی تھی۔ اسی طرح زکوٰۃ سے ان کا مطلب پاکیزگی تھا۔ کیونکہ زکوٰۃ ۲ھ میں مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔

"جہاں پناہ! ابن مریم کے بارے میں یہ لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے نہیں تھے۔"

نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا "تم لوگ ابن مریمؑ اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

جعفرؓ نے جواب دیا "ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ تھے جسے اس نے پاک دامن مریم پر نازل کیا تھا۔"

نجاشی نے یہ سن کر اپنے اردگرد بیٹھنے والے پادریوں اور راہبوں سے پوچھا:۔

"میں تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر جس نے عیسٰی پر انجیل نازل کی ہے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہاری کتابوں میں حضرت عیسٰیؑ اور قیامت کے درمیان کسی نبی کے آنے کا ذکر ہے؟"

انہوں نے جواب دیا "جہاں پناہ! یقیناً ہے۔ حضرت عیسٰی نے ہمیں اس رسولؐ کے آنے کی خوشخبری دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص اس پر ایمان لایا دراصل مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے دراصل میرا انکار کیا۔"

نجاشی نے کہا "اگر میں بادشاہ نہ ہوتا اور حکومت کی ذمہ داریاں میرے سر پر نہ ہوتیں تو میں یقیناً اس شخص کے پاس جاتا اور اس کی جوتیاں اٹھا کر اپنے سر پر رکھنے میں فخر محسوس کرتا۔"

اس کے بعد وہ مسلمانوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا "تم حبشہ میں جہاں چاہو رہو۔ تمہیں پوری طرح امن حاصل ہوگا۔"

اپنے اہل کاروں کو اس نے حکم دیا کہ ان مسلمانوں کے کھانے پینے اور آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر کسی شخص نے ان لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائی تو وہ میری نافرمانی کے جرم کا مرتکب ہوگا۔

اس کے بعد اس نے عمرو بن العاص کے دیئے ہوئے تحفے منگوائے اور انہیں واپس کرتے ہوئے کہا:۔

"مجھے سونے کا گھر بنانے کی خواہش نہیں ہے۔ ان لوگوں کے ہدیئے واپس کر دو۔ کیونکہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم! جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کرتے ہوئے مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں رشوت کیوں لوں[1]؟"

---

[1] حضرت عائشہ نے نجاشی کے اس قول کی تشریح اس طرح پر فرمائی ہے:۔

"نجاشی کا باپ حبشہ کا بادشاہ تھا۔ لوگوں نے بغاوت کر کے اسے قتل کر ڈالا اور اس کی جگہ اس کے بھائی یعنی نجاشی کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اسی طرح جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو باضابطہ طور پر سرزمین حبشہ میں امن و امان اور سکون و اطمینان سے رہنے کی اجازت مل گئی۔

ذیل میں ہم حضرت جعفرؓ کی زبانی جعفرؓ، عمرو بن العاص اور نجاشی کی ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں:۔

"جب ہم مکہ سے سرزمین حبشہ میں وارد ہوئے تو وہاں ہمارا واسطہ نیک لوگوں سے پڑا جنہوں نے ہمیں اپنی دینی عبادات بجا لانے کی پوری آزادی دے دی اور ہمیں ہر طرح کا امن حاصل ہو گیا۔ نہ کوئی ہمیں تکلیف دیتا تھا اور نہ کوئی ایسی بات ہمارے سامنے کہتا تھا جو ہمیں بری لگے۔ جب قریش کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حبشہ سے مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے دو ہوشیار اور چالاک آدمیوں کو بھیجا جائے جو نجاشی کو اپنے ڈھب پر لانے کے لیے عمدہ عمدہ تحفے بھی مکہ سے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس زمانہ میں سب سے عمدہ تحفہ چمڑا خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بہت سا چمڑا اکٹھا کیا اور وہاں کے پادریوں کے لیے بھی عمدہ عمدہ تحفے اکٹھے کیے اور عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو ان تحفوں کے ہمراہ حبشہ بھجوا دیا۔ یہ دونوں حبشہ پہنچنے پر سب سے پہلے وہاں کے پادریوں اور اسقفوں سے ملے اور ان کی خدمت میں تحفے پیش کر کے درخواست کی کہ جب ہم بادشاہ سے مسلمانوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳:۔ چچا کو تخت پر بٹھا دیا۔ نجاشی کے چچا کے بارہ لڑکے تھے لیکن ان میں سے کوئی حکومت اور سلطنت کی لیاقت نہ رکھتا تھا۔ جب اہل حبشہ کو نجاشی کی شرافت اور لیاقت کا علم ہوا تو انہیں خدشہ ہوا کہ اگر کہیں یہ اپنے چچا کے بعد حکومت پر قابض ہو گیا تو ہم سب کو اپنے والد کا انتقام لینے کی غرض سے قتل کر ڈالے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے چچا سے اس کے قتل کرنے کے لیے کہا لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم اسے شاہی محل سے نکال کر کسی کے ہاتھ بطور غلام بیچ ڈالا۔ ایک رات کو اس کے چچا پر بجلی گری اور وہ مر گیا۔ اب حبشہ میں نجاشی کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حکومت سنبھالنے کا اہل ہوتا۔ چنانچہ سلطنت کے سرکردہ لوگ نجاشی کے آقا کے پاس گئے۔ معقول قیمت ادا کر کے اسے آزاد کرایا اور اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اس کی تاجپوشی کی۔ نجاشی نے بدلہ لینے کی بجائے ان سے درگزر کیا اور بہت نرمی سے حکومت کرنے لگا۔

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے نجاشی کو خریدا تھا وہ عرب تھا۔ وہ اسے اپنے علاقے میں لے گیا کافی مدت تک نجاشی اس کے پاس رہا۔ بالآخر اہل حبشہ اس کے آقا کے پاس آئے اور اسے آزاد کرا کے اپنے ہمراہ حبشہ لے گئے اور وہاں اس کی تاجپوشی عمل میں آئی۔

کی واپسی کے متعلق گفت و شنید کریں تو آپ ہماری پوری پوری حمایت کریں۔ تمام پادریوں نے یہ وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحفے پیش کرنے کے بعد عرض کیا:۔

"اے بادشاہ! حضور کے علاقے میں ہمارے بعض بے وقوف غلام آ گئے ہیں۔ جنہوں نے اپنا دین ترک کر دیا ہے اور ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے جو ہمارے اور آپ کے دینوں سے قطعاً مختلف ہے اس نئے دین کی بنیاد (نعوذ باللہ) ایک کذاب شخص نے رکھی ہے جو ہماری ہی قوم کا ایک فرد ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتا ہے۔ چند بے وقوف لوگوں کے سوا ہم میں سے کسی نے بھی اس کی پیروی اختیار نہیں کی۔ اب ہماری قوم نے ہمیں اس غرض سے بھیجا ہے کہ انہیں آپ سے درخواست کر کے واپس لے آئیں۔" حسب قرارداد پادریوں نے بھی جو دربار میں حاضر تھے ان کی تائید کی اور کہا۔

"اے بادشاہ! یہ دونوں سچ کہتے ہیں۔ ان (مسلمانوں) کے حالات کو ان کی قوم بہتر جانتی ہے۔ لہٰذا آپ انہیں ان دونوں کے حوالے کر دیں تاکہ وہ انہیں واپس اپنے ملک میں لے جائیں۔ پھر وہ جانیں اور ان کی قوم۔"

یہ سن کر نجاشی کو بے حد غصہ آیا اور اس نے کہا:۔

"خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو جنہوں نے دوسروں کو چھوڑ کر میری پناہ ڈھونڈی ہے اور دوسرے علاقوں میں جانے کی بجائے میرے علاقوں کو مامن سمجھ کر یہاں رہائش اختیار کر لی ہے اس وقت تک ان دونوں کے حوالے نہ کروں گا جب تک انہیں اپنے دربار میں بلا کر ان کے متعلق پوری تحقیقات نہ کر لوں۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ لوگ بلا کسی وجہ کے یہاں آ گئے ہیں تب تو میں انہیں ان کے حوالے کر دوں گا ورنہ صاف انکار کر دوں گا اور جب تک وہ لوگ میرے ہاں رہنا چاہیں گے میں انہیں اچھی طرح اپنے ہاں رکھوں گا۔"

چنانچہ اس نے ہمیں بلایا۔ ہم نے دربار میں حاضر ہو کر اسے سلام کیا۔ درباریوں میں سے ایک کہنے لگا "تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟" میں نے کہا "ہم اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے۔" اس کے بعد نجاشی میری طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا: "وہ کونسا دین ہے جس کے باعث تم نے اپنی قوم کا دین ترک کر دیا ہے اور اپنی قوم کے دین کو چھوڑ کر ہمارے دین یا کسی اور دین میں داخل نہیں ہوئے؟" ہم نے عرض کیا "اے بادشاہ! ہم جہالت کی زندگی گزارتے تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے طاقتور آدمی کمزور آدمی پر ظلم و ستم ڈھانا اپنا حق سمجھتا تھا۔ ہم اسی گندگی کی حالت میں پڑے ہوئے

تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری حالت پر رحم کرتے ہوئے ہم میں ایک رسول مبعوث فرمایا جس طرح اس نے
اس سے قبل اور بھی رسول مبعوث فرمائے تھے۔ ہم اس رسولؐ کے حسب و نسب، صدق و امانت
اور پاک دامنی سے خوب واقف تھے۔ اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اس کی توحید کی طرف
دعوت دی اور اس کی عبادت کی تلقین کی۔ ہمارے باپ دادا جن بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے
ان کی عبادت سے منع کیا۔ اس نے حکم دیا کہ ہم اس خدا کی پرستش کریں جو وحدہٗ لاشریک ہے۔
نماز پڑھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہمیشہ سچ بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں۔ صلہ رحمی کریں۔ پڑوسیوں
سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ناحق خون بہانے سے پرہیز کریں۔ بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جائیں
جھوٹ سے سخت نفرت کریں۔ یتیم کا مال نہ کھائیں۔ پاک دامن عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ ہم نے اس
کی ان باتوں کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت اختیار کی۔ اس پر ہماری قوم نے ہم
پر ظلم وستم توڑنا شروع کر دیا تاکہ ہم تنگ آکر دوبارہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔ اور جن بُری باتوں کو
ہم نے اسلام لانے کے بعد ترک کر دیا تھا انہیں دوبارہ اختیار کر لیں۔ جب ان کے ظلم وستم کا سلسلہ
بہت لمبا ہو گیا اور ہمارے لیے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو سخت مجبوری کی حالت میں مکہ سے
ہجرت کر کے آپ کے ملک میں چلے آئے اور دوسرے بادشاہوں کی بجائے آپ کے سایہ میں
رہنے کو ترجیح دی۔ اے بادشاہ ہمیں امید ہے کہ آپ کی مملکت میں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔"

میری تقریر سن کر نجاشی نے کہا "اللہ تعالیٰ نے تمہارے رسولؐ پر جو وحی نازل کی ہے کیا اس کا
کوئی حصہ تمہیں یاد ہے؟" میں نے عرض کیا "جی ہاں یاد ہے۔ اس نے کہا مجھے سناؤ" چنانچہ میں نے
اسے سورۃ مریم کی چند آیات سنائیں جنہیں سن کر اس کے دل پر ایسا اثر ہوا۔ کہ وہ رونے لگا اور اس
کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ جو پادری دربار میں موجود تھے وہ بھی آیات سن کر رونے لگے
اور انہوں نے کہا "اے جعفر اس پاک کلام میں سے ہمیں کچھ اور سناؤ" نجاشی نے کہا "خدا کی قسم
اس وحی کا اور موسیٰؑ کی وحی کا منبع ایک ہی ہے" (بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وحی کا اور عیسیٰ
کی وحی کا منبع ایک ہی ہے) میں نے نجاشی سے کہا "آپ ان دونوں سے پوچھیے کیا ہم غلام ہیں یا آزاد
ہیں۔ اگر ہم غلام ہیں تو بے شک ہمیں ہمارے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیجیے" عمرو بن العاص نے کہا
"نہیں یہ آزاد ہیں" میں نے دوبارہ نجاشی سے کہا "ان دونوں سے پوچھیے کہ کیا ہم نے ان میں سے
کسی کا ناحق خون بہایا ہے جس کا انتقام لینے کے لیے یہ یہاں آئے ہیں۔ یا ہم نے ناحق کسی کا مال
غصب کیا ہے جس کی واپسی کے لئے قریش نے ان دونوں کو بھیجا ہے؟" عمرو بن العاص نے کہا "نہیں"

نجاشی نے عمرو بن العاص اور عمارہ سے کہا "کیا ان لوگوں پر تمہارا کوئی قرض واجب ہے؟" انہوں نے کہا "نہیں" اس پر اس نے کہا "تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں ان لوگوں کو کبھی تمہارے حوالے نہ کروں گا"[1]

اس طرح اس مہم میں انہیں سراسر ناکامی ہوئی۔ اس ناکامی سے جھنجھلا کر قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں پر عرصۂ حیات اور تنگ کر دیا۔ ان کی آتش غضب سرد ہونے کی بجائے اور تیز ہو گئی۔ بالآخر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن ابھی وہ اپنے ناپاک ارادہ کو عملی جامہ پہنانے نہ پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دے دیا اور آپ نے عین اس رات مکہ کو الوداع کہا، جب کفار نے قتل کرنے کے ارادہ سے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔

جب کفار کو آپ کے بچ نکلنے کا علم ہوا تو انہوں نے مختلف افراد اور متعدد جماعتوں کو آپ کی تلاش میں ادھر ادھر روانہ کیا۔ ان جماعتوں میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے۔ لیکن وہ آپ کو پانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بخیریت یثرب پہنچ گئے[2]

کفار کی آتش غضب اب بھی سرد نہ ہوئی۔ اور انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے پے در پے لشکر بھیجنے شروع کیے۔ مسلمانوں اور کفار کے درمیان سب سے پہلی لڑائی بدر الکبریٰ کی تھی۔ اس جنگ میں عمرو بن العاص شریک نہ تھے۔ انہوں نے بعد میں قریش کی عبرتناک شکست کا حال سنا۔

قریش اس شکست کو آسانی سے نہ بھلا سکے اور اگلے سال پوری تیاری کے ساتھ پھر مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نکلے اور جنگ اُحد پیش آئی۔ اس موقعہ پر عمرو بن العاص بھی قریش کی فوج میں شامل تھے۔ لیکن انہوں نے اس سے زیادہ اور کوئی کام سرانجام نہ دیا کہ وہ صفوں میں گشت لگا کر لوگوں کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

اس کے بعد خندق کا معرکہ پیش آیا۔ اس موقعہ پر بھی عمرو بن العاص قریش کی فوج میں شامل تھے۔ جب تمام قبائل عرب پر مشتمل دس ہزار کا لشکر مدینہ کے سامنے پہنچا تو اپنے سامنے خندق کھدی ہوئی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور اسے مجبوراً خندق سے باہر ہی قیام کرنا پڑا۔

خندق کھود دینے کے باوجود بظاہر مسلمانوں کی کامیابی کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے

---

[1] اس جگہ حضرت جعفرؓ کی بیان کردہ روایت ختم ہو جاتی ہے

[2] یثرب کا نام بعد میں "مدینۃ النبی" پڑ گیا۔ اور آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ (محمد احمد)

فضل سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ اور وہ ان کے مقابلے میں کوئی قابل ذکر کارروائی نہ کرسکے اسی عرصہ میں ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور اس طرح ان کی طاقت اور کمزور ہو گئی۔ بالآخر رات کے وقت ایک سخت آندھی نے ان کے تمام ولولوں اور ارادوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں۔ خیمے اڑ گئے۔ اور سارے لشکر پر سخت دہشت طاری ہو گئی۔ چنانچہ وہ اسی دہشت و اضطراب اور خوف و ہراس کی حالت میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان بھاگنے والوں میں عمرو بن العاص بھی تھے۔

ان پے در پے واقعات نے عمرو بن العاص کی آنکھیں کھول دیں اور وہ سنجیدگی سے قریش اور مسلمانوں کی کشمکش کے انجام پر غور کرنے لگے۔ بالآخر وہ ایک رائے پر پہنچ گئے۔ انہوں نے قریش کے چند ایسے لوگوں کو جمع کیا جو ان کی طرح مضطرب اور حیران تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کشمکش کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ عمرو بن العاص نے اپنی رائے ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس موقع پر ہمارے لیے یہ مناسب ہے کہ ہم سب حبشہ میں نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں رہائش اختیار کرلیں۔ اس دوران میں ہم بغور دیکھتے رہیں کہ محمدؐ اور قریش کی باہمی کشمکش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اگر بالآخر محمدؐ کو فتح حاصل ہوئی تو ہم دور ہونے کے باعث اس کی غلامی میں آنے سے بچ جائیں گے۔ اور اگر قریش کو فتح حاصل ہوئی تو ہم فوراً واپس آ جائیں گے۔

اس رائے کو تمام لوگوں نے پسند کیا اور وہ ان کے ساتھ حبشہ روانہ ہو گئے۔

حبشہ پہنچ کر عمرو بن العاصؓ کی نظروں کے سامنے ہر وقت یہ نظارہ رہتا تھا کہ مسلمانوں کی فوجیں جھنڈے اٹھائے ہوئے عرب کے ہر حصے میں پھیل گئی ہیں اور عرب کا کوئی گوشہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے خالی نہیں رہا۔ جب اس قسم کی تصویریں ان کے ذہن میں گھومتیں تو معاً ان کے دل میں خیال آتا کہ اب ان کے لیے ترقی کرنے کی کیا راہ ہے۔ اور ان کا مستقبل کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔

یہ ذہنی کشمکش اس قدر تیز ہو گئی کہ انہوں نے حبشہ چھوڑ کر دوبارہ مکہ آنے کا ارادہ کرلیا۔ جب وہ مکہ پہنچے تو تمام حالات کو دیکھتے ہوئے انہیں یقین ہو گیا کہ اب اسلام روز بروز ترقی کرتا جائے گا اور ان کا مستقبل اسی صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے جب وہ بھی اسلام کے ساتھ گہرا تعلق قائم کرلیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کرکے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں۔

---

(۲)

زمانۂ اسلام

"محمدؐ کے دین کو عروج حاصل ہوگا۔ اور
بُت پرستی روز بروز کم ہوتی جائے گی ہم بہت
دیر تک خوابِ غفلت میں مدہوش رہے۔
میں اپنی غفلت پر سخت نادم ہوں اور سوچتا
ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
کیا منہ لے کر حاضر ہوں گا......"

(عمروؓ بن العاص کی گفتگو خالدؓ بن ولید اور عثمانؓ بن طلحہ کے ساتھ)

عرب اور اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت پر اہل مکہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئے (۱) ایک گروہ نے آپ کی رسالت کا اقرار کر کے اس دین میں شمولیت اختیار کر لی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ یہ لوگ "السابقون الاولون" کہلائے۔

(۲) ایک گروہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھا۔ اس گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جو اپنے آبائی دین اور رسوم و رواج پر سختی سے قائم تھے اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں انہیں ان سب سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا جس کے لئے وہ کسی طرح تیار نہ تھے۔ لہذا یہ لوگ آپ کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ پہلے تو انہوں نے مختلف تدابیر کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسلام کی اشاعت سے باز رکھنا چاہا۔ جب یہ تدابیر کارگر ثابت نہ ہوئیں تو انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور بے کس مسلمانوں پر ظلم و ستم توڑ کر انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ جب اس تدبیر میں بھی ناکامی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ حبیب اللہ نے انہیں اس کوشش میں بھی ناکام و نامراد رکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے متبعین کے ہمراہ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما گئے تو انہوں نے متعدد بار فوج کشی کر کے اسلام کو نیست و نابود اور اس کے نئے مرکز کو تباہ و برباد کر دینا چاہا۔

(۳) ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا گروہ بھی تھا جس نے درمیانی روش اختیار کیے رکھی۔ نہ تائید کی اور نہ مخالفت۔ اس گروہ میں جو لوگ شامل تھے ان کے دل اسلام کی حقانیت کے معترف تھے اور انہیں اس امر کا احساس تھا کہ جلد یا بدیر اس نئے دین کو غلبہ حاصل ہو گا اور تمام عرب کو محمدؐ کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ لیکن چونکہ انہیں اپنی قوم کے طعن و تشنیع کا ڈر اور معاشرے میں انہیں جو مرتبہ حاصل تھا اس کے چھن جانے کا خوف تھا اس لیے وہ کھلم کھلا اپنی رائے کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے خیالات اور احساسات کو دل ہی میں رکھا۔ تاہم ان میں سے بعض لوگ زیادہ عرصہ تک صبر نہ کر سکے اور انہوں نے مدینہ جا کر اسلام قبول کر لیا۔ البتہ کچھ لوگ بدستور عافیت کوشی کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ انہوں نے اس وقت تک انتظار کیا جب حق و باطل کی اس کشمکش کا واضح نتیجہ ان کے سامنے آ جائے۔

اسلام کے متعلق عمرو بن العاص کا موقف عمرو بن العاص اس آخری گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بڑی گہری نظر سے دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کے قدم روز بروز مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔ اسلام کو روز افزوں

ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ جو طاقت بھی ان کے مدمقابل آتی ہے شکست کھا جاتی ہے۔ پے در پے ان حالات کو دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ اسلام اب عرب کے اطراف و جوانب میں پھیل جائے گا اور مستقبل میں صرف یہی دین عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ لیکن چونکہ وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتے تھے اس لیے انہیں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ابن عساکر اپنی تاریخ میں زبیر بن بکار سے روایت کرتے ہیں کہ عمروؓ بن العاص سے بعض لوگوں نے پوچھا:۔

"آپ نے اسلام قبول کرنے میں دیر کیوں کی؛ حالانکہ عقل و دانش کے لحاظ سے آپ قریش میں بہت بلند مرتبہ کے مالک تھے؟"

انہوں نے جواب دیا:۔

"ہماری قوم کے رؤساء کی عقلیں پہاڑوں سے بھی زیادہ بھاری تھیں جو راستہ وہ اپنے لئے اختیار کرتے تھے، ہمیں بھی اسی پر چلنا پڑتا تھا خواہ وہ کتنا ہی دشوار گزار کیوں نہ ہوتا۔ چنانچہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے انکار کیا تو ہم نے بھی بغیر سوچے سمجھے ان کی تقلید کی اور حضور کا انکار کر دیا۔ لیکن جب بزرگ گذر گئے اور قوم کا بوجھ ہمارے کندھوں پر آ پڑا تو ہمیں اسلام کے متعلق غور و فکر کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ معاملہ کچھ اور رہی ہے۔ اس وقت سے میرے دل میں اسلام کی حقانیت کا یقین پیدا ہونا شروع ہوا۔ جب قریش نے دیکھا کہ میں اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ کوششوں میں ان کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ الگ تھلگ رہتا ہوں تو انہیں میرے متعلق شک و شبہ پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ ایک آدمی میرے پاس بھیجا گیا۔ اس نے آکر مجھ سے کہا:۔

اے ابو عبداللہ! قوم کا خیال ہے کہ تمہارا میلان محمدؐ کی جانب ہے۔"

میں نے اس سے کہا:۔

اے میرے بھتیجے! میں تمہیں اس خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا، تمہارے پہلوں اور تمہارے بعد میں آنے والوں کا رب ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یا اہل فارس و روم؟"

اُس نے کہا:۔

"ہم ہدایت پر ہیں"

میں نے پوچھا:۔

"یہ بتاؤ کہ کیا ہم معاشی لحاظ سے بہتر ہیں یا اہل فارس و روم اور ہماری سلطنت زیادہ وسیع ہے یا فارس و

روم کی؟

اس نے جواب دیا:۔

"فارس اور روم کی"

میں نے کہا:

"اگر اس دنیا کے بعد اور کوئی زندگی نہیں تو پھر ہماری فضیلت اور ہدایت ہمارے کس کام آئی جب طاقت، قوت، شوکت و عزت، اور وسعت سلطنت میں رومی و فارسی ہم سے بہتر ہیں۔ اس لئے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم بالکل صداقت پر مبنی ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک جہان اور بھی ہے جہاں نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا۔ اے میرے بھتیجے! میرے دل میں ہر وقت یہی خیالات گردش کرتے رہتے ہیں۔ پس زیادہ دیر تک گمراہی میں پڑے رہنے سے کیا فائدہ"

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک مرتبہ حضرت عمروؓ بن العاص سے پوچھا:۔

"جب تمہاری ذہانت اور عقلمندی کو دیکھتا ہوں تو مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ تم مہاجرین اول کے زمرے میں کیوں شامل نہ ہوئے!"

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:۔

"عمر! انسان کا دل اس کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ ایک اور ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جدھر چاہتا ہے اُدھر پھیر دیتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"تم سچ کہتے ہو"

عمرو بن العاص حبشہ میں | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کی باہمی آویزش نے طول پکڑا تو عمروؓ بن العاص نے مکہ چھوڑ کر حبشہ جانے کا قصد کیا۔ تاکہ وہاں علیحدگی میں بیٹھ کر اس آویزش کا انجام دیکھ سکیں۔ طبری نے اس واقعہ کا ذکر حضرت عمروؓ بن العاص ہی کی زبانی اس طرح کیا ہے۔

"جب ہم جنگ خندق سے واپس آئے تو میں نے قریش کے بعض ایسے آدمیوں کو جمع کیا جو اکثر میری رائے سے اتفاق کیا کرتے تھے۔ اور میری بات توجہ سے سنا کرتے تھے۔ میں ان سے کہا:۔

خدا کی قسم! مجھے تو اب یہ دکھائی دے رہا ہے کہ محمد کے عروج کا ستارہ اوج پر پہنچنے والا ہے۔ اس حالت میں ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں

سکوت اختیار کرلیں کیونکہ نجاشی کی حکومت میں رہنا محمدؐ کے تابع ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔ اگر محمدؐ نے ہماری قوم پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس طرح ہم اس کی دسترس سے باہر رہیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو پھر ہمارے وارے نیارے ہیں" [1]

عمروؓ بن العاص کا قبول اسلام | عمروؓ بن العاص کا یہ اقدام بظاہر انہیں اسلام سے دُور لے جانے والا تھا لیکن دراصل یہی ان کے اسلام قبول کرنے کا باعث بن گیا۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت عمروؓ بن العاص کہتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔۔ جب میں نے یہ تجویز اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کی تو ان سب نے میری تائید کی اور کہا:۔

"آپ کی رائے بہت درست اور صائب ہے۔"

میں نے ان سے کہا:۔

"اب جبکہ تم نے حبشہ جانے کا قصد کر لیا ہے تو نجاشی کے لیئے کچھ عمدہ سوغاتیں لے چلو"

ہمارے ہاں چمڑے سے بہتر کوئی سوغات نہیں سمجھی جاتی۔ چنانچہ ہم نے بہت سا چمڑا اکٹھا کیا اور حبشہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

"جب ہم نجاشی کے محل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ عمروؓ بن امیہ ضمری (جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نجاشی کے پاس بھیجا تھا) بادشاہ کے محل میں داخل ہوئے اور وہاں کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

یہ عمروؓ بن امیہ ضمری جارہا ہے۔ میں نجاشی کے پاس جا کر اسے طلب کروں گا۔ اگر اس نے اسے میرے حوالے کر دیا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس طرح محمد کے ایلچی کو قتل کرنے کے باعث میں بھی دیگر قریش کے ہم پلہ ہو جاؤں گا۔"

جب میں نجاشی کے دربار میں پہنچا تو حسب دستور اسے سجدہ کیا۔ نجاشی نے کہا:۔

"آؤ دوست! کیا تم اپنے ملک سے میرے لیے کوئی ہدیہ لائے ہو؟"

میں نے جواب دیا:۔

"جہاں پناہ! لایا ہوں۔"

---

[1] ابن اسحٰق نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۵ پر بیان کیا ہے۔

یہ کہہ کر وہ چمڑا جو میں مکہ سے ہمراہ لایا تھا اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس نے دیکھ کر بہت پسند کیا میں نے موقع غنیمت جان کر اس سے کہا:۔

"جہاں پناہ! میں نے ابھی ایک آدمی کو آپ کے دربار سے نکلتے دیکھا ہے۔ وہ ہمارے دشمن کا ایلچی ہے۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی اگر اسے میرے حوالے کر دیں تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔ کیونکہ اس نے ہمارے متعدد سرداروں اور معززین کو قتل کیا ہے۔"

یہ سن کر نجاشی سخت غضبناک ہوا اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس زور سے اپنی ناک پہ مارا کہ میں نے خیال کیا وہ ضرور ٹوٹ گئی ہوگی۔ میں یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔ اور کہا:۔

"جہاں پناہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات ناگوار گزرے گی تو میں کبھی ایسا سوال آپ سے نہ کرتا!"

اس نے کہا:۔

"کیا تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ میں اس شخص کے ایلچی کو قتل کرنے کے لیے تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہی ناموس اکبر (جبریلؑ) آتا ہے جو موسیٰ کے پاس آتا تھا؟"

میں نے عرض کیا:۔

"جہاں پناہ! کیا واقعہ اسی طرح ہے؟"

اس نے جواب دیا:۔

"اے عمرو! تم پر افسوس! تم میرا کہا مانو اور اس کی اطاعت قبول کر لو۔ خدا کی قسم! وہ حق پر ہے اور جس طرح موسیٰ فرعون پر غالب آگئے تھے، اسی طرح یہ شخص بھی اپنے دشمنوں پر غالب آجائے گا!"

میں نے کہا:۔

"میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اسلام پر میری بیعت لے سکتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا:۔

"کیوں نہیں؟"

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور میں نے اسلام پر اس کی بیعت کر لی[1]۔

---

[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی لیکن اپنے ساتھیوں سے اس امر کو پوشیدہ رکھا۔ اس کے بعد میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی غرض سے مدینہ روانہ ہوا"
اس روایت کی تائید ابن عساکر سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عساکر کی روایت میں جو حافظ ابن نعیم سے مروی ہے یہ ذکر بھی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

نجاشی کے دربار سے نکل کر میں ساتھیوں کے پاس آیا اور خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی غرض سے مدینہ روانہ ہوا۔ راستے میں مجھے خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے (یہ فتح کے چھ ماہ قبل کا واقعہ ہے) میں نے ان سے پوچھا "اے ابوسلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟"

انہوں نے کہا :-

"مجھ پر یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس لیئے میں تو اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں۔ آخر کب تک ہم ان کی مخالفت کرتے چلے جائیں گے؟"

میں نے کہا :-

"خدا کی قسم میں بھی مسلمان ہونے کے لیئے جا رہا ہوں"

چنانچہ ہم دونوں مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی سے باہر ہم نے اپنی اونٹنیاں ٹھہرائیں اور نئے کپڑے پہن کر مسجد میں داخل ہوئے۔ اسی دوران میں عصر کی اذان ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیئے تشریف لائے۔ حضور کو ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ اور آپ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ دوسرے مسلمان بھی ہمارے اسلام قبول کرنے سے بہت خوش تھے۔ سب سے پہلے خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر بیعت کی۔ پھر عثمان بن طلحہ نے بیعت کی۔ اس کے بعد میری باری آئی۔ میں آگے بڑھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے بیٹھ گیا لیکن شرم کے مارے میری نگاہ آپ کے سامنے نہ اٹھتی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میرے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴ : ساتھیوں کو جب کسی ذریعے سے ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے انہیں پکڑ کر زدوکوب کیا اور ان کا مال ومتاع بھی چھین لیا۔ وہ فرار ہو کر نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نجاشی نے ان کے ساتھیوں سے ان کا مال لے کر انہیں واپس دلوایا۔

[1] زبیر بن بکار نے جو روایت بیان کی ہے۔ اس میں حضرت عمرو بن العاص سے یہ الفاظ منسوب کیئے گئے ہیں :-

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چونکہ میں خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ سے عمر میں بڑا تھا اس لیئے میں نے بیعت کے وقت ان دونوں کو آگے بڑھایا۔ ان دونوں نے اس شرط پر بیعت کی کہ ان کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں۔ میں نے یہ دیکھ کر اپنے دل میں سوچا کہ میں اس شرط پر بیعت کروں گا کہ میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں لیکن جب میں بیعت کرنے لگا تو اگلے گناہوں کی معافی کا ذکر کرنا بھول گیا۔ اس روایت کی تائید ابن عساکر کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو محمد بن حفص تیمی سے مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اے عمرو! بیعت کر لو۔ اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح ہجرت بھی پچھلے گناہوں کو دور کر دیتی ہے۔"

میرے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگوں کے دوران میں دوسرے مسلمانوں اور میرے اور خالد بن ولید کے درمیان کوئی فرق نہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی ہماری وہی قدر و منزلت قائم رہی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی۔ حضرت عمرؓ بھی مجھ سے وہی سلوک کرتے رہے جو اس سے قبل مجھ سے ہوتا تھا۔"

حضرت عمرو بن العاص کی اس روایت کی تائید حضرت حضرت خالد بن ولید کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت خالد بن ولید اپنے اسلام لانے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"...... جب میں نے مکہ سے نکلنے کی تیاری مکمل کر لی تو میں صفوان بن امیہ سے ملا اور اس سے کہا:

"اے ابووہب! تم دیکھتے ہو کہ محمد عرب اور عجم پر غالب آ گئے ہیں۔ اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی اطاعت قبول کر لیں تو جو شرف ان کو حاصل ہونے والا ہے اس میں ہم بھی حصہ دار بن جائیں گے۔"

صفوان نے جواب دیا:۔

"اگر تمام دنیا بھی محمد کو قبول کر لے اور میرے سوا ہر شخص مسلمان ہو جائے تب بھی میں ان پر ایمان نہیں لاؤں گا۔"

میں نے یہ سن کر اپنے دل میں کہا:۔

"یہ بے چارہ مجبور ہے کیونکہ اس کا باپ اور اس کے بھائی جنگ بدر میں مارے جا چکے ہیں۔"

اس کے بعد میں عکرمہ بن ابوجہل سے ملا اور وہی بات جو میں نے صفوان سے کہی تھی اس سے بھی کہی اس نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ تب میں نے اس سے یہ درخواست کی کہ وہ ان باتوں کو اپنے تک ہی محدود رکھے اور کسی سے ان کا ذکر نہ کرے۔ یہ بات اس نے قبول کر لی اور کہا:۔

"میں ان کا کسی سے ذکر نہ کروں گا۔"

عکرمہ کے بعد عثمان بن طلحہ سے ملا جو میرا دوست تھا۔ پہلے تو میں نے وہی باتیں اس سے بھی کہنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اس کا باپ طلحہ، چچا عثمان اور چار بھائی مسافع، جلاس، حارث اور کلاب جنگ احد میں قتل کیے جا چکے ہیں۔ کہیں یہ بھی مجھے وہی جواب نہ دے۔ اس لیے میں نے خاموش رہنا چاہا۔ لیکن زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکا اور بات کہتے ہی بن پڑی۔ میں نے اس سے کہا:۔

ہماری مثال اس لومڑی کی سی ہے جو بھٹ میں چھپی ہوتی ہو۔ لیکن بھٹ میں اگر کثرت سے

پانی ڈالا جائے تو اسے وہاں سے نکلنا ہی پڑتا ہے۔ ہمیں یہ نظر آرہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آجائیں گے کیوں نہ ہم پہلے ہی اسلام قبول کرلیں؟"

میری توقع کے قطعاً برعکس عثمان نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔ اس کے بعد مدینہ چلنے کی بات ہوئی اور یہ طے پایا کہ اگلے روز صبح سویرے ایک مقام پر ہم دونوں پہنچ جائیں[1] اور جو پہلے پہنچ جائے وہ دوسرے کا انتظار کرے۔ اگلے روز ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے مدینہ کی راہ لی۔ جب ہم "ہدہ" کے مقام پر پہنچے تو ہمیں عمرو ابن العاص ملے جو حبشہ سے آرہے تھے علیک سلیک کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا:۔

"ابو سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے"

میں نے جواب دیا:۔

"اللہ کی قسم! مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور میں مسلمان ہونے کے ارادے سے مدینہ جارہا ہوں۔"

چنانچہ ہم اکٹھے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جب مدینہ پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ ہم نے اپنے اونٹ بٹھائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہمارے آنے کی خبر پہنچ گئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:۔

"مسلمانو! مکہ نے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے سامنے ڈال دیئے ہیں"

میں نے نئے کپڑے پہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا تھا کہ راستے میں مجھے میرے بھائی ولید بن ولید (جو حضرت خالد بن ولید سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے) ملے۔ وہ کہنے لگے۔

"جلدی چلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے آنے سے بہت مسرور ہیں"

چنانچہ ہم سب جلدی جلدی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس وقت میں حضورؐ کے سامنے پہنچا تو حضورؐ مسکرا رہے تھے۔ میں نے قریب جاکر السلام علیکم کہا۔ حضورؐ نے نہایت خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا:۔

"حضور! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

---

[1] یہ مقام یا جج تھا جو مدینہ کے راستے پر مکہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت فرمائی۔ مجھے یہی اُمید تھی کہ تمہاری عقل بالآخر سیدھے راستے کی طرف ضرور تمہاری رہنمائی کرے گی۔"

میں نے عرض کیا:۔

"یارسول اللہ! میں آپ کے خلاف کئی جنگوں میں لڑ چکا ہوں۔ آپ اللہ سے میرے اس گناہ کی معافی کے لیے دعا فرمائیں۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

"اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

میں نے کہا:۔

"کیا واقعی؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

"ہاں"

اس کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی:۔

"اے اللہ! خالد کی پچھلی تمام لغزشوں کو جو اس سے تیرے دین کی مخالفت کرتے ہوئے سرزد ہوئیں معاف فرما" میرے بعد عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ آگے بڑھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ ہم صفر ۸ھ میں مدینہ پہنچے تھے۔ خدا کی قسم جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا اس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔"

بعض روایات میں اس گفتگو کی تفصیل بھی درج ہے جو حبشہ سے مدینہ آتے ہوئے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید کے مابین ان دونوں کی پہلی ملاقات کے وقت ہوئی تھی۔ ہم بھی اسے یہاں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

خالد۔ عمرو! کہاں کا ارادہ ہے؟

عمرو۔ خالد! میرا تو جہاں جانے کا ارادہ ہے سو ہے۔ تم کہاں جارہے ہو؟

خالد۔ عمرو مسکرا کیوں رہے ہو؟ کیا میرے متعلق تمہیں کچھ بدگمانی ہے؟

عمرو۔ مجھے تمہارے اور تمہارے ساتھی عثمان بن طلحہ کے متعلق کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ تاہم پھر بھی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کہاں جارہے ہو؟

خالد۔ عمرو! جس راستے پر تم جارہے ہو اسی پر میں بھی جارہا ہوں۔

عمرو۔ میرے راستے پر؟

خالد۔ ہاں تمہارے راستے پر۔ جو خیالات تمہارے دل میں پیدا ہوئے وہی ہمارے دل میں پیدا ہوئے۔ اور جس نتیجے پر تم پہنچے اسی نتیجے پر ہم پہنچے۔

عمرو۔ خالد! یہ تو تم نے بہت دل خوش کن بات سنائی

خالد۔ اب تو روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا ہے۔ کہ محمد اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آخر کب تک مخالفت کرتے جاؤ گے؟ چلو آپ کے پاس چل کر اسلام قبول کر لو۔

عمرو۔ خدا کی قسم! میں تو مسلمان ہونے کے لیئے جا رہا ہوں

خالد۔ عمرو! ہمارے دلوں کو اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اب محمدؐ کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی۔ کیا کھلے کھلے نشانات کے بعد کوئی شک باقی رہ سکتا ہے؟ نہ معلوم قریش اب کیوں یہ انتظار کر رہے ہیں؟ محمدؐ سے ان کے مقابلے اور دشمنی کی کوئی وجہ جواز موجود نہیں۔

عمرو۔ خالد! اس دشمنی کا نتیجہ وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔ محمد کے دین کو عروج حاصل ہو گا۔ اور بت پرستی روز بروز مٹتی جائے گی۔ ہم بہت دیر تک خواب غفلت میں مدہوش پڑے رہے۔ اور اب اپنی غفلت پر سخت نادم ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ محمد کے سامنے کیا منہ لے کر حاضر ہوں گا"

وہ روایات جن میں حضرت عمرو بن العاص کے اسلام لانے کا ذکر ہے، ان امور پر متفق ہیں:۔

۱۔ حضرت عمروؓ بن العاص صفر ۸ھ میں اسلام لائے۔

۲۔ اسلام حضرت عمروؓ بن العاص کے دل و دماغ میں پوری طرح گھر کر گیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان دیر میں کیا لیکن وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخالفین کے درمیان موازنہ کرتے تھے۔ اور ہمیشہ ہی ان کی رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہوتی تھی۔ انہیں اس امر کا یقین تھا کہ اسلام کو بالآخر فتح حاصل ہوگی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فاتحانہ حیثیت سے مکہ واپس آئیں گے۔ انہوں نے اسلام کو پورے انشراح صدر کے ساتھ قبول کیا حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ایسی مہم پر بھیجنا چاہا جس میں کافی مال غنیمت حاصل ہونے کی امید تھی تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا۔

"میں نے مال کی خاطر اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اس لیئے قبول کیا کہ میرے دل میں اس کی حقانیت گھر کر گئی تھی[1]

---

[1] مال کی بے انتہا محبت کے متعلق جو روایات مصنف کتاب حضرت عمروؓ بن العاص کے سلسلے میں پہلے بیان کر چکے ہیں، باقی اگلے صفحہ پر)

۳۔ حضرت عمرو بن العاص نے اسلام کا اعلان کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ جب ان کا ارادہ پختہ ہوگیا تو انہوں نے کسی قسم کے خطرے کی پرواکیے بغیر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس کا پختہ ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب انہوں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مدینہ روانہ ہوئے تو راستہ میں انہیں خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ ملے۔ اگرچہ یہ دونوں اس سے قبل اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ لیکن انہوں نے کسی پس و پیش کے بغیر ان پر اپنے اسلام لانے کا حال ظاہر کر دیا۔ اس سے پہلے وہ قریش کے ایلچی کے سامنے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے تھے۔ جب قریش کو یہ بات محسوس ہوئی کہ عمرو بن العاص ان کی امداد سے کنارہ کشی اختیار کر رہے ہیں۔ اور ان کا میلان اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے تو انہوں نے ایک ایلچی کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اس سے صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا۔

"مجھے اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ دوبارہ جی اٹھنے کے متعلق محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے ......" پھر کہا:

"باطل پر اصرار کرتے چلا جانا اور اپنی ضد پر قائم رہنا درست نہیں ہے۔"[1]

۴۔ حضرت عمرو بن العاص کو اس معاملہ میں تاخیر کرنے سے بہت شرمندگی تھی۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ان کے بھائی ہشام ان سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ اس ندامت کا اظہار اس فقرہ سے بخوبی ہو سکتا ہے جو انہوں نے اپنے قبول اسلام کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"...... پھر میں آگے بڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ لیکن شرمندگی کے باعث میری نگاہ آپ کے سامنے نہ اٹھتی تھی۔"

اس کا دوسرا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ جب وہ بیعت کرنے لگے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ میرے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے۔ ان کی نیت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹: اُن کی حیثیت اس روایت کے مقابلہ میں کیا باقی رہ جاتی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ پچھلی تمام روایات من گھڑت تھیں اور محض حضرت عمرو بن العاص کو بدنام کرنے کے لیے وضع کی گئی تھیں۔ اس کے سوا ان کا کوئی اور مقصد نہ تھا (محمد احمد پانی پتی)

[1] حضرت عمرو بن العاص نے زبان سے جو کچھ کہا اپنے عمل سے اُسے کر کے دکھا دیا۔ اور جب اُن پر سچائی کھل گئی تو فوراً بلا پس و پیش اُسے قبول کر لیا۔

جب کھل گئی سچائی۔ پھر اُس کو مان لینا   نیکوں کی ہے یہ خصلت ہاں وحیا یہی ہے   (محمد احمد پانی پتی)

تو یہ بھی تھی کہ وہ اپنے اگلے گناہوں کی معافی کی درخواست بھی کریں۔ مگر انہیں یاد نہ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے انہیں خوشخبری دی کہ اسلام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ہجرت بھی گذشتہ کوتاہیوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

۵۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اسلام لاتے ہی عزم صمیم کر لیا تھا کہ آئندہ اپنی تمام قوتیں اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کر دیں گے۔ انہیں اسلام کے شاندار مستقبل پر کامل یقین تھا ان کے اسی ایمان کامل اور عزم راسخ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔

"دوسرے لوگ اسلام لائے لیکن عمروؓ بن العاص ایمان لائے۔"

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمروؓ بن العاص کے اسلام لانے سے اتنے خوش تھے اور آپ کو ان پر اتنا بھروسہ تھا کہ ابھی انہیں مدینہ پہنچے اور اسلام کا اعلان کیے چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایک لشکر کی قیادت مرحمت فرما کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیئے روانہ فرما دیا۔ اور اس طرح آغاز ہی سے انہیں اسلام کی خاطر خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگوں کے دوران میں دوسرے مسلمانوں اور میرے اور خالدؓ بن ولید کے درمیان کوئی فرق نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے عزم صمیم، عقل وخرد اور ذکاوت فطانت کا حال دوسرے لوگوں سے زیادہ معلوم تھا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سریہ ذات السلاسل کی قیادت سپرد کی۔ اس سریہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی فوج میں تین جلیل القدر صحابی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ رضوان اللہ علیہم بھی شامل تھے۔

اس سریہ کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی ایمانی قوت اور اعلیٰ صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اور بھی متعدد اہم کام ان کے سپرد کیئے جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان ہو گی۔

انہدام سواع سواع ایک بت عورت کی شکل کا تھا۔ سب سے پہلے اس کی پرستش حضرت نوح کی قوم نے شروع کی تھی۔ یہ بت حضرت شیث بن آدم کے لڑکے سواع کے نام پر بنایا گیا[1]۔ قوم نوح کے بعد ہذیل کے قبیلہ نے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر آباد تھا اس کی پرستش شروع کر دی۔ فتح مکہ کے

---

[1] ابن جریر نے لکھا ہے کہ سواع بن شیث بن آدم کے فوت ہونے کے بعد ان کی دینی عظمت کی رو سے ان کا مجسمہ بنایا گیا اور لوگوں نے اس کی تعظیم و تکریم شروع کر دی۔ سہیلی نے لکھا ہے کہ اس مجسمہ کی عبادت حضرت نوح علیہ السلام سے قبل (باقی اگلے صفحہ پر)

قبل تک ہر سال اس جگہ میلہ لگا کرتا تھا۔ اور اس پر کثرت سے چڑھاوے چڑھتے تھے۔ ان تمام امور کی نگرانی بنو سہم کرتے تھے اور تمام چڑھاوے بھی انہی کے پاس جمع ہوتے تھے۔

جب فتح مکہ کی وجہ سے اسلام کو عرب میں دیگر ادیان پر کلی غلبہ حاصل ہو گیا۔ تمام عرب میں لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدا گونجنے لگی۔ عربوں نے اسلام کے بنیادی اصول قبول کر لیے تو ان بت خانوں کے خلاف کارروائی کرنی ضروری ہو گئی جو کعبہ اور مکہ کے قرب و جوار میں قائم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ ان سب کو منہدم کر دیا جائے۔ آپ نے مکہ میں منادی کرا دی کہ اہل مکہ میں سے جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ رکھے بلکہ توڑ پھوڑ ڈالے۔" اس کے ساتھ آپ نے چند صحابہ کو مشہور بت خانوں کو منہدم کرنے کے لیے مامور کیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید عزیٰ بت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ عمروؓ بن العاص کو سواع بت کے انہدام پر مامور کیا گیا۔ اور سعدؓ بن زید الاشہلی کو مناۃ بت کے توڑنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ تعمیل حکم میں حضرت عمروؓ بن العاص چند ساتھیوں کے ہمراہ بت خانہ کو منہدم کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ کسی مؤرخ نے حضرت عمروؓ بن العاص کے ہمراہیوں کی تعداد نہیں لکھی۔ چونکہ انہیں صرف اس بت کے منہدم کرنے کا کام سپرد کیا گیا تھا اور بت خانہ میں ایک محافظ کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا اس لئے عقل کہتی ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ہوں گے۔

خود حضرت عمروؓ بن العاص اس مہم کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"...... میں بت خانہ میں داخل ہوا۔ اس وقت سوائے ایک محافظ کے اس کے پاس اور کوئی موجود نہ تھا اس نے میرے آنے کی غرض پوچھی۔ میں نے کہا ــــــ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بت کے توڑنے کے لیے بھیجا ہے" اس نے کہا "تم اسے کسی طرح بھی نہ توڑ سکو گے!" میں نے پوچھا "کیوں؟" اس نے کہا "یہ بت تمہیں ایسا کرنے سے روک دے گا"۔ میں نے کہا "تم پر افسوس تم اب تک باطل پر اڑے ہوئے ہو۔ بھلا کہیں یہ بت بھی دیکھتے اور سنتے ہیں؟" اس کے بعد میں اس کے قریب گیا اور اسے توڑ ڈالا۔ اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱: پہلا ہبل بن قینان کے عہد میں شروع ہو گئی ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت نوح کی قوم نے جو بت بنا رکھے تھے وہ نیک اور پارسا لوگوں کے نام پر بنائے تھے۔ جب وہ لوگ فوت ہو جاتے تھے تو شیطان لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دیتا تھا کہ جن جگہوں پر ان لوگوں کی رہائش تھی اُسی جگہ اُن کے مجسمے بنائیں اور انہی کے نام پر ان کا نام رکھیں۔

سائفیوں کو بیں نے اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا۔ جہاں تمام چڑھاوے اکٹھے کیئے جاتے تھے۔ لیکن وہاں سے کچھ نہ نکلا۔ اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے محافظ بجاری سے پوچھا "اب تم کیا کہتے ہو؟" اس نے کہا "مجھ پر حقیقت کھل گئی ہے اور میں مسلمان ہوتا ہوں [۱]۔"

عمروؓ بن العاص مملکتِ عمان میں

حضرت عمروؓ بن العاص میدان جنگ کے ہی شہسوار نہیں تھے ان کی عقل وخرد اور ذکاوت وفطانت کے باعث دوسرے اہم کام بھی ان کے سپرد کیئے جاتے تھے۔ سیاسی امور میں ان کی مہارت اور بصیرت کی وجہ سے وہ ایک تجربہ کار سپہ سالار کے علاوہ ماہر سیاست دان بھی تھے۔ پھر ایمان واخلاص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں محبت کی وجہ سے مذہب اسلام بھی ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا تھا اور دینی امور کو سمجھنے کا ان میں بہترین ملکہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس طرح عمرو بن العاص میدان جنگ کے شہسوار بھی تھے، ماہر سیاست دان بھی تھے اور ایک سچے مومن اور عالم بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی ان صلاحیتوں اور خوبیوں کا بخوبی علم تھا۔ لہٰذا حضور نے ان کے سپرد محض جنگی کام ہی نہیں کیئے۔ بلکہ سیاسی اور دینی معاملات میں بھی ان سے اکثر کام لیا۔

ذی الحجہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک تبلیغی مہم پر عمان بھیجا۔ عمان جزیرہ عرب کے جنوب مشرق میں ایک مملکت تھی [۲] جہاں کے باشندے آگ کی پرستش کرتے تھے۔ وہاں دو بھائی حاکم تھے۔ بڑے کا نام جیفر تھا اور چھوٹے کا نام عباد۔

حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ صرف ایک تبلیغی خط تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بھائیوں کے نام لکھا تھا اور جس میں انہیں اسلام لانے اور توحید و رسالت کی گواہی دینے کی تلقین کی گئی تھی۔

اس خط کی عبارت یہ تھی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد بن عبداللہ خدا کے رسول کی طرف سے جلندی کے بیٹوں جیفر اور عباد کے

---

[۱] کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۳

[۲] عمان جس کا یہاں ذکر ہے۔ یمن کا ایک شہر ہے جس کا نام عُمان بن سبا کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس سے مراد قدیم شام کا شہر عُمّان نہیں ہے جسے آج کل اردن کے دارالحکومت کی حیثیت حاصل ہے۔

نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی اختیار کرے۔ میں تمہیں اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ۔ امن میں رہو گے۔ میں تم لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ اس شخص کو خدائی عذاب سے خبردار کروں جو (روحانی طور پر) زندہ ہو اور کافروں پر اتمام حجت کر دوں۔ تم دونوں اگر اسلام قبول کر لوگے تو میں تمہیں بدستور تمہارے علاقے کا حاکم بنائے رکھوں گا۔ لیکن اگر انکار کرو گے تو عنقریب تمہارا ملک تمہارے ہاتھوں سے چھن جائے گا۔

حضرت عمرو بن العاص عمان پہنچے لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط فوراً ان دونوں بھائیوں کے حوالے نہیں کیا۔ وہ بہت دانشمند انسان تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہر کام حکمت اور غور و فکر سے کرنا چاہیئے۔ انہوں نے پہلے دونوں بھائیوں کی شخصیتوں کا مطالعہ کیا۔ مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ چھوٹا بھائی عباد بردباری اور اخلاق میں بڑے بھائی جیفر سے بڑھا ہوا ہے۔ جیفر میں لالچ اور خود پسندی کا مادّہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے پہلے چھوٹے بھائی سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔

عمرو بن العاص کی عباد سے گفتگو | وہ عباد کے پاس پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے یہاں آئے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

عباد۔ عمرو بن العاص تمہارے نبی کیا چاہتے ہیں؟

عمرو۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ دونوں اسلام قبول کر لیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں آگ کی عبادت ترک کر دیں اور زمین و آسمان اور پانی اور آگ کے خالق کی پرستش کریں۔

عباد۔ عمرو بن العاص! کیا تم نے بتوں کی پرستش ترک کر دی ہے

عمرو۔ جی ہاں ہم نے اس ضلالت کو جس نے ہمارے دل و دماغ کو مفلوج کر دیا تھا چھوڑ دیا ہے اور اسلام کی صحت بخش روشنی سے اپنے دلوں کو منور کیا ہے۔

عباد۔ عمرو بن العاص! تم کب اسلام لائے۔ ہم نے تو تمہیں داعیٔ اسلام کے خلاف جنگیں کرتے دیکھا ہے۔

عمرو۔ عباد! میں اسلام لے آیا ہوں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دینا چاہتا تھا اس لئے اس نے میرے لئے بھلائی کے سامان پیدا کر دیئے اور مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

عباد۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ محمدؐ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اور

دنیا میں اس نے جو اعمال کیئے ہوں گے ان کا حساب دوسری دنیا میں اسے دینا پڑے گا۔ اس کے اعمال کے نتیجہ میں اسے جنت یا دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ عمرو بن العاص! کیا واقعی یہ سچ ہے؟

عمرو۔ اے عباد آپ نے ٹھیک سنا واقعی محمدؐ یہی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر بعث بعد الموت، حساب کتاب اور ثواب و عذاب کا سلسلہ نہ ہو تو نیک اعمال کا بدلہ کس طرح ملے اور مجرموں اور گناہوں کی سزا دہی کی صورت کیا ہو۔ بعث بعد الموت ضروری ہے تاکہ ہر شخص کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ مل سکے جو اس نے اس دنیا میں کیئے ہوں۔

عباد۔ عمرو بن العاص! کیا تمہارا دین آخرت کا دین ہے؟

عمرو۔ ہمارا دین دنیا کا دین بھی ہے اور آخرت کا بھی۔ اسے قبول کرنے سے دونوں جہان کی سعادتیں نصیب ہوتی ہیں۔ جب تم دونوں بھائی اسلام قبول کر لوگے تو تمہارا ملک تمہارے ہی قبضے میں رہے گا اور یہاں تمہاری ہی حکومت قائم رہے گی۔ تم دونوں احکام الہٰی کی روشنی میں ملک کا نظم و نسق چلاؤ گے مظلوموں کی مدد اور کمزوروں کی دستگیری کرو گے۔ امیروں سے فقیروں کا حق لو گے ...... دنیا کی بہتری کے لئے اس سے زیادہ سامان اور کیا ہو سکتا ہے؛ جب تمہاری دنیا درست ہو جائے گی تو آخرت بھی درست ہو جائے گی۔ اے عباد! اسلام لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا اور آخرت کا ثواب مرحمت فرمائے گا۔

عباد۔ عمرو بن العاص! جو باتیں تمہارا دین پیش کرتا ہے وہ واقعی اچھی ہیں۔ کاش میرا بھائی بھی میرا ساتھ دیتا تو ہم دونوں تمہارے رسولؐ کے پاس جا کر اس کی رسالت پہ ایمان لے آتے۔ لیکن میرا بھائی حکومت کا بہت زیادہ حریص ہے۔ وہ حاکم ہونے کی وجہ سے کسی کی اطاعت قبول کرنا اور کسی کے تابع ہونا کبھی گوارا نہ کرے گا[1]

---

[1] اس واقعہ سے قارئین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت عمرو بن العاص پہلے چھوٹے بھائی عباد کے پاس گئے۔ بڑے بھائی کے پاس نہیں گئے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی فطانت اور عقل سے معلوم کر لیا تھا کہ بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے زیادہ حکومت کا حریص ہے۔ لہٰذا اگر اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا تو وہ فوراً انکار کر دے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ لیکن چھوٹے بھائی کی یہ حالت نہیں ہے۔ چونکہ اسے حکومت میں زیادہ عمل دخل نہیں ہے اس لئے وہ آسانی سے باتیں سننے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس سے گفتگو کر کے نہ صرف اسے اسلام قبول کرنے پر تیار کر لیا۔ بلکہ اس بات پر بھی آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے بھائی سے بات چیت کر کے اسے بھی قائل کرنے کی کوشش کرے تا دونوں بھائی ایک ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

عمرو۔ عباد! اسلام قبول کرنے کے نتیجہ میں تمہیں کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرنی پڑے گی۔ بلکہ تم بدستور اپنے ملک پر قابض رہو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بھلائی اور نیکی کی طرف بلاتے ہیں۔ تسلط اور اقتدار حاصل کرنا آپ کا مقصد نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جو شخص ایمان لے آئے گا اور نیک کام کرے گا وہ اسلام کا ایک ستون بن جائے گا۔ لیکن جو شخص مخالفت کرے گا اور دشمنی پر کمر باندھے گا وہ بھلائی اور سعادت و خوش نصیبی کو خود اپنے ہاتھوں سے کھو دے گا۔

عباد۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ میرے بھائی کے پاس چلیں اور جو خط آپ لائے ہیں وہ اسے پڑھ کر سنائیں۔ یقیناً وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرے گا۔ آپ اپنی لیاقت اور ذکاوت کو کام میں لاکر اسے ہموار کرنے کی کوشش کریں۔ میں برابر آپ کی تائید کرتا رہوں گا اور اسے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا دل کھول دے گا اور اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

عمرو بن العاص کی جیفر سے بات چیت چنانچہ عباد نے مناسب موقع پر اپنے بھائی جیفر کو اس گفتگو کا خلاصہ سنایا جو اس کی حضرت عمرو بن العاص سے ہوئی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ آپ سے بھی اس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں۔ کچھ دن تک تو حضرت عمرو بن العاص کو اجازت نہ ملی۔ آخر ایک روز جیفر نے انہیں بلایا۔ اور ان کے آنے کی غرض دریافت کی۔ حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کے حوالے کیا۔ اس نے پہلے اسے خود پڑھا اور پھر اپنے بھائی کو دے دیا کہ وہ بھی اس کے مضمون سے واقف ہو جائے۔ اس کے بعد اس کی حضرت عمرو بن العاص سے مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:-

جیفر۔ عمرو بن العاص کیا تمہارے نبی تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیئے گئے ہیں۔

عمرو۔ جی ہاں! تمام جہان کے لوگوں کی طرف۔

جیفر۔ اگر میں ان کی دعوت قبول نہ کروں تو محمد کیا کریں گے۔

عمرو۔ اس کا جواب خط کے آخر میں ہے۔۔۔۔ آپ مہربانی کر کے خط کو دوبارہ پڑھیں

جیفر۔ عمرو بن العاص قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟

عمرو۔ بعض لوگ اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض تلوار سے مغلوب ہو کر۔ اگر آپ اسلام نہ لائے تو مسلمانوں کے گھوڑوں کے ٹاپیں آپ کی سرزمین کو روند ڈالیں گے اور وہ آپ کے آدمیوں کو ہلاک کر دیں گے۔[1] آپ اسلام لے آیئے امن میں رہیں گے اور بدستور اپنے عہدے پر قائم رہیں گے۔

---

[1] اس گفتگو کا توضیحات مطلب یہ ہو کہ اسلام لانے کے لیے جبر بھی کیا جاتا تھا کہ یا تو مسلمان ہو ورنہ تلوار سے ہلاک کر دیئے جاؤ گے

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیفر۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسی قسم کے خطوط بعض اور بادشاہوں کو بھی بھیجے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض نے آپ کے نبی کا مذاق اُڑایا۔ ان کے خطوط کو پھاڑ کر پھینک دیا اور ان کے قاصد کی توہین کی۔

عمرو۔ عنقریب مسلمانوں کے گھوڑے ان کی سرزمین کو اپنے ٹاپوں سے روند ڈالیں گے اور اس حرکت کا نتیجہ انہیں بخوبی معلوم ہو جائے گا۔

جیفر۔ اور فارس اور روم کے بادشاہوں کا کیا بنے گا ؟

عمرو۔ ان کے اور آپ کے علاقے مسلمانوں کے نیزوں کی زد سے دور نہیں ہیں۔ وہ نیزے تیزی کے ساتھ کافروں کے دلوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔

جیفر۔ عمرو بن العاص! تم مجھے دھمکیاں دیتے ہو ؟

عمرو۔ میں آپ کو دھمکیاں نہیں دیتا بلکہ بھلائی کی بات پیش کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس خط کا جواب دے دیں تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی خدمت میں لے جا کر اسے پیش کر دوں۔ مجھے آپ کی عقل و خرد اور اصابت رائے کو دیکھتے ہوئے اُمید ہے کہ آپ کا جواب نفی کی بجائے اثبات میں ہوگا

جیفر۔ عمرو بن العاص! میں اس خط کا جواب کل دوں گا۔

چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص اپنی قیام گاہ پر واپس چلے گئے۔ اگلے روز وہ دوبارہ جیفر کے پاس پہنچے۔ وہاں ان دونوں میں یہ گفتگو ہوئی۔

جیفر۔ عمرو بن العاص۔ میں نے اپنی رائے قائم کر لی ہے ؟

عمرو۔ انشاء اللہ وہ بہتر ہو گی۔

جیفر۔ ہاں! وہ ہمارے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے لئے بُری ہے۔

عمرو۔ میرے لئے بری ہے ؟ کس شخص کی یہ طاقت ہے کہ وہ مجھے کوئی ضرر پہنچا سکے ؟

جیفر۔ میرا مطلب تمہاری قوم سے ہے نہ کہ تمہاری ذات سے۔ محمدؐ کو یہ بات پہنچا دو کہ ان کی تلوار کی زد سے عمان کا علاقہ محفوظ ہے۔ اگر انہوں نے یہاں کا قصد کیا تو ان کے مقابلے کے لئے بھی تلواریں اور نیزے حاضر ہوں گے۔ انہیں یہ بتا دینا کہ آبا ؤ اجداد کا ملک کوئی شخص اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں قریش پر فتح پانے کا غرور ہے اور اس غرور نے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ تم دوسروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷) ظاہر ہے کہ یہ بات قرآن کے ارشاد لا اکراہ فی الدین کے سراسر خلاف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ ساری روایت زٹلی ہے۔ نہ حضور علیہ السلام نے ایسا کوئی حکم دیا، نہ حضرت عمرو بن العاص نے کوئی اس قسم کی بات کی۔ (محمد احمد پانی پتی)

کی سرزمین پر تسلط حاصل کرنے کے خواہاں ہو اور کسریٰ کی سلطنت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو
عمرو۔ میں نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔ آپ کو اپنے بغض و عناد اور انکار کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔

دونوں بھائیوں کا قبول اسلام | حضرت عمرو بن العاص کا آخری جملہ دونوں بھائیوں کے درمیان موضوع بحث اور دونوں کے افکار و خیالات میں انتشار پیدا کرنے کا باعث بن گیا۔ عباد اپنے بھائی سے زیادہ نتائج و عواقب پر نظر رکھنے والا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے مابین لمبی گفتگو ہوئی۔ دونوں نے مل کر کئی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا۔ ہر بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فقرہ پر ان کی نظر اٹک جاتی تھی۔

اگر تم اسلام کا اقرار کرلوگے تو میں تمہیں بدستور حاکم بنائے رکھوں گا لیکن اگر انکار کروگے تو تمہارا ملک تم سے چھن جائے گا.......

یہ قول بالکل واضح تھا اور عبارت میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تھی۔ ان کے سامنے دو راستے کھلے تھے ایک راستہ اختیار کرنے سے دنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب ہوتی تھی اور دوسرا راستہ اختیار کرنے سے ہلاکت اور زوال حکومت کا مہیب خطرہ سامنے نظر آتا تھا۔

بالآخر جیفر نے بھی معاملہ کی اہمیت کو سمجھ لیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ عمرو بن العاص اس وقت عمان سے رخصت ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جیفر نے انہیں روک لیا اور انہیں اپنے پاس بلا کر دریافت کیا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کیسے کرے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے دونوں بھائیوں کو کلمۂ شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ ان دونوں نے ایسا ہی کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ باشندگان مملکت نے بھی ان کی تقلید کی اور کثرت سے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس طرح چند روز میں سارا عمان مسلمان ہو گیا۔

زکوٰۃ کی تحصیل | حضرت عمروؓ بن العاص شاداں و فرحاں مدینہ واپس آئے اور رسول اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس کارنامہ کی تفصیل بتائی جس میں انہیں تلوار استعمال کرنا پڑی اور نہ کوئی اور ہتھیار۔ انہوں نے یہ مہم محض اپنی عقل، سیاست اور دینی امور سے واقفیت کی بنا پر سر کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس کارنامہ سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے مناسب سمجھا کہ عمروؓ بن العاص کو اسی علاقہ سے زکوٰۃ وصول کرنے اور وہاں کے لوگوں کو اسلامی احکام سکھانے، کتاب اللہ کا درس دینے اور خدائی نور پھیلانے کا کام سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دوبارہ عمان روانہ فرما دیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے

بھی اپنی حکمت، فطانت اور سیاست کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے دل موہ لیئے اور ہر شخص آپ سے محبت کے باعث خوشی خوشی اسلام کے احکام کی بجا آوری کے لیئے تیار ہو گیا۔

دو سال تک حضرت عمروؓ بن العاص عمان میں اپنا مفوّضہ کام سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خط پہنچا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے حادثہ فاجعہ کی خبر دی گئی تھی اور ہدایت کی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو احکام دیئے تھے اور جو ذمہ داری سپرد کی تھی اسے بدستور بجا لاتے رہیں اور کسی قسم کی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمروؓ بن العاص کی رفاقت ختم ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت عمروؓ بن العاص بڑے اخلاص اور محبت سے آپ کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہے۔ اور آپ کی خاطر اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لیئے تیار رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد آپ کے جانشین سے بھی ان کا تعلق اسی طرح قائم رہا جس طرح حضور سے قائم تھا۔ اور وہ اسلام کی سربلندی اور اشاعت کے لیئے ہر آن مصروفِ عمل رہے۔

باب دوم

عمروؓ بن العاص

میدانِ جنگ میں

- جنگِ ذات السلاسل
- جنگہائے مرتدین
- جنگہائے شام و فلسطین
- فتح مصر
- فتوحات برقہ و طرابلس
- عمروؓ بن العاص کے اصولِ جنگ

(ا)

جنگِ ذاتُ السلاسل

"ابو عبیدہ! ہم جہاد میں مصروف ہیں، یہاں مراتب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آپ اور آپ کے تمام ساتھی میرے ماتحت ہیں۔ کیونکہ میری مدد کو آئے ہیں۔ سپہ سالار کی حیثیت سے امامت کرانا بھی میرا ہی حق ہے۔"

عمرو بن العاصؓ
کی گفتگو حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ سے

قبول اسلام کے بعد جنگ ذات السلاسل پہلی جنگ ہے جس میں حضرت عمرو بن العاص کو قیادت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ جنگ قبیلہ قضاعہ سے لڑی گئی تھی جو مدینہ سے دس دن کے فاصلے پر ذات القریٰ سے پرے بلی[1] اور عذرہ[2] کی بستیوں میں آباد تھا۔ اسے غزوہ ذات السلاسل اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مشرکین نے اپنے آپ کو ایک دوسرے سے زنجیروں کے ساتھ باندھ لیا تھا تاکہ میدان جنگ سے بھاگنے کی راہ بالکل مسدود ہو جائے۔ لیکن جب مسلمان ان کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ انہیں فرار ہوتے ہی بن پڑی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس مقام پر یہ جنگ ہوئی وہاں ایک چشمہ "سلاسل" نام کا تھا۔ اس چشمہ کے نام پر اس غزوہ کا نام ذات السلاسل پڑ گیا ایک اور روایت میں ہے کہ اس جگہ ریت کے پہاڑ زنجیر کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے اس جنگ کو ذات السلاسل کہا جانے لگا۔ یہ جنگ جمادی الثانی ۸ھ میں واقع ہوئی تھی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے بھی اسی سال اسلام قبول کیا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ قضاعہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین سو مہاجرین کا ایک لشکر تیار کیا اور اس کی قیادت حضرت عمرو بن العاص کے سپرد کی۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص اس مہم کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہلا بھیجا کہ میں کپڑے اور ہتھیار پہن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوں جب میں تعمیل ارشاد میں حضور کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا:-

"عمرو بن العاص! میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک لشکر کا سردار بنا کر باہر بھیجوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت سے سرفراز فرمائے گا اور ہر قسم کے خطرات سے تمہاری حفاظت کرے گا۔"

میں نے عرض کیا:-

"یا رسول اللہ! میں نے مال و دولت کے لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- المال الصالح للمرء الصالح یعنی صالح مرد کو صالح مال ملتا ہے۔"

---

[1] قبیلہ بلی، بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ کی طرف منسوب تھا

[2] قبائل عذرہ، عذرہ بن سعد بن قضاعہ کی طرف منسوب تھے۔

روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن العاص کو سفید جھنڈا مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی ایک سیاہ جھنڈا بھی دیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ راستے میں سے قبائل کو اپنی مدد کے لئے ساتھ لے لیں۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص مدینہ سے قضاعہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کوچ کا طریق انہوں نے اختیار کیا کہ دن کے وقت چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے[1]۔

عمروؓ بن العاص کی جانب سے کمک کی درخواست جب اسلامی لشکر دشمن کے علاقے کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ فریق مخالف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چونکہ اسلامی لشکر کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اس لئے حضرت عمروؓ بن العاص نے رافع بن مکیث الجہنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر کمک کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو دو سو مہاجرین و انصار کے ہمراہ عمروؓ بن العاص کی مدد کے لئے روانہ فرمایا۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روانگی سے قبل حضرت ابو عبیدہؓ کو مختلف نصائح کیں اور فرمایا کہ سب متحد رہنا اور اختلاف کی نوبت نہ آنے دینا۔

مسئلہ قیادت حضرت ابو عبیدہؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمروؓ بن العاص کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ لشکر کی قیادت کون کرے؟ عمرو بن العاص جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجا تھا یا ابو عبیدہ بن جراح جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمرو بن العاص کی مدد کے لئے روانہ فرمایا تھا۔

جب نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے امامت کرانی چاہی لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا:۔

"آپ میری مدد کے لئے آئے ہیں، میں امیر ہوں اس لئے امامت میں ہی کراؤں گا۔"

حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا

"نہیں۔ تم اپنا مفوضہ کام سر انجام دو، میں اپنا مفوضہ کام سر انجام دوں گا۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ تمام جنگی امور و اپنی منشا کے مطابق انجام دینے کا حق صرف انہیں حاصل ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ بہت نرم مزاج انسان اور بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ دنیوی عزت ان کی نظر میں کچھ چیز نہ تھی۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے

---

[1] آج کل بھی یہی طریقہ رائج ہے۔ لڑائیوں کے دوران میں فوجیں بالعموم رات کو سفر کرتی ہیں۔ تاکہ دشمن سے ان کی نقل و حرکت پوشیدہ رہے۔

کے اصرار پر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد آگیا جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اختلاف سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی۔ انہوں نے عمرو رضی بن العاص سے کہا۔

" عمرو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ تم دونوں اختلاف نہ کرنا۔ اس لئے اگر تم میرا کہا نہ بھی مانو گے تب بھی میں تمہاری اطاعت کروں گا۔"

بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک روز حضرت ابو عبیدہ رضی نے امامت کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرو رضی بن العاص نے اعتراض کیا۔ اس پر دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو عبیدہ۔ عمرو بن العاص! امامت کرانا تمہارا حق نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امیر بنا کر بھیجا ہے۔

عمرو۔ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میری مدد کے لئے آئے ہیں اس لئے آپ اور آپ کے ساتھی میرے لشکر کا ایک حصہ ہیں۔

ابو عبیدہ۔ لیکن میرے ساتھی تو کبار صحابہ میں شامل ہیں۔

عمرو۔ یقیناً وہ کبار صحابہ میں شامل ہیں لیکن اس وقت ہم جہاد میں مصروف ہیں۔ یہاں مراتب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آپ اور آپ کے تمام ساتھی میرے ماتحت ہیں کیونکہ میری مدد کو آئے ہیں۔ سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے امامت کرانا بھی میرا ہی حق ہے۔

ابو عبیدہ۔ تب ہم دونوں امارت کے فرائض سرانجام دیں اور ہر شخص وہی کام کرے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔

عمرو۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ امیر ایک ہی ہو گا اور امامت بھی ایک ہی شخص کرائے گا۔ ہم ایک صف میں کھڑے ہو کر دشمن سے مقابلہ کریں گے۔

ابو عبیدہ۔ عمرو بن العاص۔ اختلاف پیدا نہ کرو۔ کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

عمرو۔ اگر میں آپ کا کہنا نہ مانوں تو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم دیا ہے؟

ابو عبیدہ۔ یہ کہ میں تمہاری اطاعت کروں۔

عمرو۔ تب میں آپ کا کہنا نہیں مانتا۔ اور امامت میں ہی کراؤں گا۔

حضرت عمرو رضی بن العاص کے اصرار پر حضرت ابو عبیدہ رضی نے امارت و امامت سے دست کشی اختیار کر لی اور ان کے ماتحت ہو کر کام کرنا قبول کر لیا۔ چنانچہ حضرت عمرو رضی بن العاص ہی لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور جنگ میں

دونوں لشکروں کی قیادت بھی انہوں ہی نے کی۔

جنگ | حضرت عمرو بن العاص فوج کو لے کر آگے بڑھے اور دشمن کے علاقے میں پہنچ کر اس پر اچانک حملہ کر دیا۔ قضاعہ نے کچھ دیر تک تو مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا لیکن پھر انہیں بھاگتے ہی بن پڑی اور وہ صحرا میں تتر بتر ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاص وہاں تین روز تک ٹھہرے۔ آپ روزانہ کچھ دستوں کو ادھر ادھر روانہ کرتے وہ بکریاں پکڑ لاتے۔ مسلمان انہیں ذبح کرتے اور کھا جاتے۔ اس جنگ میں تقسیم کرنے کے لیے کوئی مال مال غنیمت ہاتھ نہ آیا۔

لیکن بلاذری نے اس جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

عمرو بن العاص نے قضاعہ کے علاقے میں پہنچ کر ان پر حملہ کیا۔ دشمن بھاری تعداد میں مجتمع تھا لیکن مسلمانوں نے اتنے زور سے حملہ کیا کہ ان کی جمعیت پراگندہ ہو گئی۔ ان کے بے شمار آدمی قتل ہوئے اور کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔" [1]

حاکم بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ اس جنگ میں حضرت عمرو بن العاص نے لشکر کو یہ حکم دیا تھا کہ کوئی شخص سردی سے بچاؤ کی خاطر آگ نہ جلائے۔ حضرت عمر بن الخطاب کو یہ حکم سن کر بہت غصہ آیا اور انہوں نے اس کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق سے مشورہ کیا۔ حضرت صدیق نے جواب دیا:۔

"عمر! عمرو بن العاص جو چاہتے ہیں انہیں کرنے دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جنگی مہارت کو دیکھ کر ہی انہیں سپہ سالار بنایا ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ [2]

ابن حبان سے روایت ہے کہ اسلامی لشکر نے عمرو بن العاص سے آگ جلانے کی اجازت مانگی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ لوگوں کو یہ حکم بہت گراں گزرا کیوں سخت سردی کے دن تھے اور لوگ آگ تاپنا چاہتے تھے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمرو بن العاص سے اس کے متعلق بات چیت کی۔ انہوں نے کہا:

---

[1] اس سے پہلی روایت کہ اس جنگ میں مال غنیمت کچھ ہاتھ نہیں آیا یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ آنحضورؐ نے حضرت عمرو بن العاص کو اس مہم پر بھیجتے ہوئے فرمایا تھا "یا عمرو! انی ارید ان ابعثک علی جیش فیغنمک اللہ ویسلمک۔ یعنی "اے عمرو! میں تمہیں ایک لشکر کا سردار بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت عطا فرمائیگا اور تم سلامت رہو گے۔" پس حضور کا فرمانا کس طرح غلط ہو سکتا ہے (محمد احمد پانی پتی)

[2] یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کس قدر ضبط و تحمل اور خلوص و ایثار سے کام لیتے تھے (محمد احمد)

اگر کوئی شخص آگ جلائے گا تو میں اسے اسی آگ میں پھینک دوں گا" [1]

بعض روایات میں ہے کہ عمروؓ بن العاص حضرت ابوبکرؓ صدیق سے بہت سختی سے پیش آئے۔ اور انہیں کہا:۔

"کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؟"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ "بیشک"

حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا "تب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجا لایئے۔"

جب حضرت عمرؓ کو عمروؓ بن العاص کی اس درشتی اور سخت کلامی کا علم ہوا تو انہیں بہت غصہ آیا اور انہوں نے عمروؓ بن العاص کے پاس جا کر اس معاملہ کے متعلق گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے انہیں روک دیا۔

قضاعہ کی شکست کے بعد مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرنا چاہا۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں اس سے بھی منع کر دیا۔ اور حکم صادر کیا کہ "اپنی جگہ پر رہو اور بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرو۔" بعض لوگوں کو یہ حکم سن کر بہت غصہ آیا اور انہوں نے کہا:۔

"آپ ہمیں مال غنیمت حاصل کرنے اور مفروریں کا تعاقب کر کے ان کا کلی طور پر قلع قمع کرنے سے کیوں روک رہے ہیں؟"

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:۔

تمہارے لیئے دشمنوں کے وہ سر کافی ہیں جو وادی میں بکھرے پڑے ہیں" [2]

مسلمانوں نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے دوبارہ کہا۔

"لیکن فاتح فریق کا حق ہے کہ وہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے ......"

حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا:۔

"میں نے جو حکم دیا ہے۔ اس میں تبدیلی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور جو شخص حکم عدولی کرے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

---

[1] یہی روایت ابن عساکر نے اسماعیل بن ابی خالد کے حوالے سے بیان کی ہے۔

[2] اگر یہ روایت صحیح ہے تو مصنف کا وہ دعویٰ کہاں گیا جس میں اس نے کہا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کو مال کی بہت محبت تھی۔ اگر مال کی محبت ہوتی تو وہ ضرور مفروریں کا تعاقب کر کے مال غنیمت حاصل کرتے (محمد احمد)

ابن حیان نے بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں نے جب دشمنوں کو شکست دی تو انہوں نے ان کا پیچھا کرنا چاہا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا
جب مسلمان مدینہ واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص سے پوچھا۔
"عمر! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"
حضرت عمرو بن العاص نے جواب دیا
"یا رسول اللہ! میں نے اسی میں بہتری سمجھی تھی۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا
"تم نے مسلمانوں کو دشمن کا پیچھا کرنے سے کیوں روک دیا؟"۔۔
حضرت عمرو بن العاص نے جواب دیا۔
"یا رسول اللہ! ہم نے دشمنوں کے علاقے میں جا کر ان سے جنگ کی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور پیچھا کرتے کرتے دور نکل گئے تو کہیں دشمن کمک لے کر ان پر ٹوٹ نہ پڑے۔ اور اس طرح ایک بار فتح حاصل ہونے کے بعد ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑے۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔
"آگ کا کیا قصہ ہے؟ جب راتیں سخت سرد تھیں تو تم نے مسلمانوں کو آگ کیوں نہ جلانے دی؟"
حضرت عمرو بن العاص نے جواب دیا۔
"یا رسول اللہ! میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح سخت سردی محسوس کر رہا تھا اور میری بھی یہی خواہش تھی کہ آگ جلا کر تاپوں۔ لیکن مجھے ڈر تھا کہ جب روشنی پھیلے گی اور دشمن مسلمانوں کو دیکھے گا تو کہیں وہ ان کی قلت تعداد کو دیکھ کر ان پر حملہ نہ کر دے[۱]۔"

---

[۱] مسلمانوں نے جنگوں کے دوران میں آگ سے کئی مرتبہ کام لیا ہے۔ آگ سے کام لینے کا سب سے پہلا موقع فتح مکہ کے وقت پیش آیا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو خائف کرنے اور مسلمانوں کی بھاری تعداد سے ڈرانے کے لئے پہاڑ کے اوپر آگ روشن کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے بھی بعض روایات کی رو سے جنگ موتہ کے موقع پر آگ روشن کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ دشمن کو یہ خیال پیدا ہو کہ مسلمانوں کو بھاری کمک پہنچ گئی ہے۔ اور اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد کئی گنا زیادہ ظاہر ہو گیا ہے۔ لیکن غزوہ ذات السلاسل کے موقع پر حضرت عمرو بن العاص نے مسلمانوں کو سختی سے آگ جلانے سے اس لئے روکا کہ دشمن کو مسلمانوں کی قلت تعداد کا علم نہ ہونے پائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذرات قبول فرما لیے اور انہیں کچھ نہ کہا۔

قبول اسلام کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کو پہلی مرتبہ اس جنگ میں شرکت کرنے اور قیادت حاصل کرنے کا موقع ملا تھا۔ اور اس میں ان کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کامیابی سے بے حد خوش ہوئے اور عمروؓ بن العاص کو مزید کامیابیوں کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔

استعد یا عمرو! لفتح الجدید۔ یعنی اے عمرو! اب نئی فتوحات کے لئے تیار رہو۔

اس کامیابی سے لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ عمرو بن العاص میں قیادت کی اعلیٰ صلاحیتیں موجود ہیں۔ اور اندازہ ہو گیا کہ گو انہیں اسلام لائے زیادہ عرصہ نہیں گزرا لیکن اہم اور نازک موقعوں پر ان پر کامل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

اس جنگ کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس موقعہ پر جن اصول جنگ کو اختیار کیا تھا وہ نہ صرف اس وقت حصول فتح میں ممد ومعاون بنے بلکہ آئندہ کے لئے بھی مسلمان قائدین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے۔ ان اصول کو پیش نظر رکھ کر ہر سپہ سالار اپنے لئے کامیابی کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔ ذیل میں ان کی قدرے تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ دشمن کے مقابلے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اپنے پاس اتنا لشکر ہو جس سے اس کا بآسانی مقابلہ کیا جا سکے۔ انتہائی قلیل التعداد لشکر کے ساتھ بہت بھاری فوج کا مقابلہ کرنا بہت بڑی فوجی حماقت ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو شروع ہی میں احساس ہو گیا تھا کہ ان کے اور دشمن کے لشکروں میں بہت بھاری فرق ہے۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمک کی درخواست کی تھی تاکہ فریقین کی قوتوں کا توازن برقرار رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس امر کا احساس تھا۔ چنانچہ جونہی حضرت عمروؓ بن العاص کی طرف سے مدد کی درخواست پہنچی، آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کی قیادت میں ایک لشکر ان کی امداد کے لئے بھجوا دیا اور حضرت عمروؓ بن العاص اس فوج کی مدد سے دشمن پر فتح پانے اور اس کی جمعیت کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

۲۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنی فوج کی سلامتی کا بے حد خیال رہتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جنگ کے دوران میں سپہ سالار پر سب سے اہم فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی فوج کو ہلاکت سے بچائے۔ کامیاب قائد وہی کہلایا جا سکتا ہے جو جنگ سے پہلے، جنگ کے دوران میں اور جنگ کے بعد ایسی تدابیر اختیار کرے جن کے نتیجہ میں اس کی فوج ہر طرح کے نقصان اور ضرر سے محفوظ رہے۔ جنگ ذات السلاسل کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

عمرو بن العاص اپنی فوج کی سلامتی کے حد درجہ خواہاں تھے۔ اثنائے سفر میں وہ دن کی بجائے رات کو سفر اختیار کرتے اور دن میں کسی ایسی جگہ قیام کرتے۔ جہاں آنے جانے والوں کی نظریں لشکر پر نہ پڑ سکتیں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ دن میں فوجوں کی نقل و حرکت سے دشمن کو بہت سی ایسی باتوں کا علم ہو جاتا ہے جو رات کے وقت کوچ کرنے سے نہیں معلوم ہو سکتیں۔ اس طرح انہوں نے دو بنیادی مقاصد حاصل کر لیئے۔ اوّل یہ کہ اثنائے سفر میں ان کی فوج ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہی دوسرے یہ کہ نقل و حرکت کو خفیہ رکھنے کی وجہ سے دشمن ان کی آمد سے بالکل بے خبر رہا اور مسلمانوں سے مقابلے کے لیئے خاطر خواہ تیاری نہ کر سکا۔

رات کے وقت لشکر کو آگ جلانے کی اجازت نہ دینے سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کو اپنے آدمیوں کی سلامتی کا بے حد خیال تھا۔ ان کے اس حکم پر ان کے لشکر کے لوگ بہت تلملائے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے تو اس حکم کی خلاف ورزی کرنے کا بھی ارادہ کر لیا۔ کیونکہ رات سخت سرد تھی اور لوگوں کو گرمی حاصل کرنے کے لیئے آگ جلانے کی بے حد ضرورت تھی۔ خود حضرت عمرو بن العاص سردی سے بے تاب تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے اس حکم کو برقرار رکھا اور آگ جلانے کی اجازت دینے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس کی وجہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بیان کی کہ "مجھے ڈر تھا آگ کی روشنی میں دشمنوں کو مسلمانوں کی قلیل تعداد کا علم ہو جائے گا اور وہ ان پر ٹوٹ پڑیں گے"۔

اپنے لشکر کی سلامتی چاہنے کا ایک اور بڑا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے جنگ کے بعد اپنے لشکر کو دشمنوں کا تعاقب کرنے سے روک دیا اور اس معاملہ میں اتنی سختی کی کہ اعلان کر دیا جو شخص دشمن کا تعاقب کرے گا اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ مدینہ پہنچ کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا۔

"ہم نے دشمن سے ان کے علاقے میں جا کر جنگ کی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور اپنی قیام گاہ سے دور نکل گئے تو کہیں دشمن کمک لے کر ان پر ٹوٹ نہ پڑے"

حضرت عمرو بن العاص کو اس امر کا شدت سے احساس تھا کہ ایک لشکر میں دو قیادتوں کا ہونا انتہائی خطرناک اور اپنے بااصول لشکر کو تباہی کے گڑھے میں اُتارنے کے مترادف ہے۔ اسی لیئے انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے اصرار کے باوجود ان کی علیحدہ قیادت کو تسلیم کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو عبیدہؓ کا موقف درست نہ تھا اور اگر خدا نخواستہ حضرت عمرو بن العاص

ان کی بات قبول کر لیتے تو لشکر کو انتہائی خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ مسلمان ایک قیادت کے ماتحت متحد ہو کر دشمن سے جنگ کریں گے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا ہے اس لئے آپ میرے ماتحت ہوں گے اور یقیناً حضرت عمرو بن العاص کا یہ موقف سو فیصدی درست تھا۔

۴۔ کوئی شخص بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عمروؓ بن العاص انتہائی بیدار مغز، اور مستقل مزاج قائد تھے۔ ہچکچاہٹ اور تردد کا ان میں نام و نشان تک نہ تھا۔ جنگ ذات السلاسل میں تین موقعوں پر انہوں نے اپنے مستقل مزاج ہونے کا ثبوت دیا۔ اول اس وقت جب انہوں نے اصرار کیا کہ وہی قیادت کے فرائض سرانجام دیں گے۔ دوسرے اس وقت جب انہوں نے لوگوں کو آگ جلانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ تیسرے اس وقت جب انہوں نے لشکر کو دشمن کا تعاقب کرنے سے روک دیا۔ مستقل مزاجی ایسی صفت ہے جس کا ایک سپہ سالار میں ہونا بے حد ضروری ہے۔ متردد اور مذبذب قائد کو کبھی اپنے آدمیوں کا اعتماد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کا قائد کسی ایک رائے پر قائم نہیں رہتا۔ کبھی کوئی رائے اختیار کرتا ہے اور کبھی کوئی اور۔ کبھی کوئی حکم صادر کرتا ہے اور کبھی اس کے بالکل اُلٹ حکم دیتا ہے۔ اُسے خود اپنے آپ پر بھی اعتماد نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی حکم صادر کرنے کے بعد جب وہ اس پر غور و فکر کرتا ہے تو اسے وہ حکم نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ تب وہ اسے منسوخ کر کے کوئی اور حکم صادر کرتا ہے لیکن غور و فکر کرنے کے بعد اس میں بھی کوئی نہ کوئی نقص نظر آتا ہے۔ اس طرح نہ اس کی رائے کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور نہ وہ ایک بات پر قائم رہتا ہے۔ اس طرح جنگ کے موقع پر جبکہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنی پریشان خیالی کے باعث دشمن کے مقابلے میں کوئی ٹھوس اقدام کرنے میں ناکام رہتا ہے جس کا خمیازہ اسے شکست اور ناکامی کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔

حضرت عمروؓ بن العاص میں یہ بات نہ تھی۔ وہ جب کوئی حکم دیتے تھے تو سختی سے اس پر قائم رہتے تھے اور اس میں کسی قسم کا رد و بدل کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ اس جنگ کے موقع پر اپنی اس خصوصیت کی بدولت انہیں ایک ایسے شخص سے بھی سختی سے پیش آنا پڑا۔ جو مسلمانوں میں انتہائی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اور وہ تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ اپنے احکام کو سختی سے منوانے کے جذبہ کے تحت ہی انہوں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ جو شخص ان کی مخالفت کرے گا اسے موت کی سزا دی جائے گی۔

۵۔ ایک اور صفت جس میں حضرت عمرو بن العاص کو دوسروں پر امتیاز حاصل تھا وہ ان کی غیر معمولی دانشمندی تھی۔ اسی دانشمندی اور عقل و خرد کے بل بوتے پر انہوں نے بڑی بڑی جنگیں جیتیں اور بڑے بڑے دشمنوں پر کامیابی حاصل کی۔

بہترین قائد وہی شخص خیال کیا جاتا ہے جو جنگ کے موقعہ پر دشمنوں کے قابو میں آنے کی بجائے مختلف تدابیر کے ذریعے انہیں اپنے چنگل میں گرفتار کرلے

حضرت عمروؓ بن العاص میں یہ صفت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ وہ دشمن کو اس طرح اپنے چنگل میں گرفتار کر لیتے تھے کہ وہ ہزار ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود نکل نہ سکتا تھا۔

جنگ ذات السلاسل کے موقعہ پر بھی بعض ایسے واقعات پیش آئے جن سے حضرت عمروؓ بن العاص کی عقلمندی اور زیرکی کا پتہ چلتا ہے۔ جب قیادت کے مسئلہ پر ان کا حضرت ابوعبیدہؓ سے جھگڑا ہو رہا تھا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کی زبان سے یہ فقرہ سنا۔

"عمرو بن العاص! ہمیں اختلاف نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اختلاف سے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے"

حضرت عمروؓ بن العاص نے پوچھا کہ اگر میں آپ کا کہنا نہ مانوں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی روشنی میں آپ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟

حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا "تب میں آپ کی اطاعت کروں گا" حضرت عمروؓ بن العاص نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے فوراً کہا۔

"تب اے ابوعبیدہ! میں تمہارا کہنا ماننے اور تمہیں قائد تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں"

یہ دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے قیادت کے دعوے کو ترک کر دیں تاکہ اختلاف پیدا نہ ہو۔[۱]

---

[۱] اس خطرناک موقع پر جبکہ طاقتور دشمن سامنے تھا حضرت ابوعبیدہؓ جیسے مقتدر صحابی نے نہایت عقلمندی، دور اندیشی اور بعید دانائی سے کام لیتے ہوئے اپنی قیادت کے دعوے کو چھوڑ دیا اور نہایت ایثار و خلوص سے کام لیتے ہوئے حضرت عمروؓ بن العاص کی سپہ سالاری بر ضا و رغبت تسلیم کر لی۔ اگر حضرت امین الامتؓ اس موقع پر علم و بردباری سے کام نہ لیتے اور اپنی قیادت پر اصرار کرتے تو یقیناً مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جاتی اور اس صورت میں وہ فتح ہرگز حاصل نہ ہو سکتی جو اتحاد کی صورت میں حاصل ہوئی۔ (محمد احمد پانی پتی)

حضرت عمرو بن العاص کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہی عقلمندی اور زیرکی و دانائی تھی۔ ان کی آئندہ جنگی زندگی میں ہم دیکھیں گے کہ انہوں نے اس وصف سے کام لے کر کس طرح عظیم فتوحات حاصل کیں اور بعض اوقات جبکہ شکست کا سبب خطرہ سامنے نظر آ رہا ہوتا تھا کس طرح اپنی عقلمندی کی بدولت آپ جنگ کا پانسہ اپنے حق میں پلٹنے میں کامیاب ہو گئے۔

۲۔ جنگ ذات السلاسل میں کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عمرو بن العاص نے دشمن پر اچانک حملہ کر کے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور اس کی جمعیت کو منتشر کر کے اسے میدان جنگ سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

---

(۲)

جنگہائے مرتدین

"قرہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین باقی رہے گا
اللہ کا نور مومنوں کے سینوں میں ضوفشاں رہے گا اور
مسلمانوں کے نیزے مرتدین کے سینوں کو چھید
ڈالیں گے....."

عمرو بن العاص
کی گفتگو
قرۃ بن ہبیرہ کے ساتھ

فتنہ ارتداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام عرب میں ارتداد کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ جن لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں خوف اور ڈر کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں سے اکثر نے اس موقعہ کو موزوں خیال کرتے ہوئے ارتداد اختیار کر لیا اور اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔

طبری نے اس حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"نفاق کا ستارہ اوج پر پہنچ گیا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کی بن آئی اور چاروں طرف مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے مسلمانوں کی حالت اس بکری کی سی ہوگئی جو جاڑے کی سرد اور بارش والی رات کو صحرائے لق و دق میں بغیر چرواہے کے رہ جائے اور سر چھپانے کو کہیں جگہ نہ مل سکے"۔

یعقوب بن محمد الزہری مؤلف کتاب "الخمیس" نے لکھا ہے:۔

"مرتدین نے بھانت بھانت کی بولیاں بولنی شروع کر دی تھیں۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ اگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو کبھی وفات نہ پاتے" بعض کہتے تھے "نبوت آپ کی وفات کے بعد ختم ہوگئی ہے۔ اس لئے ہم آپ کے بعد کسی کی اطاعت نہیں کریں گے"۔ بعض کہتے تھے کہ "ہم صرف اللہ پر ایمان لاتے ہیں"۔ بعض کہتے تھے کہ "ہم اللہ پر اور محمد رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز پڑھنے کے لئے بھی تیار ہیں۔ لیکن زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں"۔

یہ بغاوت کسی ایک جگہ محدود نہ تھی بلکہ تمام عرب میں پھیل گئی تھی حتیٰ کہ مکہ بھی اس سے محفوظ نہ رہا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے ارتداد کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور عامل مکہ عتابؓ بن اسید لوگوں کے خوف سے روپوش ہو گئے تھے۔ اللہ کو یہ منظور تھا کہ اہل مکہ فتنہ کی آگ سے بچے رہیں۔ اس لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص صحابی حضرت سہیلؓ بن عمرو کی سعی کے نتیجہ میں ارتداد سے محفوظ رہے۔ ہوا یہ کہ جب انہوں نے اہل مکہ کے تذبذب کی حالت دیکھی تو تمام لوگوں کو جمع کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کر کے کہا:۔

آپ کی وفات سے اسلام کی قوت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس بارے میں جو شخص شک و شبہ میں گرفتار ہوگا، تذبذب کی راہ اختیار کرے گا اور ارتداد کے متعلق سوچے گا۔ ہم اس کی گردن اڑا

دیں گے۔"

ممکن تھا کہ دھمکی کا اُلٹا اثر ہوتا۔ اس لئے سہیل نے دھمکی کے ساتھ ساتھ ترغیب و تحریص سے بھی انہیں ان الفاظ میں اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی:۔

"یقیناً اسلام بدستور قائم رہے گا۔ اسے کوئی ضعف نہ پہنچے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد خلافت بھی تمہارے ہی حصے میں آئے گی۔"

سہیلؓ کے اس پر زور دعوے نے اہل مکہ کے دلوں پہ دھمکی سے زیادہ اثر کیا اور وہ ارتداد اختیار کرنے سے رک گئے۔

مکہ، مدینہ اور طائف کے درمیان جو قبائل آباد تھے یعنی مزینہ، اشجع، غفار، جہینہ، اسلم اور خزاعہ وہ بدستور اسلام پر قائم رہے۔

ارتداد اختیار کرنے والے قبائل وہ تھے جو قریب کے زمانہ میں اسلام میں داخل ہوئے تھے جن کے دلوں میں اسلامی تعلیمات راسخ نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے بعض قبائل نے تو مدعیان نبوت کاذبہ کی پیروی اختیار کرلی[1] اور بعض نے اسلام کا تو اقرار کیا لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور دلیل یہ پیش کی کہ زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔[2]

اس فتنے کو فرو کرنے کی ساری ذمہ داری خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر عائد ہوتی تھی۔ انہوں نے صحابہ کو جمع کیا اور تمام حالات ان کے سامنے رکھ کر مشورہ طلب کیا۔ بعض لوگوں کی رائے تھی کہ موجودہ حالات میں مرتدین سے جنگ کرنی مناسب نہیں ہے۔ لیکن بعض جنگ کرنے کو ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ موخرالذکر فریق کے ساتھ تھے۔ آپ نے مرتدین سے لڑنے اور ان کا قلع قمع کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور فرمایا اگر یہ لوگ مجھے ایک رسی بھی جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] مدعیان نبوت کاذبہ حسب ذیل تھے:۔ (۱) طلیحہ، اس نے بنو اسد میں نبوت کا دعویٰ کیا (۲) سجاح، اس نے بنو تمیم میں نبوت کا دعویٰ کیا (۳) مسیلمہ، اس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا (۴) ذوالتاج لقیط بن مالک، اس نے عمان میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ (۵) اسود عنسی، اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

[2] جن قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا وہ عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور فزارہ تھے۔

وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے، دینے سے انکار کریں گے تو میں اس رسی تک کی خاطر ان سے جنگ کروں گا۔"

چنانچہ آپ نے گیارہ جھنڈے تیار کرائے۔ ہر جھنڈا ایک ایک سردار کے سپرد کیا گیا۔ ہر سردار کے ساتھ فوج کا ایک ایک دستہ تھا۔ ان سرداروں کو روانگی کے وقت ایک ایک فرمان ایک ہی مضمون کا لکھ کر دیا گیا اور تمام سردار ذی القصہ سے جو نجد کی جانب مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اپنی اپنی فوج کو لے کر اپنی اپنی منزل مقصود کو روانہ ہو گئے۔ ان سرداروں میں حضرت عمرؓو بن العاص بھی شامل تھے۔ ذیل میں ہر سردار اور اس کی منزل مقصود کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ خالد بن ولید۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ سب سے پہلے بزاخہ جا کر طلیحہ بن خویلد اسدی سے جنگ کریں اور جب وہاں سے فارغ ہو جائیں تو بطاح جا کر مالک بن نویرہ کی سرکوبی کریں۔

۲۔ عکرمہؓ بن ابی جہل۔ انہیں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

۳۔ شرحبیلؓ بن حسنہ۔ انہیں عکرمہؓ کے پیچھے ان کی مدد کے لئے روانہ کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ جب مسیلمہ کذاب سے فراغت حاصل ہو جائے تو وہ حضر موت جا کر بنو کندہ پر حملہ کریں۔

۴۔ مہاجر بن ابی امیہ۔ انہیں اسود عنسی، عمرو بن معدی کرب اور قیس بن مکشوح کی سرکوبی کے لئے صنعا روانہ کیا گیا۔

۵۔ سویدؓ بن مقرن۔ انہیں یمن جا کر اہل تہامہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔

۶۔ علاءؓ بن حضرمی۔ انہیں بحرین بھیجا گیا۔

۷۔ حذیفہؓ بن محصن۔ انہیں عمان جا کر ذی التاج لقیط بن مالک سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔

۸۔ عرفجہؓ بن ہرثمہ۔ انہیں اہل مہرہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔

۹۔ عمرؓو بن العاص۔ انہیں قضاعہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

۱۰۔ معنؓ بن حاجز السلمی۔ انہیں بنو سلیم اور ان کے شریک حال ہوازن سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

۱۱۔ خالدؓ بن سعید بن العاص۔ انہیں شام کی سرحد پر بسنے والے قبائل کو مطیع کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عمرؓو بن العاص عمان میں تھے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خط کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر ملی۔ اس خط کے پہنچنے کے بعد بھی عمرو بن العاص اس وقت تک عمان میں رہے جب تک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں واپس نہ بلا لیا۔

واپسی پر ان کا گزر بنو عامر کی بستیوں سے ہوا۔ ان کا سردار قرہ بن ہبیرہ تھا وہ حضرت عمروؓ بن العاص سے بہت اچھی طرح پیش آیا اور ان کی خوب خاطر مدارات کی۔ لیکن چونکہ تمام عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیل چکا تھا۔ اس لئے قرہ بھی اس سے متاثر تھا۔ ایک دن دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

عمروؓ بن العاص کی گفتگو قرہ بن ہبیرہ سے

قرہ۔ عمروؓ بن العاص! تمہارا موجودہ بغاوت کے متعلق کیا خیال ہے؟
عمرو۔ معمولی شورش ہے۔ چند دن میں فرو ہو جائے گی۔
قرہ۔ لیکن یہ تو تمام عرب میں پھیلی ہوئی ہے۔
عمرو۔ کیا کچھ عرصہ پہلے سارا عرب مشرک نہ تھا؟ آخر اسے اللہ کے دین میں داخل ہونا پڑا۔
قرہ۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو فوت ہو چکے ہیں۔
عمرو۔ بیشک وہ فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کا دین زندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نور مومن کے دلوں میں بدستور ضو فگن ہے۔ ان کی تلواریں عنقریب مرتدین کے سینوں میں اتریں گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور باقی رہے گا۔
قرہ۔ کیا تمہیں اپنی کامیابی پر پورا وثوق ہے؟
عمرو۔ یقیناً۔ جن تلواروں نے کل عربوں سے جہاد کیا تھا آج بھی وہ ان سے جہاد کرنے کے لئے تیار ہیں اور اب ان کی شدت پہلے سے کہیں زیادہ ہوگی۔
قرہ۔ کیا لڑائی کے علاوہ بھی عربوں سے مصالحت کی کوئی صورت ہے؟
عمرو۔ ہاں صرف ایک۔ وہ یہ کہ وہ دائرہ اسلام میں دوبارہ داخل ہو جائیں۔ اس صورت میں ان کی گردنیں مسلمانوں کی تلواروں سے محفوظ رہ سکیں گی۔
قرہ۔ عمرو بن العاص! سارا جھگڑا زکوٰۃ پر ہے۔ عرب تمہیں یہ تاوان دینے پر کبھی راضی نہ ہوں گے اگر تم انہیں زکوٰۃ معاف کر دو گے تو وہ تمہاری اطاعت کرنے کے لئے دل و جان سے تیار ہوں گے لیکن اگر اپنے مطالبہ پر اصرار کرو گے تو سارا عرب تمہارے خلاف مجتمع ہو جائے گا۔
عمرو۔ قرہ! کیا تم بھی ارتداد کی رو میں بہہ گئے ہو۔ میں تمہیں جہنم کی آگ کے کنارے کھڑا دیکھتا ہوں جو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بھسم کرنے کے لئے تیار ہے۔ کیا تم ہمیں عربوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم! ہم گھوڑوں کے سموں سے عرب کی ساری سرزمین کو روند ڈالیں گے اور تمہاری گردنیں

ہماری تلواروں سے کسی طرح محفوظ نہ رہ سکیں گی۔[1]

مدینہ پہنچ کر حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام حالات سے مطلع کیا اور کہا کہ عمان سے مدینہ تک تمام قبائل ہمارے خلاف آمادۂ پیکار ہیں اور لشکر فراہم کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

بعد میں جب قرہ بن ہبیرہ حالت اسیری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں بدستور اسلام پر قائم ہوں اور شہادت میں حضرت عمروؓ بن العاص کو پیش کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص سے پوچھا۔ انہوں نے قرہ کی کہی ہوئی تمام باتیں دہرانی شروع کیں۔ جب زکوٰۃ کی بات پر پہنچے تو قرہ بول اٹھا۔

"بس بس۔ اسے رہنے دو"

انہوں نے کہا :-

"کیوں؟ خدا کی قسم! میں تو ساری باتیں بیان کروں گا"

تاہم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے معاف کر دیا اور اس کا مسلمان ہونا تسلیم کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو گیارہ علم تیار کرائے تھے ان میں سے ایک علم جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں عمروؓ بن العاص کے لئے بھی تھا۔ آپ نے انہیں قضاعہ کے مرتدین سے جنگ کرنے کا کام سپرد کیا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی جنگ ذات السلاسل میں قبیلہ قضاعہ سے لڑ چکے تھے اور اس قبیلہ کے تمام حالات اور تمام راستوں سے بخوبی واقف تھے۔

قضاعہ خوشی سے اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے بلکہ دیگر قبائل کی طرح انہوں نے بھی خوف کے باعث یا مال و جاہ کی طمع میں اسلام قبول کیا تھا اور ان کے دل اسلام کی محبت سے خالی تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جونہی انہیں مسلمانوں کی کمزوری کا احساس ہوا انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ بارگاہ خلافت سے حکم ملتے ہی عمروؓ بن العاص اپنے لشکر کے ہمراہ اسی راستے سے جذام کی جانب روانہ ہوئے جس سے پہلے گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ قضاعہ جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ مقابلہ شروع ہوا اور گھمسان کا رن پڑا۔ پہلے کی طرح اب بھی قضاعہ کو شکست کھانی پڑی لہٰذا حضرت عمروؓ بن العاص ان سے زکوٰۃ لے کر اور انہیں دوبارہ حلقہ بگوش اسلام بنا کر مظفر و منصور مدینہ واپس آ گئے۔

---

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۔ کتنی الوالعزمی اور مستقل مزاجی ان الفاظ سے ظاہر ہے (محمد احمد پانی پتی)

(۳)

شام اور فلسطین کی جنگیں

"کیا مسلمانوں کی تلواروں کے آگے ارطبون کی کوئی حقیقت ہو سکتی ہے ..... یہ وہ تلواریں جنہوں نے ہرقل کی فوجوں کو شکست فاش دی، ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیں گی جو عمروؓ بن العاص کی فوج کا مقابلہ کرنے کی جرأت کرے گا....."

عمرو بن العاصؓ کی گفتگو
اجنادین کے میدان میں
رومی سپہ سالار
ارطبون کے ساتھ

عراق میں مسلمانوں کی پیشقدمی فتنۂ ارتداد کے فرد ہونے اور عرب کے تمام قبائل کے اطاعت قبول کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے اسلام کے مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ ان کے ذہن میں طبعاً یہ خیال آیا کہ اسلامی سلطنت کو بیرونی حملوں کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے سرزمین عراق و شام کو مطیع کیا جائے لیکن وہ ہمسایہ سلطنتوں میں پیش قدمی کرنے کی نسبت سلطنت کے داخلی استحکام کو زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ابتداء میں اپنی تمام تر توجہ عرب کے مختلف حصوں میں امن وامان قائم رکھنے کی طرف مبذول رکھی۔ اسی اثناء میں انہیں اطلاع ملی کہ ایک شخص مثنیٰ بن حارثہ شیبانی جو بحرین کے قبیلہ بنو بکر بن وائل میں سے تھا اور جس نے علاء بن حضرمی کے لشکر میں شامل ہو کر فتنۂ ارتداد کو فرد کرنے میں حصہ لیا تھا، ایک قلیل فوج کے ساتھ پیش قدمی کر کے بحرین کے شمال میں دجلہ اور فرات کے دہانے تک پہنچ گیا ہے۔ وہ ایرانی حکام جنہوں نے بغاوت کی آگ بھڑکانے میں بحرین کے مرتدین کی مدد کی تھی، اس کے آگے بے بس ہو گئے اور تاب مقاومت نہ لا کر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔

اس صورت حال نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے غور وفکر کی نئی راہیں کھول دیں۔ اب ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کیا اس موقع پر مسلمانوں کو عرب کی حدود سے باہر بھیجنا مناسب ہوگا اور کیا مثنیٰ میں اتنی طاقت ہے کہ وہ عراق میں گھس کر ایرانی سلطنت کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھولنے میں کامیاب ہو سکے گا؟

حضرت ابوبکر صدیق آئندہ اقدام کے متعلق ابھی کوئی فیصلہ کرنے نہ پائے تھے کہ مثنیٰ خود مدینہ میں آموجود ہوئے۔ اور تمام حالات خلیفہ کے گوش گزار کر دیئے۔ انہوں نے آپ کو یقین دلایا کہ عراق کی فتح سہل الحصول ہے۔ وہاں کے عرب قبائل ایرانیوں سے دلی نفرت کے باعث ضرور اپنے ہم وطنوں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور ہر طرح ان کی امداد کریں گے۔ اس لئے یہ نادر موقع ہاتھ سے نہ کھونا چاہیئے اور سرزمین عراق میں اسلامی فوجیں روانہ کر دینی چاہئیں۔

کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کے اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ انہیں بلایا اور عراق کے تمام حالات سنا کر مثنیٰ کی یہ درخواست ان کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ خالدؓ بن ولید کو بلا کر یہ سارا معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت خالدؓ بن ولید اس زمانے میں مرتدین کی سرکوبی سے فارغ ہو کر یمامہ میں

مقیم تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں فوراً مدینہ طلب فرمایا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ نے عراق پر فوج کشی کے متعلق مثنیٰ کی تجاویز ان کے سامنے رکھیں تو انہوں نے بلا پس و پیش ان پر صاد کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے مثنیٰ کو ان کی خواہش کے پیش نظر ان لوگوں کا سردار مقرر کر دیا جنہیں ہمراہ لے کر انہوں نے عراقی حدود میں پیش قدمی کی تھی اور حکم دیا کہ فی الحال وہاں کے عرب قبائل کو ساتھ ملانے اور اسلام قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ جلد ہی مدینہ سے بھی ایک لشکر ان کی امداد کے لیے روانہ کیا جائے گا جس کی مدد سے وہ مزید پیش قدمی جاری رکھ سکیں گے۔

حکم کی تعمیل میں مثنیٰ عراق واپس آ گئے اور نئے سرے سے عراق میں پیش قدمی شروع کر دی۔ وعدہ کے بموجب کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مثنیٰ کی امداد کے لئے عراق روانہ کیا اور ان کے ذریعے وہاں مسلمانوں کو عظیم الشان کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

شام کی جانب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی توجہ | انہی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی توجہ شام کی طرف بھی مبذول ہو گئی۔ شام کی سرحد پر اسلامی فوج کے سردار خالدؓ بن سعید بن العاص تھے۔ انہیں ہدایت تھی کہ جب تک خلیفہ کے واضح احکام ان تک نہ پہنچیں وہ نہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور نہ اس وقت تک دشمن سے جنگ کا آغاز کریں، جب تک دشمن خود پہل کر کے ان کے مقابلے پر نہ آ جائے۔ البتہ وہ گرد و نواح میں بسنے والے قبائل کو ساتھ ملانے کی پوری کوشش کریں سوا ان قبائل کے جو ارتداد اختیار کر چکے تھے۔

خالدؓ بن سعید نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احکام پر پوری طرح عمل کیا جس کے نتیجے میں چند دن کے اندر اندر ان کے جھنڈے کے نیچے ایک جرار لشکر جمع ہو گیا۔ جب ہرقل کو اپنی سرحدوں کے پاس عظیم الشان لشکر کے اجتماع کی خبر ملی تو اس نے بھی پورے زور شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ خالدؓ بن سعید نے فوراً حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا جس میں ہرقل کی جنگی تیاریوں کا ذکر کر کے رومی سرحدوں پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی۔ مبادا رومیوں کا لشکر اچانک مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائے اور انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑے۔

حضرت ابوبکرؓ نے انتہائی غور و فکر کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت اور دوسرے بڑے بڑے مہاجرین و انصار کو طلب فرمایا اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اہل عرب کو شامیوں کے متوقع حملوں سے ہر طرح محفوظ رکھا جائے۔ اس غرض سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تدابیر اختیار کیں انہیں پوری

طرح جارحانہ عمل بپا نہ کر پائے تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی ..... اب آپ لوگوں نے سن لیا ہے کہ ہرقل ہمارے مقابلے کی غرض سے کثیر تعداد میں فوجیں جمع کر رہا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیئے پوری طاقت و جرأت سے کام لینا چاہیئے۔ اور رومیوں سے نبرد آزمائی کے واسطے زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوجیں شام روانہ کرنی چاہیئں۔ جو شخص مارا گیا اسے شہادت کا رتبہ نصیب ہوگا اور جو زندہ رہا وہ مجاہدین کے زمرے میں شامل ہوگا۔ اور اللہ کے ہاں اس کے لیئے جو اجر لکھا جائے گا۔ اس کا کوئی حساب و شمار ہی نہیں۔ اب آپ لوگ مشورہ دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے اور اس صورت حال کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہیئے۔"

تمام لوگوں نے متفقہ طور پر خالد بن سعید کی امداد کے لیئے فوجیں روانہ کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس کے لیئے تیاری شروع کر دی گئی۔

اس زمانے میں حضرت عمرو بن العاص مرتدین سے فراغت پا کر قضاعہ میں مقیم تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ کی خواہش تھی کہ وہ بھی شام جا کر خالد بن سعید کی امداد کریں۔ لیکن ان کے کارناموں کی وجہ سے جو انہوں نے فتنہ ارتداد فرو کرنے کے سلسلے میں انجام دیئے تھے، حضرت ابوبکر ؓ نے انہیں اختیار دیا کہ خواہ وہ قضاعہ ہی میں مقیم رہیں، خواہ شام جا کر وہاں کے مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنیں۔ حضرت ابوبکر ؓ نے انہیں لکھا:۔

"اے ابوعبداللہ! میں تمہارے سپرد ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے تمہارے لیئے بہتر ہے۔ لیکن تمہاری خوشی مجھے بہرحال منظور ہے۔"

حضرت عمرو ؓ بن العاص نے جواب میں لکھا:۔

"میں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں اور اللہ کے بعد آپ اس کے تیر انداز۔ جس طرف آپ کو کوئی خطرہ نظر آئے آپ بلا تامل اس تیر کو چلایئے جو بہت سخت اور دشمنوں کے جگر کو چھلنی کرنے والا ہے۔"

شام بھیجنے کے لیئے چار لشکروں کی تشکیل حضرت ابوبکر صدیق ؓ یہ خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ نے حضرت عمرو بن العاص کو عمان سے بلا لیا۔ آپ نے شام کی طرف روانہ ہونے والی اسلامی فوج کے چار حصے کیئے اور ہر حصے کا علیحدہ علیحدہ امیر مقرر کر کے شمال کی جانب مندرجہ ذیل علاقوں کی طرف روانہ فرمایا:۔

۱۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ بن جراح : حمص

۲۔ عمروؓ بن العاص : فلسطین
۳۔ یزیدؓ بن ابوسفیان : دمشق
۴۔ شرحبیلؓ بن حسنہ : وادیٔ اردن

چاروں فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ حضرت عمروؓ بن العاص کی کمان میں نو ہزار آدمی تھے۔ روانگی کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان امراء سے فرمایا کہ ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کریں۔ ساتھ ہی آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو ان چاروں کا امیر مقرر فرما دیا [1]

---

[1] بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لشکروں کی مجموعی قیادت کا شرف حضرت عمروؓ بن العاص اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے تاکہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے سفارش کرکے انہیں شامی افواج کا سپہ سالار مقرر کرا دیں۔ ان دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

عمرو : ابوحفص! تم جانتے ہو کہ میں دشمن پر کس قدر سختی سے حملہ کرتا اور مستقل مزاجی سے اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ براہ مہربانی آپ خلیفۃ المسلمین سے سفارش کر دیں کہ وہ ابوعبیدہؓ کی جگہ مجھے امیر مقرر کر دیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں میری کتنی قدر و منزلت تھی؟ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ شام کو مسلمانوں کے قبضے میں دے دے گا۔ اور دشمنوں کو ہلاک کرے گا۔

عمرؓ : ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مجھے تمہاری بہادری اور جنگی صلاحیتوں سے انکار نہیں لیکن میرے نزدیک ابوعبیدہؓ پر کسی شخص کو امیر مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ ابوعبیدہؓ کی قدر و منزلت ہمارے دلوں میں تم سے زیادہ ہے کیونکہ وہ تم سے بہت پہلے اسلام لائے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔ "ابوعبیدہ اس امت کے امین ہیں"

عمرو : اگر میں امیر ہو جاؤں تو ابوعبیدہؓ کی قدر و منزلت میں کیا فرق پڑے گا۔

عمر : عمرو بن العاص! تمہارا مقصد صرف دنیوی بڑائی اور عزت و ریاست حاصل کرنا ہے۔ تم اللہ سے ڈرو اور صرف آخرت کے شرف اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تمنا کرو [2]

---

[2] واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی یہ خواہش اپنی بڑائی اور بزرگی کے لئے نہیں تھی بلکہ اسلام کی سربلندی اور غلبہ کی غرض سے تھی۔ (محمد احمد پانی پتی)

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں حضرت عمرو بن العاص کی فوج کی تعداد ۹ ہزار تھی اور وہ مکہ، طائف، ہوازن اور بنو کلاب کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ طبری اور ابن اثیر اس امر میں متفق ہیں کہ اس لشکر کو دو کام سپرد کیے گئے تھے۔

اوّل: فلسطین کو فتح کرنا

دوم: ضرورت پڑنے پر دوسری فوجوں کی، جو شام کی جانب روانہ کی گئی تھیں، امداد کرنا۔ روانگی کے وقت حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمرو بن العاص کو بلایا اور حمد و ثنا کرتے ہوئے انہیں مندرجہ ذیل نصائح فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق کی نصائح عمرو بن العاص کو: میں نے مکہ، طائف، ہوازن اور بنو کلاب پر مشتمل اس فوج کی قیادت تمہارے سپرد کی ہے۔ تم اسے لے کر فلسطین جاؤ۔ ابوعبیدہؓ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا اور ضرورت پڑنے پر ان کی مدد کو پہنچنا۔ کوئی اہم کام ان سے مشورہ کیے بغیر نہ کرنا۔ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اور خلوت میں بھی شرم و حیا سے کام لینا۔ کیونکہ کوئی مخفی عمل اللہ سے مخفی نہیں۔ دیکھو! میں نے تمہیں ان لوگوں پر بھی ترجیح دی ہے جنہوں نے تم سے پہلے اسلام قبول کیا اور حرمت میں بھی وہ تم سے مقدم ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ تمہاری تمام کوششیں آخرت کے لئے ہوں۔ تم اپنا ہر کام اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے انجام دینا۔ فلسطین جانے کے لئے ایلیاء کا راستہ اختیار کرنا۔ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اس میں مطلق سستی نہ کرنا اور کاہلی کو پاس تک نہ پھٹکنے نہ دینا۔ خبردار! کہیں ایسا نہ ہو، تم یہ کہنے لگو کہ ابن ابی قحافہ نے مجھے ایسے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیج دیا ہے جس سے لڑنے کی طاقت مجھ میں نہیں۔ اے عمرو! اچھی طرح جان لو کہ تمہارے ساتھ وہ مہاجرین اور انصار ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ ان کی ہر طرح تعظیم و تکریم کرنا، ان کے حقوق کا ہر طرح خیال رکھنا، امارت کی وجہ سے ان پر اپنی فوقیت نہ جتانا۔ تمہارے دل میں یہ شیطانی وسوسہ داخل نہ ہونے پائے کہ چونکہ تمہیں ابوبکرؓ نے امیر بنایا ہے اس لئے تم ان سے بہتر ہو نفس کے دھوکوں سے خبردار رہنا۔ لوگوں سے اس طرح مل جل کر زندگی بسر کرنا گویا تم بھی انہی جیسے ایک فرد ہو۔ ہر کام میں ان سے مشورہ لینا ادائے نماز کا خیال رکھنا۔ میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ نماز ادا کرنے کا خیال رکھنا۔ جب نماز کا وقت آجائے تو اذان دلوا کر نماز پڑھنا۔ دشمن کی چالوں سے خبردار رہنا اپنے ساتھیوں کو ہر دم چوکس رہنے کی تاکید کرتے رہنا۔ دشمن وہ انہیں جنبش و حرب پر خبردار رہنا۔ راتوں کو اپنے رفیقوں کے ساتھ زیادہ بیٹھنا۔ مقابلے کے وقت طلایہ خاطر اپنے آپ کو وقف کر لے اس فوج کو نصیحت

کرتے وقت اختصار سے کام لینا۔ پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا، اس سے تمہارے ماتحتوں کی بھی اصلاح ہوگی۔ دشمن کو سامنے دیکھ کر صبر و ثبات سے کام لینا اور قدم پیچھے نہ ہٹانا۔ یہ تمہارے لئے فخر کا موجب ہوگا۔ اپنے ساتھیوں کو قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی تاکید کرتے رہنا اور زمانۂ جاہلیت کے تذکرہ سے روکنا۔ کیونکہ اس کی یاد ان کے دلوں میں عداوت پیدا کرے گی۔ دنیوی ساز و سامان سے کنارہ کشی اختیار کرنا تاکہ تمہارا شمار تمہارے اسلاف میں ہو اور تم ان ائمہ میں سے گنے جاؤ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :-

وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ (اور ہم نے انہیں امام بنایا۔ وہ ہمارے حکم سے ہدایت حاصل کرتے ہیں، ہم نے انہیں نیکیاں کرنے، نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہماری ہی عبادت کرتے ہیں)

یہ نصائح کرنے کے بعد آپ نے فرمایا:-

"اب تم روانہ ہو جاؤ۔ اللہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے کام میں برکت دے۔"

حضرت ابوبکر صدیق کی نصائح کا تجزیہ | حضرت ابوبکر صدیق کی یہ نصائح گہرے غور و فکر کی محتاج ہیں۔ اور ان سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کو جنگی امور میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ ان نصائح کی اہمیت اور بلاغت کے باعث بہت سے یورپی مؤرخین مثلاً گبن مؤلف "زوال سلطنت روما"[1] اور واشنگٹن ارونگ مؤلف "تاریخ خلفاء محمد" نے خصوصیت سے ان کا ترجمہ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نصائح سے مندرجہ ذیل جنگی اصول اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ لڑائی کے دوران میں فوجوں کے سپہ سالاروں کے درمیان کامل تعاون ہونا چاہیے | حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو ہدایت کی تھی کہ اگر ابوعبیدہؓ ان سے مدد مانگیں تو وہ بلا پس و پیش انہیں مدد دیں۔ دوران جنگ میں مختلف لشکروں کے درمیان تعاون از حد ضروری ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ دشمن کو تعداد کے لحاظ سے تفوق حاصل ہو یہ تعاون اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں ان لشکروں کو متحد ہو کر دشمن کے

---

[1] Gibbon - The History of The Decline and Fall of the Roman [Empire].

Irving - A History of the [Success]sors of Mohammad.

مقابلے میں آنا چاہیئے۔

۲۔ فوجی کمانڈروں کو آپس میں برابر صلاح و مشورہ کرتے رہنا چاہیئے | یہ اصول داعی اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیا تھا اور حضورؐ سے آپ کے جانشین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ بات ناپسند فرماتے تھے کہ قائد میدان جنگ میں صرف اپنی رائے سے ہر کام کرے۔ بلکہ چاہتے تھے کہ وہ اہم امور میں اپنے ساتھیوں سے برابر مشورہ کرتا رہے۔ کیونکہ حصول فتح کے لیئے یہ امر بے حد ضروری ہے آپ نہ صرف قائدین کو صلاح مشورہ کرنے کی ہدایت کرتے رہتے تھے بلکہ خود بھی اس اصول پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ جب کبھی کوئی نازک موقعہ درپیش آتا یا اہم مسئلہ سامنے آتا تو آپ اہل الرائے اصحاب اور اپنے مشیران کار کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اکیلے آدمی کی رائے سے وہ پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو بہت سے لوگوں کی مجموعی رائے سے حاصل ہوتا ہے۔
ایک آدمی کی نظر بالعموم معاملے کے صرف ایک پہلو پر پڑتی ہے جبکہ مختلف لوگوں کی نظریں معاملہ کے بیشتر پہلوؤں پر پڑتی ہیں اور اسی لیئے ان کی رائے ایک آدمی کی رائے سے زیادہ وقیع ہوتی ہے۔

۳۔ دوران جنگ میں سپہ سالار کو اللہ کی مدد و نصرت پر کامل ایمان ہونا چاہیئے | اللہ پر ایمان انسان کو قوت و طاقت، شجاعت و ہمت اور عزیمت و صبر عطا کرتا ہے، موت اس کی نظروں میں حقیر ہو جاتی ہے۔ اور وہ بے خوف ہو کر دشمنوں کے مقابلے میں نکل آتا ہے۔ ایمان باللہ اس کے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور دوران جنگ میں اپنے سے بڑے افسر کی اطاعت ان بنیادی امور میں سے ہے جو ہر سپاہی کو پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

۴۔ فوجی کمانڈروں کو جنگ پر بھیجنے سے پہلے ان کی صلاحیتوں کا پورا اندازہ کر لینا چاہیئے | حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو ان کی روانگی کے وقت جو نصائح فرمائی تھیں ان کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ انہیں اس اہم کام کا پوری طرح اہل سمجھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک سپہ سالار کو جن خوبیوں کا حامل ہونا چاہیئے حضرت صدیقؓ عمروؓ بن العاص میں وہ سب خوبیاں موجود پاتے تھے۔ اسی لیئے آپ نے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر انہیں قائد مقرر کیا اور ایسے متعدد مہاجرین اور انصار کو ان کے ماتحت کیا جنہیں ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کرنے اور جنگ بدر میں حصہ لینے کا شرف حاصل تھا۔ اس عزت افزائی کے نتیجے میں حضرت عمروؓ بن العاص کے دل میں طبعاً یہ خیال پیدا ہوا کہ خلیفۃ المسلمین نے ان کے سپرد جو فرائض عائد کیئے ہیں وہ انہیں بحسن و خوبی ادا کریں اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سب کام کرکے اور اسلام کی سر بلندی کی خاطر اپنے آپ کو وقف کرکے اس حسن ظن

کو قائم رکھیں جو خلیفہ کے دل میں ان کی جانب سے پیدا ہو گیا ہے اور جس کے باعث انہوں نے ان کو جلیل القدر صحابہ پر ترجیح دیتے ہوئے قیادت کی اہم ذمہ داری ان کے سپرد کی ہے۔

۵. سپہ سالار اور لشکر کے درمیان گہرا تعلق اور مضبوط رابطہ قائم رہنا چاہیئے: کسی سپہ سالار کو اس وقت تک فتح کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اور اس کی فوج کے باہمی تعلقات اچھے نہ ہوں۔ اگر سپہ سالار فوج کی خوشنودی حاصل کرنے میں ناکام رہے گا تو کبھی اپنے دشمنوں پر کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا لیکن اگر فوج کے سپاہی اپنے قائد سے خوش ہوں گے تو وہ اس کے کہنے پر اپنی جانیں تک قربان کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں گے اور کامل وفاداری کے ساتھ اس کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہیں گے۔

۶. قائد کو اپنا نیک نمونہ فوج کے سامنے پیش کرنا چاہیئے: سپہ سالار کا نمونہ فوج کے لئے مشعل راہ کا کام دیتا ہے۔ اور اس کی کارکردگی کا انحصار اسی نمونہ پر ہوتا ہے۔ اگر قائد لشکر کا اپنا نمونہ اچھا نہ ہوگا تو فوج کے جنگی شعور میں انحطاط رونما ہو جائے گا اور اس کا جوش اور ولولہ سرد پڑ جائے گا۔ لشکر اپنے سپہ سالاروں کے نقش قدم پر چلتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ قائد نیک اور پارسا ہو۔ غلطیوں سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرے۔ خوف، تردد اور نفاق کا اس میں شائبہ تک نہ ہو۔ اخلاق و عادات کے لحاظ سے بہترین انسان ہو۔ جب فوج اپنے قائد کو ان اعلیٰ صفات سے متصف پائے گی تو وہ خود بھی ان فضائل کو اپنانے کی کوشش کرے گی اور اس طرح سارے لشکر کے اخلاق میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو کر انہیں فتح و نصرت سے قریب تر کر دے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی نصائح میں خاص طور پر تواضع، انکسار اور فروتنی اختیار کرنے پر زور دیا تھا اور انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ امارت اور قیادت کے باعث لشکر کے لوگوں پر اپنی فوقیت نہ جتائیں اور ان کے دل میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ وہ علم اور تجربے کے لحاظ سے ان سے بہتر ہیں یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے اور اس سے دور رہنا بے حد ضروری ہے۔

۷. لشکر کی حفاظت کا خاص طور پر انتظام کرنا چاہیئے: حضرت ابوبکر صدیق نے منجملہ دیگر ہدایات کے حضرت عمرو بن العاص کو ایک ضروری ہدایت یہ کی تھی کہ وہ لشکر کی حفاظت کے لئے خاص تدابیر اختیار کریں اور پہرے کا کڑا انتظام رکھیں۔ مبادا دشمن ان کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر اچانک ان پر حملہ آور ہو جائے۔ اور انہیں شدید نقصان اٹھانا پڑے۔ اگر پہرے کا انتظام مضبوط ہوگا تو دشمن کبھی دھوکے سے حملہ آور نہ ہو سکے گا اور اچانک حملے کے نتیجہ میں جن نقصانات اور تباہیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے لشکر اس سے محفوظ رہے گا۔

۸۔ قائد کو دشمن کے تمام حالات کا علم حاصل ہونا چاہیئے جب تک جاسوسوں کے ذریعہ دشمن کے تمام حالات کا علم نہ ہو وہ ان کے مقابلے کے لئے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھا سکتا۔ دشمن کے متعلق ضروری معلومات کی عدم موجودگی میں وہ جو قدم بھی اٹھائے گا اس کی افادیت مشکوک ہوگی۔ جاسوسی کے ذریعہ قائد کو دشمن کی تعداد، اس کے اسلحہ، اس کی جنگی تیاری اور بہت سی ضروری باتوں کا علم ہو جاتا ہے اور وہ ان مفید معلومات کی روشنی میں اپنے لئے صحیح راہ عمل متعین کر سکتا ہے اور ایسے طریقے اختیار کر سکتا ہے جو اسے فتح و نصرت سے یقینی طور پر ہمکنار کر دیں۔

۹۔ اسلام کی راہ میں اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھنی چاہیئے اور شہادت کا جذبہ ہر وقت دل میں موجزن رہنا چاہیئے

اسلام اپنے پیروؤں سے اس امر کی توقع رکھتا ہے کہ وہ کسی نفسانی خواہش کے تحت میدان جنگ میں نہیں آئیں گے بلکہ محض خدا تعالیٰ کی رضا اور اعلیٰ دینی مقاصد کے حصول کی خاطر دشمن سے جہاد کریں گے اور اس راہ میں اپنی جان کی بھی کوئی پرواہ نہ کریں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی حضرت عمروؓ بن العاص کو اس امر کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔

۱۔ عمروؓ بن العاص فلسطین میں

فلسطین کی جانب کوچ حضرت عمروؓ بن العاص نو ہزار فوج کے ہمراہ فلسطین کے لئے روانہ ہوئے اور ایلیا کے راستے سفر کرتے ہوئے "غمر العربات" میں جا کر اترے۔ جب شہنشاہ روم کو مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلا اور یہ معلوم ہوا کہ ان کے چار لشکر اس کے مقابلے کے لئے مدینہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ تو اس نے ہر لشکر کے مقابلے میں ایک جرّار فوج بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ مسلمان ایک ہی وقت میں مختلف جہات میں ان فوجوں کے درمیان پھنس جائیں۔ اور انہیں آپس میں ملنے اور کوئی متحدہ محاذ بنانے کا موقعہ نہ مل سکے۔ اس کا خیال تھا کہ مختلف علاقوں میں مصروف پیکار ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت کمزور ہو جائے گی اور وہ رومی سلطنت کو چنداں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

رومیوں سے مسلمانوں کی مڈبھیڑ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ رومی ان کے مقابلے کے لئے تیار ہیں تو ان کے دلوں میں بے حد خوف و ہراس پیدا ہوا لیکن حضرت عمروؓ بن العاص مطلق خوف زدہ نہ ہوئے اور انہوں نے کامل بے خوفی سے دشمنوں کے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ جب رومیوں کا مقدمۃ الجیش جو دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا سامنے آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کو ایک ہزار فوج دے کر سامنے سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور ایک ہزار فوج کے ہمراہ خود دوسری طرف سے حملہ

کر دیا۔ پہلے ہی ٹکر میں رومیوں کا سپہ سالار مارا گیا جس کے نتیجہ میں رومی فوج کے دلوں پر زبردست خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک گھمسان کی جنگ جاری رہی۔ بالآخر رومی مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کے علاوہ سات سو قیدی بھی ہاتھ آئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے صرف سات آدمی شہید ہوئے[1]

عربوں کے دلوں پر اس فتح کا نفسیاتی طور پر بہت گہرا اثر ہوا۔ بعد میں رومیوں کے متعدد لشکر ان کے مقابلے کے لئے آئے جو تعداد اور قوت و طاقت کے لحاظ سے ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے لیکن خدا کے فضل و رحم اور خود اعتمادی کے بل بوتے پر انہوں نے ہر جگہ کامیابی حاصل کی۔

رومیوں سے مسلمانوں کی دوسری جنگ اس جنگ کے باعث جہاں مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے وہاں رومیوں کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے ایک لاکھ کا عظیم الشان لشکر تیار کیا۔ اور ان کی جانب بڑھے۔ مگر حضرت عمروؓ بن العاص نے اس عظیم الشان لشکر کو کوئی اہمیت نہ دی اور بڑے اطمینان اور کامل بے خوفی کے ساتھ مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو مختلف بہادروں کی کمان میں دے دیا۔ میمنہ کا سردار ضحاکؓ کو بنایا۔ اور میسرہ کا سعیدؓ بن خالد کو۔ ابوالدؓرداء کو ساقہ کی کمان سپرد کی۔ اور خود قلب لشکر کی کمان سنبھالی۔

عمروؓ بن العاص جنگوں کے دوران میں اس امر کا خاص طور پر التزام رکھتے تھے کہ اہل لشکر کو قرآن کریم کی آیات سنا کر ان کے دلوں اور جوش و خروش کو برقرار رکھا جائے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی انہوں نے چند لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ برابر قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے رہیں۔ انہوں نے خود بھی صفوں کے درمیان چکر لگا کر لوگوں کو جوش و خروش دلانا، انہیں لڑائی کی ترغیب دینا اور ان کے احساسات کو ابھارنا شروع کیا۔

بالآخر جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے نیزوں سے دشمن کے گھوڑوں کو زخمی کیا اور جب رومی ان کی پیٹھوں پر سے اترنے پر مجبور ہوئے تو ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں تہ تیغ کرنا شروع کیا۔

---

[1] فتوح الشام واقدی جلد اول صفحہ ۱۱۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ واقدی کے سوا اور کسی قدیم مؤرخ نے اپنی کتاب میں اس جنگ کا ذکر نہیں کیا۔ اور محدثین اور مورخین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جس روایت کا راوی اکیلا واقدی ہو وہ جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہے (محمد احمد پانی پتی)

کچھ دیر تک گھمسان کی جنگ رہی۔ اور بالآخر رومی مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے حضرت عمرو بن العاص نے اپنے لوگوں کو ان کا پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ہزاروں رومیوں کو مار ڈالا۔ اثنائے تعاقب میں مسلمانوں کو ایک نقصان سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ اور وہ اس طرح کہ اس دوران میں رومیوں کے ایک حملہ کی وجہ سے حضرت عمرو بن العاص کے سوتیلے بھائی خالدؓ بن سعید شہید ہو گئے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک خط لکھا جس میں فتح کی خوشخبری دیتے ہوئے تحریر کیا۔

"میں سرزمین فلسطین میں پہنچ گیا ہوں۔ یہاں ہمارا مقابلہ رومیوں کے لشکر جرار سے ہوا۔ جو ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھا[1]۔ اور جس کی قیادت ان کا بطریق "روبیس" کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں فتح عطا فرمائی اور رومیوں کے پندرہ ہزار سوار مارے گئے۔ لیکن مسلمانوں کے صرف ایک سو تیس آدمی شہید ہوئے اگر میری ضرورت ہو تو میں آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہوں۔ والسلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہ"[2]

۲۔ عمروؓ بن العاص یرموک میں

طبریؒ نے لکھا ہے کہ رومیوں نے ان پے در پے شکستوں سے جھنجھلا کر زبردست فوجیں جمع کیں اور ان کا سپہ سالار باہان کو مقرر کیا۔ اس نے بہت سے پادری اکٹھے کیے اور ان کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ اپنی تقریروں سے لشکر کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر ابھاریں اور انہیں بالکل پیس ڈالنے کی تلقین کریں۔

جب حضرت ابوبکرؓ کو رومیوں کی زبردست افواج کے اجتماع کی خبریں ملیں تو انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید (جو اُن دنوں عراق میں ایرانیوں سے برسرپیکار تھے) کو حکم بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی مدد

---

[1] طبری نے لکھا ہے کہ اس لشکر کی تعداد ستر ہزار تھی۔ ابن اثیر نے اس کی تعداد نوے ہزار لکھی ہے۔

[2] فتوح الشام واقدی جلد اول صفحہ ۲۱

[3] طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱۰۔ ابن اثیر (جلد ۲ صفحہ ۱۴۱) نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

کے لیئے شام پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ شام پہنچ گئے اور اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ یرموک میں ڈیرے ڈال دیئے۔

مسلمانوں کی مجموعی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ ہر لشکر اپنے اپنے قائد کے ماتحت تھا۔ اور اسی سے تمام احکام لیتا تھا۔ اسلامی لشکروں کے درمیان نہ کوئی رابطہ قائم تھا اور نہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیئے ان کے سامنے کوئی متحدہ پروگرام تھا۔

رومیوں کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ تھی اور عددی تفوق کے علاوہ تنظیم، اسلحہ اور سامان رسد کے لحاظ سے بھی وہ مسلمانوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے برعکس وہ ایک قیادت کے تحت تھے۔

دن گزرتے چلے گئے۔ دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیئے موقع کی تلاش میں تھے۔ لیکن کوئی ایسا موقع مل نہیں رہا تھا۔

مسلمانوں کو رومیوں کی بھاری تعداد دیکھ کر بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر ایک خط حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا جس میں اس نازک اور خوفناک مرحلہ سے عہدہ برآ ہونے کے متعلق ان کی رائے طلب کی گئی تھی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب میں لکھا۔

"میری رائے یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک جگہ مجتمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ اگر ہم ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو قلت تعداد کے باوجود مغلوب نہ ہو سکیں گے لیکن اگر بدستور علیحدہ علیحدہ رہیں گے تو کوئی بھی لشکر رومیوں کی جرار افواج کے سامنے ٹھہر نہ سکے گا۔"

مسلمانوں نے اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی تمام حالات کی اطلاع دے دی تھی اور تمام جنگی صورت حال واضح کر کے ان سے آئندہ اقدام کے متعلق رائے مانگی تھی۔ انہوں نے بھی جو رائے دی وہ بالکل وہی تھی جو حضرت عمروؓ بن العاص دے چکے تھے۔ انہوں نے لکھا۔

"تم سب مل کر ایک لشکر کی شکل اختیار کر لو اور اسی حالت میں مشرکین سے مقابلہ کرو۔ تم اللہ کے مددگار ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے جو اس کا انکار کرتا ہے[1]۔"

اگرچہ حضرت عمروؓ بن العاص کو شامی افواج کی قیادت حاصل نہ تھی۔ لیکن مسلمانوں کو ان کی اصابت رائے

---

[1] طبری جلد ۴ صفحہ ۳۱

اور دور بینی کا ایک اور تجربہ ہو گیا۔ مسلمانوں کو جنگ یرموک میں جو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ اس کی اولین وجہ حضرت عمرو بن العاص کی یہ رائے تھی جس پر عمل کر کے مسلمانوں نے دشمن کی طاقت کو کمزور کر دیا اور ان کے لیے فتح اور ظفر مندی کے راستے کھل گئے۔ حضرت عمرو بن العاص کی عقلمندی اور اصابت رائے ہی تھی جس کے باعث حضرت عمرؓ کو ان پر کامل اعتماد پیدا ہو گیا اور آئندہ چل کر انہوں نے ان کے سپرد متعدد اہم کام کیے جنہیں انہوں نے حسب سابق خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ اگرچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے مرتدین کی جنگوں میں آپ سے بہت زیادہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے تھے اور عراق و شام کی جنگوں میں بھی انہی کا پلہ بھاری تھا۔ تاہم فاروق اعظمؓ کی نگاہ میں جو مقام حضرت عمروؓ بن العاص کا تھا وہ حضرت خالدؓ بن ولید کو حاصل نہ ہو سکا۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے بھی وہی رائے موصول ہوئی جو حضرت عمروؓ بن العاص اس سے قبل دے چکے تھے تو تمام سپہ سالار ایک جگہ جمع ہوئے اور آئندہ کے اقدامات پر غور و خوض کرنے لگے۔ سب سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید نے خطاب کیا جس میں انہوں نے چاروں اسلامی لشکروں کو ایک قیادت کے تحت متحد ہو جانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"آج کا دن جنگ کے اہم ترین دنوں میں سے ہے۔ آج کسی کے لئے فخر و مباہات اور خود رائی و خود ستائی مناسب نہیں۔ جہاد خالص اللہ کے لئے کرو اور اپنے اعمال کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بناؤ۔ یاد رکھو آج کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم سے جو ہر طرح منظم اور مرتب ہے تمہارا علیحدہ علیحدہ لڑنا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ اگر انہیں جو تم سے دور ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی) تمہارے حالات کا علم ہوتا تو وہ کبھی تمہیں اس طرح لڑنے کی اجازت نہ دیتے۔ بے شک تمہیں ان کی طرف سے کوئی حکم تو نہیں ملا لیکن تم اس معاملے کو اس طرح سرانجام دو گویا یہ تمہارے خلیفہ اور اس کے خیرخواہوں کا حکم ہے۔"

حضرت خالدؓ کی تقریر سن کر امراء نے کہا:۔

"آپ ہی فرمائیے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟"

حضرت خالدؓ نے فرمایا:۔

"حضرت ابوبکر صدیق نے ہمیں اس خیال سے یہاں بھیجا تھا کہ ہم یہ مہم بآسانی سر کر لیں گے۔ اگر انہیں موجودہ حالات کا علم ہوتا تو وہ ضرور تمہیں اکٹھا رکھتے۔ جن حالات میں سے تم گزر رہے ہو وہ پہلے واقعات کے مقابلے میں بہت سخت اور مشرکین کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم علیحدہ علیحدہ

ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو الگ الگ شہر کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ لیکن اگر تم اس موقع پر کسی ایک شخص کو اپنا امیر تسلیم کر کے اس کی اطاعت اختیار کر لو تو اس سے نہ تمہارے مراتب میں کوئی فرق پڑے گا اور نہ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک تمہارا درجہ کم ہوگا۔ ذرا دیکھو تو سہی دشمن نے کتنی زبردست تیاری کر رکھی ہے۔ یاد رکھو کہ اگر آج ہم نے انہیں ان کی خندقوں میں دھکیل دیا تو ہم ہمیشہ انہیں دھکیلتے ہی رہیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے ہمیں شکست دے دی تو ہم پھر کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ میری تجویز اس بارے میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو باری باری امارت کا موقع ملنا چاہیے۔ اگر آج ایک امیر ہے تو کل دوسرا، پرسوں تیسرا، اترسوں چوتھا۔ اس طرح لشکر کے ہر قائد کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا آج کے لیے تم مجھے امیر بنا دو۔"

حضرت خالدؓ کی رائے نہایت معقول تھی۔ تمام امراء جن میں پیش پیش حضرت عمروؓ بن العاص تھے، اس پر متفق ہو گئے۔ اور پہلے روز کے لیے انہوں نے حضرت خالدؓ کو امیر مقرر کر دیا۔ یہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ لڑائی بہرحال طول کھینچے گی۔ اس لیے باری باری ہر ایک کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا۔

مسلمانوں کے لشکر دریائے یرموک کے بائیں کنارے پر خیمہ زن تھے۔ رومی سپہ سالار نے یہ دیکھا تو اپنی پوری طاقت دریا کے دائیں کنارے پر لا کر جمع کر دی۔

دریائے یرموک حوران کی سطح مرتفع سے نکل کر بحیرہ طبریہ کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔ دریائے یرموک اور دریائے اردن کے مقام اتصال سے تیس چالیس میل اوپر دریائے یرموک ایک طویل و عریض میدان کے گرد چکر کاٹتا ہے جسے تین اطراف سے اونچی اونچی پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ اس میدان کو واقوصہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس میں ایک عظیم الشان فوج آسانی سے خیمہ زن ہو سکتی ہے۔ رومیوں نے یہ جگہ پسند کی اور وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ یہ میدان وسیع تو بے شک تھا لیکن تین طرفوں سے پہاڑیوں میں محصور ہونے کے باعث باہر نکلنے کا صرف ایک راستہ تھا جو بہت تنگ تھا۔ اس راستے پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور رومی بالکل گھیرے میں آ گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے جب یہ دیکھا تو وہ چلا اٹھے:

"مسلمانو! تمہیں خوشخبری ہو، رومی گھیرے میں آ چکے ہیں اور محصور فوج محاصرہ کرنے والی فوج کے چنگل سے شاذ و نادر ہی بچتی ہے۔"

حضرت خالدؓ نے لشکر کو اڑتیس دستوں میں منقسم کیا۔ ایک دستہ کم و بیش ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ قلب میں آپ نے اٹھارہ دستے رکھے اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو ان کا سردار بنایا۔ میمنہ پہ دس دستے

متعین کیئے اور ان کا سردار حضرت عمرو بن العاص کو بنایا۔ ان دستوں میں شرجیلؓ بن حسنہ بھی تھے۔ میسرہ پر دس دستے متعین کیے اور ان کا سردار یزیدؓ بن ابو سفیان کو مقرر کیا۔ ان انتظامات سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص ان چند سپہ سالاروں میں سے تھے جن پر حضرت خالدؓ بن ولید نے اس نازک ترین موقع پہ کامل اعتماد کیا۔

یہ جنگ بڑی ہولناک جنگ تھی۔ رومی اس میں جان توڑ کر لڑے اور مسلمانوں پر اتنی شدت سے حملہ کیا کہ انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ پیچھے ہٹنے والوں میں مسلمانوں کا علم بردار بھی تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت خالدؓ بن ولید دونوں اس کے ہاتھ سے علم لینے کے لئے آگے بڑھے لیکن عمروؓ بن العاص پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے پھرتی سے علم بردار کے ہاتھ سے علم لے لیا اور اسے ایک لمحے کے لئے بھی نیچا نہ ہونے دیا۔ میدان جنگ میں اپنا جھنڈا پوری شان سے لہراتا ہوا دیکھ کر ہزیمت خوردہ مسلمانوں کی بھی ہمت بندھ گئی اور انہوں نے دوبارہ مجتمع ہو کر نئے جوش اور ولولے کے ساتھ دشمن سے لڑنا شروع کر دیا۔

اس جنگ کے دوران میں رومیوں نے کچھ تیر انداز ایک خندق میں چھپا دیے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ تاک تاک کر مسلمانوں کی آنکھوں پر تیر چلائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور سات سو مسلمانوں کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ اسی وجہ سے اس دن کا نام "یوم التعویر" مشہور ہو گیا۔ اسلامی لشکر بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا اور امراء اور علم برداروں کے سوا کوئی بھی ثابت قدم نہ رہا۔ اس موقعہ پہ حضرت عمروؓ بن العاص نے ابو عبیدہؓ بن جراح، یزیدؓ بن ابو سفیان اور عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر کو ساتھ لیا اور خود آگے بڑھ کر دشمنوں کا پامردی سے مقابلہ کیا۔ مسلمان عورتوں نے بھی اس موقع پہ بہادری کا شاندار نمونہ دکھایا۔ بعض عورتیں میدان جنگ میں بے خوفی سے چکر لگاتی ہوئی زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے اور انہیں پانی پلانے میں مشغول ہو گئیں اور بعض عورتیں مورچوں پہ جا کر کھڑی ہو گئیں اور فرار ہونے والے مردوں کو غیرت دلانے اور بھاگنے سے روکنے لگیں۔ ہزیمت خوردہ فوج نے جب یہ دیکھا تو اس نے اس ذلت و عار کے مقابلے میں لڑ کر مر جانے کو بہتر سمجھا۔ چنانچہ ساری فوج پلٹی اور دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔ سورج غروب ہونے پر رومیوں میں ضعف کے آثار پیدا ہونے لگے ان کے سواروں کے چہروں سے شدید تھکاوٹ کے آثار ہویدا تھے اور وہ بھاگنے کے لئے کسی راستے کی تلاش میں تھے۔ لیکن اس وقت ان کے لئے کوئی راہ فرار نہ تھی۔ واقوصہ کی گھاٹی ان کے پیچھے تھی اور مسلمان ان کے آگے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔

حضرت خالدؓ نے اندازہ کر لیا کہ رومی سواروں کا فرار ان کے ساتھیوں کے لیے مزید کمزوری کا باعث ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جب ان سواروں

نے راستہ کھلا دیکھا تو بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس راستے سے نکلے چلے گئے اور سرزمین شام میں منتشر ہو گئے۔ جب میدان رومی سواروں سے خالی ہو گیا تو خالدؓ اپنے سوار اور پیدل دستے لے کر رومیوں کے پیدل دستوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔ رومی اپنی خندق میں گھس گئے۔ خالدؓ وہاں بھی پہنچ گئے تو انہوں نے واقوصہ کی گھاٹی کا رخ کیا۔ اکثر رومیوں نے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لئے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ وہ دھڑا دھڑ اس گھاٹی میں گرنے لگے۔ اگر ایک گرتا تھا تو دس کو ساتھ لے کر گرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دیوار مع بنیاد زمین بوس ہو گئی ہے۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ وہ لوگ کھڈ کو نہ دیکھ سکے۔ جو رومی بھاگ کر ادھر آتے انہیں خبر نہ ہوتی کہ آگے والوں پر کیا گزری۔ وہ بھی اس کھڈ میں گرتے جاتے۔ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رومی واقوصہ کی گھاٹی کی نذر ہوئے۔ ہرقل کا بھائی تذارق بھی جو اس جنگ میں رومیوں کا سپہ سالار تھا، اسی معرکے میں قتل ہوا۔

۳۔ عمروؓ بن العاص دمشق میں

ابھی یرموک کا معرکہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی وفات کی خبر پہنچ گئی۔ ان کی جگہ حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کو قیادت کے منصب سے ہٹا کر حضرت ابوعبیدہؓ کو تمام اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اور ایک خط کے ذریعے انہیں دمشق فتح کرنے کی ہدایت کی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا:۔

"..... اپنی جنگی کارروائی کا آغاز دمشق سے کرو۔ کیونکہ وہ شام کا مضبوط ترین قلعہ اور اس کا دارالحکومت ہے۔ فحل کی جانب بھی ایک دستہ بھیج دو تاکہ وہ اہل فحل کو اہل دمشق کی امداد کرنے سے باز رکھے۔ اگر دمشق سے پہلے ہی فحل فتح ہو جائے تو اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس دوران میں وہ فتح نہ ہو سکے تو دمشق فتح کرنے کے بعد وہاں کا نظم ونسق برقرار رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے ایک دستہ چھوڑ دو۔ اور خود تمام امراء اور سپہ سالاروں کو ساتھ لے کر فحل کا رخ کرو۔ جب وہ فتح ہو جائے تو تم اور خالد حمص چلے جاؤ۔ اور شرحبیل اور عمرو بن العاص کو اردن اور فلسطین بھیج دو۔"

ان ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ:۔

۱۔ اصل حملہ دمشق پر کیا جائے۔
۲۔ اہل فحل کو اہل دمشق کی امداد سے باز رکھنے کے لئے ایک دستہ ادھر بھی بھیجا جائے اور اگر ممکن ہو سکے تو فحل کو فتح بھی کر لیا جائے۔
۳۔ دمشق اور فحل فتح ہونے کے بعد ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کا رخ کریں اور عمروؓ بن العاص اور شرجیلؓ اردن کا۔

خلیفۃ المسلمین کی ہدایات کے مطابق حضرت ابو عبیدہؓ نے ابوالاعور السلمی کو ایک دستہ فوج دے کر فحل بھیج دیا[1] اور خود خالدؓ۔ عمروؓ بن العاص اور شرجیلؓ بن حسنہ کو ساتھ لے کر دمشق کی جانب بڑھے۔ راستے میں انہیں کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا اور وہ بآسانی غوطۂ دمشق پہنچ گئے۔ وہاں کے لوگ اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سن کر فصیل شہر کے اندر چلے گئے اور ان کے گرجا اور گھر بالکل خالی پڑے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو اسلامی لشکر کی رہائش کے لئے بہت اچھی جگہ میسر آ گئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لوگوں کو انہی میں ٹھہرا دیا۔ اور اطمینان سے آئندہ اقدامات پر غور کرنے لگے۔ تمام ماحول کا جائزہ لینے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ رومی حمص اور فلسطین کے راستے اہل دمشق کو ہر قسم کی امداد پہنچا سکتے ہیں۔ اس صورت حال کے تدارک کے لئے انہوں نے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کیے:۔

۱۔ ذوالکلاع حمیری کی قیادت میں ایک دستہ دمشق اور حمص کے درمیان متعین کر دیا۔ تاکہ اگر ہرقل اہل دمشق کی امداد کے لئے حمص سے کوئی فوج بھیجے تو اسے روکا جا سکے۔
۲۔ علقمہ بن حکیم اور مسروق العبسی کو دمشق اور فلسطین کے درمیان متعین کر دیا تاکہ فلسطین سے کسی قسم کی مدد دمشق نہ پہنچنے پائے۔
۳۔ مندرجہ بالا احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد انہوں نے اپنی فوجوں کو دمشق کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا اور شہر کے ہر دروازے کے سامنے مندرجہ ذیل سپہ سالاروں کو متعین کر دیا۔

---

[1] ابوالاعور السلمی کے ہمراہ عرب کے بعض مشہور سردار اور بہادر لوگ بھی تھے۔ مثلاً عمرو بن یزید بن عامر الجرشی، عامر بن خثعمہ، عمرو بن کلیب، عمارہ بن کلیب، صیفی بن علبہ بن شامل، عمرو بن الحبیب بن عمرو، عبدہ بن خثعمہ اور بشر بن عصمہ۔

عمروؓ بن العاص — باب توما

شرجیلؓ بن حسنہ — باب فرادیس

یزیدؓ بن ابو سفیان — باب کیسان (جسے باب صغیر بھی کہتے ہیں)

خالدؓ بن ولید — باب شرقی

اس کے بعد ابو عبیدہؓ خود باب جابیہ کے سامنے خیمہ زن ہو گئے۔[1]

۴۔ شہر کے چاروں طرف انہوں نے منجنیقیں اور دبابے نصب کرا دئے تاکہ حملہ کے وقت فصیل پر پتھر برسائے جا سکیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص کو شہر کے ایک اہم حصہ پر متعین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کو بھی ان کی بہادری و شجاعت، اخلاص و وفاداری پر کامل اعتماد تھا۔ ان اہم اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دمشق مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

۴۔ عمروؓ بن العاص فحل اور بیسان میں

دمشق کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ کے سامنے دو راستے تھے۔

اول یہ کہ وہ حمص جائیں اور وہاں پر مقیم رومی فوجوں کو شکست دے کر شام کی فتح کا راستہ صاف کریں[2]

---

[1] ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے اپنی کتاب "تاریخ عمرو بن العاص" میں لکھا ہے کہ عمروؓ بن العاص باب فرادیس پر متعین تھے۔ شرجیلؓ بن حسنہ باب توما پر، ابو عبیدہؓ باب جابیہ پر، خالدؓ باب شرقی پر اور قیسؓ بن ہبیرہ باب فرج پر۔ انہوں نے یزیدؓ بن ابو سفیان کے باب کیسان پر متعین ہونے کا ذکر نہیں کیا (دیکھئے کتاب تاریخ عمرو بن العاص صفحہ ۵۱)

[2] شام میں مسلمانوں کی پیش قدمی کے وقت ہرقل دمشق میں مقیم تھا۔ جب اسلامی افواج نے دمشق کا رخ کیا تو وہ وہاں سے حمص چلا گیا۔ وہاں سے اس نے دمشق والوں کی مدد کے لئے فوجیں بھیجنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کی احتیاطی تدابیر کے باعث وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ دیکھ کر وہ حمص سے انطاکیہ چلا گیا۔ اگر حضرت ابو عبیدہؓ حمص پر حملہ کر دیتے تو ہرقل انطاکیہ چھوڑ کر اناطولیہ یا قسطنطنیہ بھاگ جانے پر مجبور ہوتا۔ اس طرح ——— تمام سرزمین شام میں رومی کسی جگہ بھی جم کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتے اور حضرت ابو عبیدہؓ بہت آسانی سے اس علاقے پر قبضہ کر لیتے۔

دوم یہ کہ ابوالاعور السلمی کی مدد کے لئے فحل جائیں[1]

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ جن رومی فوجوں نے یرموک کے میدان میں عبرتناک شکست کھائی تھی وہ بحیرہ طبریہ کے جنوب میں فحل میں مجتمع ہوگئی تھیں اور ہرقل نے ان کی امداد کے لئے مزید فوجیں بھی روانہ کی تھیں۔ جب ابوالاعور السلمی نے فحل کا رخ کیا تو رومیوں نے دریا کے بند توڑ ڈالے جس کے باعث یہ سارا علاقہ زیر آب آگیا اور اسلامی لشکر آگے نہ بڑھ سکا۔ دوسری طرف رومیوں کی نقل و حرکت بھی کلیتہً مسدود ہوگئی اور فحل کے پرے وادی بیسان میں محصور ہونے پر مجبور ہوگئے۔

جب مسلمان دمشق کی فتح سے فارغ ہوئے تو موسم گرما شروع ہوچکا تھا اور دھوپ کی شدت کے باعث فحل کے علاقے کا پانی خشک ہوگیا تھا۔ لہٰذا اسلامی افواج نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے دمشق سے فحل کا قصد کیا[2]۔ اس کی مہم کی سربراہی شرجیلؓ بن حسنہ کر رہے تھے[3] انہوں نے

۱۔ ابوالاعورؓ السلمی کو طبریہ کا محاصرہ کرنے والی فوج کا علم بردار بنایا۔
۲۔ خالدؓ بن ولید کو مقدمۃ الجیش کی قیادت سپرد کی۔
۳۔ عمروؓ بن العاص اور ابوعبیدہ کو میمنہ اور میسرہ پر مقرر کیا۔
۴۔ ضرارؓ بن الازور کو سوار فوج کی قیادت سونپی
۵۔ عیاضؓ بن غنم کو بقیہ پیدل فوج کا سردار مقرر کیا۔

---

[1] فحل پر قبضہ کرنے کی سکیم جنگی لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل تھی کیونکہ اس طرح ان تمام رومی افواج کا قلع قمع ہوجاتا تھا جو مسلمانوں کی پشت پر موجود تھیں۔ فحل کی فتح کے بعد مسلمان پشت کی جانب سے رومیوں کے کسی اچانک حملے کے خطرے سے محفوظ ہوگئے اور یہ اندیشہ بھی جاتا رہا کہ رومی کسی وقت موقع پاکر مسلمانوں کا راستہ قطع کر دیں گے۔

[2] حضرت ابوعبیدہؓ نے یزید بن ابوسفیان کو دمشق کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور دس ہزار فوج کو ہاشم بن عتبہ اور قعقاع بن عمرو کی سرکردگی میں عراق روانہ کر دیا۔ کیونکہ انہیں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے یہ احکام موصول ہوتے تھے کہ عراق سے آنے والے لشکر کو واپس عراق بھیج دیا جائے۔

[3] حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اردن کی امارت کے لئے شرجیل کو، حمص کی امارت کے لئے ابوعبیدہ کو، بلقاد کی امارت کے لئے یزید کو اور عربات کی امارت کے لئے عمرو بن العاص کو نامزد کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ جس علاقے میں جنگ ہو وہاں قیادت عامہ کے فرائض وہی شخص سرانجام دے گا جسے وہاں کی امارت سپرد کی گئی ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس حکم کو برقرار رکھا اسی لئے معرکہ فحل میں قیادت کے فرائض شرجیل نے سرانجام دیے۔

یرموک سے بھاگ کر آنے والی رومی فوجوں نے دریائے اردن اور دریائے یرموک کے مقام اتصال کے قریب ام قیس کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور وادیٔ غور کو طے کر کے مسلمانوں کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔ ان کی مدد کے لئے جو فوجیں آئی تھیں انہوں نے بیسان کی حفاظت کے لئے ادھر کا رخ کیا۔

جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت عمروؓ بن العاص نے حسب معمول بڑی پامردی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور رومیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ ان کا سپہ سالار سقلار اور اس کا نائب نسطوس میدان جنگ میں قتل ہوئے۔ جب رومیوں نے شکست کھائی تو انہوں نے بری طرح بھاگنا شروع کیا لیکن وہ اس نشیب دلدل میں پھنس گئے جو خود انہوں نے تیار کی تھی۔ مسلمانوں نے دلدل میں پھنسنے والے کسی ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا اور اسی ہزار رومیوں کو اسی حالت میں قتل کر ڈالا۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی سرگرمیاں اس عظیم الشان فتح کے بعد ختم نہ ہوئیں۔ وہ شرجیلؓ کے ہمراہ بیسان پہنچے۔ ان کے ساتھ حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو بھی تھے جن کا شمار عرب کے بڑے بڑے سرداروں میں ہوتا تھا۔ شہر کے لوگ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر زیادہ عرصہ تک محاصرہ کی تکلیفیں برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی جسے حضرت عمروؓ بن العاص نے قبول کر لیا۔ اس صلح کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اہل طبریہ بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جن کا محاصرہ ابو الاعور السلمی نے کیا ہوا تھا۔

۵۔ عمروؓ بن العاص اجنادین میں

فحل، بیسان اور طبریہ میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید شمالی شام چلے گئے۔ اور عمروؓ بن العاص اور شرجیلؓ نے فلسطین کا قصد کیا۔ جہاں رومی سالار ارطبون[۱] جو عقل و دانش اور فرزانگی میں اپنے ہم عصر سرداران فوج سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا زبردست فوجیں لئے موجود تھا۔ ارطبون نے سارے فلسطین میں رومی فوجوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ ایک بھاری لشکر رملہ[۲] میں متعین تھا۔ اور اسی کے ہم پلہ ایک

---

[۱] طبری نے اس رومی سپہ سالار کا نام "ارطبون" لکھا ہے۔ "الفرد بطلر اریطیون" لکھتا ہے (فتح العرب لمصر صفحہ ۱۵) بعض کتابوں میں اس کا نام "اطربون" آیا ہے۔

[۲] رملہ کا شہر دراصل آٹھویں صدی عیسوی میں لد نامی ایک قصبے کے قریب آباد کیا گیا تھا۔ چونکہ لد بعد میں تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ اس لئے مورخین عرب نے اس خیال سے کہ قارئین کو شہر کے محل وقوع کے متعلق پیچیدگی کا سامنا کرنا پڑے۔ لد کو رملہ کا نام دے دیا۔

لشکر ایلیاءؔ میں موجود تھا۔ ان کے علاوہ سبسطیہ، نابلس اور یافا میں بھی فوجی دستے متعین تھے۔ قیساریہ کی سرحد پر تو فوجی انتظامات حد کو پہنچ چکے تھے۔

قیساریہ کی فتح حضرت عمروؓ بن العاص تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ رومی تعداد میں مسلمانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں اور سارے محاذوں پر یک دم لڑائی چھیڑ دینے سے وہ کبھی رومیوں پر فتح نہیں پا سکتے۔ اس لئے سب سے پہلے قیساریہ پر حملہ کر کے اسے اپنے زیر نگین لانا چاہئے۔ قیساریہ پر قبضہ کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ رومیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ رومیوں نے وہاں کے قلعہ کو خوب مستحکم کیا ہوا تھا جس علاقے میں بھی فوجی کمک کی ضرورت ہوتی تھی، وہ قیساریہ سے مہیا کی جاتی تھی۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی رائے امیرالمومنین کو لکھ بھیجی۔ امیرالمومنین نے بھی اس سے اتفاق کیا اور حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان کو قیساریہ جا کر اسے فتح کرنے کا حکم بھیجا۔ آپ نے انہیں لکھا:۔

"میں نے تمہیں قیساریہ کا والی مقرر کیا ہے۔ تم اس کی جانب روانہ ہو جاؤ اور اسے فتح کرنے کے

---

[1] ایلیاء بیت المقدس کا دوسرا نام ہے۔ وہ جنوبی فلسطین میں ایک پہاڑی علاقے میں واقع ہے۔ وہاں قدیم زمانے سے ایک مضبوط و مستحکم قلعہ بنا ہوا تھا جسے جنگی لحاظ سے بہت اہمیت حاصل تھی۔ قدیم مصری اپنے ان دشمنوں کو پسپا کرنے کے لئے جو فلسطین کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ اسی قلعہ کو استعمال کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے عہد میں یہ شہر مصر کی سلطنت سے علیحدہ ہو گیا۔ حضرت سلیمانؑ نے یہاں ایک ہیکل تعمیر کی۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں جب اہل فارس نے فلسطین پر چڑھائی کی تو شہر اور ہیکل کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ بعد میں یہ ہیکل دوبارہ تعمیر کی گئی اور اسے یہود نے اپنی عبادت گاہ بنا لیا جہاں وہ اپنے مذہبی شعائر بجا لاتے تھے۔ جب ہیروڈس فلسطین پر قابض ہو گیا تو اس نے اس ہیکل کو گرا کر از سر نو تعمیر کرایا۔ بعد میں اس شہر پر مسیحی قابض ہو گئے۔ انہوں نے اسے مضبوط و مستحکم بنانے میں اپنی پوری طاقت کو صرف کر دیا۔ ۶۱۴ عیسوی میں جب اہل فارس نے ایک بار پھر فلسطین پر چڑھائی کی تو پورے اٹھارہ روز کے محاصرہ کے بعد اس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ جب ہرقل شاہ روم نے اس پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس نے شہر کے یہودی باشندوں پر شدید مظالم ڈھانے شروع کیا۔ کیونکہ اس کے خیال میں ایرانیوں کے حملے کے وقت یہودیوں نے غداری کی تھی اور شہر کے بعض پوشیدہ راستوں کی نشان دہی کر کے انہیں اس پر قبضہ کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔

[2] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۰۴

لیے اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کرو۔ ان کلمات کا ہمیشہ ورد کرتے رہو۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ اللہ ربنا وثقتنا ورجاؤنا ومولانا نعم المولیٰ ونعم النصیر (ہر قسم کی قوت و طاقت اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہ ہمارا پروردگار، ہمارا آسرا اور ہمارا دوست ہے، وہ بہترین دوست اور بہترین مددگار ہے)

تعمیل حکم میں حضرت معاویہؓ قیساریہ پہنچے اور شہر پر حملہ کردیا۔ بڑی ہولناک جنگ ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور وہ شہر پر قابض ہو گئے۔ اس جنگ میں رومیوں کے اسی ہزار آدمی قتل ہوئے[1] قیساریہ فتح ہونے سے مسلمانوں کو بے حد فائدہ پہنچا[2]۔ اور اس جانب سے شام میں مقیم رومی فوجوں کو جو مدد پہنچا کرتی وہ بالکل مسدود ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو بھی جب اس کے فتح ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے تمام اہل مدینہ کو جمع کر کے یہ خوشخبری سنائی اور انہیں اس کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کی تلقین فرمائی۔

غزہ کا محاصرہ ارطبون سے فیصلہ کرنے سے پہلے حضرت عمروؓ بن العاص نے ہر جانب سے اطمینان کر لینا چاہا۔ قیساریہ کے فتح ہونے سے اس جانب سے تو اطمینان ہو چکا تھا۔ البتہ غزہ کی طرف سے خطرہ باقی تھا[3]۔ چنانچہ آپ نے ایک فوج اس کا محاصرہ کرنے کے لیئے روانہ کر دی تاکہ اس جانب سے بھی ارطبون کو کسی قسم کی مدد نہ پہنچنے پائے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کا مقصد اچھی طرح پورا ہوا اور سمندر کی جانب سے بھی ارطبون کو مدد پہنچنی بند ہو گئی۔ اب اس کا تمام تر انحصار صرف اس فوج پر تھا جو اس کے زیر تحت تھی۔ ادھر حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت فاروق اعظمؓ کو ایک خط میں تمام حالات کی اطلاع دی اور لکھا کہ دشمن کثیر تعداد میں جمع ہے اور ان کی قیادت ارطبون جیسا زیرک اور چالاک آدمی کر رہا ہے۔ اس لئے ہماری مدد کے لئے جلد از جلد مزید فوجیں روانہ کی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے فوراً معاویہؓ

---

[1] بعض روایات میں مقتولین کی تعداد ایک لاکھ لکھی ہے

[2] مؤرخین میں قیساریہ کی فتح کے متعلق اختلاف ہے۔ طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ قیساریہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھوں فتح ہو گیا تھا، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس کا محاصرہ تو ضرور کیا تھا لیکن فتح نہیں کیا۔ ولیم میور نے لکھا ہے کہ عربوں نے قیساریہ کے سوا باقی تمام فلسطین فتح کر لیا بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ قیساریہ کا محاصرہ سات سال کی طویل مدت تک جاری رہا۔

[3] غزہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں فتح ہو گیا تھا۔ لیکن بعد میں مسلمان یہاں سے عارضی طور پر چلے جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

روانہ کر دی اور اپنے احباب سے فرمایا۔

"ہم نے رومی ارطبون کے مقابلے میں عرب کے ارطبون کو بھیجا ہے۔ اب دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے۔"

ارطبون سے مقابلے کی تیاری جب حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی فوجیں فلسطین پہنچ گئیں تو حضرت عمروؓ بن العاص نے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ارطبون نے اپنی کچھ فوجیں تو ایلیا اور رملہ میں جمع کی ہوئی تھیں اور ایک بھاری فوج اس کے ساتھ تھی۔ جب اسے حضرت عمروؓ بن العاص کی تیاریوں کا پتہ چلا تو اس نے اپنی فوج کے ہمراہ اجنادین کا رخ کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی کل فوج کو اس کے مقابلے میں لانے کی بجائے اس کے تین حصے کیے۔ ایک لشکر کو علقمہ بن حکیم اور اور مسروق العکیؓ کی زیر قیادت ایلیا میں مقیم ارطبون کی فوج کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور بعد میں اپنے بیٹے محمد بن عمرو کو بھی ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ ایک لشکر کو ابوایوب مالکی کی زیر قیادت رملہ میں ارطبون کی فوج کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور بعد میں عمارہ بن امیہ الضمری کو ان کی مدد کے لیے بھیجا اور بقیہ فوج کو ہمراہ لے کر خود ارطبون کے مقابلے کے لئے اجنادین[1] روانہ ہو گئے۔

اس طریق کار سے بھی حضرت عمروؓ بن العاص کی کمال جنگی مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ اپنی تمام فوج کو ارطبون کے مقابلے میں نہیں لائے۔ بلکہ اس کے تین حصے کر کے ہر ایک حصے کو ارطبون کی مختلف افواج کے مقابلے میں روانہ کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف شہروں میں متعین ارطبون کی ہر فوج کو اپنی اپنی جگہ پر مسلمانوں کی فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور وہ ارطبون کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔

عمروؓ بن العاص اور ارطبون کی باہمی گفتگو حضرت عمروؓ بن العاص قلعہ کے استحکام، رومی فوج کی حالت اور ارطبون کے تمام انتظامات کی کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے متعدد لوگوں کو قاصد بنا کر ارطبون کے پاس بھیجا مگر وہ لوگ واپس آکر فوج اور قلعے کی جو کیفیت بیان کرتے تھے اس سے ان کی تشفی نہ ہوتی تھی۔ آخر انہوں نے قلعے کے اندر جانے اور ارطبون کے تمام انتظامات بچشم خود ملاحظہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے قاصد کا بھیس بدلا اور ارطبون کی لشکرگاہ میں پہنچ کر رومی سپہ سالار سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ ارطبون نے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ارطبون۔ کیا تم مسلمانوں کے بادشاہ عمروؓ بن العاص کے قاصد ہو؟

---

[1] اجنادین فلسطین میں رملہ اور بیت جبرین کے درمیان ایک قصبہ ہے۔

عمرو بن العاص: جناب والا! عمرو بن العاص تو مسلمانوں کے ایک سپہ سالار ہیں، بادشاہ نہیں ہیں مسلمانوں کے ہاں بادشاہ نہیں ہوتا، اُن کا خلیفہ ہوتا ہے۔ جو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی سلطنت کے کام سرانجام دیتا ہے وہ ایک عام آدمی کی طرح اُن کے درمیان زمین پہ بیٹھتا ہے اور بہت سادہ زندگی بسر کرتا ہے۔

ارطبون: کیا عمرو بن العاص بہت عقلمند آدمی ہے۔

عمرو بن العاص۔ جناب والا! عمرو بن العاص اللہ کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس جگہ قدم رکھے اور کس جگہ پیچھے ہٹائے۔ اس پر کتنی ہی بڑی مصیبت کیوں نہ پڑے وہ اس سے صاف بچ کر نکل جاتا ہے

ارطبون۔ شاید تم ایک سپاہی کی طرح اسے دیکھتے ہو جو اپنے سپہ سالار کا کامل مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے لیکن تمہیں جنگ سے کیا واسطہ؟ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ تمہاری حیثیت خانہ بدوش بدوؤں جیسی ہے جو جہاں پانی اور سبزہ دیکھتے ہیں وہاں اتر پڑتے ہیں۔ کسریٰ اور قیصر پر غالب آجانے کا جنون تم میں کب سے پیدا ہو گیا؟

عمرو بن العاص۔ آپ کا یہ خیال درست نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص جنگجو اور فنون جنگ کا ماہر ہے صحراؤں نے ہمیں مشقتوں اور تکالیف برداشت کرنے کا عادی بنا دیا ہے۔ نیزہ بازی ہمیں خوب آتی ہے اور ہم میں سے ہر ایک تلوار کا دھنی ہے۔ ہماری تلواروں کے جوہر ہمارے دشمنوں پر خوب عیاں ہیں اور یرموک کی جنگ اس پر شاہد ناطق ہے۔

ارطبون۔ تم باتیں بنانے اور اپنی مزعومہ قوت و طاقت کا حال بڑھا چڑھا کر بیان کرنے میں خوب ماہر معلوم ہوتے ہو۔ اچھا ذرا یہ تو بتاؤ کہ عمرو بن العاص کے لشکر کی تعداد کتنی ہے؟

عمرو بن العاص۔ جناب والا! اس کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں تو عمرو بن العاص کا ایک قاصد ہوں اور ان کی طرف سے آپ کو یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ یا تو آپ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دینے کا اقرار کریں۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

ارطبون۔ میں جنگ کے لئے تیار ہو جاؤں! کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ تم ارطبون پر غالب آ سکتے ہو؟

عمرو بن العاص۔ کیا مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے ارطبون قیصر شہنشاہ روم سے زیادہ درجہ رکھتا ہے؟ وہ تلواریں جنہوں نے ہرقل کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہر اس شخص کو ہلاک کرنے کے لئے تیار ہیں جو عمرو بن العاص کے مقابلے کے لئے آئے گا۔ ہم امن و سلامتی کے

داعی اور اسلام کے مبلغ ہیں۔ محض حق کی خاطر جہاد کرتے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے میدان جنگ میں آتے ہیں۔

ارطبون۔ وہ کیا تدابیر ہیں جنہیں اختیار کر کے تم اپنے دشمنوں پر غالب آجاتے ہو؟ وہ کون سے فنون ہیں جو رائج الوقت فنون جنگ کے علاوہ تم اختیار کرتے ہو۔ اور وہ کونسا بھیس ہے جو جنگ کے وقت تم بدل لیتے ہو؟ کیونکہ ہمارے جن لوگوں کو تم سے جنگ کرنے کا موقعہ ملا ہے وہ بتاتے ہیں کہ تم جنگ کے وقت عجیب و غریب قسم کا بھیس بدل لیتے ہو، اپنے جسموں پر پراسرار قسم کی کھال پہن لیتے ہو اور ایسی تلواروں سے فریق مخالف کا مقابلہ کرتے ہو جو بظاہر نظر آنے والی تلواروں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟

عمرو بن العاص۔ جہاں تک چہروں کا سوال ہے۔ مسلمانوں کے چہرے حالت جنگ میں غضبناک اور حالت امن میں تروتازہ ہوتے ہیں۔ رہے ان کے جسم اور ان کی تلواریں تو اسلام نے آکر انہیں دشمنوں کے لئے خوفناک اور تباہ کن بنا دیا ہے۔ جنگ کے طریقوں کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں، یہ کام عمرو بن العاص ہے کہ وہ جو چاہیں گے طریقے استعمال کریں گے۔ میں تو ان کا قاصد ہوں اور ان کا پیغام آپ تک پہنچانے آیا ہوں۔

ارطبون۔ اچھا اگر یہی بات ہے تو اپنے سپہ سالار کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ہم نے ان کے مقابلے کے لئے اتنی کثیر تعداد میں فوجیں اکٹھی کر رکھی ہیں کہ انہیں دیکھ کر ہی ان کے ہوش اڑ جائیں گے اس وقت سلطنت روما کی پوری قوت ارطبون کے لشکر میں جمع ہو گئی ہے۔ سرزمین فلسطین ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کن سرزمین ثابت ہو گی۔ کہاں کا اسلام اور کہاں کا جذبہ ہے؟ انہیں تلوار کی دھار کے سوا اور کچھ نہ ملے گا...... سن لیا؟

عمروؓ بن العاص کی عقلمندی | ارطبون بظاہر عمرو بن العاص کے قاصد سے باتوں میں مشغول تھا لیکن اندرونی طور پر اسے زبردست حیرت ہو رہی تھی کہ ایک سادہ لوح بدوی ایسی فلسفیانہ باتیں کس طرح کر سکتا ہے۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ یہ شخص یا تو خود عمرو بن العاص ہے یا اسلامی لشکر کا کوئی بہت بڑا افسر ہے اس لئے اسے صحیح سلامت واپس نہیں جانے دینا چاہئے۔ چنانچہ اس نے قلعہ کے محافظوں کو خفیہ طور پر حکم بھیج دیا کہ جس وقت یہ شخص قلعہ سے باہر نکلنے لگے اسے قتل کر دیا جائے۔ ساتھ ہی اس نے اس قاصد کو کچھ انعام و اکرام دینے کا حکم بھی دیا۔

عمروؓ بن العاص قلعہ کے دروازے کی طرف جا رہے تھے کہ ایک بدوی نے ان کے قریب

آگر اس کے کان میں جھک کر کہا۔

"عمرو بن العاص! تم نے قلعہ میں آنے کا طریقہ تو بہت اچھا نکالا۔ اب بات تو تب ہے کہ کسی طریقہ سے یہاں سے زندہ سلامت واپس چلے جاؤ"

اعرابی کے منہ سے یہ بات سنتے ہی عمرو بن العاص ٹھٹھک گئے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ لوگوں نے انہیں پہچان لیا ہے اور ان کے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ اب ان کے لئے سب سے بڑا کام یہ تھا کہ فوری طور پر اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر اختیار کریں۔ انہوں نے اپنے ذہن رسا سے کام لیا اور ایسی تدبیر نکال ہی لی۔

ابھی ارطبون اپنے محل میں اس انتظار میں بیٹھا ہوا تھا کہ کب قاصد کے قتل کی خبر آتی ہے کہ قاصد خود دروازے پر آ موجود ہوا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ ارطبون کو تعجب تو بہت ہوا۔ تاہم اس نے اسے بلا لیا اور کہا:

ارطبون۔ اے عرب! تم واپس کیوں آ گئے؟ کیا اپنے سالار کی کوئی بات تم مجھے بتانا بھول گئے تھے؟

عمرو بن العاص۔ نہیں حضور۔ میں بھولا کچھ نہیں۔ دوبارہ اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اس انعام کا دوبارہ شکریہ ادا کردوں جو آپ نے مجھے دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے علاوہ بعض اور لوگ بھی آپ کے انعام کا شکریہ ادا کریں گے۔

ارطبون۔ تمہارے علاوہ اور لوگ میرے انعام کا شکریہ کیسے ادا کریں گے؟ یہ انعام تو میں نے صرف تمہیں دیا ہے۔

عمرو بن العاص۔ حضور! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یہ انعام اپنے ہی پاس رکھ لوں؟ میرے ساتھ میرے دس بھتیجے اور بھائی ہیں اور مجھے ہمیشہ ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ میں آپ کا یہ انعام ان کے درمیان تقسیم کر دیتا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ ان سب کے حصہ میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے میں دوبارہ آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ انہیں بھی انعام واکرام سے نوازیں میں چاہتا ہوں کہ آپ کی سخاوت کی خوب تشہیر ہو"

ارطبون۔ اگر یہی بات ہے تو ہم تمہیں دس گنا زیادہ انعام دینے کا حکم دیتے ہیں تم اسے اپنے رشتہ داروں کے پاس لے جاؤ۔

عمرو بن العاص۔ میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں؟ بہر حال میں چاہتا ہوں کہ وہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے احسان عظیم کا شکریہ ادا کریں۔ ان میں سے ہر شخص میری طرح گفتگو کرتا ہے اور ہر شخص کا دل اسی طرح اپنے محسن کا شکر گزار ہے۔ جس طرح میرا دل۔ اگر آپ کو مجھ سے مل کر

خوشی ہوئی ہے۔ تو یقیناً اُن سے مل کر بھی ہوگی۔

ارطبون۔ تم انہیں ہمارے حضور میں پیش کرنا چاہتے ہو؟

عمرو بن العاص۔ حضور! یقیناً۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے گفتگو کریں اور وہ اس کا جواب دیں۔ آپ انہیں انعام و اکرام سے نوازیں اور وہ نہ صرف آپ کی نوازشات کا شکریہ ادا کریں۔ بلکہ واپس جاکر عربوں میں بھی آپ کی فیاضی اور حسن خلق کی تشہیر کریں۔ اور یہ تو آپ کو علم ہی ہے کہ اس تعریف و توصیف کا عربوں کے دلوں پر کتنا اثر ہوگا۔

ارطبون۔ تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ اچھا جاؤ اور انہیں لے آؤ۔ چنانچہ عمرو بن العاص اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ارطبون نے قلعہ کے محافظوں کو حکم بھیج دیا کہ اس شخص کو صحیح وسلامت قلعہ سے باہر جانے دیا جائے۔ در اصل اس کا خیال یہ تھا کہ جب یہ شخص اپنے رشتہ داروں کو لائے گا تو اس وقت اسے ایک کی بجائے دس آدمیوں کو قتل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس بات کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس شخص نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر اختیار کی ہے۔ اس نے دھوکے اور فریب سے کام لینا چاہا ـــــ لیکن عمرو بن العاص اس سے بھی زیادہ تیز نکلے اور انہوں نے اپنی عقلمندی سے اس کے فریب کو ناکام بنا دیا۔

عمرو بن العاص نے اپنے لشکر میں واپس پہنچ کر حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع بھیجی۔ جب ان کا قاصد حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور یہ واقعہ سنایا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انہوں نے بآواز بلند کہا۔

"شاباش! اے عمرو بن العاص۔ تم یقیناً ارطبون پر غالب آ جاؤ گے۔"

ادھر جب ارطبون کو معلوم ہوا کہ عمرو بن العاص کس طرح اسے چکمہ دے کر اس کے چنگل سے نکل گئے تو وہ بھی ان کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا اور اس نے کہا "یہ شخص تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ عقلمند ہے۔"

فتح اجنادین | ارطبون کے پاس سے واپس آکر حضرت عمرو بن العاص نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور بہت جلد دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ جنگ اپنی شدت اور ہولناکی میں یرموک کی جنگ سے کم نہ تھی آخر ارطبون نے شکست کھائی اور وہ اپنی ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر بیت المقدس چلا گیا۔[1]

---

[1] مورخین میں فتح اجنادین کے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱) طبری نے ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے کہ جنگ اجنادین ۱۳ھ میں ہوئی۔ واقدی کی بھی یہی رائے ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

فتح بیت المقدس

اجنادین کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے اپنے ساتھیوں سے آئندہ اقدام کے متعلق مشورہ کیا۔ آخر یہ رائے طے پائی کہ سمندر کی جانب سے ارطبون کا راستہ قطع کر دیا جائے۔ تاکہ اس جانب سے اسے کوئی مدد نہ مل سکے۔ اس قرارداد کے مطابق اسلامی فوجوں نے فلسطین کے متعدد شہروں پر دھاوا بول دیا اور بہت تھوڑے عرصے میں انہوں نے رفح غزہ، سبسطیہ[1]، نابلس، الد، عمواس، بیت جبرین اور یافا[2] پر تسلط حاصل کر لیا۔ اب صرف بیت المقدس اور رملہ باقی رہ گئے اور عمرو بن العاص کی فوجوں نے ان شہروں کا بھی محاصرہ کر لیا۔ ساتھ ہی آپ نے ارطبون کو ایک خط بھی لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ شہر ان کے حوالے کر دیا جائے۔ عمرو بن العاص کے خط کا جواب ارطبون نے یہ دیا:-

"آپ میرے دوست ہیں اور آپ کو اپنی قوم میں وہی حیثیت حاصل ہے جو مجھے اپنی قوم میں حاصل ہے۔ آپ اس خیال میں نہ رہیں کہ اجنادین کے بعد بھی آپ کوئی فتح حاصل کر سکیں گے۔ میں آپ کو مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ واپس چلے جائیں اور اپنی قوت و طاقت پر نازاں نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو بھی ویسی ہی عبرتناک شکست کھانی پڑے۔ جیسی آپ سے پہلے حملہ آوروں کو کھانی پڑی تھی۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷) بلاذری، یعقوبی اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جنگ یرموک ۱۳ھ میں اور جنگ اجنادین ۱۵ھ میں ہوئی۔

(۳) بعض یورپی مورخین نے جن میں گبن بھی شامل ہے یہ لکھا ہے کہ اجنادین کی جنگ دو بار واقع ہوئی۔ ایک مرتبہ ۱۳ھ میں فتح دمشق سے پہلے اور دوسری مرتبہ جنگ یرموک کے بعد ۱۵ھ میں۔

(۴) ڈاکٹر ابراہیم حسن کی رائے بھی یہی ہے کہ اجنادین کی جنگ دو بار ہوئی۔ پہلی مرتبہ ۱۳ھ میں یہاں رومیوں سے مقابلہ پیش آیا۔ اس کے بعد دونوں متحارب فریق دوسرے علاقوں میں باہمی زور آزمائی میں مشغول ہو گئے۔ آخر مسلمانوں نے دوبارہ یہاں آکر تسلط حاصل کر لیا۔ (تاریخ عمرو بن العاص صفحہ ۵۰)

[1] یہاں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا مزار ہے۔

[2] ان میں سے بعض شہر باقاعدہ زور آزمائی اور جنگ کے بعد فتح ہوئے۔ لیکن بعض شہروں میں جنگ کی نوبت نہیں آئی اور وہاں کے باشندوں نے جزیہ دینے کا اقرار کر کے مسلمانوں سے مصالحت کر لی۔

حضرت عمرو رضؓ بن العاص نے اس خط کا یہ جواب دیا۔

"تمہارا خط ملا۔ یہ ٹھیک ہے کہ تمیں اپنی قوم میں وہی حیثیت حاصل ہے جو مجھے اپنی قوم میں ہے۔ پھر بھی تم نے میرے مرتبے کا اندازہ کرنے میں غلطی کی ہے۔ مجھے ایک بات میں تم پر فضیلت حاصل ہے۔ اور وہ فضیلت یہ ہے کہ میری حیثیت اس علاقے کے فاتح کی ہے[1] اور تمہاری حیثیت مفتوح کی۔"

ارطبون نے جواب میں لکھا۔

"ایلیا (بیت المقدس) کے فاتح آپ نہیں ہیں۔ یہ فخر تو "عمر" نامی ایک شخص کے حصہ میں آئے گا۔"[2]

اجنادین میں مسلمانوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا اور ان کی فوجوں کی تعداد بہت کم ہو گئی تھی۔ اس لئے حضرت عمرو رضؓ بن العاص نے ایک طرف حضرت عمرؓ کو مدد کے لئے لکھا اور دوسری طرف اپنی فوجوں کو ساتھ لے کر بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا[3]۔ یہ محاصرہ بہت لمبا ہو گیا اور اہالیان بیت المقدس کسی طرح مطیع ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔

طبری نے لکھا ہے کہ "اہل ایلیا نے مسلمانوں کو دوران محاصرہ میں بہت زیادہ نقصان پہنچایا[4]۔ رومیوں کی مقاومت کی وجہ سے نہ مسلمان بیت المقدس پر قابض ہو سکے نہ رملہ پر۔ جب خلیفۃ المسلمین کو اس کا علم

---

[1] بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرو رضؓ بن العاص نے ایک ایسے شخص کو جو رومی زبان جانتا تھا ارطبون کے پاس مندرجہ بالا خط دے کر بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ اس خط پر جو رائے زنی ہو وہ غور سے سنے اور انہیں واپس آکر بتائے لیکن رومیوں پر یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ وہ رومی زبان جانتا ہے۔ جب قاصد واپس آیا تو اس نے بتایا کہ جب ارطبون نے آپ کا خط پڑھا تو وہ ہنس پڑا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا آپ نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ عمرو بن العاص بیت المقدس کے فاتح نہیں ہو سکتے؟ اس نے کہا "بیت المقدس ایک ایسے شخص کے ہاتھ پر فتح ہو گا جس کا نام عمر ہو گا۔ اس کے نام کے تین حروف ہیں" اس وقت حضرت عمرو رضؓ بن العاص کو یقین ہو گیا کہ یہ فخر حضرت عمر رضؓ بن خطاب کے حصہ میں آئے گا۔

[2] روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ تورات میں ایلیا (بیت المقدس) کے فاتح کا نام عمر لکھا ہوا تھا ارطبون کو جب یہ حقیقت معلوم ہوئی تو وہ اپنی فوجوں کے ہمراہ مصر بھاگ گیا اور مسلمانوں سے نبٹنے کے لئے اسقف صفرنیوس کو پیچھے چھوڑ گیا۔

[3] بیت المقدس کا محاصرہ کرنے والے سپہ سالار کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

ہوا تو انہوں نے مدینہ سے ایک بھاری لشکر حضرت عمروؓ بن العاص کی مدد کے لئے روانہ کیا تاکہ بیت المقدس کی فتح جلد از جلد عمل میں آسکے"۔

یہ محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا اس دوران میں جہاں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا وہاں رومیوں کا نقصان بھی کسی طرح کم نہ تھا۔

جب ارطبون نے دیکھا کہ مسلمان بیت المقدس کا محاصرہ اٹھانے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں تو وہ اسقف صفرینوس کو اپنا قائم مقام بنا کر خود مصر بھاگ گیا اور اپنے ہمراہ اپنی فوج کو بھی لیتا گیا۔ صفرینوس کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر سکتا۔ اس لئے وہ شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن یہ شرط پیش کی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ بن خطابؓ خود صلح کا معاہدہ لکھیں ؎

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹) بعض نے لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح بالان میں کسی ایک نے شہر کا محاصرہ کیا تھا۔ چنانچہ طبری لکھتا ہے:۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے شام آنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو وہاں کے لوگوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم صلح کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ عمرؓ بن الخطاب خود آکر ہم سے معاہدہ کریں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا جس پر وہ شام تشریف لائے۔" لیکن ہمارے نزدیک یہ روایت ناقابل اعتبار ہے کیونکہ محاصرہ بیت المقدس کے وقت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ شمالی شام (حلب، حمص اور انطاکیہ) کو فتح کرنے اور ہرقل کی شکست خوردہ افواج کا پیچھا کرنے میں مشغول تھے۔ صحیح واقعہ یہی ہے کہ بیت المقدس کا محاصرہ حضرت عمروؓ بن العاص نے کیا جو غیر معمولی طور پر لمبا ہو گیا۔

؎ مسلمانوں کو شدت سرما کے علاوہ ان منجنیقوں کی سنگ باری سے بھی بے حد نقصان اٹھانا پڑا جو رومیوں نے شہر کی فصیل پر نصب کر رکھی تھیں اور جن سے رات دن اسلامی فوجوں پر سنگ باری ہوتی رہتی تھی مزید براں چار ماہ کے طویل عرصہ میں کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا جس میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان چھوٹی موٹی چھیڑ چھاڑ نہ ہوتی ہوں۔

؎ تاریخ ابن الوردی میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے فرمایا تم بیت المقدس کو جنگ کیے بغیر فتح کرو گے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ جابیہ کے مقام پر ان سے مصالحت کی اور انہیں ایک عہدنامہ لکھ کر دیا جس کا مضمون مندرجہ ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ امان نامہ ہے جو اللہ کے بندے عمر امیرالمومنین نے ایلیاء (بیت المقدس) والوں کو دیا ہے۔ ایلیاء والوں کی جان، مال، گرجے، صلیبیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) سلہ کتاب الفتوحات میں لکھا ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ بیت المقدس کے رومیوں نے اثنا ئے محاصرہ میں مسلمانوں سے کہا کہ وہ ان کے امیر کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب خالدؓ بن ولید اور ابو عبیدہؓ بن جراح ان کے سامنے آئے تو انہوں نے کہا ہم بیت المقدس کا شہر ان دونوں کے حوالے کبھی نہیں کریں گے۔ خواہ تم دس برس تک ہمارا محاصرہ جاری رکھو۔ ہم صرف ایک شخص کو یہ شہر حوالے کریں گے جس کی یہ یہ صفات ہیں۔" جو صفات انہوں نے بیان کیں وہ بعینہٖ حضرت عمرؓ بن خطاب میں پائی جاتی تھیں اس پر حضرت ابو عبیدہؓ اور دیگر امراء نے حضرت عمرؓ کو یہ حال لکھ بھیجا۔ چنانچہ وہ تشریف لے آئے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو اہالیان بیت المقدس کے سامنے یہ پیش کش کی کہ وہ ان سے انہی شرائط پر معاہدہ صلح کرنے کے لئے تیار ہیں جن شرائط پر شام کے دیگر علاقوں کے باشندوں سے صلح کی گئی ہے۔ لیکن اہالیان بیت المقدس نے کہا کہ وہ صرف اسی صورت میں صلح کرنے کے لئے تیار ہیں جب صلحنامہ خود حضرت عمرؓ بن خطاب تحریر فرمائیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دے دی چنانچہ وہ بیت المقدس آ گئے۔ (الفتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۴۱)

لیکن یہ روایت سراسر غلط واقعہ ہے کیونکہ حضرت ابو عبیدہؓ بیت المقدس کے محاصرے کے وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ بلکہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ شمالی شام میں رومیوں سے مصروف پیکار تھے۔ بیت المقدس کا محاصرہ کرنے والی فوجوں کی قیادت حضرت عمروؓ بن العاص کر رہے تھے۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت عمرؓ جب جابیہ تشریف لائے تو آپ نے شام میں مقیم تمام اسلامی سپہ سالاروں کو وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔ ان سپہ سالاروں میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی تھے۔

بیت المقدس کے رومی سردار صلح کرنے کے لئے اس لئے مجبور ہوئے کہ طویل و شدید محاصرے اور اطربون کے شہر والوں کو بے یار و مددگار چھوڑ جانے سے ان کی حالت انتہائی قابل رحم ہو گئی تھی۔ انہیں کسی جگہ سے بھی امداد پہنچنے کی توقع نہ تھی۔ ادھر مسلمان شام کے تمام بڑے بڑے شہروں پر قابض ہو چکے تھے۔ اور ملک کا بیشتر حصہ ان کے قبضے میں آ چکا تھا۔ رومی حکومت ان کے مقابلے سے عاجز تھی اور شام سے اسے ذلت (باقی اگلے صفحہ پر)

بیمار، تندرست سب کو امان دی جاتی ہے۔ اور ہر مذہب والے کو امان دی جاتی ہے، ان کے گرجاؤں کو قیام گاہوں میں تبدیل نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھایا جائے گا یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور مالوں میں کسی قسم کی کمی کی جائے گی۔ نہ مذہب کے بارے میں کسی قسم کا تشدد کیا جائے گا۔ اور نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) کے ساتھ پسپا ہونا پڑا تھا۔ اس حالت میں بیت المقدس کے لوگوں کو یقین تھا کہ مسلمان انہیں کسی حالت میں بھی چھوڑنے والے نہیں اور وہ اُن پر آج نہیں تو کل ضرور غالب آجائیں گے۔ چنانچہ فوج کے تمام بڑے بڑے سرداروں کی متفقہ رائے یہی ہوئی کہ اب بجز صلح کوئی چارہ نہیں، لیکن دوسری طرف انہیں یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر انہوں نے شہر کو مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر آمادگی ظاہر کی تو مسلمان اُن سے اُن شرائط پر مصالحت نہ کریں گے۔ جن پر وہ دوسرے شہروں کے لوگوں سے کر چکے تھے۔ کیونکہ بیت المقدس کے محاصرے میں مسلمانوں کو بہت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جس میں اُن کا کافی نقصان ہوا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ بیت المقدس مسلمانوں کے نزدیک بھی قابل احترام ہے۔ اسی طرح انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان اُن سے ان کا کلیسائے اعظم نہ چھین لیں اور انہیں ان کے مقدس ترین مقام سے محروم نہ کر دیں۔ اس لئے ان کی یہ رائے ہوئی کہ امیرالمؤمنین عمرؓ بن الخطاب خود ان سے مصالحت کریں تاکہ مسلمان اپنے عہد کا پاس اچھی طرح کر سکیں۔ اور شہر والوں کو کامل امان حاصل ہو سکے۔

حاشیہ صفحہ ۱۴۱ سے روایات میں حضرت عمرؓ کے فلسطین جانے کے متعلق بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔

(۱) ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ عمرو بن العاص کی درخواست پر فوجیں روانہ کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک مدینہ ہی میں رہے۔ بعد میں جب اہل ایلیاء کی طرف سے خلیفۃ المسلمین کی موجودگی کی شرط پیش ہوئی۔ تب آپ فلسطین روانہ ہوئے۔

(۲) ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ اسی فوج کے ہمراہ فلسطین روانہ ہو گئے جو آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کی مدد کے لئے بھیجی تھی۔ شام اور اردن کے درمیان جابیہ مقام پر پہنچ کر آپ ٹھہر گئے اور اپنے تمام قائدین عساکر عمروؓ بن العاص، ابوعبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید کو طلب فرمایا۔ تاکہ ان سے بیت المقدس کی فتح کے بارے میں مشورہ کیا جا سکے۔ جب ارطبون اور صفرنیوس کو حضرت عمرؓ کی آمد کا علم ہوا تو ان دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ ارطبون تو کھسک کر مصر چلا جائے۔ اور صفرنیوس اس شرط پر بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو جائے کہ حضرت عمرؓ خود اس سے معاہدہ کریں۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان میں سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیاء والوں کا فرض ہے کہ جس طرح دوسرے شہر والے جزیہ دیتے ہیں وہ بھی جزیہ دیں اور رومیوں کو نکال دیں۔ رومیوں میں سے جو شہر سے نکل جائے گا۔ اس کے جان و مال کو امان دی جاتی ہے جب تک وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جاتے۔ اگر کوئی رومی ایلیاء میں ہی رہنا چاہے تو اسے باقی اہل شہر کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر اہل ایلیاء میں سے کوئی شخص رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو اسے امن و امان ہے۔ یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام پہ پہنچ جاتے۔ جو کچھ اس عہدنامے میں درج ہے اس پہ خدا اور رسول اور خلیفۃ المسلمین اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ بشرطیکہ اہل ایلیاء مقررہ جزیہ ادا کرنے سے انکار نہ کردیں۔"

(بقیہ حاشیہ) اس روایت کی تائید عدی بن سہل کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اہل شام (مراد حضرت عمرو بن العاص) نے اہل فلسطین کے مقابلے کے لئے دربار خلافت سے امداد طلب کی تو حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر خود ان کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے عرض بھی کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں، آپ کا سامنا ایک بہت خطرناک دشمن سے ہے۔" مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان لشکروں کے ساتھ جو بطور کمک جا رہے تھے اہل ایلیا سے صلح کرنے کے لئے فلسطین گئے تھے۔ اور آپ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بنایا تھا۔

ہم بھی دوسری روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہماری تائید ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن (الکتاب تاریخ عمرو بن العاص صفحہ ۶۱) اور ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مرحوم (الفاروق عمر جلد ا صفحہ ۲۵۳) بھی کرتے ہیں۔ یہ بات غیر معقول معلوم ہوتی ہے کہ اہل ایلیاء کی طرف سے صلح نامہ کی تکمیل کے لئے مدینہ سے حضرت عمرؓ کو بلانے کا مطالبہ کیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بیت المقدس سے مدینہ تین ہفتوں کی مسافت پر واقع ہے اور محض صلحنامہ کرنے کے لئے ایک شخص اتنی دور سے کبھی نہیں آسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ محاصرہ کے لمبا ہونے کی وجہ سے بہت فکر مند تھے۔ جب حضرت عمرو بن العاص کی درخواست برائے امداد ان کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ خود فلسطین جا کر مسلمانوں کی رہنمائی کی جائے۔ چنانچہ آپ نے فوجیں جمع کیں۔ اور انہیں ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ جابیہ پہنچ کر آپ نے قیام کیا اور اپنے قائدین کو مشورہ کے لئے وہاں طلب فرمایا۔ جب رومیوں کو خلیفۃ المسلمین کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے شہر کو اس شرط پر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر کی کہ خلیفۃ المسلمین اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھیں۔ جابیہ اور بیت المقدس میں اتنا زیادہ فاصلہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کو رومیوں کی درخواست قبول کرنے اور بیت المقدس تشریف لانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس ہوتی۔ اس لئے آپ نے ان کی درخواست قبول فرمالی

اس عہد نامہ پر بطور شہادت خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، اور معاویہؓ بن ابوسفیان کے دستخط بھی ہوئے۔ عہد نامہ کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت خالدؓ بن ولید اور دیگر لوگوں کو جو ان کے ساتھ آئے تھے، شمالی شام میں اپنے مفوضہ فرائض سرانجام دینے کے لئے واپس بھیج دیا، اور خود عمروؓ بن العاص اور شرجیلؓ بن حسنہ کے ہمراہ بیت المقدس روانہ ہوئے[1]۔

جب آپ بیت المقدس پہنچے تو حسب قرارداد اہل ایلیا نے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اسقف صفرنیوس نے شہر کے بعض عمائدین کے ہمراہ باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا اور عزت و احترام کے ساتھ شہر میں لاکر وہاں کے آثار قدیمہ اور مقدس مقامات دکھانے شروع کیے۔ اسی دوران میں نماز کا وقت آ گیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ کنیستہ القیامۃ دیکھنے میں مصروف تھے۔ صفرنیوس نے عرض کیا کہ آپ اسی گرجا میں نماز ادا کر لیجئے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس ڈر سے کہ کہیں مسلمان اس گرجا کو مسجد نہ بنالیں اور عیسائیوں کو ان کی عبادت گاہ سے نکال نہ دیں وہاں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور باہر نکل کر صخرۂ مقدسہ کے قریب نماز ادا کی۔ مسلمانوں نے بعد میں اس جگہ پر مسجد اقصٰی تعمیر کر لی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے کنیسۂ قسطنطین کی سیڑھیوں پر نماز ادا کی۔ لیکن بطور احتیاط عیسائیوں کو یہ تحریر لکھ کر دے دی کہ مسلمان آئندہ کلیساؤں کی سیڑھیوں پر کبھی نماز نہیں پڑھیں گے۔

بیت المقدس کی فتح ۱۵ھ کے اواخر یا ۱۶ھ کے اوائل میں ہوئی۔

قسطنطین بن ہرقل کا فرار اور قیساریہ[2] کی فتح

بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ ان منتشر رومی فوجوں کا استیصال کرنے میں مشغول ہو گئے جو فلسطین کے مختلف مقامات میں موجود تھیں۔ اپنی خداداد قابلیت اور جنگی مہارت کی بدولت وہ ہر جگہ مظفر و منصور ہوئے۔ اب صرف قیساریہ باقی رہ گیا تھا۔ جہاں ہرقل کا بیٹا قسطنطین ایک بھاری فوج لئے پڑا تھا۔ سنہ ۱۸ھ (مطابق ۶۳۹ء) میں حضرت عمروؓ بن العاص نے ادھر کا رخ کیا۔ مگر اسی اثناء میں قسطنطین کو یہ خبر ملی کہ طبریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور اس کا باپ انطاکیہ سے بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا ہے۔ یہ خبریں سن کر خوف اور دہشت نے اس پر غلبہ پا لیا۔ اور اسے ساری رات ایسا معلوم ہونے لگا جیسے عمروؓ بن العاص شہر کی فصیل توڑ کر اپنی فوج کے ساتھ اندر گھس آئے ہیں۔ اسلامی فوجوں کا اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ رات کے اندھیرے میں وہ خفیہ طور پر اپنے محل سے

---

[1] بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

[2] بعض کتابوں میں قیساریہ کی بجائے قیصریہ لکھا ہے۔

نکلا اور قسطنطنیہ جا کر ہی دم لیا[1]۔ جب صبح ہوئی اور شہر والوں کو معلوم ہوا کہ ان کا سپہ سالار بزدلی دکھا کر بھاگ گیا ہے تو ان کی ہمتیں بھی پست ہو گئیں اور انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص سے صلح کی درخواست کی جو انہوں نے قبول کر لی اور اس شہر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا[2]۔

جنگہائے شام و فلسطین میں حضرت عمروؓ بن عاص کی کامیابی کے اسباب | ان جنگوں سے جن میں سے بعض میں حضرت عمروؓ بن العاص کو شرکت کا موقع ملا اور بعض میں قیادت کا فخر نصیب ہوا۔ ہمیں ان وسائل کا بخوبی علم ہو سکتا ہے جنھیں عمروؓ بن العاص نے اختیار کیا اور جنھیں اختیار کرنے کے نتیجہ میں انہیں کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی، نہ صرف انہیں بلکہ ہر اس شخص کو بھی جس نے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی۔

فلسطین اور شام کی ان جنگوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے جن میں حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں شرکت کی ہمیں مندرجہ ذیل وسائل کا علم ہوتا ہے جو حضرت عمروؓ بن العاص نے اختیار کیے۔

۱۔ تمام معرکوں کے دوران میں حضرت عمروؓ بن العاص پر جنگی روح غالب رہی۔ یہ جنگی روح نہ صرف آپ میں موجود تھی۔ بلکہ ان لشکروں میں بھی سرایت کر گئی تھی جو آپ کی قیادت کے تحت دشمنوں سے جنگ کرتے تھے۔ یہ روح نفس میں طمانیت، قوت و عزم، بہادری اور شجاعت، صبر و استقلال اور دین کی راہ میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے جذبات کو برانگیختہ کرتی تھی۔ اس معنوی روح کی موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت ہمیں اس گفتگو سے ملتا ہے جو حضرت عمروؓ بن العاص اور قرہ بن ہبیرہ کے درمیان اس وقت ہوئی تھی جب قرہ نے فتنۂ ارتداد کی شدت کا احساس دلا کر آپ کو خوف زدہ کرنا چاہا تھا آپ نے اس عظیم الشان فتنہ پر کسی تشویش کا اظہار کرنے کی بجائے بڑے زوردار الفاظ میں کہا:

"اے قرہ! ابھی ایسی تلواریں موجود ہیں جو مرتدین کے سینوں میں بڑی تیزی اور سختی کے ساتھ پیوست ہوں گی ۔ یہ وہی تلواریں ہیں جو اس سے قبل کفار سے جہاد کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ مگر اس بار ان کی تیزی اور سختی پہلے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ تم ہمیں عربوں کے ارتداد سے ڈراتے ہو۔ خدا کی قسم ہم اپنے گھوڑوں کے قدموں سے ان کی اور تمہاری زمینیں روند ڈالیں گے، اور ہماری تلواریں صفائی کے ساتھ تمہاری گردنیں اڑا دیں گی۔ خواہ تم انہیں بچانے کی کتنی ہی

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ قسطنطین اسکندریہ بھاگ گیا تھا

[2] طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۹ دائرہ مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۴۶

کوشش کرو۔ کان کھول کر سن لو کہ ہم ایک بھی فتنہ پرور انسان کو عرب میں نہیں رہنے دیں گے۔ اب عرب کے آسمان پر ایک ہی خدا اور عرب کی سرزمین میں ایک ہی رسول ہوگا۔ جھوٹے خداؤں کی خدائی اب عرب میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے۔"

ان کلمات سے اس معنوی روح اور روحانی قوتوں کا بخوبی احساس ہوتا ہے جو حضرت عمرو بن العاص اور ان کے لشکر کے دل و دماغ پر مسلط تھیں اور جن کے باعث وہ ہزیمت کے خوف سے بے پروا ہو کر دشمنوں سے لڑتے تھے۔

۲- حضرت عمرو بن العاص نے لشکر میں جنگی روح کو ابھارنے، اہل فوج کے جذبات برانگیختہ کرنے اور انہیں لڑائی پر آمادہ کرنے کے لئے قرآن کریم سے بڑا کام لیا۔ وہ جانتے تھے کہ قرآن کریم کی آیات، دلوں میں ولولہ، جوش و خروش اور ایمانی روح پیدا کرنے میں بڑی ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں اور ایمان لوگوں کو عزم و ہمت اور بہادری و شجاعت کے ساتھ جنگ کرنے پر ابھارتا ہے اسی لئے حضرت عمرو بن العاص کا طریق یہ تھا کہ وہ ہر جنگ کے موقع پر کچھ لوگوں کو مقرر کر دیتے تھے جو صفوں میں پھر کر قرآنی آیات تلاوت کرتے رہتے تھے تا لوگوں کو معلوم ہو کہ مجاہد کا مرتبہ کتنا بلند اور شہید کا درجہ کتنا عظیم ہوتا ہے۔ اور تا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتح و نصرت کے وعدے پر کامل بھروسہ پیدا ہو اور انہیں یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ وہ ہر طرح ان کی مدد کرے گا، ان کی راہ سے مصائب اور تکالیف دور کرے گا اور ان کے دشمنوں کو خائب و خاسر رکھے گا۔ ان آیات میں سے جنہیں آپ جنگوں کے موقع پر تلاوت کرنے کا حکم دیتے تھے، چند درج ذیل ہیں :-

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ" (سورۃ حج آیت ۳۹)

(ان لوگوں کو جن سے دشمنوں نے جنگ چھیڑ رکھی ہے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے)۔

"فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا" (سورۃ النساء آیت ۸۴)

(اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ تمہیں اپنے نفس کے سوا اور کسی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا اور مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ کافروں کے زور کو روک دیگا)

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ

الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۔ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ (آل عمران آیت ۱۲۵ تا ۱۲۷)

(جب کہ تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں یہ کافی نہ ہو گا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے گا، تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو آسمان سے نازل ہوں گے۔ ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و استقامت اختیار کرو گے اور متقی بنو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آ پہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے۔ اور نصرت صرف اُس اللہ ہی کی طرف سے ہے جو بہت زبردست اور حکمت والا ہے تاکہ کفار میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا ان کو ذلیل و خوار کر دے پھر وہ ناکام لوٹ جائیں)

۳۔ شام اور فلسطین کی جنگوں میں حضرت عمرو بن العاص نے بالالتزام اس بات کی کوشش کی کہ حملہ کے وقت دشمن کو پہل کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ ہر موقعہ پر وہ خود پہل کرتے تھے اور دشمن کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر پے در پے حملوں سے اس کی قوت و طاقت کو پاش پاش کر دیتے تھے۔ انہیں اس حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ پہل کرنے والا ہمیشہ فائدہ میں رہتا ہے اور جیت اُسی کی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں فریق مخالف کو اتنا موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ پلٹ کر حملہ کر سکے۔ اس کی تمام تر توجہ اپنے دفاع کی طرف ہوتی ہے اور بیشتر قوت دفاع ہی میں خرچ ہوتی ہے۔ تقاضہ پر حملے کے وقت یہی ہوا اور دمشق، فحل، اجنادین، بیت المقدس اور قیساریہ کی لڑائیوں میں جو رومیوں کے ساتھ پیش آئیں آپ نے اسی طریقہ کو اختیار کر کے دشمنوں پر فتح حاصل کی

۴۔ حضرت عمرو بن العاص کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ مسلمانوں کی افواج متفرق طور پر دشمن کا مقابلہ نہ کریں بلکہ متحد ہو کر ایک شخص کی زیر کمان میدان جنگ میں آئیں۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ علیحدہ علیحدہ دشمن کا مقابلہ کرنا دراصل اپنی طاقت کو ضائع کرنا ہے۔ کامیابی اور کامرانی کی یہی صورت ہے کہ اپنی قوت کو ایک مرکز پر مرتکز کر کے جنگ کی جائے اور اسے حتی الامکان ضائع ہونے سے بچایا جائے

آپ نے کئی مقامات پر پڑھا ہو گا کہ حضرت عمرو بن العاص نے خلیفۃ المسلمین سے مدد طلب کی۔ امداد طلب کرنے کا مقصد بھی یہ تھا کہ دشمن کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ فوجیں اکٹھی کی جائیں اور پوری قوت و طاقت سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ خلیفۃ المسلمین کو بھی عمرو بن العاص کے اس نظریے کا بخوبی علم تھا۔ لہٰذا وہ ان کی طرف سے امداد کا مطالبہ ہونے پر کبھی دیر نہ لگاتے تھے اور فی الفور مطلوبہ کمک روانہ کر دیتے تھے۔

یرموک کی جنگ میں حضرت عمرو بن العاص نے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا اسے کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت مسلمانوں کی فوجیں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھیں۔ ہر فوج اپنے امیر کے ماتحت تھی اور اسی سے احکام حاصل کرتی تھی۔ نہ فوجوں کے درمیان کوئی رابطہ قائم تھا اور نہ ان کے سامنے کوئی متحدہ لائحہ عمل موجود تھا۔ لیکن ان کے مقابلے میں رومی ایک قیادت کے ماتحت پوری طرح منظم تھے اور ایک ہی سردار سے ہدایات حاصل کرتے تھے جس کے نتیجہ میں ان کا پلہ بھاری تھا اور مسلمان ان کی قوت و طاقت سے خوف کھاتے رہتے تھے۔ بالآخر تمام اسلامی لشکروں نے متفقہ طور پر حضرت عمرو بن العاص کو لکھا کہ ہمیں کوئی ایسی تدبیر بتائیے جس کی بدولت ہم رومیوں کی مہیب فوجوں کے مقابلے میں کامیاب و کامران ہو سکیں اور اپنی کمزور حالت کو بہتر بنا سکیں۔ حضرت عمرو بن العاص نے جواب میں لکھا کہ رومیوں کے مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ تمام اسلامی لشکر مل کر ایک متحدہ لشکر کی صورت اختیار کر لیں، ان کا امیر ایک فرد واحد ہو۔ سب لوگ اسی کے اشارے پر کام کریں اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا اپنا فرض اوّلین خیال کریں

اسی دوران میں اسلامی افواج نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے بھی ہدایات طلب کی تھیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا جواب بھی بعینہٖ وہی تھا جو حضرت عمرو بن العاص کا تھا۔ آپ نے بھی انہیں متحد ہو جانے کی تلقین فرمائی تھی۔ چنانچہ اسلامی لشکروں نے ایسا ہی کیا۔ سب فوجیں ایک جھنڈے تلے اور ایک قیادت کے تحت اکٹھی ہو گئیں۔ امراء عساکر کے درمیان یہ طے پایا کہ باری باری ہر شخص قیادت کے فرائض سرانجام دے۔ پہلے روز کی قیادت کا شرف حضرت خالد بن ولید کے حصے میں آیا اور جو کام چار مہینے کی طویل مدت میں چار اسلامی فوجیں انجام نہ دے سکی تھیں وہ انہوں نے محض اتحاد کی برکت سے ایک دن میں پورا کر کے دکھلا دیا۔ رومیوں کو عبرتناک شکست ہوئی اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح۔

۵۔ حضرت عمرو بن العاص نے جہاں ممکن ہو سکا محاصرے کے ذریعے سے بھی دشمن کو زیر کرنے کی کوشش کی۔ ہر طرف سے ناکہ بندی کر کے رسل و رسائل کے تمام ذریعے منقطع کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دشمن

بہت جلد اطاعت پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ باہر سے اسے کسی قسم کی کوئی مدد نہ مل سکتی تھی۔ جب تک شہر میں کھانے پینے کا ذخیرہ موجود رہتا۔ وہ مقابلے پر آمادہ رہتا تھا لیکن ان چیزوں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی تاب مقاومت بھی ختم ہو جاتی تھی۔

شام اور فلسطین کی جن جنگوں میں حضرت عمرؓو بن العاص نے دشمن کا محاصرہ کر کے اس کی قوت وطاقت کو ختم کیا وہ یہ تھیں۔ جنگ دمشق۔ جنگ اجنادین اور جنگ بیت المقدس۔

جنگ دمشق کے موقع پر وہ دیگر اسلامی سپہ سالاروں کے ساتھ محاصرے میں شریک تھے اور انہیں باب توما کے سامنے محاصرہ کرنے والی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا۔

جنگ اجنادین میں حضرت عمرؓو بن العاص نے پیچھے ہٹنے والی رومی فوج کا محاصرہ کر کے اسے سخت جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ اسی طرح بیت المقدس کا محاصرہ کر کے صفرنیوس کو مسلمانوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

۶۔ ان تمام جنگوں میں جس چیز سے حضرت عمرؓو بن العاص نے سب سے زیادہ کام لیا وہ ہوش مندی اور دانائی تھی۔ اپنی حیرت انگیز ذکاوت و فطانت کے بل بوتے پر انہوں نے ہر میدان میں دشمن کو شکست دی۔ وہ دشمن کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکتے تھے۔ دشمن نے متعدد موقعوں پر انہیں اپنے دام فریب میں گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ہر موقع پر انتہائی دانش مندی اور ہوشیاری سے زندہ و سلامت بچ کر نکل آئے۔ اور دشمن ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔ ارطبون کے لشکر میں جانے اور وہاں سے صحیح و سلامت واپس آنے کا واقعہ جس کا تفصیلی ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اس کی ایک زندہ مثال ہے۔ یہ واقعہ اتنا حیرت انگیز اور عمرؓو بن العاص کی عقلمندی کا اتنا واضح ثبوت تھا کہ خود ارطبون کو بھی جسے اپنی عقل و دانش اور فرزانگی پر ناز تھا، اس امر کا ان الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا کہ:۔

"یہ شخص مجھے چکمہ دے کر نکل گیا۔ واقعی اس کی عقلمندی کا جواب نہیں ہو سکتا"۔

۷۔ تمام جنگوں کے دوران میں حضرت عمرؓو بن العاص نے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا کہ قائد لشکر کو شجاعت جوانمردی، عزم و استقلال اور عقل و دانش میں تمام فوج کے لئے نمونہ ہونا چاہئیے۔ انہیں اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ جب تک جنگ کے ہر مرحلے میں قائد لشکر اپنا نمونہ فوج کے سامنے پیش نہیں کریگا اور ہر موقعہ پر خود پیش پیش نہیں ہوگا۔ اس وقت تک فوج سے یہ توقع رکھنی بے کار ہے کہ وہ شجاعت و جوانمردی کا مظاہرہ کرے گی۔ جب فوج یہ دیکھے گی کہ ان کا سپہ سالار خود دوں ہمت اور فنون جنگ سے ناآشنا ہے۔ تو اس میں بھی لازماً ضعف و اضمحلال پیدا ہو جائے گا، اور وہ دشمن کے مقابلے

میں کوئی قابلِ فخر کارنامہ سرانجام نہ دے سکے گی۔

شام اور فلسطین سے رومی اقتدار کا خاتمہ | حضرت عمروؓ بن العاص کے پے در پے حملوں سے شام اور فلسطین میں رومی سلطنت کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ ارطبون اپنی فوجیں لے کر مصر بھاگ گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہاں نئے سرے سے فوجی طاقت مجتمع کر کے دوبارہ شام آئے اور وہاں سے مسلمانوں کو نکال کر پھر رومی سلطنت کا اقتدار قائم کر دے۔ لیکن اس کا یہ ارادہ کبھی شرمندۂ عمل نہ ہو سکا اور شام اور فلسطین سے رومیوں کا اقتدار ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

ان جنگوں نے یہ بات ثابت کر دی کہ عمروؓ بن العاص مسلمانوں کے ایک عظیم قائد تھے۔ اور تدبر، فراست، عقلمندی اور ذہانت میں اس وقت کے دوسرے مسلمان سپہ سالاروں میں بہت کم ان کے ہم پلہ تھے۔

فتح مصر

"مصر کی سرزمین نہایت بیر حاصل اور سرسبز و شاداب ہے۔ اس کا طول ایک مہینے اور عرض دس مہینے کی مسافت ہے۔ اسے ایک بھورا پہاڑ اور سرخی مائل صحرا چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے درمیان سے وہ دریا گزرتا ہے جس کی رفتار صبح سعید اور روانی شام مبارک ہے اس کے بہاؤ میں ہر ماہ کی طرح کبھی زیادتی اور کبھی کمی ہوتی رہتی ہے......اس وقت مصر کی سرزمین عجیب عجیب رنگ سے ظاہر ہوتی ہے۔ ابھی دمکتا ہوا موتی ہے، ابھی عنبر سیاہ، اور ذرا سی دیر میں زمرد سبز۔ یہ اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں جس نے اس میں یہ صلاحیت رکھ دی اور باشندوں کی معیشت کے لئے اسے ایسا بنایا......"

عمرو بن العاص
کا خط
امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب کے نام

(۱)

فوج کشی سے پہلے

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بارے میں ایرانی اور رومی سلطنتوں کا رویہ
- مصر میں مذہبی جور وستم
- مصر پر چڑھائی کا ارادہ
- عرب اور مصر کے باہمی تعلقات

۱۔ دعوتِ اسلام کے بارے میں فارس و روم کا رویّہ

ا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب کی دو ہمسایہ سلطنتوں سلطنت ایران اور سلطنت روم میں زبردست جنگ جاری تھی۔ ابتدا میں تو اہل ایران کو کامیابی نصیب ہوئی لیکن جب ہرقل نے رومی سلطنت کی زمام سنبھالی تو رومیوں کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ چھ سال کی طویل اور سخت جنگ کے بعد وہ ایرانیوں کو شکست فاش دینے اور ان سے صلیب اعظم (جو بیت المقدس کے سب سے بڑے گرجا میں نصب تھی) واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں بیٹھے ہوئے رومیوں اور ایرانیوں کی اس کشمکش کو بڑے غور سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ان جنگوں میں اگرچہ ایک فریق غالب اور دوسرا مغلوب ہوا لیکن ان کے باعث دراصل دونوں فریقوں کی قوت و طاقت کو سخت ضعف پہنچا اور دونوں کی شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ غالباً اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ آپس میں لڑ لڑ کر ان دونوں سلطنتوں کی طاقت اس قدر کمزور ہو جائے کہ وہ اسلامی افواج کا دل جمعی سے مقابلہ نہ کر سکیں اور اس طرح عرب لشکروں کے لئے فتح کا راستہ صاف ہو جائے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی اس وقت ہرقل قوت و طاقت اور شان و شوکت کے لحاظ سے اپنے پورے عروج پر تھا۔ عام لوگوں کو دعوت اسلام دینے کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاہان عالم تک بھی پیغام حق پہنچانا چاہا۔ چنانچہ ۶۲۷ء[1] میں

---

[1] اس کے بارے میں بعض اختلافات ہیں:-

اکثر مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں امرا اور بادشاہوں کو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔ ۶ھ، ۲۳ مئی ۶۲۷ء سے شروع ہوتا ہے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطوط ۶۲۹ء میں روانہ فرمائے۔ لیکن یہ خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے، ایک خط کسریٰ شاہ فارس کے نام بھی روانہ فرمایا تھا اور کسریٰ کا انتقال مارچ ۶۲۸ء میں ہوا تھا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

آپ نے متعدد امراء اور بادشاہوں کو ایک تبلیغی خط لکھا جس میں انہیں اسلام قبول کرنے اور توحید و رسالت کی گواہی دینے کی تلقین فرمائی۔ جن امراء اور بادشاہوں کو یہ خط لکھے گئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

امرائے یمن، عمان، یمامہ اور بحرین۔ حارث بن ابی شمر غسانی، جو شام کی حدود پر غسانی عربوں کا امیر تھا۔ مقوقس، جو مصر میں قبطیوں کا سربراہ، اسکندریہ کا حاکم اور مصر میں قیصر روم کا نائب[1] تھا۔ نجاشی شاہ حبشہ، کسریٰ شاہ فارس اور ہرقل قیصر روم۔

امرائے عرب میں سے دو نے ان خطوط کا احسن طور پر جواب دیا اور اسلام لے آئے۔ یہ دو امیر یمامہ اور بحرین کے تھے۔ یمن اور عمان کے امیروں نے بہت بری طرح جواب دیا۔ نجاشی نے بہت اچھی طرح جواب دیا، مقوقس[2] نے وعدہ کیا کہ وہ اس معاملے پر غور کرے گا[3] اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ لخمی کی بہت خاطر و مدارات کی[4]۔ اور ان کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو لڑکیاں ماریہ اور شیریں، ایک خچر جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُلدُل رکھا، ایک گدھا جس کا نام یعفور تھا اور کچھ مال و اسباب ہدیۃً بھیجا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے ان چیزوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ گھی اور شہد بھی بھیجا تھا[5]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳) ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ تمام خطوط ایک وقت میں روانہ کیے گئے۔ البتہ کسریٰ کو ہرقل سے ایک سال قبل خط روانہ کیا گیا تھا۔ مگر ارجح روایت یہی ہے کہ تمام خطوط جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ۶ھ ۶۲۷ء میں بھیجے گئے تھے۔

[1] ابن اسحاق نے لکھا ہے "مقوقس مصر کا حقیقی حاکم تھا۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں پہلی یہ کہ ہرقل نے ایرانیوں کے مصر سے نکلنے کے وقت اسے وہاں کا حاکم بنایا تھا دوسری یہ کہ وہ ایرانیوں کے عہد حکومت میں بھی اسی عہدے پر فائز تھا۔ ہرقل نے اسے بدستور اسی عہدے پر برقرار رہنے دیا۔"

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کو جو خط لکھا تھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل تھی:۔

"تم اسلام لے آؤ۔ محفوظ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے (اسلام لانے سے) انکار کیا تو تم پر قبطیوں کا گناہ بھی ہوگا۔ اے اہل کتاب! اس بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ اس بات کو قبول نہ کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔"

[3] مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا یہ جواب دیا:۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کسریٰ شاہ ایران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خط دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور اُسے پھاڑ کر پھینک دیا ساتھ ہی حمیر کے عامل باذان کو جو اس کے ماتحت تھا حکم بھیجا کہ اس شخص کو جس نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خط کے چاک کیے جانے کا علم ہوا تو آپ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے فرمایا:۔

اس نے میرے خط کو پھاڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۴) "..... آپ نے مجھے جس امر کی طرف بلایا ہے میں اسے خوب سمجھ گیا ہوں۔ مجھے یہ تو علم تھا کہ ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہو گا۔"

لہ مقوقس کے حاطبؓ سے حسن سلوک کا اندازہ اس کے خط کی اس عبارت سے بھی ہوتا ہے:۔

"..... میں نے آپ کے قاصد کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ میں اس کے ہمراہ آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں بھیج رہا ہوں جن کا قبطیوں میں بلند مقام ہے۔ نیز آپ کے پہننے کے لئے لباس اور سوار ہونے کے لئے ایک خچر بھی روانہ کر رہا ہوں۔"

ھ (ا) ماریہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ وہ فتح مصر سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھیں۔

(ب) ابن سعد نے محمد بن عمر سے روایت کی ہے کہ "دُلدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر تھا۔ یہ پہلا خچر تھا جو زمانۂ اسلام میں عربوں نے دیکھا۔ اسے مقوقس نے حضورؐ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا۔ ساتھ ہی ایک گدھا بھی تحفۃً بھیجا تھا جس کا نام عفیر تھا۔ خچر حضرت معاویہؓ کے زمانے تک زندہ تھا....."

(ج) بعض روایات میں آتا ہے کہ گدھے کے دو نام تھے یعفور اور عفیر۔

لہ یمن پہلے حبشہ کے ماتحت تھا۔ وہاں کے لوگوں نے حکومت حبش کے خلاف بغاوت کرنی چاہی اور اس غرض کے لئے شہنشاہ روم سے امداد مانگی لیکن چونکہ حبشہ اور روم دونوں مسیحی سلطنتیں تھیں۔ اس لئے شاہ روم نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر اہل حبشہ کا قاصد جس کا نام سیف تھا نوشیروان شاہ ایران کے پاس پہنچا۔ انوشیروان نے ہرز امد بلاتی کی زیر قیادت اس کے ساتھ تین ہزار چھ سو سپاہی کر دیئے۔ یہ لشکر آٹھ کشتیوں میں سوار ہو کر یمن پہنچا اور اس کے دارالحکومت صنعا کو فتح کر لیا۔ کچھ سالوں کے بعد حبشہ کے حامیوں نے وہاں بغاوت کھڑی کر دی۔ جس پر کسریٰ نے ایک اور لشکر بھیجا جس نے اہل حبشہ اور ان کے حامیوں کو یمن سے نکال باہر کیا۔ اس جنگ کے نتیجہ میں حمیر کی سلطنت ختم ہو گئی اور یمن، حضرموت، مہرہ اور عمان ایرانیوں کے زیر نگین آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی کچھ ہی عرصہ بعد بڑی شان سے پوری ہوگئی اور تمام ایرانی سلطنت مسلمانوں کے ماتحت آگئی۔

ہرقل[1] کے متعلق بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے آپ کے خط کا احسن طور پر جواب دیا تھا۔ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس نے اسلام لانے کا اعلان بھی کر دیا تھا لیکن یہ درست نہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرث بن ابی شمر غسانی کو جو ہرقل کی جانب سے بصریٰ کا حاکم تھا، حرث بن عمیر کے ہاتھ خط بھیجا تھا۔ جب حرثؓ بن عمیر موتہ پہنچے تو وہاں انہیں شرجیل بن عمرو الغسانی ملا۔ اور اُس نے اُن سے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو؟" انہوں نے جواب دیا "شام" شرجیل نے کہا "معلوم ہوتا ہے تمہیں محمدؐ نے بھیجا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "ہاں" اس پر شرجیل نے اپنے آدمیوں کو حرثؓ کی مشکیں کسنے کا حکم دیا اور وہ اسی حالت میں شہید کر دیئے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کا پتہ چلا تو آپ کو شدید رنج ہوا۔ اور آپ نے تہیہ کر لیا کہ اس کا انتقام لے کر رہیں گے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کا قتل وہ شعلہ تھا جس نے عرب اور روم کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکا دی اور وہ اس وقت تک بھڑکتی رہی جب تک عربوں نے شام اور فلسطین اور ازاں بعد مصر سے رومی سلطنت کا خاتمہ نہ کر دیا۔

یہ شعلہ سب سے پہلے جنگ موتہ کے وقت بھڑکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار کا ایک لشکر زیدؓ بن حارثہ کی زیر قیادت اپنے قاصد کا انتقام لینے کے لئے رومی سرحد کی جانب روانہ کیا۔ اس لشکر کا رومی لشکر سے شدید مقابلہ ہوا۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے تین سپہ سالار زیدؓ، جعفرؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ بن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد قیادت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ میں آئی۔ وہ اپنی حیرت انگیز جنگی مہارت کو کام میں لا کر اسلامی لشکر کو رومیوں کے نرغے سے صحیح سلامت باہر لے آئے اور مسلمان کوئی بھاری نقصان اُٹھائے بغیر مدینہ واپس پہنچ گئے۔

---

[1] ہرقل کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ بن خلیفہ کلبی کو بھیجا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ ہرقل سے اس وقت ملے جب ہرقل اپنے ساتھ صلیب اعظم لے کر (جسے ایرانیوں نے چھین لیا تھا) اُسے دوبارہ بیت المقدس کے گرجا میں نصب کرنے کے لئے جا رہا تھا۔

اگرچہ اس جنگ میں مسلمان کامیابی و کامرانی سے ہم کنار نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم وارادے میں مطلق کمی واقع نہ ہوئی اور فتح مکہ اور جنگ حنین کے بعد جب تمام قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا تو آپ نے ایک بھاری لشکر جمع کیا جس کی تعداد تیس ہزار تھی اسے لے کر آپ تبوک کی جانب روانہ ہوئے۔ جب رومیوں کو اس بھاری لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ رومی سرحد کے اندر چلے گئے اور پہاڑوں اور قلعوں میں روپوش ہو کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے مقام پر دس دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کہ آیا شام کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیئے یا مدینہ لوٹ جانا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! رومیوں کے پاس بہت بھاری لشکر موجود ہیں۔ لیکن اس کے برعکس شام میں کسی مسلمان کا وجود تک نہیں۔ رومی اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع پا کر سرحد کے اندرونی علاقوں میں چلے گئے ہیں۔ اگر ہم اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال مزید قوت کے ساتھ شامی سرحد پر حملہ کریں تو مناسب رہے گا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور لشکر کو مدینہ واپس چلنے کا حکم دیا۔ شبلی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ واپس جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے پاس کھانے اور پانی کا ذخیرہ بہت تھوڑا تھا۔

تبوک کے مقام پر دس روزہ قیام کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارد گرد کے امراء عرب سے معاہدے کیے۔ نیز حضرت خالدؓ بن ولید کو چار سو سواروں کے ہمراہ دومۃ الجندل کے حاکم کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر اسے قید کر لیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ اس پر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کے علاقے شہر اور قلعے کے علاوہ تین ہزار اونٹ اور چار سو زرہیں بھی لیں۔

۲۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہل عرب نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو خلیفہ تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ نے اپنی قوت ایمانی اور اخلاص کے ذریعے تمام جزیرہ عرب سے ارتداد کے فتنے کا خاتمہ کر کے تمام عربوں کو ایک سلک میں منسلک کر دیا اسی اثناء میں ایسے حالات بھی پیش آئے کہ آپ کو اسلامی فوجوں کا رخ سلطنت ایران اور شام کی طرف پھیرنا پڑا۔ ایرانی حکومت کا خاتمہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ سے ہوا۔ اسی طرح یرموک کے میدان میں اسلامی لشکر نے رومی لشکر کو تباہ و برباد کر کے سلطنت روم پر ضرب کاری لگائی۔

حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد خلافت حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئی۔

۳۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں | حضرت عمرؓ کے عہد میں سرزمین شام میں مسلمانوں کی فتوحات بدستور جاری رہیں۔ پہلے انہوں نے دمشق کا محاصرہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں کے حاکم منصور[1] نے اپنے اندر تاب مقاومت نہ دیکھ کر مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ ہرقل نے مسلمانوں کی پے در پے کامیابیوں کی خبریں سن کر اپنے بھائی تھیوڈور کی زیر قیادت ایک بھاری لشکر ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن یہ لشکر بھی شکست کھا گیا۔ جب ہرقل کو اندازہ ہو گیا کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اور اس کی سلطنت کے آخری دن نزدیک آ گئے ہیں تو اس نے انطاکیہ کے گرجا میں تمام عمائدین قوم کو جمع کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ اس نازک صورت حال کی موجودگی میں اسے آئندہ کیا کرنا چاہیئے۔ ایک بوڑھا سردار کھڑا ہوا اور کہنے لگا:۔

"رومیوں پر کتاب مقدس کے احکام کی نافرمانی اور اسے پس پشت ڈال دینے اور سود خواری سنگدلی جیسے گناہوں کو اختیار کرنے کی پاداش میں خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے اور اب یہ عذاب اس وقت تک نہیں ٹل سکتا۔ جب تک ہر شخص کو اس کے گناہوں کی پوری پوری سزا نہ مل جائے۔"

بوڑھے سردار کی اس بات نے ہرقل کے دل پر بہت اثر کیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اب اس کی بدبختی اپنی آخری حد کو پہنچنے والی ہے اور سرزمین شام سے اس کا اقتدار بہت جلد جانے والا ہے۔ ان حالات میں اس نے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور شعبان ۱۵ھ (مطابق ستمبر ۶۳۶ء) میں شام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ جاتے وقت اس نے آنسوؤں سے بھری ہوئی ایک نظر اپنی کھوئی ہوئی مملکت کی طرف ڈالی اور رقت بھرے الفاظ میں یوں گویا ہوا۔

"اے سرزمین شام! رخصت ہونے والے کا سلام قبول کر۔ یہ وہ جدائی ہے جس کے بعد پھر کبھی ملنا نصیب نہ ہوگا۔"

دمشق کے بعد اجنادین کے مقام پر۔ جیسا کہ ہم شام اور فلسطین کی فتوحات کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص نے رومی سپہ سالار ارطبون کو عبرتناک شکست دی۔ اور وہ وہاں سے

---

[1] اسے مشہور مورخ سعید بن البطریق نے اپنی کتاب "نظم الجوہر" میں لکھا ہے کہ تمام رومی مملکت کے پادریوں نے اپنے اپنے گرجاؤں میں منصور پر لعنت بھیجی۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس نے جان بوجھ کر دمشق کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا۔

فرار ہو کر بیت المقدس چلا آیا۔ مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ بھی کر لیا۔ اس محاصرے کے دوران میں رومیوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ارطبون نے کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو بے بسی کے عالم میں اپنی فوج کو ہمراہ لے کر مصر بھاگ گیا اور شہر کو اسقف صفرنیوس کے حوالے کر گیا۔ چونکہ سلطنت روم کی جانب سے کسی قسم کی امداد پہنچنے کی توقع نہ تھی۔ اور محاصرے کے طویل ہونے کے باعث اہل شہر کو ناقابل بیان تکالیف پہنچ رہی تھیں۔ اس لئے صفرنیوس مجبور ہو کر صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ شہر کی فصیل پر چڑھا اور مسلمان سپہ سالاروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ اس صورت میں شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ عمرؓ بن خطاب خود بنفس نفیس بیت المقدس میں آئیں اور اپنی جانب سے عہد نامہ لکھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمرؓ تشریف لے آئے اور بیت المقدس کی فتح پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

۲۔ مصر میں مذہبی ظلم و ستم

اہل مصر مسیحی المذہب تھے، ان کے بالمقابل اہل فارس جو ان پر حکمران تھے مجوسی المذہب تھے لیکن اختلاف مذہب کے باوجود ایرانیوں نے مصریوں کو مذہبی آزادی دی ہوئی تھی اور وہ اس معاملے میں ان سے مطلق تعرض نہ کرتے تھے۔

مصریوں کا مذہبی پیشوا "بنیامین"[1] نامی ایک شخص تھا جو انہیں بے حد عزیز اور محبوب تھا۔ وہ

---

[1] بنیامین کی پیدائش مصر کے ایک قصبے فرشوط میں ایک قبطی گھرانے میں ہوئی۔ اور اسکندریہ کے نواح میں قرویس کے گرجا میں پرورش پائی۔ ایک پادری تیونامی سے دینی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ اس کا میلان ابتداء ہی سے دین کی طرف تھا لہٰذا اس نے بڑے شوق اور محنت سے تعلیم کے تمام مراحل طے کیے۔ عبادت سے اسے خاص شغف تھا اور بعض اوقات ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتا تھا۔ ایک رات وہ حسب معمول عبادت میں مصروف تھا کہ اس نے ایک آواز سنی کہ کوئی شخص کہہ رہا تھا کہ بنیامین! تم آگے چل کر مسیحی بھیڑوں کے رکھوالے بنو گے۔
ایک مرتبہ قبطیوں کا لاٹ پادری اندرونیکوس دیر قبرویس میں آیا جب اس نے اس عابد و زاہد اور متقشف نوجوان کو دیکھا تو وہ اس کی پرہیزگاری اور علم و فضل سے بہت متاثر ہوا اور اسے اپنے ساتھ اسکندریہ لے گیا۔ اس طرح بنیامین پادریوں کے زمرہ میں شامل ہو گیا اور لاٹ پادری کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اندرونیکوس نے اس کی قابلیت کو دیکھ کر بالآخر اس بات کی وصیت کر دی کہ اس کے بعد بطریق کا عہدہ بنیامین کے سپرد کیا جائے۔ اس وقت بنیامین کی عمر صرف پینتیس سال کی تھی۔ بعض عرب مؤرخین نے اس کا نام ابو یامین لکھا ہے۔

دینی معاملات میں تساہل برتنے کا قطعاً روادار نہ تھا۔ اور نہ ہی یہ برداشت کر سکتا تھا کہ مصری اخلاقی لحاظ سے کسی انحطاط میں مبتلا ہوں۔ پادریوں پر وہ کڑی نگرانی رکھتا تھا کہ اخلاقی یا مذہبی لحاظ سے ان میں کوئی کمزوری تو نہیں پائی جاتی۔ ایک مرتبہ اس نے مصر کے بڑے بڑے پادریوں کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا:۔

"میں نے حلوان اور بابلیون میں بعض ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو تکبر، فخر و غرور اور ایک دوسرے سے دشمنی و عداوت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ سب لوگ پادری تھے۔ میں نے ان کے افعال کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اب میں اس خط کے ذریعے تمام بشپوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے ماتحت ان تمام پادریوں پر کڑی نگرانی رکھیں جنہیں یہ کام سرانجام دیتے ہوئے دس سال سے زیادہ مدت نہیں گزری[1]"

مصری ایرانیوں کے زیر تحت امن و سکون سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ہرقل شاہ روم نے مصر پر حملہ کر دیا۔ ایرانی اس کے مقابلے کی تاب نہ لا کر مصر چھوڑنے پر مجبور ہوئے[2] اور مصر [illegible] کی عملداری میں شامل ہو گیا۔

ہرقل نے قیرس کو جو اس سے قبل "فاسیس[3]" کا اسقف تھا۔ مصر کے تمام مذہبی امور کا نگران مقرر کر دیا

---

[1] اس کے متعلق یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ وہ پیدل بابلیون گیا۔ اس کے ساتھ اسکندریہ کا ایک پادری اُبو مینا اور حلوان کا اسقف بلہیو بھی تھا۔ بابلیون پہنچنے پر جب لوگوں کو اس کی آمد کا پتہ چلا تو وہ کثرت سے اس کی زیارت کے لئے آنے لگے لیکن وہ سیدھا ایک ایسے شخص کے پاس گیا جو خدائی احکام کی نافرمانی میں مشہور تھا۔ وہاں اس نے اس کے خلاف بد دعا کی جس پر آسمان سے بجلی گری اور اس شخص کا مکان جل کر خاکستر ہو گیا۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بنیامین جہاں کہیں جاتا تھا لوگ اس سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے جوق در جوق اس کے پاس آنے لگتے تھے۔

[2] بیشتر اہل فارس ۶۲۷ء کے اوائل ہی میں مصر سے نکل کر بلاد فارس چلے گئے تھے۔ جو تھوڑے بہت لوگ بچ گئے وہ ۶۲۸ء میں ہرقل سے معاہدہ صلح ہونے کے بعد وہاں سے چلے گئے۔

[3] فاسیس کا قصبہ بلاد قوقاز میں واقع ہے۔

اور اس نئے مسیحی مذہب کو تمام مصر میں بزور پھیلانے کا کام اس کے سپرد کیا۔ جو اس کی سلطنت کے تین سرکردہ مذہبی لیڈروں نے ایجاد کیا تھا۔ ہرقل جانتا تھا کہ اہل مصر آسانی سے اس کے اختیار کردہ نئے مذہب کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اس لئے اس نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہر ممکن وسائل اختیار کرنے کا تہیہ کر لیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اہل مصر کسی طرح اس کی بات ماننے اور اپنے مذہب کو اس کے مذہب میں ضم کرنے کے لئے تیار نہیں تو اس نے ظلم و ستم پر کمر باندھ لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصری نہ صرف ہرقل سے بلکہ رومی سلطنت سے بھی سخت نفرت کرنے لگے۔ خریف ۶۳۱ء میں قیرس کے اسکندریہ پہنچنے پر بنیامین وہاں سے بھاگ گیا[1]۔ بھاگنے سے پہلے اس نے پادریوں اور عوام الناس کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں تلقین کی کہ وہ ہر حال میں اپنے مشرب پر قائم رہیں۔ خواہ ایسا کرنے میں انہیں موت ہی کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ بیرونجات کے پادریوں کو اس نے خطوط کے ذریعے پہاڑوں اور صحراؤں میں چھپ جانے کا مشورہ دیا۔ اور لکھا کہ عنقریب سارے مصر پر خدا کا غضب بھڑکنے والا ہے اور انہیں دس سال تک رومیوں کے ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس مدت کے ختم ہونے پر انہیں اس عذاب سے رہائی ملے گی

اسکندریہ پہنچنے پر قیرس کو سلطنت روم کی جانب سے شہر کا بطریق اور مصر کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی لوگوں کو نئے رومی مذہب (مونوتھیلی) کے قبول کرنے کی ترغیب دینی شروع کی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ قبطی کسی طرح اس کی بات ماننے اور نئے مذہب کی طرف مائل ہونے کے لئے تیار نہیں تو اس نے ظلم و ستم اور جبر و تشدد پر کمر باندھ لی۔ اس نے مصریوں کے سامنے دو راستے رکھے یا تو وہ رومی مذہب اختیار کر لیں یا ظلم و ستم سہنا قبول کریں۔

کامل دس سال تک قبطی قیرس کے ہاتھوں دردناک عذابوں میں مبتلا رہے۔ تمام مؤرخین متفق ہیں کہ مذہبی ظلم و ستم کی اس سے بدترین مثال مصر کی تاریخ میں ملنی بہت مشکل ہے۔ ساویرس[2] اپنی

---

[1] بنیامین کے بھاگنے کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے دو رفیقوں کے ہمراہ رات کو اسکندریہ کے مغربی دروازے سے نکلا اور وادیٔ نطرون کا رخ کیا۔ وہاں سے وہ بالائی مصر کی جانب روانہ ہو گیا اور قوص پہنچ کر قیام پذیر ہوا۔

[2] ساویرس اشمونینی ایک مشہور مؤرخ ہے۔ جس نے اپنی کتاب میں مصر میں اسلامی فتوحات اور عربوں کی آمد سے قبل مذہبی ظلم و ستم کا حال بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کتاب میں لکھتا ہے :۔

"دس سال کی اس طویل مدت میں ہرقل اور مقوقس مصر پر مسلّط رہے۔ اس دوران میں اکثر اہل مصر کو ہرقل کے ہاتھوں بدترین تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی خواہش تھی کہ قبطی اپنا مذہب چھوڑ کر خلقیدونی مذہب اختیار کر لیں لیکن قبطی ایسا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اپنا مذہب پھیلانے کے لئے ہرقل نے ہر قسم کے حربے استعمال کیے۔ کسی کو دھمکی دے کر خلقیدونی مذہب میں شامل کرنا چاہا اور کسی کو لالچ دے کر اپنی طرف لانا چاہا۔ لیکن مصریوں نے اپنے مذہب کو ترک کر کے رومی مذہب اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔"

ایک قبطی بطریق اسحٰق کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ یوسف نامی ایک راہب سے ملا جس کی پیٹھ پر اتنے کوڑے برسائے گئے تھے کہ کھال اُدھڑ کر رہ گئی تھی۔ اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ اس نے حکومت کے مطالبے کے باوجود سچی بات کہنے سے دریغ نہ کیا تھا۔ جن لوگوں کو دردناک عذاب دے کر قتل کیا گیا تھا ان میں بنیامین کا بھائی بھی شامل تھا۔ اسے عذاب دینے کا طریق یہ اختیار کیا گیا تھا کہ مشعلیں روشن کر کے ان کی لپٹ اس کے جسم کو پہنچائی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی پیشانی سے چربی ڈھل کر زمین پر بہنے لگی۔ اس کے بعد اس کے دانت توڑے گئے ازاں بعد اسے ایک بوری میں جس میں ریت بھری ہوئی تھی بند کر کے ساحل سمندر پر لے جایا گیا۔ وہاں اس سے کہا گیا کہ اس کی جاں بخشی کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ خلقیدونی مذہب قبول کرنے کا اقرار کرے۔ یہ پیشکش تین بار اس کے سامنے دہرائی گئی۔ لیکن اس نے ہر بار انکار کیا۔ آخر کار جب وہ لوگ بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے اسے سمندر میں غرق کر دیا۔

صموئیل قلمونی کے سوانح حیات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ قیرس گرجا میں گیا۔ وہاں سوائے محافظ کے اور کوئی نہ تھا۔ اس نے محافظ سے پوچھا کہ گرجا خالی کیوں ہے اور پادری کہاں چلے گئے؟ محافظ نے بتانے میں کچھ تامل کیا تو قیرس نے اسے کوڑوں سے پٹوانا شروع کیا۔ آخر مجبور ہو کر محافظ نے بتایا کہ صموئیل نے گرجا کے تمام پادریوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ قیرس کا فرادر یہودی ہے اور اللہ پر مطلق ایمان نہیں رکھتا۔ لہٰذا کسی شخص کو اس سے کوئی تعلق نہ رکھنا چاہئیے اور اس کے پیچھے عبادت کرنے سے انکار کر دینا چاہئیے۔ جب پادریوں نے صموئیل کی یہ تقریر سُنی تو وہ خود آپ کے آنے سے پہلے ہی گرجا خالی کر کے چلے گئے۔

قیرس کو یہ سن کر بے حد طیش آیا۔ اس نے صموئیل، گرجا کے محافظ اور پادریوں کو گالیاں دیں اور فیوم آیا جہاں صموئیل مقیم تھا وہاں پہنچ کر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ صموئیل کو بیڑیوں میں جکڑ کر اس کے سامنے

پیش کریں۔ چنانچہ قیرس کے آدمیوں نے گرجا میں پہنچ کر صمویل کو گرفتار کر لیا۔ صمویل ذرا نہ گھبرایا اور یہ کہتا ہوا سرکاری آدمیوں کے ساتھ ہو لیا کہ آج مجھے مسیح کے راستے میں اپنا خون گرانے اور جان قربان کرنے کا شرف حاصل ہوگا۔ جب سپاہیوں نے اسے قیرس کے سامنے حاضر کیا تو قیرس نے نہایت نفرت سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے ماریں۔ تعمیل حکم میں انہوں نے صمویل کو اتنا مارا کہ اس کے بدن سے خون جاری ہوگیا۔ اس کے بعد قیرس نے اس سے پوچھا:۔

"اے بدبخت پادری! تجھے کس شخص نے گرجا کا نگران مقرر کیا تھا اور کس نے تجھے حکم دیا تھا کہ تو مجھے اور میرے مذہب کو برا بھلا کہے؟"

صمویل نے جواب دیا:۔

"ہمارا فرض اللہ اور اس کے پاکباز بندے نبیامین کی اطاعت کرنا ہے۔ اے شیطان کی اولاد اور اے مسیح الدجال تیری اور تیرے شیطانی مذہب کی پیروی کرنے کا خدا نے ہمیں حکم نہیں دیا۔"

قیرس نے کہا:۔

"صمویل! تجھے یہ وہم ہے کہ پادری تیری عزت کرتے اور تیرے ظاہری تقدس کے باعث تیرا ادب و احترام کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو اپنی حد سے گزر گیا ہے اور ملک کی قابل احترام ہستیوں کی توہین پر اتر آیا ہے۔ لیکن میں تجھے بتاؤں گا کہ بڑے آدمیوں کو گالیاں دینے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس وقت تیرا مل تجھ سے سوال کرے گا کہ تو نے سرزمین مصر کے حاکموں اور پیشواؤں کا احترام کیوں نہیں کیا؟"

قیرس نے جواب دیا:۔

"تجھ سے پہلے ابلیس فرشتوں کا سردار تھا۔ لیکن اپنے فخر و غرور اور کفر کی وجہ سے وہ خدا کی اطاعت سے خارج ہوگیا۔ یہی حال اے مکار تیرا ہے۔ تیرا مذہب انتہائی نفرت کے لائق ہے اور تو شیطان اور اس کے چیلے چانٹوں سے زیادہ لعنت کا مستحق ہے۔"

یہ تند و تیز باتیں سن کر قیرس نے اپنے آدمیوں کو اسے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن حاکم فیوم نے مداخلت کرکے اسے بچا لیا۔ قیرس نے مجبور ہو کر اس کی جان بخشی تو کر دی۔ لیکن اسے جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔[1]

---

[1] ایک دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ حاکم فیوم جس کا نام کسیانوس تھا دو سو سپاہیوں کے ہمراہ صمویل کے گرجا میں آیا اور اسے ایک خط دیا جس میں اسے خلقیدونی عقیدہ قبول کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ صمویل نے وہ خط پھاڑ کر دروازے سے باہر پھینک دیا اور کہا:۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

قیرس نے ہر شہر میں اپنے نائبوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ خلقیدونی مذہب کو جبریہ پھیلائیں اور جو شخص یہ مذہب قبول کرنے سے انکار کرے اسے سخت ترین ایذائیں دیں۔ حتیٰ کہ وہ مجبور ہو کر اسے ماننے پر آمادگی ظاہر کر دے۔ اس طرح تمام سرزمین مصر میں ظلم و ستم کی گرم بازاری شروع ہو گئی۔ سینکڑوں قبطی پادری عمال کے جور و ستم سے نجات حاصل کرنے اور پناہ حاصل کرنے کے لئے پہاڑوں اور ویران علاقوں میں روپوش ہو گئے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے لئے کوئی جائے فرار نہ تھی۔ انہوں نے یا تو صبر و استقامت کے ساتھ حکام کے مظالم برداشت کیے یا مجبور ہو کر خلقیدونی مذہب اختیار کیا۔ خلقیدونی مذہب قبول کرنے والوں میں نقیوس اور فیوم کے اُسقف (پادری) بھی شامل تھے۔

ان مظالم سے تنگ آکر مصریوں نے قیرس کا کام تمام کرنا چاہا۔ چنانچہ جابا نیہ فرقے کے پیرو مریوط کے قریب ایک گرجا میں جمع ہوئے اور وہاں اس کے قتل کی سازش کی۔ لیکن شہر کے حاکم اور دقیانوس کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ اسے قبطیوں سے شدید عداوت تھی اس نے فوج کا ایک دستہ بھیج کر تمام سازشیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا چنانچہ یہ لوگ گرفتار کر لیے گئے اور بعد ازاں حاکم شہر کے حکم سے قتل کر دیے گئے۔ اس طرح قیرس موت کے چنگل سے بال بال بچ گیا۔

دیوان حنا نقیوسی میں لکھا ہے کہ ہرقل کی موت کے بعد بھی قیرس کی سختی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور اس کے مظالم کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ بلکہ روز بروز شدت ہی اختیار کرتا گیا۔

ساویرس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہرقل ایک ایسا بھیڑیا ہے جو حملہ کرنے پر آمادہ رہتا ہے اور اس کی خون کی پیاس کسی طرح نہیں بجھتی

ظلم و ستم اور عذاب کا یہ دور جاری ہی تھا کہ مصر کے ستم رسیدہ لوگوں نے سُنا کہ عرب میں ایک نئے دین کا ظہور ہوا ہے جو کامل مذہبی آزادی اور مساوات انسانی کا علم بردار ہے۔ اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳) "ہمارا مذہبی پیشوا صرف نبیا ہی ہے۔ اللہ کی لعنت ہو کافروں کے اس خط پر جو شہنشاہ روم کی طرف سے کیا ہے۔ اللہ کی لعنت ہو خلقیدونی عقیدے کے ماننے والوں اور اس کے حامیوں پر" یہ سن کر کسیانوس نے صموئیل کو مارنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا کسیانوس سمجھا کہ وہ مر گیا ہے۔ وہ اسے گرجا ہی میں چھوڑ کر چل دیا۔ لیکن کچھ دیر کے بعد صموئیل کو ہوش آگیا اور وہ فیوم سے ترک وطن کر کے نقلون کی پہاڑیوں میں جا کر روپوش ہو گیا۔

مطمحِ نظر یہ ہے کہ انسانوں میں شفقت و محبت پیدا کی جائے۔ تاکہ دنیا کا نظام خوش اسلوبی سے چل سکے۔ انہوں نے سچے دل سے یہ بات محسوس کی کہ مسلمانوں کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنے سے ان کے مصائب و آلام دور ہو جائیں گے اور عربوں کی حکومت ان کے لئے راحت اور شادمانی کا پیام لے کر آئے گی۔ چنانچہ انہوں نے عربوں کو اپنی امیدوں کا مرکز بنایا اور یہی وجہ تھی کہ عمروؓ بن العاص صرف چار ہزار فوج کے ہمراہ سارا مصر فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مذہبی ظلم و ستم منجملہ ان اہم اسباب کے تھا جنہوں نے مصر میں مسلمانوں کے داخلے کے لئے راہ ہموار کی۔

مصر پر فوج کشی کا ارادہ:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا۔

”عنقریب تم مصر فتح کرو گے۔ جب تم وہاں پہنچو تو وہاں کے باشندوں سے نیک سلوک کرنا کیونکہ ذمی ہونے کے علاوہ تمہارا ان سے رشتے کا تعلق بھی ہے[1]“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر ہر مسلمان کو کامل یقین ہو گیا تھا کہ مصر زود یا بدیر ضرور ان کے قبضے میں آ جائے گا۔

جس زمانے میں اسلامی افواج احنف بن قیس، نعیم بن مقرن، سوید بن مقرن اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان جیسے جلیل القدر سپہ سالاروں کی سرکردگی میں سلطنت ایران فتح کرنے میں مصروف تھیں اسی زمانے میں عمروؓ بن العاص اپنے مختصر سے لشکر کے ہمراہ مصر میں فتوحات پہ فتوحات حاصل کر رہے تھے اور رومی فوجیں ان کے مقابلے کی تاب نہ لا کر متواتر پیچھے ہٹ رہی تھیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر چڑھائی حضرت عمرؓ کی اجازت سے کی تھی

۱۶ھ میں جب امیر المومنین اہلیان بیت المقدس سے صلح کرنے کے لئے فلسطین تشریف لاتے تو حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں مصر پر فوج کشی کرنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے بتایا کہ رومی سپہ سالار ارطبون اپنی فوجوں کے ہمراہ فلسطین سے مصر بھاگ گیا ہے۔ اگر اس نے مصر

---

[1] قریش حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت اسمٰعیل کی والدہ حضرت ہاجرہؑ مصری الاصل تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اسی طرف تھا۔ (محمد احمد)

میں اپنی پوزیشن مستحکم کرلی تو فلسطین اور شام میں مسلمانوں کو سخت خطرات لاحق ہو جائیں گے اور انہیں کسی صورت میں اطمینان اور چین کی زندگی میسر نہ آسکے گی۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ مصر کے تمام وسائل اس کے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ بہت آسانی سے مسلمانوں سے مقابلے کے لئے ہر قسم کے سامان مہیا کرسکے گا۔[1] لہٰذا ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اور فی الفور مصر کی طرف کوچ کر دینا چاہیئے۔ تاکہ اطربون کی پوزیشن مستحکم ہونے سے قبل ہی وہ تمام علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آجائے اور مسلمان ایک بڑے خطرے سے بچ جائیں۔

غالباً انہوں نے حضرت عمرؓ کو مصریوں اور ان کے حکام کے باہمی تعلقات سے بھی آگاہ کیا ہوگا۔ اور بتایا ہوگا کہ رومیوں کے مظالم کے باعث مصری ان سے حد درجہ نفرت کرتے ہیں۔ اور وہ ان کے اقتدار کو ختم کرنے کی خاطر ضرور مسلمانوں سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے

انہوں نے مصر کی زرخیزی، شادابی اور دولت و ثروت کا حال بھی حضرت عمرؓ کو سنایا ہوگا اور ان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہوگی کہ مصر کے فتح ہونے سے مسلمانوں کی غربت کے دور ہونے اور ان کے معاشی حالات کے بہتر ہونے میں بڑی مدد ملے گی۔

حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کی باتیں بڑے غور سے سنیں اور اس معاملے پر کافی غور و خوض کیا۔ اگرچہ وہ حضرت عمروؓ بن العاص کی رائے سے متفق تھے لیکن اس کے باوجود انہیں کئی وجوہ کی بنا پر مصر پر فوج کشی کرنے میں تردد تھا۔ ان میں سے اہم وجوہ مندرجہ ذیل تھیں :-

۱۔ فتوحات کے بارے میں حضرت عمرؓ عافیت کوشی کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ انہیں عراق اور شام میں بھی پیش قدمی کرنے کا شوق نہ تھا۔ وہ صرف عرب کی سرحدوں کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے عراق کے میدان سے گزر کر جبل فارس تک پہنچنے کی اجازت چاہی۔ تو انہوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔[2] مصر

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۲

[2] حضرت عمرؓ کو اپنی اس پالیسی پر بالآخر نظرثانی کرنی پڑی۔ نہاوند میں ایرانیوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے بھاری تعداد میں فوجیں اکٹھی کی تھیں جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر کامیابی عطا فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اسلامی فوج کو حکم دیا کہ وہ سرزمین ایران میں بڑھتی چلی جائیں تاکہ شہنشاہ یزدجرد وہاں سے نکل جائے اور ایران میں کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہے جو مسلمانوں کے لئے آئندہ چل کر پریشانی کا باعث بنے۔

تو شام اور عراق سے بہت دور تھا۔ اس پر چڑھائی کرنے کو ان کا دل کیسے قبول کر سکتا تھا۔

۲۔ جس وقت حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ سے مصر پر چڑھائی کی اجازت چاہی اس وقت سارا شام مسلمانوں کے زیر نگین نہ آیا تھا۔ شمالی علاقہ بدستور مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار تھا بعد میں حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید کے ذریعہ یہ علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوا۔ ساحل سمندر پر قیساریہ کے مضبوط قلعے میں مقیم رومی فوجیں مسلمانوں کے لئے سخت خطرے کا باعث بنی ہوئی تھیں اور باربار فلسطین کے اسلامی مقبوضات پر چڑھائی کرنے کی دھمکی دے رہی تھیں۔ آخر حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان نے سخت جدوجہد کے بعد اس قلعے کو فتح کر لیا۔ ان حالات میں جبکہ شام بھی ابھی پورے طور پر مطیع نہ ہوا تھا حضرت عمرؓ مصر پر فوج کشی کر کے ایک نیا محاذ کھولنا نہ چاہتے تھے۔

۳۔ انہی ایام میں اتفاق سے عرب میں زبردست قحط پڑ گیا تھا۔ جس کے باعث وہاں کے باشندے موت اور زیست کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لئے ناممکن تھا کہ وہ مصر کی فتح کے لئے کوئی لشکر روانہ کرتے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ وہ شام میں لڑنے والی اسلامی فوجوں کی مدد کے لئے بھی کوئی لشکر بھیجنے سے قاصر تھے۔

۴۔ قحط ختم ہونے کے بعد فلسطین میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جسے تاریخ میں طاعون عمواس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فلسطین سے یہ وبا شام اور بصرہ تک پھیل گئی۔ یہ ایام حضرت عمرؓ اور مسلمانوں کے لئے حد درجہ پریشان کن تھے اور انہیں خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی مصیبت سے فائدہ اٹھا کر کہیں رومی اور ایرانی ان پر ٹوٹ نہ پڑیں۔ ان حالات میں کسی نئے علاقے کی فتح کے لئے فوجیں بھیجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

عمروؓ بن العاص بہت عقلمند انسان تھے۔ انہوں نے سوچا کہ واقعی اس وقت اصرار کرنا مناسب نہیں ہے۔ تاہم ان کے دل سے مصر کی فتح کا خیال دور نہ ہوا اور وہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ معاملہ دوبارہ پیش کرنے کے لئے کسی مناسب موقع کے انتظار میں رہے۔ آخر وہ موقع آ ہی گیا۔

شام سے رومی سلطنت کا اقتدار رخصت ہو گیا۔ اور مسلمان اس پر قابض ہو گئے۔

عرب سے قحط دور ہو گیا۔

شام اور فلسطین کے علاقوں سے قحط کی وبا کا خاتمہ ہو گیا۔

اب حضرت عمروؓ بن العاص نے دوبارہ مصر پر فوج کشی پر اصرار کرنا شروع کیا۔ ان کے دلائل

مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ اگر مسلمان موجودہ فتوحات پر قناعت کر کے بیٹھ گئے تو ان کے دشمن اسے ان کی کمزوری پر محمول کریں گے اور اپنے چھنے ہوئے علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

۲۔ ارطبون مصر میں فوجیں جمع کرنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مشغول ہے۔ اگر اس وقت مصر پر فوج کشی نہ کی گئی تو وہ اپنی فوجوں کو لے کر فلسطین میں اسلامی افواج پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔

۳۔ دفاع کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ دشمن کو تیاری کا موقع دیے بغیر اچانک اس پر حملہ کر کے اس کی طاقت کو پاش پاش کر دیا جائے۔ اگر اس وقت ارطبون پر اچانک حملہ کر دیا گیا تو آئندہ اسے کبھی مسلمانوں کے مقابل آنے اور اپنے چھنے ہوئے علاقوں کو واپس لینے کی جرأت نہ ہوگی۔

جب رومی اسلامی افواج کو مصر میں پیش قدمی کرتے دیکھیں گے تو انہیں یقیناً یہ خیال پیدا ہوگا کہ مسلمانوں میں ابھی بہت کچھ قوت و طاقت باقی ہے ورنہ وہ ایک نئے علاقے کو فتح کرنے کے لئے کیوں نکل کھڑے ہوتے۔ اس طرح شام ان کے حملوں سے بچ جائے گا اور اسے واپس لینے کا خیال بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہوگا۔

۵۔ مصر میں اسلامی سلطنت کا قیام شام، عراق اور دیگر مفتوحہ علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے امن و سلامتی کی ضمانت ثابت ہوگا۔

۶۔ اس وقت رومیوں کے خلاف مصریوں کے جذبات بہت شدید اور تند ہیں اور وہ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے حد درجہ کوشاں ہیں۔ چونکہ انہوں نے مسلمانوں کے عدل و انصاف اور ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے متعلق جنہیں اسلام پیش کرتا ہے، بہت کچھ سنا ہوا ہے اس لئے وہ ضرور مسلمانوں کا خیر مقدم کریں گے اور اپنے رومی آقاؤں کے خلاف ان کی مدد کریں گے۔

۷۔ مصر بہت وسیع، زرخیز اور مالدار ملک ہے اس لئے مسلمان مادی فوائد سے بھی بہرہ مند ہو سکیں گے۔

ان دلائل کے پیش کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ پیش کش بھی کی کہ اگر انہیں مصر پر لشکر کشی کی اجازت دے دی جائے تو وہ صرف چار ہزار فوج کے ہمراہ اس عظیم مہم کو سر کرنے کے لئے تیار ہیں۔[1]

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر کی فتح کے لئے صرف ساڑھے تین ہزار آدمی مانگے تھے۔

حضرت عمرؓ کو بھی حضرت عمرو بن العاص کے پیش کردہ دلائل میں وزن معلوم ہوا۔ آپ کو اس بات کا بھی یقین تھا کہ اگر عمرو بن العاص کی خواہش کے مطابق یہ مہم ان کے سپرد کر دی گئی تو وہ اسے خوش اسلوبی اور حسن و خوبی سے سرانجام دیں گے۔ چنانچہ آپ نے انہیں لکھا کہ وہ مدینہ پہنچ کر اس معاملے پر مزید غور و فکر کریں گے اور پھر کوئی قطعی جواب دیں گے۔ چنانچہ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ عمرو بن العاص کی رائے صحیح ہے اور مصر کی فتح مسلمانوں کے لئے سودمند ثابت ہوگی۔

مصر کی زرخیزی اور شادابی سلطنت روما میں ضرب المثل تھی۔ غلہ کی فراوانی کے علاوہ وہاں معدنیات کی بھی بہتات تھی۔ وہ اس زمانے میں علوم و فنون، صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کا مرکز تھا۔ اس کے بازار دنیا جہان کی چیزوں سے بھرے رہتے تھے۔ کپاس جتنی یہاں پیدا ہوتی تھی دنیا کے اور کسی ملک میں نہ ہوتی تھی۔ مصر کے تاجر اپنے ہاں سے موتی کپڑا اور شیشہ بیرونی ممالک میں لے جاتے تھے۔ اور جلاذوبہ سے بھاری تعداد میں سونا اور ہاتھی دانت اور ہند و چین سے گرم مصالحے اور ریشمی کپڑا لاتے تھے۔

۴۔ عرب اور مصر کے باہمی تعلقات

عربوں کو قدیم زمانے سے مصر کے حالات سے گہری واقفیت حاصل تھی کیونکہ متعدد جہات سے عربوں اور مصریوں کے درمیان تعلقات قائم تھے۔ ذیل میں ان تعلقات کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

۱۔ تجارتی تعلقات | (الف) مصر کو فراعنہ کے عہد سے سمندری سلطنت کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے جنگی اور تجارتی بیڑے بحر روم اور بحر قلزم میں برابر گشت کرتے رہتے تھے۔ ان بیڑوں کے جہاز بغرض تجارت جنوب میں عرب کی سرزمین تک آتے تھے اور وہاں سے خوشبویات اور مختلف قسم کے مصالحہ جاتؒ لے کر مصر واپس جاتے تھے۔

(ب) جزیرہ نما سینا میں ایک قدیم راستہ واقع تھا۔ جس پر سفر کر کے قدیم مصری تانبے کی ان کانوں تک پہنچا کرتے تھے جو اس علاقے میں واقع تھیں۔ یہ راستہ شمالی حجاز سے گزرتا ہوا ایک طرف تو تیماء کے نزدیک اس راستے سے مل جاتا تھا جو بابل کی طرف جاتا تھا اور دوسری طرف اس راستے سے مل جاتا تھا جو مکہ اور یمن کو جاتا تھا۔ اس راستے کی موجودگی کے باعث مصر اور بحیرہ قلزم کے ممالک کی تجارت یمن اور فارس، ہندوستان اور مشرق بعید کے ملکوں تک ہوتی تھی۔ مصری قافلے جو تجارت کی غرض سے

ؒ یہ خوشبویات اور مصالحہ جات لاشوں کو حنوط کر کے ممیاں بنانے میں استعمال ہوتے تھے۔

ان ملکوں میں جاتے تھے وہ عرب سے بھی گزرتے تھے ۔ اس طرح عربوں سے ان کا گہرا میل جول قائم تھا۔ اسی طرح عرب تاجر بھی کثرت سے مشرقی ممالک سے تجارتی اشیاء لاکر مصر کے بازاروں میں بیچا کرتے تھے اور انہیں وہاں کافی دن قیام کرنے اور وہاں کے حالات و واقعات دیکھنے کا موقع ملا کرتا تھا۔

قدیم زمانے کے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسی تجارتی سلسلے کی بدولت عربوں کی ایک معقول تعداد فراعنہ کے عہد ہی سے مصر میں سکونت پذیر ہوگئی تھی۔

(ج) عرب سردیوں اور گرمیوں میں مختلف علاقوں کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے ۔ گرمیوں کے موسم میں ان کا سفر شام کی طرف ہوا کرتا تھا۔ ان میں سے بعض تاجر آیلہ[1] کے قریب سے گزر کر مصر بھی چلے جایا کرتے تھے اور اکثر کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے شام جاتے اور وہاں سے فارغ ہو کر مصر کا رخ کرتے، جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں ان کا یہی طریقہ تھا۔

۲۔ سیاسی تعلقات (الف) مصر کے ہکسوسی خاندان کے جن لوگوں نے حکومت کی وہ دراصل عرب تھے ۔ عرب سے نکل کر وہ پہلے فلسطین آئے ۔ وہاں سے انہوں نے مصر پر چڑھائی کی اور متواتر پانچ صدیوں تک وہاں حکمرانی کرتے رہے۔[2]

(ب) ایرانیوں اور رومیوں کے مابین جو کشمکش جاری تھی عرب اسے بڑی دلچسپی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ ایرانیوں کی تائید کرتا تھا۔ اور دوسرا گروہ رومیوں کی۔ ۶۱۴ھ میں جب ایرانیوں نے رومیوں پر فتح پائی اور مصر اور شام کو فتح کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے تھے۔ آپ کے مخالفین کا میلان ایرانیوں کی طرف تھا۔ وہ کہتے تھے کہ رومیوں نے اس لئے شکست کھائی ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرح اہل کتاب ہیں اور بہت سی باتوں میں ان کا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے اتفاق ہے۔ مخالفین کے بالمقابل مسلمانوں کا میلان رومیوں کی طرف تھا اور وہ دل سے ان کی فتح کے خواہش مند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ

(رومی اس وقت قریب کی سرزمین (شام) میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند ہی سال میں وہ غالب

---

[1] آیلہ خلیج عقبہ کی ایک بندرگاہ ہے (محمد احمد)

[2] ہکسوسی خاندان کا زمانہ حکومت بیسویں صدی قبل مسیح لے کر پندرھویں صدی قبل مسیح تک رہتا ہے۔

آ جائیں گے)

(ج) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء اور بادشاہوں کو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔ اس زمانے میں مصر کا حاکم مقوقس تھا۔ جب اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچا تو وہ آپ کے ایلچی حضرت حاطب بن بلتعہ سے بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خط کا بھی مناسب الفاظ میں جواب دیا اور لکھا کہ مجھے یقین تھا کہ عنقریب ایک نبی ضرور مبعوث ہو گا۔ ساتھ ہی اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کئی تحفے بھی روانہ کیے اور دو لڑکیاں بھی بھیجیں جن میں سے ایک ماریہ قبطیہ تھیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی اور ان کے بطن سے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ قبطیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ ذمی ہونے کے علاوہ ان سے تمہارا قرابت داری کا بھی تعلق ہے۔

(د) ایرانی دس سال تک مصر کے حاکم رہے۔ تا آنکہ ہرقل نے انہیں شکست دے کر باہر نکال دیا۔ یہ وہاں کے شہروں، قلعوں، دولت و ثروت اور تہذیب و تمدن سے خوب واقف تھے۔ ان کے ذریعے عربوں کو بھی مصر کے حالات کا پتا لگتا رہتا تھا۔ مصر اور شام کے درمیان بھی گہرا تعلق تھا۔ کیونکہ یہ دونوں علاقے رومیوں کے ماتحت تھے۔ اہل شام تجارت کی غرض سے کثرت سے مصر جایا کرتے تھے۔ عربوں کا بھی چونکہ شام سے گہرا تجارتی تعلق تھا۔ اس لئے شامیوں کے ذریعے انہیں مصر کے حالات کے متعلق کافی واقفیت حاصل ہو جاتی تھی۔ وہ وہاں کے متعلق جو معلومات حاصل کرنا چاہتے اہل شام انہیں ان سے آگاہ کر دیتے۔

۳۔ مذہبی تعلقات | سب سے اہم تعلق جو عربوں اور مصریوں کے درمیان تھا وہ دینی اور قرابت داری کا تعلق تھا۔ عربوں کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام عرب تھے اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ مصریہ تھیں۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی پہلی بیوی سارہ کو لے کر عراق سے فلسطین گئے اور وہاں سے مصر، وہاں کے بادشاہ نے اپنی لڑکی ہاجرہ کی شادی ان سے کر دی جب سارہ نے دیکھا کہ ان کے شوہر ان کے اور ہاجرہ کے درمیان کامل مساوات برتتے ہیں تو انہیں بے حد غصہ آیا۔ اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ہاجرہ کے ساتھ ایک جگہ کبھی نہ رہیں گی۔ حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیل کو لے کر عرب پہنچے اور انہیں اس وادی میں اتارا جسے آج کل مکہ کہتے ہیں[۱]۔ یہاں

---

[۱] حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرہ کو لاکر تنہا سرزمین حجاز میں چھوڑ جانے کا سبب ہرگز یہ نہ تھا کہ ان کی سوکن سے بنتی نہ تھی اور سوکن نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا تھا کہ ہاجرہ کو ایک لق و دق میدان میں چھوڑ آؤ (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت اسمٰعیل نے بڑے ہو کر عرب کے مشہور قبیلے جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کر لی جن کے بطن سے بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ ان لڑکوں کی اولاد کثیر ہوئی۔ جو عرب مستعربہ[۱] کہلائی۔ حضرت اسمٰعیل کے بیٹے اپنی ننھیال کی طرف سے یعرب بن قحطان کی جانب منسوب ہوتے تھے جو عرب قبیلے جرہم کا سردار تھا اور ان کے والد حضرت اسمٰعیلؑ اپنی ننھیال کی طرف سے مصر کی جانب منسوب ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کی والدہ حضرت ہاجرہ مصریہ تھیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ...) ... سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس امر کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ خدا اس سرزمین میں ایک شہر بسانا چاہتا تھا۔ جسے بعد میں تمام عالم اسلام کا مرکز بننا تھا اور خدا کو اپنی قدرت کا مظاہرہ ثبوت دینا تھا۔ کہ دیکھو میں ایک کمزور اور بےبس عورت سے بھی ایک عظیم الشان شہر کی بنیاد رکھ سکتا ہوں۔ میرے کام عجیب ہیں اور میری طاقتیں غیر محدود۔ ان اللہ لفعل ما یشاء (محمد احمد پانی پتی)

[۱] ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں ابتدا سے لے کر اس کے اپنے زمانے تک بلکہ بعد دیگرے عربوں کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے:۔

۱۔ پہلا طبقہ عرب عاربہ کہلاتا تھا۔
۲۔ دوسرا طبقہ عرب مستعربہ کہلاتا تھا۔
۳۔ تیسرا طبقہ عرب تابعہ کہلاتا تھا۔
۴۔ چوتھا طبقہ عرب مستعجم کہلاتا تھا۔

(بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب از الوسی جلد اطبع سوم)

(۲)

فتوحاتِ مصر کا پہلا مرحلہ

- جنگ فرما
- جنگ بلبیس
- جنگ ام دنین
- فیوم کی جانب پیش قدمی
- جنگ هلیو پولیس

حضرت عمرؓ نے مدینہ کے اہل الرائے اصحاب کو جمع کر کے ان کے سامنے مصر پر چڑھائی کرنے کے متعلق عمروؓ بن العاص کی تجویز رکھی اور ان تمام دلائل کا ذکر بھی کیا جو عمروؓ بن العاص نے اس تجویز کے حق میں پیش کئے تھے۔ حضرت عمرؓ کی اپنی رائے یہ تھی کہ اس تجویز کو قبول کر لیا جائے لیکن حضرت عثمانؓ بن عفان اس کے مخالف تھے انہوں نے کہا :-

" امیر المومنین ! عمرو بن العاص امارت کے خواہش مند اور پیش قدمی اور جرأت و بہادری میں نہایت بے باک ہیں۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ چونکہ ان کے پاس زیادہ فوج نہیں اس لئے وہ ایسی مہم کو سر کرنے کے شوق میں جس کے انجام کا کچھ علم نہیں، کہیں مسلمانوں کو ہلاکت میں نہ ڈال دیں "

تاہم حضرت عمرؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ عمروؓ بن العاص کو مصر پر فوج کشی کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں خط کے ذریعے مصر جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ یہ ہدایت بھی لکھی کہ وہ اپنا سفر خفیہ رکھیں۔ حضرت عمرؓ کا یہ خط عمرو بن العاص کے پاس مقریزی کی روایت کے مطابق شریک بن عبدہ لے کر پہنچے۔ اس وقت وہ قیساریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے معاویہؓ بن ابی سفیان کو محاصرہ کا کام سپرد کیا اور خود ساڑھے تین ہزار اور بعض روایات کے بموجب چار ہزار فوج[1] لے کر ساحل سمندر کے راستے مصر کی جانب روانہ ہو گئے[2] روانگی کے بعد انہوں نے شریک بن عبدہ کو امیر المومنین کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا اور

---

[1] بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کے لشکر میں زیادہ تعداد قبیلہ علک کے لوگوں کی تھی۔ کندی کی روایت کے مطابق لشکر کا تیسرا حصہ قبیلہ غافق کے لوگوں پر مشتمل تھا (معجم البلدان جلد اول) ابن دقماق سے روایت ہے کہ اس لشکر میں روبیل اور یمن میں مقیم ایرانی نسلوں کی ایک جماعت بھی شامل تھی یمن والے ایرانی دراصل اس لشکر کا حصہ تھے جسے کسریٰ نے باذان یا وہرز کی قیادت میں یمن روانہ کیا تھا (کتاب الانتصار لواسطہ عقد الامصار جلد ۴ صفحہ ۴) لیکن بعض روایات میں آتا ہے کہ روبیل اور ایرانی نسل حضرت عمروؓ بن العاص والے لشکر میں شامل نہیں تھے بلکہ بعد میں ان کی امداد کے لئے جو فوجیں دربار خلافت سے روانہ کی گئی تھیں ان میں شامل تھے۔

[2] واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے مصر جانے کیلئے صحرائی علاقہ اختیار نہ کیا تھا اور وہ رفح، العریش، الفرما کے قلعوں کو اپنے دائیں جانب چھوڑتے ہوئے مصر میں داخل ہوئے تھے لیکن فتوحات مصر کے متعلق بیان کردہ کسی اور روایت سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ہم نے بھی واقدی کی روایت کے مقابلے میں دوسری روایات کو اختیار کیا ہے

امیرالمومنین کی خدمت میں امداد کی درخواست بھیجی۔

رفح میں امیرالمومنین کا قاصد حضرت عمروؓ بن العاص کو ملا۔ انہوں نے اپنی عقلمندی اور ذکاوت و ذہانت سے سمجھ لیا کہ امیرالمومنین نے قاصد کے ہاتھ پیش قدمی روک دینے کا حکم بھیجا ہے۔ انہوں نے قاصد کو باتوں میں لگائے رکھا اور اس سے مدینہ کے حالات وغیرہ پوچھتے رہے یہاں تک کہ رفح اور العریش کے درمیان ایک بستی میں پہنچ گئے وہاں انہوں نے قاصد سے امیرالمومنین کا خط لیا اور اسے کھول کر پڑھا، اس میں لکھا تھا۔

"اگر میرا یہ خط تمہیں مصر کی سرزمین میں داخل ہونے سے پیشتر مل جائے تو پیش قدمی موقوف کر کے واپس چلے آؤ لیکن اگر تم مصر میں داخل ہو چکے ہو، تو اللہ کا نام لے کر آگے بڑھتے چلے جاؤ میں تمہاری مدد کے لیے فوجیں روانہ کر دوں گا۔"[1]

جب وہ یہ خط پڑھ کر فارغ ہوئے تو انہوں نے لوگوں سے پوچھا اس وقت ہم مصر میں ہیں یا شام میں؟

لوگوں نے جواب دیا "اب ہم مصر کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں"۔

تب انہوں نے امیرالمومنین کا خط لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور کہا:

"چونکہ ہم مصر کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں اس لیے ہم امیرالمومنین کے حکم کے مطابق پیش قدمی جاری رکھیں گے"۔[1]

چنانچہ وہ اپنی فوج کو ہمراہ لے کر آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور سب سے پہلے "العریش" پہنچے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رومیوں کی کوئی فوج مسلمانوں کے مقابلے کیلئے یہاں موجود نہیں۔ چنانچہ وہ بآسانی اس پر قابض ہو گئے۔[2]

---

[1] ابن الحکم سے یہ روایت مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو مصر کی مہم کے متعلق بے حد تردد تھا۔ اور وہ سوچتے تھے کہ نہ معلوم وہاں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہو سکے یا نہ۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد انہوں نے عمرو بن العاص کو مصر جانے کی اجازت تو دے دی لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ اگر مصر کی سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے دربارِ خلافت سے امتناعی حکم ان کے پاس پہنچ جائے تو وہ پیش قدمی موقوف کر کے واپس چلے آئیں۔ حضرت عمرؓ کے خط کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

"اللہ پر توکل کر کے مصر پر روانہ ہو جاؤ۔ میں تمہاری اس مہم کے بارے میں استخارہ کروں گا اور اس کے نتائج سے تمہیں جلد ہی آگاہ کروں گا۔ اگر میرے خط میں تمہیں لوٹنے کا حکم دیا جائے اور وہ خط تمہیں مصر کی سرزمین میں داخل ہونے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) جنگ الفرما

الفرما کی جانب پیش قدمی العریش سے روانہ ہو کر حضرت عمرو بن العاص الفرما پہنچنے کے لیے بحیرہ سربونشہ سے جنوب کی جانب ہٹ کر اس راستے پر ہو لیے جسے ایرانیوں نے مصر کی فتح کے وقت اختیار کیا تھا۔

الفرما کا شہر بحر روم سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی پر آباد تھا۔ عرب اسے الفرما کہتے ہیں قبطیوں کے زمانے میں اسے "پرموں" کہتے تھے اور فراعنہ کے عہد میں اس کا نام "پلوز" تھا اس کی ایک بندرگاہ بھی تھی۔ جہاں تک پہنچنے کے لیے سمندر سے ایک نہر نکالی گئی تھی۔ اس کے قریب دریائے نیل کی ایک شاخ بھی سمندر میں گرتی ہے جسے "فرع البلوزی" کہتے ہیں[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے قبل مل جائے تو تم لوٹ آنا۔ لیکن اگر مصر کی حدود میں داخل ہونے کے بعد سے تو اللہ سے مدد اور نصرت چاہتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جانا۔"

[۲] مقریزی میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے امیر المومنین کا خط پڑھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

"مجھے امیر المومنین نے حکم دیا تھا کہ اگر مصر کی سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے ان کا خط واپس ہونے کے متعلق مجھے مل جائے تو میں واپس چلا آؤں۔ لیکن اگر مصر کی سرزمین میں داخل ہونے کے بعد ملے تو آگے بڑھوں۔ امیر المومنین کا یہ مکتوب مجھے ملا ہے۔ جس میں واپس آجانے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ہم چونکہ مصر کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے اللہ کی برکت اور اس کی مدد چاہتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔"

[۳] بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مصریوں نے ساحلی علاقہ کی حفاظت کے لئے ایک بہت بڑی دیوار بنائی ہوئی تھی جو العریش سے شروع ہو کر قلزم (سویز) پر ختم ہوتی تھی۔ اس دیوار کا بنانے والا حمیر دمترلیس تھا۔ عرب اس دیوار کو "سور العجوز" کہتے تھے (تاریخ ابو صالح الارمنی)

[۱] دریائے نیل کی سات شاخیں ہیں:۔

(۱) فرع الفتنی (فرع دمیاط) (فرع عربی زبان میں دریا کی شاخ کو کہتے ہیں)

(۲) فرع البلبیتی (فرع رشید)

(۳) فرع البلوزی (یہ مصر کے مشرقی ضلع سے گزر کر پورٹ سعید سے چوبیس میل دور بجانب مشرق سمندر میں گرتی ہے)

(۴) فرع الاخنی (یہ شاخ "تنیس" اور صان الحجر سے گزر کر مشرقی ضلع کو قطع کرتی ہوئی بحیرۃ المنزلہ میں گرتی ہے)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الفرما بہت قدیم شہر تھا۔ یہاں کئی مضبوط قلعے اور سنگین فصیلیں تھیں وہاں قدیم مصریوں کے بکثرت آثار پائے جاتے ہیں۔ متعدد گرجے اور کنیسے بنے ہوئے تھے اور اسے مصر کے اہم ترین مرکز کی حیثیت حاصل تھی کیونکہ :۔

(۱) یہ مشرقی جانب سے مصر میں داخل ہونے کا دروازہ تھا۔

(۲) صحرائے سینا سے آنے والے راستے کے درمیان واقع تھا۔

(۳) ساحل سمندر پر واقع تھا اور اس کے قریب سے دریائے نیل کی ایک شاخ بھی گزر کر سمندر میں گرتی تھی۔

ایرانیوں نے مصر پر حملہ کرنے کے وقت الفرما کے قلعوں کو بری طرح تباہ کر دیا تھا۔ اور اس کی فصلیں زمین کے برابر کر دی تھیں (جنہیں بعد میں رومیوں نے پھر درست کر دیا تھا)

جب عربی لشکر شہر کے قریب پہنچا تو اس نے کسی رومی لشکر کو وہاں موجود نہ پایا۔

العریش سے الفرما تک کا راستہ جسے حضرت عمروؓ بن العاص نے قطع کیا ستر میل لمبا ہے یہ ایک صحرا سے گزرتا ہے جس میں کہیں کہیں چشمے اور گاؤں ہیں۔ فلسطین سے مصر جانے والا یہ قدیم راستہ قدیم زمانے سے جاری ہے یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، قمبیز، اسکندر، کلیوپٹرا اور حضرت عیسیٰؑ کا خاندان سب اسی راستے سے مصر پہنچے تھے۔ مصر اور بیت المقدس کے درمیان حاجیوں اور ایشیا و افریقہ کے درمیان تجارت و سیاحت کا بھی یہی راستہ تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص بھی تجارت کے سلسلے میں کئی بار اس راستے سے گزرے تھے۔

رومیوں کی تیاری جب رومیوں کو عربوں کی پیش قدمی اور مصر کی سرحدیں عبور کرنے کی خبریں ملیں تو انہوں نے اپنی تیاریوں کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ العریش اور الفرما کے درمیانی صحرا میں مسلمانوں سے جنگ کرنا مناسب نہیں کیونکہ ایک تو عرب ان کی نسبت صحرائی جنگ میں زیادہ ماہر ہیں۔ دوسرے العریش کے فلسطین کے نزدیک ہونے کے باعث عمروؓ بن العاص

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

(۵) فرع اشمونیزی (یہ شاخ میت غمر کے قریب ضلع دقہلیہ میں سے گزر کر پورٹ سعید اور دمیاط کے مابین بحیرۃ المنزلہ میں گرتی ہے)

(۶) فرع السبنتی (یہ شاخ اضلاع منوفیہ اور غربیہ سے گزر کر بحیرہ برلس میں گرتی ہے)

(۷) فرع اتکافری (یہ شاخ اسکندریہ کے قریب بجانب مشرق سمندر میں گرتی ہے)

وہاں سے آسانی سے کمک منگوا سکتے ہیں۔ چنانچہ متوقس حاکم مصر نے یہی مناسب سمجھا کہ عمروؓ بن العاص کو الفرما کے قریب آنے دیا جائے تاکہ انہیں کمک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ باقی نہ رہے۔ اسی مصلحت کے پیش نظر اس نے پہلا میدان الفرما کے قلعوں کو قرار دیا۔

جب عمروؓ بن العاص الفرما کے قریب پہنچے تو رومی قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے انہوں نے اپنی جنگی تیاری کے وقت مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھا تھا۔

۱۔ وہ عرب جو عمروؓ بن العاص کے ساتھ آتے ہیں وہ تعداد میں بہت کم ہیں اس لئے چاروں اطراف سے قلعہ کا محاصرہ نہیں کر سکتے

۲۔ عربوں کے پاس محاصرہ کا سامان بھی نہیں ہے۔ وہ صرف اسی صورت میں شہر پر قابض ہو سکتے ہیں کہ یا تو حملہ کر کے قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کریں یا اس وقت تک قلعے کا محاصرہ کئے پڑے رہیں جب تک اہل شہر بھوک سے تنگ آ کر قلعہ کے دروازے کھول لینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔

جنگ حضرت عمروؓ بن العاص کو معلوم تھا کہ ان کی تیاری اور قوت و طاقت رومیوں سے بے حد کم ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس سے قبل مسلمانوں اور کفار کی آویزش اور جنگ ہائے روم و ایران میں مسلمانوں کی تعداد و قوت و طاقت کو اپنے مخالفین کی تعداد اور قوت و طاقت سے کوئی نسبت نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے مدد و نصرت کا وعدہ فرمایا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے الفرما کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ محاصرہ ایک مہینے اور بعض روایات کے بموجب دو ماہ تک جاری رہا۔[۱]

اہل شہر موقع بموقع قلعہ سے باہر نکل کر عربوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ انہیں کمک پہنچنے کی امید تھی لیکن ان کی امیدوں کے برخلاف کسی قسم کی کمک انہیں نہ پہنچی اس پر انہوں نے میدان میں نکل کر عربوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ میدان جنگ میں نکلے لیکن جنگ

۱؎ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ الفرما کی جنگ دو ماہ تک جاری رہی لیکن خطط المقریزی میں لڑائی کا عرصہ ایک ماہ لکھا ہے۔ ابن عبدالحکم، سیوطی اور ابن اثیر نے بھی مقریزی ہی کی تائید کی ہے۔

کی ابتدائی گھڑیوں ہی میں انہیں معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ آسان نہیں۔ ان کے چہروں سے ایسی ہیبت ٹپک رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا وہ بھوکے شیر ہیں جو آن کی آن میں ان کی تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔ رومیوں نے چاہا کہ جس طرح پہلے وہ کچھ دیر تک مسلمانوں کا مقابلہ کر کے پھر فوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہتے تھے اسی طرح آج بھی کریں لیکن مسلمانوں نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ جونہی انہوں نے دیکھا کہ رومیوں نے پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے ان کا تعاقب کیا اور سینکڑوں رومیوں کو بھاگتے ہوئے قتل کر دیا۔ رومیوں میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی اور انہوں نے جلد از جلد قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن قبل اس کے کہ وہ شہر کا دروازہ بند کر سکتے مسلمان اس پر قابض ہو گئے اور انہوں نے دروازہ بند نہ ہونے دیا۔ اسمیقع بن وعلۃ السبائی پہلے شخص تھے جنہوں نے شہر پر حملہ کیا تھا۔ رومیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں عبرتناک شکست اٹھانی پڑی۔ عربوں نے قلعہ اور گرجاؤں کے بقیہ آثار کو بالکل تباہ کر دیا۔ قریبی بندرگاہ میں جو کشتیاں لنگر ڈالے پڑی تھیں انہیں آگ لگا دی اور وہیں کر خاکستر ہو گئیں۔ الفرما کے فتح ہونے سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فلسطین اور عرب جانے والا راستہ مسلمانوں کے لیے بالکل محفوظ ہو گیا۔ اور پیش قدمی کے دوران میں انہیں یہ خدشہ نہ رہا کہ رومی پیچھے سے ان پر حملہ کر کے ان کا راستہ قطع کرنے کی کوشش کریں گے[1]۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ محاصرے کے دوران میں الفرما کے قبطیوں نے ہر طرح عربوں کی مدد کی تھی۔ ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ اسکندریہ میں قبطیوں کا اسقف ابو میامین نامی ایک شخص تھا[3]۔ جب اسے حضرت عمروؓ بن العاص کی مصر میں پیش قدمی کی اطلاعات ملیں تو اس نے قبطیوں کو لکھا کہ رومیوں کی حکومت کے آخری دن نزدیک آ گئے ہیں لہٰذا وہ عمرو بن العاص سے مل جائیں اور انہیں ہر قسم کی مدد پہنچائیں۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ الفرما میں قبطی عمروؓ بن العاص کے سب سے

---

[1] حسن المحاضرہ سیوطی بحوالہ الکندی

[2] مسلمان الفرما پر یکم محرم الحرام سنہ ۱۹ھ بمطابق ۲ جنوری ۶۴۰ء کو قابض ہوئے تھے۔

[3] ابو میامین اسقف بنیامین ہی کا دوسرا نام ہے۔ قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب رومیوں نے مصر پر دوبارہ تسلط ہو کر وہاں کے باشندوں پر ظلم و ستم ڈھانے شروع کیے تو وہ مصر سے چلا گیا تھا۔ لہٰذا حضرت عمرو بن العاص کے حملے کے وقت اس کا مصر میں موجود ہونا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا روایت درست نہیں ہے۔

بڑے مددگار تھے ۔

یہ دونوں روایتیں بالکل بے بنیاد ہیں اور کسی بھی ذریعے سے ان کی صداقت کا ثبوت مہیا نہیں ہو سکتا۔ اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ مؤرخین کو الفرما میں حضرت عمرؓو بن العاص کی حیرت انگیز کامیابی کی کوئی ظاہری وجہ نظر نہیں آئی اس لئے انہوں نے فرض کر لیا کہ وہاں کے مقامی باشندوں کی مدد سے حضرت عمرؓو بن العاص اس جنگ میں فتح یاب ہوئے ہوں گے چونکہ اہل مصر رومیوں کے مذہبی جورو ستم سے بے حد نالاں تھے اور ان کی حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے ۔ اس لئے مؤرخین کے مذکورہ بالا خیال کو مزید تقویت ملی۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مرحوم نے بھی اپنی کتاب "الفاروق عمرؓ" میں ہماری ہی رائے کی تائید کی ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

"واقعہ یہ ہے کہ قبطیوں نے فتوحات مصر کے دوران میں نہ مسلمانوں کی مدد کی اور نہ اپنے رومی آقاؤں کی۔ مسلمانوں کی فتح مندیوں اور کامیابیوں میں قبطیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے ۔ ......
اس میں کوئی شک نہیں کہ عربوں سے جنگ کے دوران میں قبطیوں نے رومیوں کا جو تھوڑا بہت ساتھ دیا۔ وہ قیصر اور اس کے عمال کے دباؤ سے مجبور ہو کر دیا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے عربوں کے ساتھ بھی کوئی تعاون نہیں کیا۔ ان لوگوں کی انفرادی اور خفیہ اعانت کے سوا، جو رومیوں اور ان کی حکومت سے کسی وجہ سے ناراض تھے اور اس ناراضگی کے باعث انہوں نے عربوں کو رومیوں کے تمام بھید بتا دیئے ۔ باقی تمام مصری قوم بڑے شوق اور بے صبری کے ساتھ لڑنے والوں کا تماشا دیکھتی رہی۔ رومیوں نے اہل مصر کو طرح طرح سے ستایا تھا۔ ان پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے تھے کہ انہیں اس بری طرح لوٹا کھسوٹا تھا کہ ان کے دل میں اپنے حاکموں کے لئے امداد و اعانت کا کوئی جذبہ باقی نہ رہا تھا۔ اور عربوں سے انہیں اس وقت تک کوئی واسطہ ہی نہ پڑا تھا۔ جو وہ ان سے نفرت کرتے یا انہیں خوش آمدید کہتے ...."[1]

محمد حسین ہیکل مرحوم نے اپنی تائید میں حنا نقیوسی کے دیوان سے بھی ایک حوالہ پیش کیا ہے جس میں وہ کہتا ہے ۔

قبطیوں نے اس وقت تک مسلمانوں کی مدد نہ کی جب تک وہ فیوم اور اس کے صوبے پر

---

[1] الفاروق عمر جلد ۲ صفحہ ۹۵

قابض نہ ہو گئے۔ ہمیں فتح فیوم کے زمانہ وقوع کا ٹھیک علم نہیں مگر بہ تحقیق طور پر معلوم ہے کہ یہ عظیم فتح قلعہ بابلیون کی فتح کے بعد عمل میں آئی تھی قبطیوں کی یہ مدد بھی برائے نام ہی تھی صرف چند امور میں انہوں نے مسلمانوں کو مدد دی تھی[1]

جنگ میں رومیوں کا طریق کار | رومیوں نے عربوں سے ابتدائی جھڑپوں کے وقت ایجابی طریقے کیوں استعمال نہیں کئے۔

انہوں نے الفرما کی حفاظت کرنے والی فوج کی امداد کے لئے کمک کیوں نہ بھیجی تاکہ وہ مسلمانوں کو شکست دے کر پیچھے ہٹا سکتی ؟

فتوحات کے ابتدائی دور میں قیرس نے سلبی طریقے کس مصلحت کے تحت استعمال کئے ہیں۔

یہ اور کسی قبیل کے بہت سے سوالات ہیں جن پر مورخین نے کافی بحث کی ہے اور راس ضمن میں مختلف اسباب و علل بیان کئے ہیں جن میں سے ہم چند کا ذکر کرتے ہیں ـــ

۱۔ داخلی طور پر مصریوں کے عام احساسات رومیوں کے برخلاف تھے۔ رومی ڈرتے تھے کہ اگر انہوں نے کثیر تعداد میں الفرما فوجیں روانہ کر دیں تو کہیں ان کے خلاف داخلی طور پر بغاوت کھڑی نہ ہو جائے اور مصری ان کی فوج پر پیچھے سے ٹوٹ پڑیں۔

۲۔ رومیوں کو فلسطین اور شام کے میدانوں میں اپنی شکستوں کا حال خوب معلوم تھا جو انہیں حال ہی میں مسلمانوں کے مقابلے میں اٹھانی پڑی تھیں وہ جانتے تھے کہ عرب لڑائی کے فن میں خوب ماہر ہیں اس لیے وہ ایسی جگہوں پر ان سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے جہاں انہیں شکست کا خطرہ لاحق ہو۔

۳۔ رومی خط دفاع بابلیون اور منف کے قلعوں کو بنانا چاہتے تھے۔ تاکہ دریائے نیل ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان خندق کا کام دے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ قلعے عربوں کو روکنے میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ جب وہ آگے نہ بڑھ سکیں گے تو لامحالہ انہیں مصر سے ناکام واپس جانا پڑے گا۔

۴۔ رومی اس زمانے میں اندرون مصر میں اپنے کلیدی مقامات اور اہم قلعوں کو مضبوط بنانے میں مصروف تھے تاکہ وہاں مقیم ہو کر مسلمانوں کا دلجمعی سے مقابلہ کیا جائے۔ اس لئے وہ سرحدی

---

[1] دیوان خنا لقیوی صفحہ ۵۵۹

مقامات کی حفاظت کے لئے معتد بہ تعداد میں فوجیں روانہ نہ کر سکے۔

جنگ الفرما کے نتائج عربوں نے رومیوں کی غفلت سے فائدہ اٹھایا اور ان کی فوجیں الفرما میں داخل ہوگئیں۔ الفرما کا ان کے ہاتھ میں آجانا کئی لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہوا چونکہ یہ شہر ایک اہم جگہ واقع تھا۔ اس لئے اس پر قبضہ کر لینے سے شام کو جانے والا راستہ بالکل محفوظ ہوگیا۔ اگر خدانخواستہ شکست کی کوئی صورت پیش آتی تو اس راستے سے اسلامی فوجیں بحفاظت شام واپس جا سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی کمک اس راستے مسلمانوں کو پہنچ سکتی تھی۔ حضرت عمرؓو بن العاص خود بھی اس کمک کے انتظار میں تھے جس کے بھیجنے کا امیرالمومنین نے وعدہ فرمایا تھا۔ یہ کمک لامحالہ الفرما کے راستے سے ہی آ سکتی تھی۔

چونکہ حضرت عمرؓو بن العاص کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ اس میں سے کچھ حصہ شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر بقیہ فوج کے ہمراہ آگے پیش قدمی کرتے اس لئے انہوں نے مجبوراً قلعہ کی فصیلوں[1] اور دیگر عمارتوں کو منہدم کرنے کا حکم دیا تاکہ اگر دشمن کسی وقت شہر پر دوبارہ قابض ہو جائے تو وہ ان فصیلوں اور قلعوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

اس سے قبل ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓو بن العاص نے ان کشتیوں کو بھی نذر آتش کرنے کا حکم دیا تھا جو شہر سے کچھ فاصلے پر بندرگاہ میں لنگر انداز تھیں۔

الفرما کی فتح کے بعد الفرما فتح ہو جانے کے بعد وہ بدو جو صحرائے مصر کی سرحدوں پر آباد تھے۔ غنیمت کے لالچ میں حضرت عمرؓو بن العاص کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اور اس طرح وہ نقصان پورا ہوگیا جو مسلمانوں کو مصر میں اپنے محاصرے میں اٹھانا پڑا تھا۔

۲۔ جنگ بلبیس

بلبیس کی جانب پیش قدمی حضرت عمرؓو بن العاص الفرما کی فتح کے بعد اپنے لشکر کو لے کر جنوب کی جانب روانہ ہوئے پہلے مجدل[2] پہنچے وہاں سے آپ نے موجودہ نہر سویز کے اس مقام کا رخ کیا جسے اب "القنطرہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ القنطرہ سے آپ بجانب غرب صالحیہ (یا قصاصین) کی سمت بڑھے۔ وہاں سے جنوب مغرب کی طرف وادی طمیلات کے ٹیلوں سے

[1] مقریزی نے لکھا ہے کہ فصیلیں راشدہ اور لخم کے بعض قبائلی جبل جلال کے نزدیک حضرت عمرؓو بن العاص سے مل گئے تھے۔
[2] بعض کتابوں میں اس کا نام "مجدول" لکھا ہوا ہے یہ الفرما سے جنوب مغرب کی جانب ساحل سمندر کے قریب واقع ہے۔

گزرتے ہوئے (جو تل الکبیر کے قریب واقع ہیں) بلبیس پہنچے جو شہر مصر سے تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ راستے میں حضرت عمرؓو بن العاص کو کسی خاص اور قابل ذکر مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔[۱]

مقوقس کی جانب سے صلح کی کوششیں | بعض روایات میں آتا ہے کہ بلبیس میں حضرت عمرؓو بن العاص کے قیام کے دوران میں مقوقس نے بعض پادریوں کو ان کے پاس صلح کا پیغام دے کر بھیجا۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے پادریوں کے اس گروہ کے سامنے رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حال بیان کیا اور کہا۔

"ہم آپ لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں نے اسے قبول کر لیا تو ہم میں اور آپ میں کوئی فرق نہیں رہے گا لیکن جو شخص اسلام لانا نہیں چاہے گا۔ اسے جزیہ دینا ہوگا۔ اس کے بدلے میں ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے ہمیں پہلے سے بتایا جا چکا ہے کہ ہم تم پر فتح پائیں گے اور ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ اگر تم ہماری دعوت قبول کر لو تو قرابت داری کے احترام میں ہم تمہاری بطور خاص حفاظت کریں۔"

قرابت داری کے لفظ سے حضرت عمرؓو بن العاص کا اشارہ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کے رشتے کی طرف تھا۔ پادری بھی اس اشارے کو سمجھ گئے اور انہوں نے کہا۔

"یہ بہت دور کی رشتہ داری ہے اور اتنی دور کی رشتہ داری کو صرف اللہ کے نبی ہی زندہ کر سکتے ہیں۔"

اس کے بعد کہنے لگے۔

"ہم مقوقس کے پاس جا کر آپ کی تمام باتیں اس سے کہہ دیں گے اور اس کے بعد پھر واپس آکر آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

حضرت عمرؓو بن العاص نے فرمایا:۔

"مجھ جیسے شخص کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا لیکن میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس دوران میں تم خود بھی سوچ سمجھ لو اور اپنے حاکم اور اپنی قوم سے بھی مشورہ کر لو۔ اس کے بعد میں تم سے جنگ کروں گا۔"

---

[۱] ابن عبدالحکم ص ۵۱

انہوں نے کہا" تین دن تو کم ہیں ہمیں کچھ مزید مہلت دیجئے" حضرت عمروؓ بن العاص نے چار دن کی مہلت دی آخران کے اصرار پر پانچ دن کر دیئے۔ وفد مقوقس کے پاس پہنچے اور اُسے ساری روداد کہہ سنائی مقوقس نے حضرت عمروؓ بن العاص کی پیش کش کو مسترد کرتے ہوئے مسلمانوں سے مقابلے کا ارادہ کر لیا۔ اور اپنے سپہ سالار ارطبون کو جو اس سے قبل بیت المقدس کے محاصرے کے وقت رومی فوج کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ اور اپنے میں مسلمانوں سے مقابلے کی طاقت نہ پا کر مصر بھاگ آیا تھا، حضرت عمروؓ بن العاص کے مقابلے کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا

جنگ | ارطبون بارہ ہزار رومی فوج لے کر جو ہر طرح کیل کانٹے سے لیس تھی مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلا اس کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے ان کی طاقت کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص اپنی جگہ پورے طور پر تیار تھے۔ وہ پہلے ہی پادریوں کے وفد کے سامنے کہہ چکے تھے کہ مجھ جیسے آدمی کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی تمام فوج عرب کے منتخب بہادروں پر مشتمل تھی وہ بھلا رومیوں کو کیسے خاطر میں لاتی؟ گھمسان کا رن پڑا جس میں اگرچہ مسلمان بھی کافی تعداد میں شہید ہوئے لیکن رومیوں کا تو بے اندازہ نقصان ہوا۔ ان کے ایک ہزار آدمی مارے گئے اور تین ہزار قیدی بنائے گئے۔ ارطبون کا لشکر بالکل تباہ ہو گیا۔ اور اسے عبرت ناک شکست کھانی پڑی۔

۳۔ جنگ ام دُنَین

جنگ کی تیاری: فتح بلبیس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص صحرا کو قطع کرتے اور شہر ہلیوپولیس کے قریب سے گزرتے ہوئے ام دُنَین کے قریب خیمہ زن ہوئے۔

ام دُنَین کا مستحکم قلعہ بابلیون کے شمال میں موجودہ شہر قاہرہ اور دریائے نیل کے درمیان واقع تھا۔ جب قاہرہ کی بنیاد ڈالی گئی اور شہر نے پھیلنا شروع کیا تو اس نے ام دُنَین کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ آج کل اس کی جگہ قاہرہ کا محلہ ازبکیہ آباد ہے۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ام دُنَین کا نام "المقس" لکھا ہے۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ فتح کے وقت یہ مصر کی بندرگاہ تھی فتح سے پہلے اس کا نام "تندرنیاس" تھا۔ موجودہ نام اسے عربوں نے دیا تھا۔

رومیوں نے اس مہیب خطرے کی اہمیت کو خوب سمجھ لیا تھا۔ جو ان کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ اور انہیں اس حقیقت کا احساس ہو گیا تھا۔ کہ عمروؓ بن العاص کی مصر پر چڑھائی کو

یہ دیوں کی غارت گری سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی بلکہ یہ باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ایک منظم حملہ ہے جو ان کی سلطنت کو مٹانے کے لئے مصر پر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مقوقس جو مصر کا حاکم اور سکندریہ کا سرکاری بطریق تھا۔ قلعہ بابلیون پہنچا اس کے ساتھ رومی لشکر کا سپہ سالار تھیوڈور بھی تھا۔ بابلیون میں بیٹھ کر ان دونوں نے بھاری تعداد میں فوجیں اکٹھی کیں اور قلعہ ام دُنین کو مضبوط و مستحکم بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کی تیاریوں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو زندگی اور موت کی جنگ کے لئے تیار کر لیا ہے جس کے نتیجے میں یا تو وہ عربوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے اور یا ہرقل کی طرح یہ کہتے ہوئے خود وہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔

"الوداع اے سرزمین مصر۔ یہ وہ جدائی ہے جس کے بعد پھر ملنا ممکن نہیں"

حضرت عمروؓ بن العاص کی تدابیر حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی اپنی جگہ موقع کی نزاکت اور خطرے کو محسوس کیا۔ جاسوسوں کی اطلاعات سے انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے ہمراہ جو فوج ہے وہ قلعہ بابلیون کی فتح یا اس کے محاصرے کیلئے ناکافی ہے اسی طرح ان کی فوج کے لئے شہر مصر کو فتح کرنا بھی ناممکن ہے جو قلعہ بابلیون کے قریب اور اس کے زیر حفاظت تھا۔ اب کریں تو کیا کریں؟ آخر بہت کچھ سوچ بچار کے بعد انہوں نے اپنی جنگی پالیسی کو اس طرح ترتیب دیا۔

۱۔ قلعہ بابلیون کی بجائے ام دُنین کا محاصرہ کیا جائے اور اس کی فتح کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا جائے۔ اگر وہ فتح ہو گیا تو اس کی بندرگاہ میں جو کشتیاں ہوں گی وہ سب ہمارے قبضے میں آجائیں گی اور ہم ان کے ذریعے مفید کام لے سکیں گے۔

۲۔ جس حد تک ممکن ہو سکے اپنے آدمیوں کی حفاظت کی جائے۔ انہیں اندھا دھند جنگ میں نہ جھونکا جائے اور کسی ایسی جگہ نہ بھیجا جائے جہاں قطعی طور پر ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہو۔

۳۔ امیر المومنین سے جلد از جلد مزید مدد بھیجنے کی درخواست کی جائے۔

چنانچہ عمروؓ بن العاص آگے بڑھے اور ام دُنین کا محاصرہ کر کے ہر قسم کی فوجی کمک اور سامان رسد کو قلعہ میں پہنچنے سے روک دیا۔

قلعہ میں مقیم فوج وقتاً فوقتاً باہر نکلتی اور کچھ دیر کی دو بدو جنگ کے بعد پھر واپس قلعہ میں گھس جاتی۔ مقریزی لکھتا ہے۔

"ام دُنین کے قریب رومیوں اور مسلمانوں کی متعدد شدید جھڑپیں ہوئیں اور قلعہ کی فتح میں دیر ہوتی چلی گئی۔"

ابوالمحاسن نے لکھا ہے۔

"رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان جو جھڑپیں ہوئیں وہ بہت شدید تھیں۔ انہیں دیکھ کر کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ غلبہ کس فریق کو حاصل ہوگا"[1]

اثنائے محاصرہ میں بارگاہ خلافت سے پہلی امدادی فوج بھی آگئی جس پر اسلامی فوج میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی اور ان کے حوصلے بلند ہوگئے۔ اُدھر جب رومیوں کو مسلمانوں کی کمک کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ان کے چہروں پر افسردگی چھاگئی اور ان کی قوت و طاقت جواب دینے لگی۔ پہلے تو آئے دن قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرنا ان کا شعار بن چکا تھا لیکن جب سے کمک پہنچی تھی انہوں نے باہر نکلنا بہت کم کر دیا تھا۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے جو محاصرے کے دوران میں قلعہ کے اندرونی اور بیرونی حالات سے خوب واقف ہو چکے تھے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ قلعہ پر پوری قوت و طاقت سے حملہ کر دیں۔ فوج کی ہمت بڑھانے کی خاطر وہ خود سب سے آگے آگے تھے۔ بڑے زور کا رن پڑا کچھ دیر کی لڑائی کے بعد مسلمان قلعہ کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوگئے اور کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے گئے بالآخر قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ رومیوں کے بے شمار آدمی قتل ہوئے اور ان گنت لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا۔

قلعہ کے فتح ہو جانے سے دریائے نیل پر بھی مسلمانوں کا تسلط ہوگیا۔ بندرگاہ میں جتنی کشتیاں تھیں وہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں یہ کشتیاں سارے اسلامی لشکر کو دریائے نیل عبور کرانے کے لئے کافی تھیں۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس آخری معرکہ کے وقت حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی فوج کے بعض آدمیوں پر کچھ سختی کی تھی۔ انہوں نے ایک گروہ کو گریز پائی پر آمادہ پاکر انہیں ابھارا اور پیش قدمی کرنے کا حکم دیا جس پر ان میں سے ایک نے کہا "ہم پتھر کے بنے ہوئے نہیں ہیں"[2]

حضرت عمروؓ بن العاص نے اسے جھڑکا اور کہا۔

"اے کتے! خاموش رہ"

اس پر اس آدمی نے جواب دیا۔

---

[1] النجوم الزاہرہ ص[illegible] [2] ابوالمحاسن نے النجوم الزاہرہ میں لکھا ہے کہ اس آدمی نے حضرت عمروؓ بن العاص سے یہ کہا تھا۔
"ہم پتھر یا لوہے کے بنے ہوئے نہیں ہیں"

"اگر ہم کتے ہیں تو آپ کتوں کے سردار ہیں۔"

حضرت عمرو بن العاص بہت بڑے مدبر اور موقعہ شناس تھے۔ انہوں نے اس آدمی کی طرف تو التفات نہ کیا البتہ منہ پھیر کر صحابہؓ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:-

"آگے بڑھیے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے طفیل ہمیں کامیاب کرے گا۔"

چنانچہ صحابہؓ معرکہ میں کود پڑے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمانوں نے بھی جوش سے لڑنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و ظفر سے ہمکنار فرمایا۔[۵]

۴۔ فیوم کی طرف پیش قدمی

رومیوں کی فوجیں تھیوڈرس کی قیادت میں قلعہ بابلیون میں جمع تھیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص اگرچہ ام دُنین پر قابض ہو چکے تھے لیکن انہیں اس بات کا احساس تھا کہ اگر وہ چندے ام دُنین میں مقیم رہے تو یہ امر ان کے اور ان کی فوجوں کے لئے خطرے کا باعث ہوگا اور رومی فوجیں ضرور ان پر حملہ کر دیں گی۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد انہوں نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ لشکر کو خطرے کی جگہ سے ہٹا کر اسے کسی ایسی جگہ لے جایا جائے جہاں کامیابی کی امید ہو اور اس کا حوصلہ برابر بلند ہوتا رہے تا آنکہ خلیفۃ المسلمین کی طرف سے دوسری امدادی فوج نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ انہوں نے ان کشتیوں کی مدد سے جو بندرگاہ میں لنگر انداز تھیں، دریائے نیل عبور کیا اور اہرام الجیزہ سے گزرتے ہوئے صحرا میں سرگرم سفر ہو گئے۔ اس مرتبہ ان کا ارادہ فیوم جا کر رومیوں سے نبرد آزما ہونے کا تھا تاکہ ایک طرف تو اس علاقے کے باشندوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر سکیں اور دوسری طرف اطمینان سے بیٹھ کر امیر المومنین کی بھیجی ہوئی کمک کا انتظار کر سکیں۔

فیوم[۶] کی سرحد پر پہنچتے ہی حضرت عمروؓ بن العاص کو معلوم ہوا کہ رومیوں نے اس صوبے کی حفاظت کے لئے زبردست تیاری کی ہوئی ہے اور صوبے میں داخل ہونے والے راستوں

---

[۵] ابن اثیر نے یہ واقعہ جنگ عین شمس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

[۶] حضرت عمروؓ بن العاص مئی ۶۴۰ء کے اوائل میں فیوم کی جانب روانہ ہوئے تھے۔ اس مہم میں انہیں کئی ہفتے لگے جس کے دوران انہیں کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا ان کے مقابلے میں رومیوں کو شدید نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔

پر فوج متعین کر دی ہے۔ یہ سن کر عمرؓو بن العاص صحرا ویں رک گئے اور چھوٹے چھوٹے دستوں کو آس پاس کی بستیوں پر چھاپے مارنے کیلئے بھیجنا شروع کر دیا تاکہ فوج کی غذائی ضروریات پوری ہوتی رہیں
اسی اثناء میں اس علاقے کے بدویوں اور خود اسلامی فوج کے جاسوسوں سے معلوم ہوا کہ رومیوں کا ایک دستہ جس کی قیادت حنّا نامی ایک شخص کر رہا ہے وہ کھجور کے باغوں کی آڑ لیتا ہوا عربوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے اور ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کی خاطر اسلامی فوج کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔
حضرت عمرؓو بن العاص نے فیصلہ کیا کہ حنّا اور اس کی فوج سے نجات حاصل کرنی چاہیئے چنانچہ انہوں نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا۔ یہاں تک کہ حنّا اور اس کے دستے سے دور ہو گئے اس کے بعد اچانک پلٹے اور محاصرہ کر کے حنّا اور اس کے ایک ایک ساتھی کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد حنّا کی لاش دریا میں بہا دی۔
تھیوڈور کو حنّا کے مارے جانے کا بے حد رنج ہوا اور اس نے اپنے آدمیوں کو اس کی لاش ڈھونڈنے کا حکم دیا۔ لاش ملنے پر اسے حنوط کر کے دریائے نیل کے ذریعے بابلیون پہنچا یا گیا۔ اہل بابلیون پر بھی لاش کو دیکھ کر بے حد خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ وہاں سے اسے ہرقل کے پاس قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ ہرقل کو بھی اسے دیکھ کر بے حد صدمہ ہوا۔ اور اس نے تھیوڈور کو ایک خط لکھا جس میں اپنے حزن و الم کا حال درج تھا ساتھ ہی اس نے اس امر پر تاسف کا اظہار کیا تھا کہ رومی فوجیں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے پہلو تہی کر رہی ہیں
حضرت عمرؓو بن العاص کے فیوم کی سرحد پہنچنے پر رومی فوج مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے فیوم سے روانہ ہوئی۔ لیکن حضرت عمرؓو بن العاص نے حنّا پر کامیابی کے ذریعے اس صوبے کے لوگوں کے دلوں میں جو رعب قائم ہو گیا تھا اسی کو کافی سمجھا اور صحرا میں مورچہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ انہیں معلوم تھا کہ رومی صحرا میں جنگ کرنے سے بے حد ڈرتے ہیں اور انہیں اس میں اپنی موت چھپی ہوئی نظر آتی ہے۔ رومیوں نے جو انہیں صحرا کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو سمجھے کہ مسلمان ڈر کے مارے بھاگے جا رہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئے اور فیوم واپس آ گئے۔
امدادی فوج کی آمد | اسی اثناء میں حضرت عمرؓو بن العاص کو خبر پہنچی کہ زبیرؓ بن العوام کی زیر قیادت ایک امدادی فوج مصر پہنچ گئی ہے اور الفرما کے راستے بلبیس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ حضرت

عمروؓ بن العاص کو خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں رومی اس فوج کو روکنے کی کوشش نہ کریں۔ اور اسے دریا پار کر کے ان کے پاس نہ پہنچنے دیں اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ام دُنین واپس جائیں اور اس فوج سے مل جائیں۔

رومی دریائے نیل کے کنارے قلعہ بابلیون میں موجود تھے۔ اور ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ وہ عمروؓ بن العاص کو دریا عبور کرنے سے روک دیتے۔ لیکن انہوں نے قلعہ سے باہر نکلنے اور عمروؓ بن العاص کا راستہ روک کر انہیں واپس صحرا میں دھکیلنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ عمروؓ بن العاص کو موقع مل گیا کہ وہ فوج لے کر نیل کے مشرقی کنارے پر اتر جائیں اور اس کمک سے جا ملیں جو قلعۂ بابلیون کے قریب ھلیوپولیس میں خیمہ زن ہوئی تھی بعض مؤرخین نے رومیوں کی اس بے حسی کی یہ تاویل کی ہے کہ انہیں کمک پہنچنے کا علم ہو چکا تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ اگر قلعہ سے قدم باہر رکھا گیا تو یہ کمک ان پر دھاوا بول کر ان کا تیا پانچا کر دے گی۔ بٹلر نے حضرت عمروؓ بن العاص کے دریا عبور کرنے کا جو حال لکھا ہے اسے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

عمروؓ بن العاص نے دریا عبور کر لیا چاہے طاقت کے بل پر چاہے رومیوں کو دھوکا دے کر۔ گمان غالب یہ ہے کہ انہوں نے ام دُنین کے شمال میں نچلی طرف سے دریا عبور کیا ..... انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی کمک دو حصوں میں تقسیم ہو کر عین شمس یعنی ھلیوپولیس کی طرف جا رہی ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مغربی سمت خطرے سے خالی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عمروؓ بن العاص ڈرتے تھے کہ کہیں رومی ان کیلئے راہ دے کو جا نپ کر ان کے اور اس امدادی فوج کے درمیان حائل نہ ہو جائیں جو زبیرؓ بن العوام لے کر آنے تھے لیکن رومی سپہ سالار تھیوڈور نے حسب عادت اس موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا اور مسلمانوں پر فیصلہ کن ضرب نہ لگائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمروؓ بن العاص کے لئے امدادی فوجوں کی طرف بڑھنا ممکن ہو گیا۔ اور وہ ھلیوپولیس میں اپنے ان ساتھیوں سے جا ملے جو ان کی مدد کے لئے آئے تھے۔ اس طرح ان کی فوج کے حوصلے بڑھ گئے اور اپنی اس شاندار کامیابی پر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔[۱]

۵۔ معرکہ ھلیوپولیس

ھلیوپولیس کی تاریخ | ھلیوپولیس مصر کا ایک بہت بڑا شہر تھا قبطیوں کے عہد میں اس کا نام

---

[۱] "عربوں کے ہاتھوں مصر کی فتح" از بٹلر صفحہ ۱۷۸

اون کہتا ہیں کے معنی سورج کے شہر کے ہوتے ہیں۔ یونانیوں نے بھی انہی معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا نام "ہیلیو پولیس" رکھ دیا۔ جب عرب یہاں آئے تو انہوں نے بھی انہی معنوں کی رعایت سے اس کا نام "عین شمس" رکھا۔

اس شہر کی قدیم تاریخ بڑی شاندار رہی ہے۔ یہ مصری علوم و فنون کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے فلسفی یہاں کی درس گاہوں میں بیٹھ کر علم و حکمت کا سبق سیکھتے تھے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہی مدرسوں میں فلسفہ اور ہیئت کے درس دیتے تھے لیکن بعد میں جب مصر میں رومی حکومت قائم ہوئی تو علم و فلسفہ یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا اور یہ شہر جہالت کی تاریکیوں میں چھپ گیا۔ علم کے رخصت ہونے کے ساتھ ساتھ اس شہر کی ظاہری شان و شوکت بھی ماند پڑنی شروع ہو گئی چنانچہ جب عرب یہاں پہنچے ہیں تو چند ٹوٹی پھوٹی فصیلوں، ابوالہول کے بت (جس کا نصف حصہ زمین میں دبا ہوا تھا) اور ایک ستون (جسے "مسلہ" کہا جاتا تھا) کے سوا یہاں اور کچھ باقی نہ رہا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خیمہ زن ہونے کیلئے شہر کے کھنڈرات منتخب کیے جس جگہ یہ کھنڈرات واقع تھے وہ جگہ زمین سے کچھ اونچی اور دفاعی سہولتوں کے لئے موزوں تھی۔ وہاں پانی بھی بکثرت تھا اور غذائی سامان کی بھی کمی نہ تھی۔

<u>امدادی فوج</u> ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی امدادی فوج مصر پہنچ چکی تھی اور عمرو بن العاص بھی اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ عمرو بن العاص کی اور امدادی فوج کو ملا کر اسلامی لشکر کی تعداد اب ساڑھے پندرہ ہزار ہو گئی تھی۔

یہ امدادی فوج حضرت زبیر بن العوام کی زیر کردگی آئی تھی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص کی روانگی مصر کے بعد صورت حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ہمراہ عمرو بن العاص کے پیچھے روانہ کر دیا جس نے مصر پہنچ کر تمام فتوحات میں حصہ لیا۔ ایک دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص کی مدد کے لیے چار ہزار سپاہ پر مشتمل امدادی فوج بھیجی اور لکھا کہ میں تمہاری مدد کے لئے چار ہزار مجاہدین بھیج رہا ہوں۔ ایک ایک ہزار پر ایک ایک امیر ہے اور ہر امیر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ امیر یہ ہیں زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور خارجہ بن حذافہ۔ تم یہ سمجھو کہ تمہارے ساتھ بارہ ہزار

ؔ ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ امدادی فوج میں حضرت زبیر کے علاوہ یہ لوگ بھی شامل تھے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مجاہدین ہیں اور بارہ ہزار مجاہدین قلت تعداد کی بنا پر مغلوب نہیں ہو سکتے۔"

حضرت زبیرؓ بن عوام کی آمد حضرت زبیرؓ نے دراصل انطاکیہ (شام) جاکر رومیوں کے مقابلے میں جہاد کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو ان کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے انہیں بلایا اور کہا "کیا تم امارت کے خواہشمند ہو؟" انہوں نے جواب دیا

"نہیں مجھے امارت وغیرہ کی کوئی خواہش نہیں۔ میں تو جہاد اور مسلمانوں کی امداد کے لئے جانا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ عمروؓ بن العاص نے مصر فتح کر لیا ہے تو میں ان کے کام میں دخل نہیں دوں گا۔ بلکہ ساحلی مقامات کی طرف نکل جاؤں گا۔ اور انہیں فتح کرکے عمروؓ بن العاص سے جا ملوں گا۔ لیکن اگر وہ ہنوز جہاد میں مصروف ہوئے تو ان کے ساتھ مل کر جہاد میں حصہ لوں گا"

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ان کے لئے دعا فرمائی اور انہیں امدادی فوج کا سردار بنا کر مصر روانہ کر دیا۔ عین شمس میں وہ حضرت عمروؓ بن العاص سے مل گئے۔

ذیل میں ہم حضرت زبیرؓ بن العوام کا مختصر سا حال درج کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ اسلام میں ان کا کیا مرتبہ تھا اور ان کی کن خوبیوں کے باعث حضرت عمرؓ نے انہیں اس اہم کام پر بھیجے جانے والی فوج کی قیادت کے لئے منتخب کیا؟

حضرت زبیرؓ ان دس آدمیوں میں سے تھے۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی تھی۔ آپ ان چھ آدمیوں کی کمیٹی میں بھی شامل تھے جسے حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ کا انتخاب کرنے کیلئے مقرر کیا تھا اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا نمبر پانچواں ہے آپ کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ اور حضرت خدیجہؓ زوجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ   ) عبداللہؓ بن عمرؓ۔ سعدؓ بن ابی وقاص (ان کے بارے میں اختلاف ہے) خارجہؓ بن حذافہ۔ قیسؓ بن ابی العاص السہمی۔ مقدادؓ بن اسود۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ نافع بن عبدقیس الفہری ابورافعؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابن عبدہ۔ شرجیل بن حسنہ کے دو لڑکے عبدالرحمٰن اور ربیعہ۔ وردان مولیٰ عمرو۔ عبادہؓ بن صامت۔ محمدؓ بن مسلمہ۔ ابو ایوب۔ خالد بن یزید۔ ابوالدرداء۔ عویمر بن عامر۔

ابوالمحاسن نے "النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ" میں مذکورہ بالا ناموں کے علاوہ بعض اور نام بھی لکھے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی پھوپھی تھیں۔ کیونکہ وہ آپ کے والد عوام بن خویلد کی بہن تھیں آپ کا شمار اسلام قبول کرنے والے ابتدائی لوگوں (السابقون الاولون) میں ہوتا ہے۔ اسلام لانے کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ اسلام کی راہ میں آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں آپ کا چچا آپ کو چٹائی میں لپیٹ دیتا تھا اور اسی حالت میں آپ کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ آپ ان مظالم کی تاب نہ لاکر اسلام سے برگشتہ ہوجائیں لیکن آپ کے پائے ثبات میں مطلق لغزش نہ آئی اور آپ آپ نے اسے صاف کہہ دیا کہ میں اسلام لانے کے بعد کفر اختیار نہیں کرسکتا۔

جب کفار کے مظالم نے شدت اختیار کی تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حبشہ ہجرت کر گئے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر آپ مدینہ چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور مسلمہؓ بن سلامہ کے درمیان مواخاۃ کرادی۔ آپ نے تمام غزوات رسول میں شرکت کی اور کسی بھی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے۔ جنگ احد میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کفار اور بنو قریظہ کی خبر لانے کے لئے کون شخص اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ اس پر حضرت زبیرؓ نے آپ کو پیش کیا۔ تیسری مرتبہ پوچھا تب بھی حضرت زبیرؓ ہی کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیرؓ بن عوام ہیں"

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے تین دستے بنائے اور ایک دستہ کا علم حضرت زبیرؓ کو مرحمت فرمایا۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک وسیع قطعہ زمین اور کھجوروں کا ایک باغ جو قبل ازیں بنو نضیر کی ملکیت تھا، مرحمت فرما دیا تھا۔ آپ نے انہیں ریشم پہننے کی اجازت بھی دی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ان سے اسی طرح محبت کرتے اور لطف و کرم سے پیش آتے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے اور لطف و کرم سے پیش آتے تھے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں جرف میں اور حضرت عمرؓ نے عقیق میں قطعات مرحمت فرمائے تھے۔

حضرت زبیرؓ نے فتوحات مصر میں نمایاں حصہ لیا حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب باغیوں نے خلیفہ کے خلاف شورش برپا کی تو حضرت زبیرؓ نے اس میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ البتہ جب خلافت حضرت علیؓ کے پاس آئی تو آپ ان کے خلاف نکل کھڑے ہوئے لیکن جب حضرت علیؓ نے جنگ

صفین کے موقع پر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول یاد دلایا کہ "ایک دن تم اس سے (علی سے) لڑو گے۔ درانحالیکہ تم ظالم ہو گے" تو انہوں نے فوراً جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور واپس مدینہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں عمرو بن جرموز نے انہیں شہید کر ڈالا۔

جنگی تیاری: رومی تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے۔ مصر کے دیگر قلعوں میں متعین فوجوں کے علاوہ جو فوجیں مسلمانوں کے مقابل پر نبرد آزما تھیں ان کی تعداد بیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔[1] اس طرح عددی تفوق بہرحال رومیوں کو حاصل تھا۔ لیکن معنوی روح جو فتح و نصرت کے لئے سب سے ضروری ہے ان میں بالکل مفقود تھی۔ اس لحاظ سے عرب ان پر ہر طرح فائق تھے خود اہل مصر کو بھی اس امر کا اعتراف تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ گفتگو کے دوران میں ایک قبطی نے دوسرے قبطی کو کہا:۔

"مجھے ان عربوں پر تعجب آتا ہے کہ تہی دست اور بے سروسامان ہونے کی حالت میں یہاں پہنچ گئے ہیں اور عزم یہ ہے کہ رومیوں کی افواج قاہرہ سے ٹکر لیں گے" دوسرے نے جواب دیا۔

"جب یہ لوگ کسی ملک کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو راہ کی مشکلات کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتے اور اس وقت تک بس نہیں کرتے جب تک اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب ہو کر اس ملک کو اپنے زیر نگیں نہ لے آئیں"[2]

اس کے بالمقابل اگرچہ رومیوں کو عددی تفوق حاصل تھا لیکن ان میں مسلمانوں کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اور وہ برملا کہتے تھے۔

"ہم اس قوم کے مقابلے میں کیا تدابیر اختیار کریں جو کسریٰ پر غالب آگئی اور شام میں قیصر کے اقتدار کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا"؟

اس امر میں کوئی شخص بھی ہم سے اختلاف نہیں کرے گا کہ عربوں کی معنوی روح رومیوں کی معنوی روح سے ہر لحاظ سے فائق تھی۔ اس معنوی روح کے پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ اسلام کا تھا۔ اسلام نہ صرف ان کی جنگی روح کو تروتازہ رکھتا تھا بلکہ انہیں ہر میدان میں کامیابی اور کامرانی کی بشارت بھی دیتا تھا۔ یہ کامیابی مومنوں کو دو طریق سے ملتی تھی میدان جنگ میں اپنی جان

---

[1] "عربوں کے ہاتھوں مصر کی فتح" از بٹلر صفحہ ۱۷۰
[2] النجوم الزاہرہ صفحہ ۸

قربان کرنے والوں کو جنت کی صورت میں اور غازیان صف شکن کو فتح و نصرت کی صورت میں حضرت عمرؓو بن العاص اپنے ساتھیوں کی جنگی روح کو ترو تازہ رکھنے اور ان میں قوت و طاقت اور صبر و استقلال پیدا کرنے کیلئے بار بار ان کے سامنے قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے رہتے تھے اور خدا تعالیٰ کے ان وعدوں کو بار بار ان کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے جو فتح و نصرت کے متعلق اس نے مجاہدین سے کیے ہوئے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر کے حوصلے پست ہونے کی بجائے ہمیشہ بلند رہتے تھے اور یہ امران کی فتوحات کے راستے میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوتا تھا۔

دشمن کے مقابلے میں جنگی تدابیر لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت عمرؓو بن العاص نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے جنگی تدابیر کے متعلق مشورہ کیا۔ ان کی رائے یہ تھی۔ کہ دشمن پر از خود دھاوا بولنے سے پرہیز کیا جائے بلکہ اسے موقع دیا جائے کہ وہ قلعہ بابلیون سے نکل کر کھلے میدان میں ان کے مقابلے میں صف آرا ہو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ دشمن کو اپنے مستقر سے دوری کی بنا پر قلعے کی قدرتی حفاظت میسر نہ ہوگی اور وہ کلی طور پر مسلمانوں کے رحم و کرم پر ہوگا۔

دریں اثنا تھیوڈور نے بھی اپنے آدمیوں کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ رومی سرداروں کا یہ خیال تھا کہ اتنے لمبے عرصے تک قلعہ بند رہنے سے اہل مصر انہیں بزدل اور کمزور سمجھنے لگے ہیں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں سے مل جانے اور ان کی مدد کرنے کے جذبات پیدا ہونے لگے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے میدان میں نکل کر عربوں سے لڑنے کا فیصلہ کیا اور ہلیو پولیس کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیں۔ سوار دستوں کی قیادت انہوں نے تھیوڈوسیس اور اناسیوس کے سپرد کی۔

حضرت عمرؓو بن العاص کو جب رومیوں کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے ان کے مقابلے کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کیں۔

(ا) پانچ سو آدمی رات کی تاریکی میں پہاڑ کے عقبی حصے کی طرف بھٹا دیئے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ قلعۃ الجبل کے قریب بنو وائل کے غاروں میں جاکر چھپ جائیں۔

(ب) پانچ سو آدمیوں کا ایک دوسرا دستہ خارجہ بن حذافہ کی سرکردگی میں صبح سے کچھ پہلے اُمّ دُنَین[1] کی طرف روانہ کیا۔

---

[1] اس جگہ آج کل محلہ ازبکیہ آباد ہے۔

(ج) بقیہ فوج کو لے کر حضرت عمروؓ بن العاص عین شمس سے چلے اور اس جگہ پہنچے جسے آج کل "عباسیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہاں ٹھہر کر وہ قلعہ بابلیون سے آنے والی رومی فوج کا انتظار کرنے لگے۔

آغاز جنگ اور رومیوں کی شکست | پو پھٹنے پر رومی بھی اپنے قلعے سے نکلے اور ان باغوں اور مکانوں سے گزرتے ہوئے جو قلعے کے شمال مشرقی جانب واقع تھے۔ میدان جنگ میں پہنچ گئے دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ عباسیہ پر ہوئی گھمسان کا رن پڑا اور ہر فریق نے موت سے بالکل بے پروا ہوکر دوسرے فریق سے لڑنا شروع کیا۔ جب لڑائی نے شدت اختیار کی تو تندوائل کے غاروں میں چھپا ہوا دستہ نمودار ہوا اور آندھی کی طرح رومیوں کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ رومی اس آفت ناگہانی کو دیکھ کر گھبرا گئے سان کے دلوں پر خوف وہراس طاری ہوگیا صفوں میں اضطراب پیدا ہوگیا۔ اور وہ ام دُنَین کی طرف پسپا ہونے لگے۔ اسی اثناء میں خارجہ بن حذافہ کا دستہ بھی اپنی کمین گاہ سے نکلا اور رومیوں کی صفوں میں گھس کر قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔ رومی سمجھے کہ عربوں کے تین لشکر تین مختلف سمتوں سے ان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اب مقاومت کی کوئی صورت نہیں ہے وہ سخت گھبرا گئے اور ان کا سارا فوجی نظام درہم برہم ہوگیا۔ مفروریں کا ایک گروہ قلعے تک پہنچ گیا اور اس میں جا چھپا باقی لوگ زیریں مصر کی طرف بھاگ گئے اور مختلف علاقوں میں پہنچ کر پناہ لی۔

جنگ کے بعد پیش آنے والے واقعات | اس معرکہ کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے لشکر کو اس جگہ ٹھہرایا جہاں بعد میں شہر "فسطاط" آباد ہوا۔

۲۔ عرب قلعہ ام دُنَین پر دوبارہ قابض ہوگئے۔

۳۔ بیشتر رومی جنہوں نے قلعۂ بابلیون میں پناہ لی ہوئی تھی قلعہ کو چھوڑ کر دریا کے راستے نقیوس[۱] چلے گئے۔

۴۔ قلعۂ بابلیون دریا کے کنارے واقع تھا عربوں نے آگے بڑھ کر دریا کے بالائی اور زیریں حصوں پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح قلعۂ بابلیون عربوں کے گھیرے میں آگیا۔

۵۔ جب عربوں کی کامیابیوں کی خبریں فیوم پہنچیں تو وہاں کا حاکم دومنتیانوس نقیوس بھاگ گیا

ؔ۱ نقیوس کا قلعہ شہر منوف کے قریب دریائے نیل کی مغربی شاخ کے کنارے واقع تھا۔

یہ خبر سن کر حضرت عمرؓو بن العاص نے ایک دستہ کو روانہ کیا جس نے دریائے نیل کو عبور کر کے فیوم اور ابویط کو فتح کر لیا اور فیوم کا پورا صوبہ اسلامی حکومت کے زیرنگین آگیا۔

۶۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے کچھ سپاہ جنوبی ڈیلٹا کی طرف روانہ کی جس نے صوبہ منوفیہ کے مدد شہر مل اتریب اور منوف پر قبضہ کر لیا۔

۷۔ اکثر رومی مسلمانوں کی پے در پے کامیابیوں کو دیکھ کر اسکندریہ کی جانب بھاگ گئے۔

حنا نقیوسی ان حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

عمرؓو بن العاص نے حکم دیا کہ رومی حکام کو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر ان کے سامنے سامنے پیش کیا جائے۔ انہوں نے لوگوں پر دگنا ٹیکس لگا دیا اور اسلامی فوج کی تمام ضروریات کا بار بھی غریب مصریوں پر ڈال دیا۔ غرضیکہ انہوں نے ظلم و ستم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی[1] جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے یہ سختی محض اس وجہ سے تھی کہ اہل مصر کی تاب مقاومت بالکل ختم ہو جائے اور وہ دل و جان سے ان کی اطاعت قبول کر کے اسلامی سلطنت کا اقتدار مصر پر تسلیم کر لیں اور کسی بغاوت اور شورش کی جرأت نہ کر سکیں۔

---

[1] حنا نقیوسی نہایت متعصب عیسائی مورخ ہے اور اس نے مسلمانوں کی فتوحات مصر اور ان کے عہد حکومت کو نہایت بھیانک صورت میں پیش کیا ہے۔ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمرؓو بن العاص کو قبطیوں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کی حد درجہ تاکید کی تھی حضرت عمرؓو بن العاص بقول حنا نقیوسی مصریوں پر ظلم و ستم ڈھا کر خلیفہ کی سزا سے کیونکر بچ سکتے تھے؟

حضرت عمرؓو بن العاص بھی نہایت ذیرک انسان تھے وہ مصریوں پر ظلم و ستم ڈھا کر اور ان پر دگنا جزیہ عائد کر کے انہیں اپنا مخالف کیسے بنا سکتے تھے جبکہ ابھی پورا مصر ان کے قبضے میں آیا بھی نہ تھا۔ بعد کے واقعات بھی ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓو بن العاص نے مصر پر نہایت نرمی اور عدل و انصاف سے حکومت کی۔ دربار خلافت کے تقاضے کے باوجود وہ مصریوں سے فصل کٹنے سے پہلے لگان لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے عہد حکومت میں ان کے خلاف ایک بار بھی شورش برپا نہیں ہوئی یہ تمام واقعات اس امر کا ثبوت ہیں کہ حضرت عمرؓو بن العاص نے مصریوں پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی۔ اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کے بارے میں حنا نقیوسی اور اسی قبیل کے دوسرے مورخین کی روایات بالکل من گھڑت ہیں۔

(محمد احمد پانی پتی)

ابتدائی جنگوں سے اخذ کردہ بعض اہم امور: ان جنگوں سے جو حضرت عمرؓو بن العاص کو مصر میں داخل ہونے کے بعد سے لے کر فتح بلیوپریس تک پیش آئیں۔ اس عظیم الشان اسلامی سپہ سالار کی جنگی مہارت۔ قیادت کی صلاحیتوں۔ جنگی تیاریوں۔ فوجوں کی ترتیب۔ اپنی فوج کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرنے اور دشمن کو ناکام و نامراد بنانے کی تدابیر کا واضح نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

دشمن کے مقابلے میں حضرت عمرؓو بن العاص کی تدابیر: ان ابتدائی معرکوں میں حضرت عمرؓو بن العاص نے فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیے جن تدابیر سے کام لیا اسلام کی عسکری تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ان کا مختصر ساحال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ فوجوں کی فراہمی: حضرت عمرؓو بن العاص ان جنگوں میں اس امر کا خاص طور پر اہتمام رکھتے تھے کہ دشمن کے مقابلے میں جس حد تک ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ فوج لائی جائے۔ انہیں اچھی طرح پتا تھا کہ ان کا دشمن طاقت و قوت اور تعداد میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ لہذا وہ خلیفہ کی خدمت میں برابر امداد کے لیے لکھتے رہتے تھے تاکہ دشمن کا مقابلہ آسانی سے کیا جا سکے اور اس پر کاری ضرب لگائی جا سکے۔ خلیفۃ المسلمین کو بھی اس امر کا بخوبی احساس تھا اسی لیے جب انہوں نے حضرت عمرؓو بن العاص کو ایک خط کے ذریعے مصر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میں برابر تمہاری امداد کرتا رہوں گا۔

صحرائے سینائی عدود پر جو بدو مقیم تھے انہوں نے جنگ اور غنیمت کے لالچ میں حضرت عمرؓو بن العاص کے ساتھ مل کر جنگوں میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے بڑی خوشی سے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ دشمن کا زیادہ سے زیادہ فوج کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔

حضرت عمرؓو بن العاص نے ام دنین کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا تو دیگر بنیادی تدابیر اختیار کرنے کے علاوہ انہوں نے امیر المومنین کو جلد از جلد مزید فوج بھیجنے کے لیے لکھا۔ چنانچہ محاصرے کے دوران میں جب یہ مدد پہنچی تو عربوں کے دل خوشی کے مارے بلیوں اچھلنے لگے۔ ان کے مقابل جب رومیوں کو رسد کمک کے پہنچنے کی خبر ملی تو ان پر یاس و نومیدی چھا گئی اس سے پہلے وہ وقتاً فوقتاً قلعے سے باہر نکل کر حضرت عمرؓو بن العاص کی فوجوں پر حملہ کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کمک کے پہنچنے کے بعد انہوں نے باہر نکلنا بہت کم کر دیا۔ ان کی پژمردگی اور بددلی کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ انہیں بھی کمک پہنچنے کی امید تھی لیکن حضرت عمرؓو بن العاص نے راستہ بالکل بند کر دیا جس کی وجہ سے ان کی یہ آخری امید بھی جاتی رہی

بابلیون میں مقیم رومی فوجیں اسلحہ، سامان رسد اور تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تھیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓو بن العاص نے قلعہ بابلیون پر حملہ کرنے کی بجائے قیام

کا رخ کیا دراصل وہ چاہتے تھے کہ انہیں اتنی مہلت مل جائے کہ دارالخلافے سے امدادی فوجیں آجائیں ابھی فیوم کے صوبے میں ان کے چھاپے جاری ہی تھے۔ کہ کمک کے پہنچنے کی خبر مل گئی۔ جس پر وہ فوراً پلٹے اور تیزی سے سفر کرتے ہوئے اس امدادی فوج سے مل گئے۔ ہلیو پولیس پہنچ کر انہوں نے دشمن سے مقابلے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ کیونکہ اب قلت تعداد کی بنا پر شکست کھانے کا خوف باقی نہ رہا تھا۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص ساڑھے تین ہزار فوج ہمراہ لے کر مصر روانہ ہوئے تھے لیکن جنگ ہلیو پولیس میں انہوں نے پندرہ ہزار کے لشکر کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ تعداد کی اس زیادتی سے پتا چلتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین اور اسلامی سپہ سالار کو فوجوں کی زیادہ سے زیادہ فراہمی کا کس قدر فکر رہتا تھا۔

۲۔ محاصرہ | مصر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت عمروؓ بن العاص نے الفرما کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ ایک یا دو ماہ جاری رہا۔ تا آنکہ شہر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

اس کے بعد ام دُنین کا محاصرہ کیا اور ہر قسم کی رسد شہر میں جانی بند کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز بعد یہ شہر بھی عمروؓ بن العاص کے ہاتھ آگیا۔

صوبہ فیوم پر لشکر کشی کے دوران میں حضرت عمروؓ بن العاص کو معلوم ہوا کہ حنا کا لشکر ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ معلوم ہوتے ہی اپنے لشکر کو حنا کے لشکر سے پرے ہٹایا۔ پھر یکدم آگے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایک آدمی کو بھی زندہ بچ کر نہ جانے دیا۔

مذکورہ بالا تین موقعوں پر حضرت عمروؓ بن العاص دشمن کے مقابلے کے لئے محاصرے کو کام میں لائے۔ انہوں نے محاصرین اور رومی فوج کی قیادت کا باہمی ربط بالکل ختم کر دیا کسی قسم کی بیرونی امداد ان تک نہ پہنچنے دی اور کھانے پینے کی چیزوں کا باہر سے قلعہ کے اندر پہنچنے کا سلسلہ بالکل منقطع کر دیا۔

اس طرح محاصرے کو انہوں نے دشمن پر ضرب کاری لگانے اور اس کی قوت و طاقت کو جلد از جلد ختم کرنے کا ایک عمدہ وسیلہ بنایا۔ جنگوں کے حالات و واقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جس جگہ محاصرہ کیا گیا وہاں دشمن کو دوسری جگہوں کی نسبت بہت بھاری نقصانات اٹھانا پڑا۔

۳۔ دشمن کی سرزمین سے واقفیت | زمانہ جاہلیت میں حضرت عمروؓ بن العاص کے مصر آنے اور

وہاں کے حالات سے گہری واقفیت رکھنے کے باعث انہیں اس سرزمین کی فتح میں بہت آسانی ہوئی۔

اپنی جوانی کے زمانے میں مصر آنے کا بہت بڑا فائدہ حضرت عمروؓ بن العاص کو یہ پہنچا کہ انہیں اس راستے سے کامل واقفیت ہوگئی جس سے وہ بعد میں اپنی فوج کو لے کر مصر میں داخل ہوئے کیونکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ مصر پر فوج کشی کے وقت حضرت عمروؓ بن العاص نے جو راستہ اختیار کیا وہ وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ شماس کے ساتھ گزر کر اسکندریہ پہنچے تھے۔ انہوں نے ابتدا ہی میں اس راستے کے نشیب و فراز کا گہری نظر سے جائزہ لے لیا تھا جس نے بعد میں انہیں بہت فائدہ پہنچایا۔

ام دُنین کے محاصرے کے دوران میں ان کی دوربین نظروں نے قلعہ کے اندرونی اور بیرونی حالات کا مکمل جائزہ لے لیا۔ جب انہیں تمام حالات کا بخوبی علم ہو گیا۔ تو انہوں نے قلعہ پر حملہ کرنے میں دیر نہ کی۔ اور اپنے لشکر کو پوری قوت سے شہر پر دھاوا بولنے کا حکم دیا نتیجہ یہ ہوا کہ قلعہ تھوڑی دیر میں مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

قلعۂ ام دُنین پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد رومی فوجیں وہاں سے بھاگ کر قلعۂ بابلیون میں جمع ہو گئیں حضرت عمروؓ بن العاص کو وہاں کے حالات کا بھی علم حاصل کرنے کی دھن لگی انہوں نے اس غرض کے لئے اپنے جاسوس روانہ کیے جنہوں نے آکر بتایا کہ قلعے میں رومیوں کا کثیر لشکر جمع ہے۔ اس کے پاس کھانے پینے کی چیزوں اور اسلحہ کی مطلق کمی نہیں ہے اور وہ طویل عرصے تک مسلمانوں کے محاصرے کا بخوبی مقابلہ کر سکتا ہے۔ ادھر انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس اتنی فوجیں نہیں ہیں جو قلعہ کا محاصرہ کرنے کیلئے کافی ہو سکیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی نظر میں یہ معلومات بے حد قیمتی تھیں لہذا انہوں نے بابلیون کے محاصرے کا خیال چھوڑ کر فیوم کے علاقے کا قصد کیا تاکہ جب تک دارالخلافے سے امدادی فوجیں نہ آجائیں اپنی فوجوں کو اس طرف مصروف رکھا جا سکے۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت عمروؓ بن العاص تک جو معلومات پہنچی تھیں ان سے یہ امر واضح ہو گیا تھا کہ ان کا اور ان کی فوجوں کا قلعہ بابلیون کے قریب رہنا خطرے سے خالی نہیں لہذا انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اپنی فوجوں کو خطرے کے مقامات سے دور لے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے دریائے نیل کو عبور کیا اور اپنی فوجوں کے ہمراہ اہرام سے گزرتے ہوئے فیوم چلے گئے

حضرت عمروؓ بن العاص کا جاسوسی کا انتظام اتنا عمدہ تھا کہ فیوم جاتے ہوئے انہیں راستے ہی میں معلوم ہو گیا کہ حنّا ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لئے سائے کی طرح ان کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ اس پر انہوں نے فوراً پیش بندیاں شروع کر دیں اور حنّا سے نجات حاصل کرنے کے لئے تمام تیاری بسرعت تمام مکمل کر لی۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر حنّا ان کی فوج کے بعض راز حاصل کرنے اور ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لے کر انہیں رومیوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا کہ یہ چیزیں ان کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوں گی اور مصر کو فتح کر کے اسے اسلامی سلطنت کا ایک جزو بنانے کا جو خواب انہوں نے دیکھا تھا وہ کبھی شرمندۂ عمل نہ ہو سکے گا۔

۴۔ ناگہانی حملہ: ناگہانی حملے سے مراد یہ ہے کہ دشمن پر قطعی بے خبری میں حملہ کر کے اس کی صفوں میں انتشار اور اس کی تیاریوں میں رکاوٹ پیدا کر دی جائے اور اسے ایسے مخمصے میں گرفتار کر دیا جائے جس سے نکلنے کی کوئی تدبیر اس کی سمجھ میں نہ آ سکے۔

اچانک حملہ کی بدولت دشمن کی تیاریاں درہم برہم ہو جاتی ہیں۔ لشکر کے لوگ ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور انہیں چار و ناچار ہتھیار ڈالنے ہی پڑتے ہیں اس کے بالمقابل حملہ کرنے والے فریق کو بے اندازہ فائدہ پہنچتا ہے۔ دشمن کو پسپا کر کے اس کے لشکر کے لوگوں کے دل بڑھ جاتے ہیں اور وہ نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ دشمن پر مزید حملوں کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے صوبۂ فیوم میں اچانک حملوں کے ذریعے اپنا مقصد بہت عمدگی سے حاصل کر لیا۔ انہوں نے اس اقدام سے تمام علاقہ میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑا دی اور رومی فوجوں کی ہمتیں بالکل پست کر دیں۔

اچانک حملے کے نتیجے ہی میں حنّا کی فوج کو مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب حضرت عمروؓ بن العاص کو پتہ چلا کہ وہ خفیہ طور پر ان کے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ تو انہوں نے اپنی فوج کو حنّا کی فوج سے دور ہٹ جانے کا حکم دیا۔ حنّا بے فکر تھا کہ عمروؓ بن العاص کی فوج اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ لیکن اسی اثناء میں عمروؓ بن العاص اپنی فوج کو لے کر یکدم پلٹے اور بے خبری کی حالت میں اس کی فوج پر حملہ کر کے اس کا تیا پانچا کر دیا۔

معرکۂ ہیلیو پولیس میں بھی انہی اچانک حملوں کی بدولت حضرت عمروؓ بن العاص نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے لڑائی سے قبل اپنا ایک دستہ پہاڑ کی گھاٹی میں اور دوسرا ام دُنَین کی کمین گاہوں میں چھپا دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ اس وقت تک کمین گاہوں سے باہر نہ نکلیں جب تک

جنگ شدت اختیار نہ کرسے اور مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کے حوصلے پست نہ ہونے لگیں۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا جب لڑائی میں شدت پیدا ہوئی اور رومیوں کی صفوں میں ضعف کے آثار نمودار ہونے لگے تو حضرت عمروؓ بن العاص کے چھپے ہوئے دستوں نے کمین گاہوں سے نکل کر اچانک رومیوں کے عقب پر حملہ کردیا۔ رومی اس اچانک حملے سے سخت بدحواس ہوگئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو کہیں سے کمک پہنچ گئی ہے اور اب ان کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہوگیا اور انہوں نے ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے فرار ہونے کو ترجیح دی۔ بیشتر لوگ جان بچا کر مصر کی طرف بھاگ گئے۔ بقیہ لوگوں نے قلعہ بابلیون میں پناہ لی۔

۵۔ لڑائی میں پہل | اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کو حملے کا موقع دیئے بغیر آگے بڑھ کر خود اس پر حملہ کردیا جائے تاکہ اس کی طاقت پہلے ہی ہلے میں ضائع ہو جائے اور وہ پلٹ کر حملہ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

الفرما، بلبیس، ام دنین اور حلیوپولیس سب جگہ حملہ کرنے میں پہل حضرت عمروؓ بن العاص نے کی اس طریقے سے وہ ابتدا ہی میں میدان جنگ پر چھا جاتے تھے اور جنگ کو اپنے حسب مرضی جس جانب چاہتے موڑ لیتے تھے۔ اسی لئے انہیں ہر میدان میں کامیابی نصیب ہوتی تھی۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے جنگ میں کبھی دفاعی پہلو اختیار نہیں کیا دفاعی پہلو کرنے والا ہمیشہ اپنے بچاؤ کی فکر میں رہتا ہے اسے دشمن پر کاری ضرب لگانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فریق مخالف کے جارحانہ اور تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا کر دفاعی صلاحیت بھی کھو بیٹھتا ہے اور شکست کھا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے ہمیشہ اپنے آپ کو دفاعی پہلو اختیار کرنے سے بچائے رکھا۔ فیوم کے صوبے میں ان کے جارحانہ حملوں نے سارے صوبے میں خوف وہراس کی لہر دوڑا رکھی تھی اور رومیوں کی نیندیں اس خوف سے حرام ہوگئی تھیں کہ نہ معلوم عمروؓ بن العاص کا لشکر کب ان پر آپڑے، اور انہیں تباہ و برباد کرکے رکھ دے۔

۶۔ نقل و حرکت میں پھرتی | حضرت عمروؓ بن العاص نے دوران جنگ میں جن امور کو خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ سفر کو حتی الامکان نہایت تیزی سے طے کیا جائے فلسطین سے العریش تک اور وہاں سے الفرما تک کا راستہ بے حد طویل ہے لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے اسے جس قدر تیزی کے ساتھ طے کیا اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ ام دنین میں ان کا ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تو انہوں نے اپنے لشکر

کے ہمراہ دریائے نیل کو عبور کیا اور صحرا کو قطع کرتے ہوئے بڑی تیزی سے فیوم کے علاقے میں داخل ہو گئے ام ذنین سے فیوم تک حضرت عمروؓ بن العاص کی نقل و حرکت جس پھرتی اور تیزی سے ہوئی اسے دیکھ کر رومی انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہیں یہ گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ عمروؓ بن العاص ام ذنین کو چھوڑ کر فیوم چلے جائیں گے۔ جب حضرت عمروؓ بن العاص کا وہ مقصد جس کی خاطر سے وہ فیوم گئے تھے پورا ہو گیا۔ اور انہیں یہ خبر ملی کہ ان کی امداد کے لئے فوجیں مصر پہنچ گئی ہیں تو وہ اسی تیزی سے ام ذنین کی طرف چلے جس تیزی سے وہ فیوم پہنچے تھے تاکہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے وہ امدادی فوج سے جا کر مل جائیں۔ اگرچہ امدادی فوج تک پہنچنے کے لئے انہیں دریائے نیل عبور کرنا پڑتا تھا۔ اور دریائے نیل کے کنارے قلعہ بابلیون میں رومیوں کا لشکر جرار موجود تھا جو بآسانی ان کا راستہ روک سکتا تھا لیکن یہ عمروؓ بن العاص کی تیز روی ہی کا ثمرہ تھا کہ رومی یہ سوچتے ہی رہ گئے کہ عمروؓ بن العاص کا راستہ کس طرح روکیں اسی اثناء میں مصر کا یہ عظیم الشان فاتح اپنا لشکر لے کر دریائے نیل کے پار پہنچ چکا تھا۔

۷۔ فوجوں کی سلامتی کا خیال: حضرت عمروؓ بن العاص دوران جنگ میں اپنی فوجوں کی سلامتی اور حفاظت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اور انہیں جان بوجھ کر کبھی ایسے مقامات پر نہ بھیجتے تھے۔ جہاں ہلاکت اور بربادی کا اندیشہ ہو۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی فوج ہر قسم کے نقصانات سے محفوظ رہے اور اس مقصد اور خواہش کے حصول کے لئے وہ ہر ممکن طریقے استعمال کرتے تھے۔

الفرما پر قبضے کے بعد انہیں اس راستے کی اہمیت کا اندازہ ہوا جو العریش اور الفرما کو ملاتا تھا اور جس پر سے گزر کر وہ الفرما تک پہنچے تھے۔ اگر خدانخواستہ اس راستے پر رومی دوبارہ قبضہ کر لیتے تو شکست کی صورت میں، اسلامی فوجوں کی مصر سے واپسی کا راستہ قطعی مسدود ہو جاتا اور انہیں صحرائے مصر ہی میں اپنی جانیں کھو دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہتا۔ اس راستے پر رومیوں کے دوبارہ قبضے کی موجودگی میں دربار خلافت سے کسی قسم کی کمک کے پہنچنے کا امکان بھی نہ رہتا اور یہ امر بھی مصر میں مقیم اسلامی فوجوں کے لئے سخت خطرات کا موجب تھا۔ کیونکہ کمک نہ پہنچنے کی صورت میں ان کی قوت مدافعت آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی۔

ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص اس نتیجے پر پہنچے کہ قلعہ الفرما کی فصیلوں اور عمارتوں کو بالکل منہدم کرا دیا جائے تاکہ دوبارہ قبضے کی صورت میں رومی اس قلعے سے کسی طرح کا فائدہ حاصل نہ کر سکیں اور ان کے لئے قلعے پر قبضہ کرنا بالکل بے کار ثابت ہو۔ ساتھ ہی انہوں نے ان کشتیوں کو بھی نذر آتش کرنے کا حکم دے دیا جو الفرما کی قریبی بندرگاہ میں لنگر انداز تھیں۔ اس کارروائی

کا مقصد بھی یہی تھا کہ دشمن ان کشتیوں کو کسی طرح بھی مسلمانوں کے مقابلے میں استعمال نہ کر سکے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہنوز عربوں کو بحری جنگوں کا متعلق تجربہ نہ تھا اور وہ جنگوں کے دوران میں کشتیوں اور جہازوں سے کام لینے اور انہیں جنگی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے فن سے بالکل ناواقف تھے۔ اس صورت میں مناسب طریقہ وہی تھا۔ جو حضرت عمروؓ بن العاص نے اختیار کیا۔ یعنی انہیں آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ تاکہ اگر عرب اپنی ناواقفیت کی وجہ سے کشتیوں کو کما حقہ استعمال کرنے سے قاصر رہیں تو رومیوں کو بھی ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانے نہ دیا جائے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے ان لوگوں سے جو مقوقس کی جانب سے صلح کا پیغام لے کر آئے تھے کہا تھا:۔

"مجھے دھوکا دینے کی کوشش مت کرنا کیونکہ مجھ جیسے آدمی کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا"

رومیوں کو اس قول کی صداقت اس وقت معلوم ہوئی جب ارطبون نے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ جزکیل کا نشے سے پوری طرح لیس تھا بلبیس میں مقیم حضرت عمروؓ بن العاص کی فوج پر بے خبری کی حالت میں اچانک حملہ کیا لیکن چونکہ اسلامی سپہ سالار کو فوج کی سلامتی کا بے حد خیال تھا اس لئے وہ ہر وقت اسے چوکنا رکھتا تھا تاکہ کوئی دشمن بے خبری کی حالت میں حملہ کر کے اسے نقصان نہ پہنچا سکے یہی وجہ تھی کہ جب ارطبون نے اپنی عظیم الشان فوج کے ساتھ اسلامی لشکر پر حملہ کیا تو اس نے اسے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار پایا بڑے تندرکا رن پڑا جس میں ارطبون کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا اس کے ایک ہزار آدمی مقتول ہوئے اور تین ہزار قیدی بنا لیئے گئے۔

ام دنین میں حضرت عمروؓ بن العاص نے جنگی کارروائیوں کا آغاز کرتے ہوئے فوجوں کی حفاظت اور سلامتی کو خاص طور پر پیش نظر رکھا اور اس امر کے خاص طور پر انتظامات کیئے کہ ان کی فوجوں کو کسی قسم کے نقصان اور تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اپنے لشکر کو ام دنین سے فیوم لے جانے کا سب سے بڑا سبب بھی یہی تھا کہ ام دنین میں قیام کرنے سے حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنی فوجوں کے لئے سخت خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ فوجوں کو وہاں سے ہٹا کر فیوم منتقل کر دیا جائے۔

حناکے دستے پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اسلامی فوج ہر طرح خطرے سے محفوظ ہو جائے۔ اور حنا مسلمانوں کا کوئی راز رومیوں تک پہنچا کر انہیں نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت زبیرؓ بن العوام کی زیر قیادت امدادی فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انہیں خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں رومی اس کا راستہ روکنے کی کوشش نہ کریں۔ مدد رک جانے کی صورت میں انہیں زبردست نقصان اٹھانا پڑتا اور مصر کی فتح کے جو منصوبے انہوں نے اپنے دل میں سوچ رکھے تھے ان سب پر پانی پھر جاتا اور رومی ان کی مختصر فوج کو گھیرے میں لے کر بالکل تباہ کر دیتے لہٰذا وہ فوراً اپنی فوج کو لے کر پلٹے اور دریائے نیل کو عبور کر کے ھیلو پولیس میں امدادی فوج کے ساتھ مل گئے

۸۔ عزم و استقلال | یہ امر واضح ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی ذہین مضبوط عزم و ارادے کے مالک تھے اور ایک عجیب جوش اور ولولے کے ساتھ میدان جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرتے تھے عمروؓ بن العاص ساڑھے تین ہزار فوج کے ہمراہ مصر روانہ ہوئے تھے جہاں انہیں ایک عظیم الشان فوج سے مقابلہ درپیش تھا۔ لیکن انہوں نے کسی موقع پر ذرا بھی گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا اور ہر مرتبہ نئے عزم و ولولے کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا تمام معرکوں میں جو انہیں درپیش آئے ان کے دشمنوں کی تعداد ان کے لشکر سے کہیں زیادہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ تمام لڑائیوں میں کامیاب ہوئے۔ ان کی کامیابی کی اصل وجہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ تھی کہ عزم و استقلال، صبر و استقامت اور جد و جہد کے لحاظ سے ان کا پلہ ان کے دشمنوں پر ہر طرح بھاری تھا۔ اور یہی چیزیں کامیابی و کامرانی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ وہ خوف و خطر کو دل میں لائے اور تردد و ضعف کا اظہار کئے بغیر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے اور ان کے دشمنوں کو یہ چیز حاصل نہ تھی۔ ایک قبطی نے مسلمانوں کے عزم و استقلال کی تصویر بڑے جامع الفاظ میں کھینچی تھی اس سے اس کے ساتھی نے کہا تھا:۔

"مجھے ان عربوں پر تعجب آتا ہے۔ ان لوگوں نے قلت تعداد کے باوجود مصر پر حملہ کیا ہے اور ان کا عزم یہ ہے کہ رومیوں کی عظیم الشان افواج سے نبرد آزما ہوں"

اس نے یہ سن کر جواب دیا:۔

"یہ لوگ جب کسی قوم سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اس وقت تک بس نہیں کرتے جب تک اس پر پورے طور پر غالب نہ آجائیں اور دشمنوں کو چن چن کر قتل نہ کر دیں"۔

"آپ آگے بڑھیے آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں فتح عطا فرمائے گا"

ام دنین کی لڑائی کے دوران میں عمروؓ بن العاص نے دیکھا کہ ان کی فوج کے بعض آدمی جنگ سے پہلو تہی اختیار کر رہے ہیں، انہوں نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے کہا۔

ان کلمات کا ان کی فوج پر بے حد اثر ہوا اور لشکر کا ہر شخص لڑائی میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت زبیرؓ کو عمرو بن العاص کی مدد کے لئے بھیجنا چاہا۔ انہوں نے انہیں بلا کر پوچھا۔
"کیا آپ کو مصر کی حکومت کی آرزو ہے ؟"
حضرت زبیرؓ نے جواب دیا :۔
"مجھے حکومت کی کوئی خواہش نہیں۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور مسلمانوں کا معاون و مددگار بنوں۔"
کتاب الفتوحات الاسلامیہ (جلد اول صفحہ ۵۵) میں مذکور ہے کہ شہنشاہ روم نے مقوقس کو لکھا :۔
"عربوں نے بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ تم پر حملہ کیا ہے۔ تمہارے پاس مصر اور اسکندریہ میں ایک لاکھ سے زیادہ فوج ہے جو اسلحہ سے ہر طرح لیس ہے عربوں کی تعداد بھی قلیل ہے۔ اور وہ تہی دست بھی ہیں جس کا تمہیں اچھی طرح علم ہے لہذا ان سے لڑنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرنا۔"
جب شہنشاہ روم کا یہ خط مقوقس کو ملا تو اس نے کہا ۔
"خدا کی قسم ! عرب اپنی قلت اور ضعف کے باوجود ہم طاقتور اور کثیر التعداد لوگوں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہیں ان کا ایک شخص ہمارے سو آدمیوں کے برابر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت ان کی نظروں میں زندگی سے زیادہ محبوب ہے وہ لوگ جب لڑائی کے لئے روانہ ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر شخص کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے پاس زندہ واپس نہ جائے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اگر وہ میدان جنگ میں مارے گئے تو سیدھے جنت میں جائیں گے۔ لہذا ان میں سے ہر شخص جان توڑ کر لڑتا ہے۔ لیکن ان کے بالمقابل ہم لوگ موت سے ڈرتے ہیں اور زندگی کی آسائشوں پر دل و جان سے فریفتہ ہیں لہذا اس صورت میں ہم کیسے ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور ان کے مقابلے میں میدان جنگ میں کس طرح صبر و استقلال کا مظاہرہ کر سکتے ہیں ؟"
حضرت زبیرؓ کے قول اور مقوقس کی رائے سے اس امر کا واضح ثبوت مل جاتا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد کا کس قدر ولولہ اور اللہ اور دین اسلام کے راستے میں اپنی جانیں قربان کرنے کا کس قدر جوش تھا۔ ان میں سے کسی کے پیش نظر ذاتی مصلحت نہ ہوتی تھی بلکہ ہر شخص دین اسلام کی سربلندی کی خاطر لڑتا تھا اور بڑی خوشی سے اس راہ میں اپنی جان قربان کر دیتا تھا۔ کوئی موت کے خوف کو پاس بھی نہ پھٹکنے دیتا تھا بلکہ شہادت اور فتح مندی کے شوق میں دشمن سے پوری جواں مردی کے ساتھ لڑتا تھا۔
مسلمانوں کے بالمقابل رومیوں پر ضعف و کمزوری۔ تردد اور خوف و ہراس کا غلبہ رہتا تھا جنگی طرح

کا ان میں نام و نشان تک نہ رہا تھا۔ ان کے عزائم پست ہو گئے تھے اور ان کے ولولے سرد پڑ گئے تھے ایسی صورت میں انہیں فتح مندی اور کامیابی کیسے نصیب ہو سکتی تھی کامیابی ہمیشہ صبر و استقلال، جوانمردی و شجاعت دلیری اور بے خوفی کے باعث حاصل ہوتی ہے اور یہ نعمتیں رومیوں کو میسر نہ تھیں۔

رومیوں کے موقف پر ایک نظر اُس وقت جبکہ عرب فتوحات پر فتوحات حاصل کر رہے تھے اور مصر کو فتح کرنے کے لیئے ہر ممکن ذرائع سے کام لے رہے تھے۔ رومی پے در پے خطرناک غلطیوں کے مرتکب ہو رہے تھے اور ان سے ایسے افعال صادر ہو رہے تھے جو جنگی روح سے قطعاً مناسبت نہ رکھتے تھے ان میں اتنی طاقت تھی کہ وہ عربوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتے اور جنگی توازن کو اپنے حق میں برقرار رکھنے اور پے در پے فتوحات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ تمام حالات کلی طور پر ان کے موافق تھے۔ جنگ ان کی سرزمین پر لڑی جا رہی تھی اور وہ اپنے دشمنوں کی نسبت ملک کے حالات سے بہت زیادہ واقف تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہر جنگ میں عربوں کے مقابلے میں بھاری بھاری لشکر جو سامان حرب سے پوری طرح لیس ہوتے۔ بڑی آسانی سے لا سکتے تھے جبکہ عربوں کو یہ آسانی مطلق میسر نہ تھی۔ ذیل میں ہم ان موٹی موٹی غلطیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو مسلمانوں سے جنگ کے دوران میں رومیوں سے صادر ہوئیں۔

وہ غلطیاں جن کے رومی مرتکب ہوئے (۱) جب رومیوں کو عمروؓ بن العاص کی آمد اور سرحد عبور کر کے الفرما کی جانب پیش قدمی کا علم ہوا تو ان کی قیادت نے الفرما میں مقیم رومی فوج کی مدد اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیئے کوئی لشکر نہ روانہ کیا۔ بلکہ یہ خیال کر لیا کہ الفرما میں مقیم رومی فوج مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیئے کافی ہے حتیٰ کہ جب شہر کا محاصرہ طول پکڑ گیا تب بھی رومی قیادت نے محصور فوج کی مدد اور مسلمانوں کو شہر سے ہٹانے کے لیئے کوئی لشکر بھیجنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔

۲۔ الفرما سے بلبیس تک حضرت عمروؓ بن العاص کی پیش قدمی کے دوران میں عربوں اور رومیوں کے درمیان کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔ اور رومیوں نے نہ صرف مسلمانوں کا راستہ روکنے کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ مصر کے اندرونی علاقوں میں ان کی پیش قدمی کے لیئے راستہ صاف کر دیا۔ حتیٰ کہ مورخین بھی رومیوں کی اس عظیم الشان فروگذاشت پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیئے بغیر نہ رہ سکے۔

۳۔ فیوم کے صوبے میں حضرت عمروؓ بن العاص نے کئی ہفتوں تک فوجی کارروائی جاری رکھی لیکن رومیوں نے یہ لمبا عرصہ نہ صرف بالکل ضائع کر دیا بلکہ انہیں اس دوران میں بھاری نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ انہوں نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہ کی اگر وہ چاہتے تو حضرت عمروؓ بن العاص کی

فوجوں کے مقابلے میں انتہائی موقف اختیار کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کی بجائے منفی موقف اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو فیوم میں کثیر مال غنیمت حاصل ہوا اور انہوں نے پورے علاقے میں دہشت و اضطراب اور خوف و ہراس کی لہر دوڑا دی مزید برآں مسلمانوں نے حمّٰی کے رستے کا بھی قلع قمع کر دیا۔

۴۔ جب حضرت زبیرؓ بن عوام کی قیادت میں عربوں کی امدادی فوج مصر پہنچی تو مصری بڑی آسانی سے اسے عمروؓ بن العاص کی فوج کے ساتھ ملنے سے روک سکتے تھے اسی طرح وہ حضرت عمروؓ بن العاص کو دریائے نیل عبور کرنے سے بھی روک سکتے تھے لیکن انہوں نے ان موقعوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اسی طرح تھیوڈور میں اتنی طاقت تھی کہ وہ یکے بعد دیگرے امدادی فوج اور عمروؓ بن العاص کے لشکر پر حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیتا۔ لیکن اس نے یہ بھی نہ کیا۔ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو خود دریائے نیل عبور کر کے ہلیوپولس میں مقیم امدادی فوج تک پہنچنے کا موقع فراہم کر دیا۔

۵۔ ہلیوپولس کی جنگ سے قبل رومی بابلیون میں قلعہ بند تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کی کوشش یہ تھی۔ کہ رومیوں کو کھلے میدان میں نکل کر قلعہ سے دور مقابلہ کرنے پر مجبور کیا جائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور رومی اپنے قلعے سے بہت دور کھلے میدان میں نکل کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئے۔ اس طرح وہ ان فوائد سے محروم ہو گئے۔ جو قلعہ کے قریب یا قلعہ میں رہ کر مقابلہ کرنے میں انہیں حاصل ہوتے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو اسلامی فوجوں نے اس طرح ان پر تابڑ توڑ حملے کیے کہ انہیں فرار ہوتے ہی بن پڑی اور وہ دوبارہ شہر میں گھس کر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔

رومیوں کو کئی نادر موقع ہاتھ آئے جن سے اگر وہ فائدہ حاصل کرنا چاہتے تو باآسانی کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے تمام موقعوں کو گنوا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ہر موقع پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور مسلمان ان پر غالب آتے چلے گئے۔

(۳)

تسخیر بابلیون

"ہمارے اور تمہارے درمیان صلح و جنگ کی صرف تین شرائط ہیں"
۱۔ دینِ اسلام میں داخل ہو کر ہمارے برابر کے بھائی بن جاؤ۔ اور جملہ حقوق میں ہمارے شریک رہو۔
۲۔ یہ منظور نہ ہو تو اپنی بالادستی ختم کر کے خلافت اسلامی کی حمایت اور حفاظت میں آ جاؤ۔ اس صورت میں حفاظت کا بہت قلیل معاوضہ لے کر تمہیں ہر پابندی سے آزاد کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ حکومت کے وفادار رہو۔
۳۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر آخری فیصلہ اللہ کی طرف سے جہاد کے میدان میں کر دیا جائے گا ..."

(عمرو بن عاص ۔ مقوقس سے)

عام موقف | ہیلیوپولس میں عرب فتح یاب ہو چکے ہیں۔

رومی سمندر کی جانب فرار کا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔

عرب اتریب اور منوف کے شاداب علاقوں کو فتح کر کے اپنی حکومت کا جال پوری سرزمین مصر پر پھیلا چکے ہیں مصر والوں پر ہر جگہ خوف و ہراس اور مسلمانوں کا رعب طاری ہے۔ اور وہ اپنا مال و متاع اور جاگیریں وطن سب کچھ چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف سمٹتے جا رہے ہیں۔

ان حالات میں عمروؓ بن العاص کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ان شکست خوردہ فوجوں اور جمعیتوں کے تعاقب میں اسکندریہ کا رخ کرے۔ لیکن اس کے راستے میں دو رکاوٹیں حائل ہیں:۔

پہلی رکاوٹ یہ ہے کہ اگست کا مہینہ ہے۔ موسم سخت گرم اور ناسازگار ہے۔ دریائے نیل میں طغیانی شروع ہو چکی ہے۔ پانی تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے اس علاقے میں کسی قسم کی فوجی نقل و حرکت ممکن نہیں رہی۔

دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ قلعۂ بابلیون[1] میں رومی افواج کی کثیر تعداد موجود ہے اور یہ بات مصالح جنگ کے سراسر خلاف ہے کہ ایک معقول فوجی طاقت کو اپنے عقب میں چھوڑ کر اسکندریہ کا رُخ کیا جائے۔

اب حضرت عمروؓ بن العاص کے لئے مندرجہ ذیل دو باتوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری تھا:۔

۱۔ پہلے قلعۂ بابلیون کو فتح کر کے اپنے عقب کو حملہ سے محفوظ کر لیں۔ اور پھر اس کے بعد اسکندریہ کا رُخ کیا جائے۔

۲۔ یا یہ کہ اپنی طاقت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ بابلیون کے لئے چھوڑ دیا جائے اور دوسرا حصہ اسکندریہ روانہ کر دیا جائے۔

لیکن ان کی فوج اتنی زیادہ نہیں تھی کہ اسے دو اہم محاذوں پر تقسیم کیا جا سکتا۔ پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رومی افواج اپنی کثرتِ تعداد کے باوجود اس غیرت و حمیت کی بنا پر جو اُس کے اندر مختلف میدانوں میں شکست کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ اس قلعہ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گی۔ اور اگر عرب کسی نہ کسی طرح قلعہ کے اندر داخل ہو بھی گئے تو قلعہ کے اندر انہیں موت

---

[1] اب اس کا نام قصر شمع ہے ــــ ایک قول یہ بھی ہے کہ فتح کے وقت اس کا نام قبطی زبان میں بابلون۔ آون یعنی بابلیونِ مصر تھا۔ ابن عبدالحکم نے اس کا نام باب الیون لکھا ہے دیکھو مصر سے قول بین اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بخت نصر نے بابل کے قیدیوں کی ایک جماعت کو یہاں رکھا تھا۔

کی جنگ لڑنی پڑے گی۔ اس کے ساتھ ان کی نگاہ تیز اس کا اندازہ بھی لگا رہی تھی کہ اس وقت رومیوں کا جنگی مفاد محاصرہ کے طول میں ہے تاکہ ہرقل اس دوران میں ان کے لئے اسکندریہ سے مزید فوجی امداد بہم پہنچا سکے ——— اس لئے عمرو بن العاص نے اپنی پوری فوجی طاقت سے تسخیر بابلیون کا فیصلہ کر لیا۔

میدان جنگ کا جغرافیہ | دیوان حنا نقیوسی میں لکھا ہے کہ اس قلعہ کو بخت نصر نے اس وقت تعمیر کیا تھا[1] جب اس نے مصر پر حملہ کیا تھا اور اسی نے اس کا نام اپنے پایۂ تخت بابلیون کے نام پر قلعہ بابلیون رکھا تھا اس کے بعد شاہ روم ترا جان[2] نے قلعہ کی بنیادوں پر مزید تعمیر کا اضافہ کر کے نہ صرف یہ کہ اسے ایک نہایت مضبوط و مستحکم قلعہ بنا دیا بلکہ اس کے اندر پانی کے ایک بہت بڑے ذخیرے کا بھی بندوبست کر دیا اور یہ تکمیل اس سنہ میں ہوئی جب اتفاق سے عیسوی صدی کا بھی آخری سال گزر رہا تھا۔ آج کل اس مقام کو مصر قدیم کہا جاتا ہے[3]

بیسویں صدی کے اوائل تک اس قلعے کے تین حصے موجود تھے۔ اور اب تو ان میں سے بھی ایک منہدم ہو کر صرف دو باقی رہ گئے تھے۔

قلعہ کی فصیلیں اٹھارہ قدم چوڑی اور غیر منتظم مربع شکل میں قلعہ کا احاطہ کرتی ہیں تعمیر میں پتھر اور اینٹیں دونوں باری باری منزل وار لگائی گئی ہیں۔ قلعہ کی پیمائش مورخین نے نہیں لکھی قلعہ کے اندر سے دریائے نیل کی ایک اندازہ گاہ بھی بنائی گئی تھی جس کے نشانات مقریزی[4] کے زمانہ تک موجود رہے۔ قلعہ کے اندر متعدد کنیسوں مثلاً کنیسہ بوسرجہ اور کنیسہ معلقہ وغیرہ کا بھی مقریزی ہی کے وقت تک پتہ چلتا ہے قلعہ کے وہ حصے جو آج تک باقی ہیں جنوبی اور مشرقی ہیں جن میں باہر کی طرف نکلے ہوئے چار برج تعمیر تھے۔ اور ان چاروں کا باہمی فاصلہ یکساں نہیں تھا۔ ماضی قریب تک ان چار میں سے تین موجود تھے۔ اور اب ان میں سے ایک

ف۱ مورخ یوسقوس کا بیان ہے کہ اس قلعہ کو شاہ قمبیز نے جنگ فارس کے زمانہ میں تعمیر کیا تھا۔

ف۲ دیوان حنا نقیوسی ص۱۳۳ کے مطابق یہودیوں نے جب اسکندریہ پر حملہ کیا تو شاہ ترا جان نے ان کی سرکوبی کے لئے مرقیوس کی سرکردگی میں ایک عظیم فوج روانہ کی۔ اور پھر خود مصر آ کر اس قلعہ کو تعمیر کیا۔ اور قلعہ کے اندر ایک نہایت ہی مستحکم حفاظت گاہ بنا کر اس میں پانی کی وافر مقدار کا انتظام کیا۔

ف۳ یورپین مورخ بٹلر لکھتا ہے کہ اس وقت جو اس کو قاہرۃ القدیمہ کہا جاتا ہے یہ غلط ہے اس کی بجائے اس کا صحیح تاریخی نام مصر القدیمہ ہے۔

ف۴ یہ روایت ابو صالح نے خطط سے نقل کی ہے۔ (ذیل الکتاب ص۳۲۵)

منہدم ہو کر صرف وہ دو برج باقی رہ گئے ہیں جو اپنے درمیان ایک بڑے عالی شان دروازے کو لئے ہوئے ہیں اور ٹیاکس کے اظہار و حفظ کا سہرا مورخ آثار قدیمہ ماکس ہرتز کے سر ہے۔ قلعہ کی تعمیر کے وقت چونکہ دریائے نیل اس کی دیواروں سے ٹکراتا ہوا بہتا تھا اور اس میں کشتیاں چلائی جاتی تھیں اس لئے اس سمت میں کوئی برج نہیں بنایا گیا۔

قلعہ کا ایک دروازہ نیل کی جانب بھی تھا۔

فصیل کی بلندی ساٹھ قدم تھی۔

کتاب (Ancient Coptic Churches) کے بیان کے مطابق اس قلعہ کی بلندی کا یہ حال تھا کہ قلعہ کے اوپر سے دیکھا جاتا تو نگاہ سیدھی شہر عین شمس تک پہنچ جاتی تھی[1]

قلعہ کی جنگی اہمیت کو جزیرۂ روضہ نے جس میں متعدد قلعے بنے ہوئے تھے کئی گنا بڑھا دیا تھا یہ جزیرہ دریائے نیل کے عین وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دریا پر سوار ہے اور نیل کی باگیں پوری طرح اس کے قابو میں ہیں۔

کتاب (Cairo Fifty Years Ago)[2] کے مطابق عرب قلعہ بابلیون کے محاصرہ کے دوران میں جزیرہ پر پہلے قبضہ کر چکے تھے[3]

قلعہ کے مضافات میں وسیع زرعی فارم، باغات، انگورستان، کنیسوں اور گرجوں کا طویل سلسلہ اس مقام تک چلا گیا تھا جہاں آج جامع ابن طولون اور قلعہ کبش واقع ہیں[4]

رومی محاذ رومیوں نے قلعہ بند ہو کر مدافعانہ جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا ان کے اس فیصلے کی تائید مندرجہ ذیل اسباب نے کی۔

(۱) فصیل کی مضبوطی (۲) برجوں کا استحکام (۳) موسم گرما کی شدت (۴) اور قلعہ کے چاروں طرف پانی سے بھری ہوئی خندق۔

رومی یقین رکھتے تھے کہ مسلمان ان زبردست رکاوٹوں کو عبور کر کے قلعہ تک پہنچنے میں ایک طویل

---

[1] آج بھی قلعہ کے اوپر چڑھ کر دیکھا جائے تو نگاہ اہرام جیزہ اور صحرا کو عبور کرتی ہوئی دریائے نیل سے کافی فاصلہ تک پہنچ جاتی ہے۔

[2] صفحہ ۱۳۲ [3] ابن دقماق اس کی تائید کرتا ہے۔

[4] ان میں سے بعض کنیسے آج بھی موجود ہیں۔ کچھ قاہرہ کی فصیل کے اندر واقع ہیں اور کچھ باہر۔ مقریزی راوی ہے کہ سلطان ناصر بن قلاوون نے چودھویں صدی میں ان میں سے بیشتر کو منہدم کر دیا تھا (خطط جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

مدت تک کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اور اس دوران میں یقیناً اسکندریہ سے ہمارے لئے فوجی امداد پہنچ جائے گی۔

عربی محاذ | حضرت عمرو بن العاص نے غیر موافق حالات کے باوجود قلعہ کے محاصرے کا فیصلہ کر لیا اور یہ سوچ کر کیا کہ دریائی طغیانی زیادہ سے زیادہ ایک دو ماہ تک رہے گی اور اتنے عرصہ میں ہم رومیوں پر نفسیاتی اثر ڈالتے اور انہیں کمزور کرتے رہیں گے۔ پھر جب طغیانی ختم ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ خندق کا پانی بھی معمول پر آ جائے گا تو ہمارے لئے قلعہ میں داخل ہونے کا راستہ کھل جائے گا۔ باقی رہا اسکندریہ سے رومی امداد کا اندیشہ، تو اس کی طرف سے ان کا دل مطمئن تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر قلعہ کی خندق عربوں کو روک سکتی ہے تو باہر سے آنے والے رومیوں کو بھی داخلہ سے روک سکتی ہے۔

قلعہ کا استحکام | قلعہ کی تمام فوج رومیوں پر مشتمل تھی اور جو تھوڑے سے قبطی تھے وہ رومیوں کے گویا غلام تھے اور مورخین[1] کو اس بات پر اتفاق ہے کہ مقوقس[2] محاصرہ کے شروع ہی سے قلعہ میں موجود تھا اور تھیوڈورسکا بھی عین شمس کی جنگ تک تو یہاں ہونا ثابت ہے۔ البتہ محاصرہ کے وقت اس کی موجودگی سے تاریخ خاموش ہے[3]۔

قلعہ کی کمان دو شخصوں کے سپرد تھی۔ عمومی قائد قیرس تھا جو ہرقل کی طرف سے مصر کا وائسرائے بھی تھا۔ دوسرا قائد اعیرج[4] تھا جس کے سپرد فوج کا انتظام تھا۔ ان دو کے علاوہ بھی دو حقیقی بھائی امودیاؤس اور دومنتیاؤس قیادت کے منصب پر فائز تھے۔

فوج کی تعداد پانچ چھ ہزار کے قریب تھی جن کے لئے ان کے پاس خوراک اور رسد کے وافر ذخیرے موجود تھے۔ عام مصریوں اور گرجا کے پجاریوں کی کثیر تعداد کو قتل کے راستے پہلے ہی خارج کیا جا چکا تھا تاکہ ان کی جگہ مزید فوج رکھی جا سکے۔

محاصرہ | بالآخر عربوں نے قلعہ کا محاصرہ کر کے رومیوں کو قلعہ بند کر دیا۔ رومیوں نے قلعہ کے اوپر سے منجنیقوں کے ذریعہ مسلمانوں پر سنگ باری شروع کر دی جس کے جواب میں مسلمان بھی تیر اور پتھر

---

[1] ابن عبدالحکم، یاقوت، ابن جبریق، مقریزی اور ابوالمحاسن

[2] مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بطریق قیرس تھا

[3] ہو سکتا ہے کہ وہ محاصرہ میں شامل ہوا اور پھر شکست خوردہ سپاہ کے ساتھ اسکندریہ کی طرف فرار کر گیا ہو

[4] شاید اعیرج جورج کی بگڑی ہوئی صورت ہو۔

چھلکتے رہے۔ اگرچہ بظاہر حالات رومیوں کی منگ باری مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت سخت تھی مسلمانوں کی ثابت قدمی اور سخت جانی نے آخر کار رومیوں کی ہمتوں کو پست اور حوصلوں کو شکست کر دیا۔

صلح کی بات چیت | جب رومیوں نے یہ دیکھا کہ عربوں نے نہایت استقلال کے ساتھ محاصرہ کا ایک مہینہ گزار دیا ہے۔ اور دوسری طرف نیل کی طغیانی اور خندق کی سطح آب بھی اترنی شروع ہو گئی نیز اسکندریہ کی طرف سے جس فوجی امداد کا انہیں انتظار تھا وہ بھی نہیں آئی اور محاصرہ ہے کہ بدستور قائم اور وبالِ جان بنا ہوا ہے۔ تو سالار قیرس نے آنے والے خطرے کو اپنے سے بہت قریب پایا اور پوری سنجیدگی کے ساتھ معاملہ پر غور کرنے لگا۔

اکتوبر ۶۴۰ء میں اس نے اپنے زیرِ اعتماد سرداروں اور سب سے بڑے پادری ملکانی کو مشورہ کے لیے جمع کیا اور صورتِ حال ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا:۔

"یہ عرب ہماری افواج کا پہلے ہی خاتمہ کر چکے ہیں اور اب ہمیں بھی گھیرے میں لے لیا ہے مزید برآں یہ کہ ان کے پاس صحرائے عرب سے تازہ دم امداد اور بھی آنے والی ہے۔ جس سے ان کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ ان سے صلح کی گفت و شنید کا آغاز کیا جائے۔ اور اس کام کے لیے میں خود بنفسِ نفیس تیار رہوں۔ مجھے امید ہے کہ میں ان کے سامنے گرانقدر مال پیش کر کے نہ صرف یہ کہ موجودہ محاصرہ کو ختم کرا سکوں گا۔ بلکہ سابق مقبوضہ علاقوں کو بھی واگزار کرا لوں گا۔"

اس مشورہ کی روشنی میں عملی منصوبہ یہ بنایا گیا کہ مقوقس چند ساتھیوں کو لے کر خفیہ طریقہ سے جزیرہ روضہ جائے اور عمرو بن العاص سے مجوزہ شرائط کے مطابق بات چیت کرے[1]

چنانچہ وہ جزیرے پہنچ گئے اور وہاں سے قلعہ کے بڑے پادری نے عمروؓ کو مندرجہ ذیل مراسلہ بھیجا:۔

"تم لوگ ہمارے ملک میں داخل ہو کر ایک عرصہ سے ہمارا خون پی رہے ہو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رومی سپاہ کی ٹڈی دل، کیل کانٹے سے لیس ہو کر تمہاری مزاج پرسی کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ وہ تمہیں ایک طرف سے اپنے اور دوسری طرف سے دریائے نیل کے گھیرے میں لے کر تم میں سے ایک ایک کو گرفتار کرے گا۔ اور تمہاری ساری امیدوں اور امنگوں کو خاک

---

[1] قلعہ کا دریائے نیل میں کھلنے والا زنانی دروازہ کھول دیا گیا۔ نکلنے والوں نے کشتیوں پر سوار ہو کر جزیرہ کو عبور کیا اور جارج کو قیرس کی روانگی کے متعلق اخفائے راز کا پورا ذمہ دار بنا کر قلعہ میں چھوڑ دیا گیا۔

میں ملاکر رکھ دے گا۔ اس لیئے ہم چاہتے ہیں کہ اپنی سفارت ہمارے پاس بھیجو۔ تاکہ ہم گفت وشنید کے ذریعہ کسی ایسے نتیجہ تک پہنچ سکیں جو فریقین کے لیئے قابل قبول ہو اور وہ جنگ کے خاتمہ کا ذریعہ بن جائے اور بہتر ہے کہ یہ کام رومی افواج کے یہاں پہنچنے سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے۔ ورنہ ان کے آجانے کے بعد پھر مصالحت کا کوئی بھی امکان باقی نہیں رہے گا۔"

عمرؓ بن عاص نے مقوقس کے سفیروں کو دو دن تک روکے رکھا۔ اور آزادی کے ساتھ اپنی فوج میں چلنے پھرنے اور لشکر کی شان وشوکت سے باخبر ہونے کا موقع دیا۔

مقوقس نے جب دیکھا کہ سفیر واپس نہیں آئے تو وہ ان کے بارے میں اندیشہ میں پڑ گیا۔ اور اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کا اظہار کر دیا۔ یہ لوگ کس قسم کے ہیں کہ سفیروں تک کو قید یا قتل کر دیتے ہیں۔

تیسرے دن عمروؓ نے ان سفیروں کو اپنا مندرجہ ذیل جواب دے کر واپس کر دیا۔

"میرے اور تمہارے درمیان صلح وجنگ کی صرف تین شرطیں ہیں :۔

۱۔ اسلام میں داخل ہو کر ہمارے بھائی بن جاؤ۔ اور تمام حقوق میں ہمارے برابر کے شریک ہو جاؤ۔

۲۔ یہ نہ مانو تو پھر اپنی بالادستی ختم کر کے ہمارے باج گزار بن کر رہو۔

۳۔ اس کو بھی منظور نہ کرو تو پھر میدان جہاد میں نکل آؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان خود فیصلہ کر دیں گے اور وہی بہتر فیصلہ دینے والے ہیں۔"

مقوقس نے اپنے سفیروں سے عربوں کے متعلق معلومات حاصل کیں تو ان کے سرداروں نے مندرجہ ذیل جواب دیا :۔

"ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا جنہیں زندگی سے زیادہ موت اور بڑائی سے زیادہ عجز وانکساری پسند ہے۔ کسی ایک کو بھی ان میں سے دنیا کی طرف رغبت نہیں۔ مٹی پر بیٹھ جاتے اور گھٹنوں کے اوپر رکھ کر کھانا کھا لیتے ہیں۔ ان کا سردار بھی خود ان ہی جیسا ہے، شان میں کوئی اونچا ہے نہ نیچا اور نہ ہی ان کے آقا اور غلام کے درمیان کوئی تمیز کی جا سکتی ہے۔ نماز کا وقت آجاتا ہے۔ تو سب کے سب پانی سے منہ، ہاتھ اور پاؤں دھو کر شریک ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا۔ اپنی نماز میں بھی وہ عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔"

مقوقس نے اپنے سفیروں کی یہ باتیں سنیں تو یہاں تک متاثر ہوا کہ بجز اس اعتراف کے اُسے کچھ بن نہ پڑا۔

"قسم ہے اُس ذات کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اگر یہ لوگ پہاڑ سے بھی ٹکرا لیں گے تو اسے بھی اپنی جگہ سے ہٹا کر چھوڑیں گے۔ ان کا مقابلہ کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ اگر آج ہم انہیں اس حال میں بھی آمادہ صلح نہ کر سکے جبکہ وہ دریائے نیل کے نرغہ میں آئے ہوئے ہیں تو پھر اِس نرغہ سے جانے کے بعد کسی میدان میں بھی اُنہیں جھکایا نہ جاسکے گا۔"

مقوقس نے اس کے بعد ایک اور سفارت عمروؓ کے پاس بھیج کر درخواست کی کہ "اپنے آدمی ہمارے پاس بھیجو۔ تاکہ ہم ان کے ساتھ ایسی شرائط پہ معاملہ طے کر لیں۔ جن میں تمہارے لئے بھی بہتری ہو اور ہمارے لئے بھی۔"

چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عبادہؓ بن صامت کی قیادت میں دس مسلمانوں کی سفارت ترتیب دی اور سیاہ فام عبادہؓ کو ان سب کی طرف سے متکلم بناتے ہوئے ہدایت کی کہ ردمی خواہ کچھ بھی شرائط پیش کریں لیکن تم اُن تین شرائط کے سوا کسی شرط کو قبول نہ کرنا جو میں نے اپنے مراسلے میں اُس کے پاس بھیج دی ہیں۔

یہ سفارت مقوقس کے پاس پہنچی تو وہ سیاہ فام عبادہؓ کو دیکھ کر چلایا کہ "اس کالے کو مجھ سے دُور رکھو۔ اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی بات کرنے کے لئے آگے آئے۔" پوری سفارت نے یک جان ہو کر جواب دیا کہ "یہی کالا آدمی علم وفضل اور مشورہ و رائے میں ہم سب سے بہتر ہے۔ ہمارے سپہ سالار نے اس کو کچھ ہدایات دے کر ہمارا سردار مقرر کیا ہے اور ہم پر اس کی اطاعت لازم کی ہے۔"

آخر عبادہؓ ہی نے مقوقس کے ساتھ بات چیت کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ:۔

عبادہ:۔ "ہم اپنے جن ساتھیوں کے نمائندے بن کر یہاں آئے ہیں ان میں ایک ہزار آدمی تو ایسے ہیں جو مجھ سے بھی زیادہ سیاہ فام ہیں۔ لیکن ہمارا ایک ایک آدمی بہادر بھی ایسا ہے کہ سو سو آدمیوں کے یکبارگی حملے کو ناکام بنا سکتا ہے۔ اور اس شجاعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم اللہ کے دشمنوں سے کسی دنیاوی لالچ کے لئے جہاد نہیں کرتے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہمارا آخری مقصد ہوتا ہے۔ دُنیا کی دولت ہماری نگاہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جسے دنیا کہتے ہیں اس میں آدمی کا حصہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کہ بھوکا ہو تو ایک لقمے سے اپنا پیٹ بھر لے اور ننگا ہو تو ایک چادر سے اپنا بدن چھپا لے۔ اصل نعمت اس دنیا کی نعمت نہیں ہے اس دوسری دنیا کی نعمت ہے جسے آخرت کہا جاتا ہے۔ اور اصل فراخی بھی دنیا کے بجائے آخرت ہی کی فراخی ہے۔"

مقوقس نے عبادہ کی تقریر سے حیرت زدہ ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"کیا تم نے اس آدمی جیسی باتیں کبھی سنیں۔۔۔۔۔۔ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گویا اللہ تعالیٰ ہی نے زمین کی تباہی اور بربادی کے لئے نکال کر بھیجا ہے ۔ !"

مقوقس (عبادہ سے)

"بھلے آدمی ہیں تے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو تو نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں کہا ہے ۔ اب تو بھی سُن لے ۔ اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم لوگوں نے زمین کے جس حصہ پر قبضہ جمایا اور جو جو علاقے فتح کیے ہیں وہ سب دنیا کی محبت اور لالچ ہی میں کیے ہیں۔ کان کھول کر سن لے رومی بہادروں کی جنگ آزمودہ افواج جو اعداد و شمار سے باہر ہیں ہماری امداد اور تمہاری گوشمالی کے لیے روانہ ہو چکی ہیں اور ہم تک پہنچنے ہی والی ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ تمہاری مٹھی بھر کمزور جمعیت اُن کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتی ۔ اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنا دنیاوی لالچ پورا کر لو اور صلح کے ذریعے جنگ کا خاتمہ کر کے اپنے ملک کی طرف سلامتی کے ساتھ واپس لوٹ جاؤ۔ ہم تمہارے ہر سپاہی کو دو دو اشرفیاں، سپہ سالار کو سو اشرفیاں اور خلیفہ کو ایک ہزار اشرفیاں دینے کے لئے تیار ہیں۔ نقد وصول کر لو اور اپنے علاقوں کی طرف واپس چلے جاؤ۔"

اس تقریر کا زخمت مۂ حقارت کے ساتھ (م) عبادہؓ نے یہ جواب دیا :۔

"اُسے مردکِ رومی ! آنکھیں کھول، اپنے نفس اور اپنے ساتھیوں کو اندھیرے میں نہ رکھ تو نے جو ہمیں ضعف اور قلت تعداد کا طعنہ دیتے ہوئے رومی سپاہ کی کثرت سے ڈرانے کی کوشش کی ہے تو یقین کر لے کہ ہم ان باتوں کو خاطر میں لانے والے نہیں ہیں ہم لوگ دشمن کی کثرت تعداد سے خوفزدہ ہونے کے بجائے شوق زدہ ہوتے ہیں اس لیے کہ اپنے گھروں سے زندگی کی تلاش میں نہیں بلکہ موت کی تلاش میں نکلے ہیں ۔ ہم نے اپنے پروردگار کے سامنے اُس حالت میں سب سے زیادہ سُرخرو ہوں گے۔ جب اپنے سب مجاہدین کو اس کے راستے میں ایک ایک کر کے قربان کرتے ہوئے اپنی جانوں کا حساب بے باق کر دیں گے ہمیں اس کے سوا کوئی دوسری کامیابی پسند ہی نہیں ہے ۔ ہم تمہاری سرزمین پر دو غنیمتوں میں سے ایک غنیمت ضرور حاصل کریں گے (۱)، دُنیا کی غنیمت ــــــ تم لوگوں کو شکست دے کر (۲)، آخرت کی غنیمت ــــــ اپنا آخری قطرۂ خون بہا کر ۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ ہم دشمن کی کثرت اور سازوسامان سے مرعوب

ہو کر بھیڑ بکری کی طرح ذبح نہیں ہوں گے۔ بلکہ اپنا پورا پورا فرض ادا کر کے قربان ہوں گے
اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ فرما کر ہمارے دلوں سے قلت اور کثرت کا احساس قطعاً
مٹا دیا ہے اور فتح و نصرت کا دارومدار صرف صبر و ثبات پر رکھا ہے۔ یاد رکھو ہمیں
زندہ رہنے سے زیادہ مرنے کی تمنا ہے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے مال منال، بیوی
بچوں اور دوست احباب سب کو اللہ کی حفاظت میں دے کر اور اُن کی محبت و
کفالت سے آزاد ہو کر اپنے وطن سے نکلتا ہے۔ اور اس کے بعد میدانِ جہاد میں بھی
صبح و شام اُس کی یہی دُعا ہوتی ہے کہ "اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے وطن اور
اہلِ وطن کی طرف نہ لوٹا اور اپنے راستے میں قربان ہو جانے کا مرتبہ نصیب کر" مختصر یہ
کہ ہمارا مقصد و مدعا اور ہماری منزل آگے ہی کی طرف ہوتی ہے پیچھے کی طرف نہیں۔
اب سوچ لے اے مردک رومی جو کچھ تجھے سوچنا ہے۔ ہماری طرف سے تو دوٹوک
فیصلہ ہے۔ اسی فیصلہ کا ہمارے سالار نے حکم دیا ہے۔ اسی فیصلہ کی تربیت ہم نے اپنے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل کی ہے۔ اور یہ فیصلہ وہی ہے جس کا
اظہار ہمارے سپہ سالار نے اپنے مراسلہ میں تم پر کر دیا ہے یعنی تین میں سے ایک.....

مقوقس نے ایک بار پھر عبادہ کو اپنی پیش کش پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن عبادہ نہ مانے اور آسمان کی طرف پناہ کے ہاتھ اٹھا کر فرمایا:۔

"اس آسمان کے مالک کی قسم نہیں نہیں۔ اس زمین کے مالک کی قسم کبھی نہیں، اس تمام
کائنات کے پروردگار کی قسم ہرگز نہیں۔ تین میں سے ایک کے سوا کوئی شرط قابلِ قبول نہیں
ہے اب تم اُن میں سے جونسی چاہو اپنے لئے پسند کر لو۔"

عبادہ سے مایوس ہو کر مقوقس نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور مسلمانوں کے ساتھ صلح کرنے کا مشورہ دیا[1]

---

[1] اس کا راوی ہیکل ہے (کتاب الفاروق جلد ۲ صفحہ ۱۱۱) ــــ لیکن بٹلر نے اپنی کتاب فتح العرب لمصر صفحہ ۱۹۱ میں ہیکل کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مقوقس نے جب اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو اس کے ساتھیوں نے جواب دیا "جہاں تک پہلی شرط کا تعلق ہے ہم مسیحی دین کو چھوڑ کر ایک ایسا دین ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ جس کا ہمیں کوئی علم ہی نہیں ہے دوسری شرط کی بابت یہ ہے کہ جب ہم مسلمانوں کے باجگذار اور مطیع ہو جائیں گے تو گویا ان کے غلام بن جائیں گے اس سے
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ساتھیوں نے پوچھا :- "پھر کونسی شرط پر صلح کا ہاتھ بڑھایا جائے ؟"

مقوقس نے جواب دیا :- "جہاں تک پہلی شرط یعنی قبول اسلام کا تعلق ہے ، میں اس کے حق میں تو نہیں ہوں رہی دوسری شرط یعنی جنگ سو میں اس کی طاقت بھی تم لوگوں میں نہیں پاتا - اب رہ گئی تیسری شرط یعنی تابعداری اور جزیہ تو اس پر غور کر لیا جائے "

ساتھی بولے :- گویا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم ہمیشہ کے لئے ان کی غلامی کا طوق پہن لیں -

مقوقس نے کہا :- ہاں تم نام کے غلام ہو جاؤ گے . لیکن فی الحقیقت اپنے علاقوں پر حکمران رہو گے تمہاری املاک ، اولاد اور جانیں محفوظ ہوں گی - اور یہ حالت اس حالت سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ تم میدان جنگ میں قید ہو کر ہمیشہ کے لئے غلام بنا لئے جاؤ اور منڈیوں میں بازار کے بھاؤ بکتے پھرو پھر تمہارے بعد تمہاری نسلوں کا بھی حشر یہی ہوتا رہے - یا پھر بصورت دیگر میدان جنگ میں ایک ایک کر کے قتل کر دیئے جاؤ اور اس طرح تمہارا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے -

لیکن ساتھیوں نے اس کی اس رائے کو ٹھکرا دیا - اور یہ کہہ کر کہ "غلامی سے ہر حال میں موت ہی بہتر ہے" جنگ ہی کا فیصلہ کر لیا -

مہلت | سرکردہ رومیوں کی طرف سے ایک تیسری بات یہ بھی پیش کی گئی کہ شرائط صلح پر مزید غور و فکر کرنے کے لئے مسلمانوں سے ایک ماہ تک جنگ ملتوی کرائی جائے - لیکن عمروؓ بن عاص نے انہیں ایک مہینہ کے بجائے صرف تین دن کی مہلت دی -

قلعہ کی فوج کو جب مقوقس کی مصالحانہ گفت و شنید کا علم ہوا تو وہ اس سے بگڑ گئی اور جنگ ہی پر مصر رہی - اور اتوار کے ان تین ایام میں عربوں کے مقابلہ کے لئے پوری طرح ہتھیار بند ہو گئی -

مقابلے | چوتھے دن ابھی مسلمانوں کے سپہ سالار عمروؓ بن عاص آئندہ کے لئے نقشۂ جنگ پر غور ہی کر رہے تھے کہ اچانک رومی افواج قلعہ سے نکل کر ان پر ٹوٹ پڑیں - لیکن عرب بھی ایسے شب خونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تو ہمارے لئے مر جانا ہی بہتر ہے" ——— اس کے جواب میں عبادہؓ نے فرمایا تھا کہ "جزیہ ادا کرنے کے بعد تمہاری جان مال اور اولاد محفوظ ہوں گے اور تم اپنے اپنے علاقوں میں حکومت پر قابض اور متصرف بھی رہو گے - تمہاری وراثتیں بھی ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتی رہیں گی - تمہاری عبادت گاہیں محفوظ اور آزاد ہوں گی اور تمہارے دین کے معاملہ میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی" ——— مقوقس نے عبادہ کی یقین دہانی کو سنا تو اس کا دل اطاعت کی طرف مائل ہوا - لیکن باقی عیسائیوں نے اسکندریہ کے رومی جرنیل کے ساتھ اتفاق نہیں کیا -

اور چھاپہ مار حملوں سے اچھی طرح نبٹنا جانتے تھے آن کی آن میں وہ بھی مسلح ہو کر رومیوں سے گتھم گتھا ہو گئے اور اس بے جگری اور چابک دستی کے ساتھ لڑے کہ رومیوں پر بدحواسی چھا گئی اور وہ بھاری جانی و مالی نقصان اٹھا کر میدان سے بھاگ گئے اور قلعہ کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

صلح مقوقس | رومیوں کی اس گوشمالی نے مقوقس پر صلح کے موقف کو ایک بار پھر واضح کر دیا۔ اور اس نے وقت ضائع کیے بغیر اپنی قوم کو جزیہ اور اطاعت پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی جسے قوم نے با دلِ ناخواستہ منظور کر لیا۔ جس پر مقوقس نے عمرو کے پاس مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

عمرو! مجھے امان دیدو۔ مجھ سے خود ملاقات کرو۔ ملاقات کے وقت چند آدمی ہمارے اور چند آدمی تمہارے ہمراہ ہونے چاہئیں اگر بات کسی ٹھکانے پر پہنچ گئی تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

عمروؓ کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ مقوقس کی امان طلبی کو مسترد کر دیا جائے۔ لیکن عمروؓ نے حضرت عمرؓ کے فرمان کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں مطمئن کر دیا اور کہا کہ تم نہیں جانتے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے مجھ سے کیا عہد لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر دشمن تین شرائط میں سے کسی شرط پر معاہدہ کرنا چاہے تو اسے قبول کرنے میں کبھی تامل نہ کرنا"

چنانچہ رومیوں اور عربوں کے درمیان مندرجہ ذیل شرائط پر صلح طے پا گئی۔

۱۔ قلعہ رومیوں کے پاس رہے اور اسلامی فوجیں اپنی جگہ پڑی رہیں۔

۲۔ سرزمین مصر کے تمام باشندے عام اس سے کہ وہ بالائی مصر سے تعلق رکھتے ہوں یا نشیبی مصر سے، رومی ہوں یا قبطی بلا امتیاز خاص و عام دو دینار فی کس جزیہ ادا کریں۔ مگر اس حکم میں عورتیں نابالغ بچے اور ناکارہ بوڑھے شامل نہیں ہیں۔

۳۔ اس صلح نامے پر شہنشاہ روم ہرقل کی منظوری حاصل کی جائے۔ جس کی ذمہ داری مقوقس پر ہوگی مقوقس نے اسکندریہ پہنچ کر ہرقل سے درخواست کی کہ سرزمین مصر کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لئے اس صلح نامے پر دستخط کر دے جو ہم نے آپس میں طے کر لیا ہے۔[1]

---

[1] نیقفروس (Nicephorus) نے اپنی کتاب میں ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ مقوقس نے ہرقل کو اس بات کا مشورہ بھی دیا تھا کہ اپنی بیٹی او دبقیا (Eudocia) کو عمروؓ بن العاص کے نکاح میں دے دے جس کے اثر سے شاید وہ ہمارے مذہب (نصرانیت) کو قبول کر لے ـــــ لیکن یہ روایت غیر مصدقہ ہونے کے علاوہ عقل اور قیاس (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہرقل صلح نامے کی شرائط پڑھ کر گہری سوچ میں پڑ گیا اور کچھ اس قسم کے سوالات نے اس کے دل و دماغ کو ماؤف کر دیا :-

۱۔ یہ صلح صرف قلعہ بابلیون کے ساتھ مخصوص ہے یا تمام سرزمین مصر بشمول اسکندریہ پر حاوی ہے ؟

۲۔ جزیہ وصول کرنے کے بعد عرب اپنے ملک کی طرف لوٹ جائیں گے یا یہیں موجود رہیں گے۔ ؟

۳۔ کیا اس معاہدے کی رو سے ملک مصر رومیوں کی قیادت سے نکل کر عربوں کی قیادت میں داخل ہو جائے گا جس کے بعد عرب اور صرف عرب ہی اس سرزمین کے حکمران کی حیثیت سے اس کے خراج اور دوسری برکتوں سے مالا مال ہوا کریں گے ؟

ان سوالات کے جوابات اس نے مقوقس سے طلب کیے۔ اور مقوقس نے مندرجہ ذیل بنیادوں پر اپنے مصالحتی نقطۂ نظر کی ترجمانی کی۔

۱۔ "عربوں کو مستقبل میں کسی وقت مصر سے نکلنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔

۲۔ ادا کیا جانے والا جزیہ اسکندریہ کی منڈیوں اور سامانِ تجارت سے وصول کر لیا جایا کرے گا جس سے ملکی خزانے پر کوئی خاص بوجھ نہ پڑنے پائے گا۔

۳۔ رومیوں میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ عربوں کو جنگ میں شکست دے سکیں۔ اس لئے کہ عرب دین کے لئے لڑتے ہیں دنیا کے لئے نہیں لڑتے۔ اور انہوں نے اپنی ضروریاتِ زندگی کو نہایت محدود کر رکھا ہے۔ وہ صرف معمولی غذا کھاتے ہیں اور انہوں نے اپنے لباس کو ایک چادر سے آگے نہیں بڑھایا ہے۔ جس سے وہ اپنا بدن چھپا لیتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ موت ہی کے فرزند ہیں جنہیں موت کی گود میں جانے کی ہر وقت آرزو رہتی ہے۔ اور قتل ہو جانے کا شوق بھی محض اس لئے رکھتے ہیں کہ یہی ان کے نزدیک جنت حاصل کرنے کا ایک یقینی راستہ ہے"

مقوقس نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے لکھا کہ :-

" اگر آپ اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کی شمشیر زنی کا مشاہدہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ انہیں شکست دینا غیر ممکن نہیں تو آسان بھی نہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے اب اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں کہ عمروؓ کے ساتھ صلح کر لیں قبل اس کے کہ وہ قلعہ کو بزور شمشیر فتح کر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے کہ مقوقس اتنا بے وقوف ہرگز نہیں تھا کہ وہ عمروؓ بن عاص جیسی باکردار شخصیت سے اس بات کی امید رکھتا کہ وہ ایک لڑکی کی خاطر اپنے دین کو چھوڑ دے گا۔ وہی دین جس کی سربلندی کے لئے وہ اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھر رہا تھا۔

تمام علاقے کو اپنے لیے مالِ غنیمت بنا لے"

ہرقل مقوقس کے اس جواب سے نہایت غضبناک ہوا اور اُسے کہا کہ تم نہایت غدار بے وفا اور بزدل ہو اور ہرگز مصر کی گورنری کے قابل نہیں"

ہرقل کو اپنی فوجی طاقت پر گھمنڈ تھا اور اس کے لئے اس سے زیادہ توہین اور کیا ہو سکتی تھی کہ اُس کی ایک لاکھ فوج کو صرف بارہ ہزار عربوں سے شکست کھا جانے کا طعنہ دیا جائے

صلح کا خاتمہ عربوں کو بھی صلح کے اس حشر کا پتہ چل گیا۔ اور جنگ کے حالات پھر عود کر آئے[1]

جوں جوں دریائے نیل اور خندق کا پانی اُتر رہا تھا۔ رومیوں کے عزائم اور امیدوں کی سوتے بھی خشک ہوتے جاتے تھے۔ اور جب خندق پانی سے بالکل خالی ہو گئی تو رومیوں کی جان بھی گویا نکل گئی اور انہوں نے آخری سنبھالا لینے کے لیے خندق میں فولاد کے کانٹے بھر دیئے۔ خاص طور پر قلعہ کے دروازوں کے سامنے۔ تاکہ عرب ان کو عبور کر کے قلعہ کی فصیل تک نہ پہنچ سکیں۔

اب سردی کا موسم تقریباً ختم ہو رہا تھا اور محاذ کے عمومی حالات حسب ذیل تھے :۔

۱۔ اہل قلعہ میں ایک وبا پھیل گئی جس سے اُن کی تعداد میں نمایاں کمی واقع ہو گئی۔

۲۔ اب تک کسی طرف سے قلعہ والوں کو فوجی امداد نہیں پہنچی ۔

۳۔ عرب گرد و نواح کے علاقوں پر حملے کر کے اپنے خون کو گرم اور طاقت کو بڑھاتے رہے ۔

۴۔ فروری ۱۴۱ء میں ہرقل شاہِ روم مر گیا اور اس کی موت کے ساتھ ہی رومیوں کے بچے کھچے حوصلے بھی پست ہو گئے[2] ۔

سیوطی نے ہرقل کی موت کا ذکر کرتے ہوئے کیا عمدہ فقرہ کہا ہے (نقل منکسر اللہ الر دم رحمونہ) یعنی ہرقل کی موت سے اللہ تعالیٰ نے رومیوں کی کمر توڑ دی۔ دوسری طرف اُس کی موت نے عربوں کے حوصلوں کو پہلے سے کئی گنا زیادہ بلند کر دیا اور انہیں قلعہ کے بہت جلد فتح ہو جانے کا یقین ہو گیا۔

۵۔ عرب برابر اس کوشش میں تھے کہ کسی تدبیر سے خندق کی دیوار میں شگاف پیدا کر کے اندر جانے کا راستہ بنایا جائے۔

۶۔ فریقین کا مقابلہ زیادہ تر تیر اندازی کی صورت میں ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی رومی قلعہ سے باہر

---

[1] ایک روایت کے مطابق یہ واقعات دسمبر ۶۴۰ء میں پیش آئے۔

[2] بعض روایات کے مطابق ہرقل کی موت مارچ ۶۴۱ء میں واقع ہوئی۔

بھی آتے تھے اور عربوں کے شدید حملے کی تاب نہ لاکر دوبارہ قلعہ بند ہو جاتے تھے۔

رومیوں کے حملے | (۱) ایک دفعہ محافظین قلعہ کی ایک جماعت نے عبادہؓ اور زبیرؓ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ تو ان پر بے خبری کی حالت میں حملہ کر دیا۔ لیکن مسلمان فوراً گھوڑوں پر سوار ہوتے اور حملہ آوروں پر جھپٹ پڑے اور انہیں قلعہ کی طرف بھگا دیا۔ وہ بھاگے ہوئے راستے میں زیورات پھینکتے گئے تاکہ مسلمان ان کے جمع کرنے میں مشغول ہو جائیں اور وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر قلعہ میں داخل ہو جائیں ــــ اسی موقع پر حضرت عبادہؓ کو پتھر لگنے سے ہلکا سا صدمہ بھی پہنچا تھا[1]

۲۔ ایک اور موقع پر سب مسلمان جمعہ کی نماز کے لئے جمع تھے اور عمروؓ بن عاص جہاد کا خطبہ دے رہے تھے۔ ایک رومی نے اس کی خبر اپنی قوم کو کر دی۔ جونہی عمروؓ نے خطبہ ختم کر کے نماز کی نیت باندھی تو اچانک رومیوں کی فوج نے قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر بحالت نماز حملہ کر دیا جبکہ وہ سب کے سب غیر مسلح تھے[2]

سمنود کی جنگ | عمروؓ کو خبر ملی کہ رومیوں نے زیریں مصر میں نیل کی دو شاخوں کے درمیان تھیوڈور کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک فوج جمع کی ہے۔ تو انہوں نے دشمن کی نقل و حرکت شروع ہونے سے پہلے ہی اس کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کر لیا۔ فوج کے ایک حصہ کو قلعہ کے محاصرہ پر برقرار رکھا اور باقی فوج کو اپنے ساتھ لے کر نیل کی مشرقی شاخ کو اتریب کے مقام پر عبور کرتے ہوئے سمنود کی طرف روانہ ہو گئے۔

تھیوڈور نے شہر کی حفاظت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دو سپہ سالاروں کو بھیجا۔ یہ دونوں پہلے شہر کے محافظ دستے کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ ہمارے ساتھ مل کر عربوں سے جنگ کریں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ دونوں اپنی افواج کو لے کر شہر سمنود سے کچھ فاصلے پر صف آرا ہو گئے۔ اور ایسی سخت جنگ کی کہ مسلمانوں پر ان کا پلہ بھاری رہا اور مسلمانوں کو معقول جانی نقصان

---

[1] اس واقعہ کا ذکر ابوالمحاسن نے النجوم الزاہرہ میں بھی کیا ہے۔ لیکن اس نے عبادہؓ کے ساتھ زبیرؓ کا ذکر نہیں کیا

[2] یہ روایت واقدی کی ہے۔ جو نہایت جھوٹا اور کذاب ہونے کے علاوہ عقل و خرد سے بھی عاری ہے۔

یہ روایت گھڑتے ہوئے اسے اس بات کا خیال نہ آیا کہ عمروؓ جیسا ہوشیار اور مدبر سپہ سالار کس طرح ایسی غلطی کر سکتا تھا کہ ساری فوج کے ساتھ نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ دشمن سے جنگ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے دوچار ہونا پڑتا۔اس واقعہ کے بعد عمروؓ نے اندازہ کر لیا کہ شمالی مصر کی فتوحات آسان نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اس علاقے میں نہروں، خندقوں اور قلعوں کا عام رواج ہے جن کے سر کرنے کا سامان ہمارے پاس نہیں ہے۔ چنانچہ وہ واپس ہو گئے۔ اور راثریب اور منوف کے قلعوں کی مرمت کرتے ہوئے واپس بابلیون کے محاصرہ میں شامل ہو گئے۔ مگر تھیوڈور میں اُن کا تعاقب کرنے اور جنگ کا تسلسل قائم رکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

فتح عظیم | بابلیون کے محاصرے کو سات ماہ گزر چکے ہیں۔ اور عرب بھی اس کے طول سے کچھ اکتاتے جا رہے ہیں۔ اسی حال میں ایک چمک پیدا ہوئی۔ عرب کے مشہور بہادر اور شہادت کے آرزومند زبیرؓ بن العوام لوگوں کے درمیان کھڑے ہوتے اور فرمایا کہ "آج میں ارادہ کر چکا ہوں کہ اللہ کے راستے میں اپنی جان کو قربان کر دوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح و نصرت کا ذریعہ بنا دے گا۔"

چنانچہ وہ رات کے وقت چند ساتھیوں کو لے کر آغوش ظلمت[1] میں چھپے ہوئے قلعہ کی دیوار کے قریب پہنچے۔ اور فصیل پر ایک سیڑھی[2] لگا کر اوپر چڑھ گئے۔ قلعہ پر پہنچ کر تکبیر بلند کی۔ ساتھ ساتھ دوسرے ساتھی بھی قلعہ پر پہنچ گئے۔ اور فصیل کو اپنے پاؤں سے روندتے ہوئے سب نے مل کر تکبیر کا نعرہ بلند کر دیا۔ باہر کے مسلمانوں نے بھی اُن کی ہم نوائی کی۔ تکبیر کے نعروں نے قلعہ والوں کو یقین دلا دیا کہ عرب قلعہ میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے وہ دروازہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ زبیرؓ نے اندر سے دروازہ کھولا اور مسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے۔[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صحابہ کرام کا عام قاعدہ تھا کہ فوج کا ایک حصہ دشمن سے جنگ کے لئے تیار رہتا تھا اور دوسرا حصہ نماز ادا کرتا تھا۔ اس کے بعد دوسرا فریق نماز میں مشغول ہو جاتا تھا اور پہلا فریق اس کی حفاظت کرتا تھا۔ پس ایسے مشہور اور متداول طریقہ کے خلاف حضرت عمروؓ بن العاص کس طرح کر سکتے تھے۔ (محمد احمد)

[1] رات کے وقت حملہ کی روایت میں یعقوبی منفرد ہے جلد ۲ صفحہ ۱۶۱) ورنہ سیوطی کے بیان کے مطابق زبیرؓ کا حملہ شام کے وقت ہوا تھا (صفحہ ۴۲)

[2] مقریزی نے لکھا ہے کہ عربوں نے جس جگہ سیڑھی لگائی تھی، اُس کا نام سوق الحمام تھا —— ابوالمحاسن نے اس کی تائید کی ہے۔ لیکن یاقوت کہتا ہے کہ وہ جگہ سوق کے قریب تھی —— ابن بطریق راوی ہے کہ وہ جگہ قلعہ کے جنوب میں تھی۔ بلاذری اسی کا مؤید ہے کیونکہ اس نے لکھا ہے۔ کہ زبیرؓ شمال سے آیا تھا اور دوسری جانب سیڑھی لگائی تھی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سالارِ قلعہ جورج فوراً عمروؓ کی خدمت میں اہل قلعہ کے لیے امن و سلامتی اور صلح کی درخواست کے لیے حاضر ہو گیا جسے عمروؓ نے قبول کر لیا لیکن حضرت زبیرؓ نے ان سے اختلاف رائے کرتے ہوئے عرض کیا کہ اگر آپ ذرا صبر کرتے تو میں فصیل سے اتر کر قلعہ میں داخل ہو جاتا اور پھر سب کچھ آپ کی عین مرضی کے مطابق ہوتا۔"

لیکن عمروؓ نے صلح نامہ میں یہ شرط داخل کر دی تھی کہ رومی فوج تین دن کے اندر اندر قلعہ کو خالی کر دے گی اور اس کا جملہ سامان رسد اور اسلحہ وغیرہ ہمارے لیے مال غنیمت ہوگا۔

فتح کے بعد | جنگ کے خاتمہ اور قلعہ کی تسخیر کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ بھی سن لیجیے :۔

ا۔ رومی اپریل ۶۴۱ء کی چھ تاریخ کو عید فصیح کے دن قلعہ سے نکلے اور اس حال میں نکلے کہ ان کے دلوں میں اس دن کا کوئی احترام موجود نہ تھا۔ بلکہ الٹا انہوں نے اس دن کو مصر والوں کے لیے بجائے خوشی کے ماتم اور مصیبت کا دن بنا دیا تھا۔ اور اب وہ انہیں بھی اپنے ساتھ جلا وطنی میں کھینچ کر لیجانا چاہتے تھے۔ حالانکہ ان رومیوں نے ان پر اپنے وقت میں مظالم ڈھائے اور قید و بند کی سزائیں دینے حتیٰ کہ ان کو مثلہ کرنے میں دریغ نہیں کیا تھا۔

بشپ مصری حنا نقیوسی نے اپنے دیوان[1] میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"مسیح کے اصلی دشمن خود مسیحی ہیں جنہوں نے نئی نئی بدعات سے دین کو ناپاک کیا اور عوام الناس کے ایمان کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے مسیح کی کھلی نافرمانی کرتے ہوئے دوسرے اپنے ہی جیسے مسیحیوں کو غلام اور ذلیل بنایا اور یہ اتنا بڑا صدمہ تھا۔ جس سے بڑا صدمہ بتوں کے پوجنے والے بھی مسیحیت کو نہیں پہنچا سکے"۔

۲۔ قلعہ میں قبطی افواج کی ایک کثیر تعداد باقی رہ گئی۔ اور جب انہوں نے عربوں کی سادگی اور پھٹے پرانے لباسوں کا مشاہدہ کیا۔ کہنے لگے کہ "ہائے! اب ہماری قسمت میں ایسے نیم برہنہ اور خستہ حال لوگوں کی غلامی لکھی ہے۔ جو بہت ہی ذلیل اور کم حیثیت ہیں"۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

؎ عربوں کا یہ حملہ جمعہ کے دن ہوا۔ جس کے دو دن بعد مورخہ ۶ اپریل ۶۴۱ء کو عید فصیح کا دن تھا۔ اور اسی دن رومیوں نے قلعہ خالی کیا تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ زبیرؓ جب قلعہ کے اندر داخل ہو گئے تو صلح پسند اہل قلعہ نے خود اپنے ہاتھوں سے قلعہ کا دروازہ کھولا۔ اور پھر زبیرؓ کی معیت میں وہ عمروؓ کے پاس پہنچے۔

[1] ص ۵۶۷

عمروؓ کو ان کے اِن احساسات کا علم ہوا تو انہوں نے قبطی شرفا کو دو روزہ دعوتِ طعام پر مدعو کیا۔ پہلے دن عربوں کے مذاق کے مطابق اونٹ کے گوشت کا صرف پانی اور نمک والا شوربہ تیار کیا جسے عرب نوچ نوچ کر کھانے لگے۔ قبطی اس وحشت ناک منظر کی تاب نہ لاسکے اور بغیر کچھ کھائے پیئے واپس چلے گئے۔ دوسرے دن مصری رواج کے مطابق طرح طرح کے لذیذ کھانے تیار کرائے گئے جنہیں قبطیوں نے خوش ہو کر کھایا پیا۔

اِس کے بعد عمروؓ قبطیوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:-

"یقین رکھو کہ تم ہمارے پڑوسی ہو اور پڑوس کی رعایت رکھتے ہوئے میں اپنے معاہدوں کا پوری طرح پابند رہوں گا۔ مجھے تمہارے اُن ناگوار اور پوشیدہ احساسات کا بخوبی اندازہ ہے جن کی بنا پر تم اطاعت سے نکل جانے کی غلطی کر سکتے ہو۔ دیکھو ایسا اقدام تمہارے لئے ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔ میں نے دو دن کی ضیافت میں تمہیں اس بات کا مشاہدہ کرادیا ہے۔ کہ جزیرۂ عرب میں ہماری معیشت اور خوراک کتنی گھٹیا تھی اور تمہارے ملک میں آکر ہمیں کیسے کیسے اعلیٰ اور مرغن کھانے میسر آگئے ہیں۔ تو کیا اب تمہیں ہماری ذات سے یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ ہم جیتے جی اس سرزمین کو آسانی کے ساتھ چھوڑ دیں گے؟ دیکھو اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یا اسلام میں داخل ہو کر ہمارے برابر کے بھائی بن جاؤ۔ ورنہ پھر جزیہ منظور کر کے اپنی اپنی بستیوں کو چلے جاؤ"[1]

قبطی رخصت ہوئے تو آپس میں اس قسم کی سرگوشیاں کر رہے تھے کہ عربوں کو شکست نہیں دی جاسکتی۔ اور اب ہم پوری طرح اُن کے قدموں کے نیچے پامال ہو چکے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو جب عمروؓ بن عاص کی اس تقریر کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ "سب لوگ تو تلوار سے جنگ کرتے ہیں لیکن عمروؓ اپنی زبان کے ذریعہ جنگ کرتا ہے"[2]

---

[1] طبری نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ "عمروؓ نے تیسرے دن اہلِ مصر کو بلایا اور ان کے سامنے اپنی فوج کو آراستہ کر کے اُن سے اس طرح خطاب کیا کہ "عربوں کی معاشرت اور معیشت کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں کچھ وساوس اُبھر رہے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہاری ہلاکت کا پیش خیمہ نہ بن جائیں۔ اس لئے میں نے تمہیں عربوں کی تینوں حالتوں کا مشاہدہ کرا دیا ہے کہ وہ اپنے جزیرہ میں کیا تھے۔ مصر میں آکر کیا بن گئے اور
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳۔ قبطیوں نے عربوں کی شوکت دیکھی تو نرم پڑ گئے اور اطاعت اختیار کرلی۔ بعض ان میں سے اسلام قبول کرکے مسلمانوں کے بھائی بن گئے اور جملہ حقوق و مراعات میں برابر کے شریک ہوگئے۔ جزیہ کی وصولی وغیرہ میں بھی انہوں نے مسلمانوں کی بہت مدد کی۔

۴۔ قبطیوں کے علاوہ کچھ رومی بھی فوجیوں اور غیر فوجیوں میں سے داخلِ اسلام ہوئے۔

واقعات سے اخذ کردہ نتائج | یہ حالات تھے جنہوں نے عمروؓ بن عاص کی شخصیت کو مفتوحہ علاقوں میں مضبوط کردیا اور آئندہ فتوحات کے لئے راستے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ فراعنہ کی یہ سرزمین قیامت تک کے لیے اسلام کی سرزمین بن گئی۔

۱۔ محاصرہ | اس جنگ میں عمروؓ بن عاص نے جارحانہ حیثیت اختیار کی اور رومیوں نے مدافعانہ۔ ایک طرف محاصرے کی ناکہ بندی نے رومیوں کے لیے بیرونی امداد کے تمام ذرائع بند کر دیئے تو دوسری طرف قیدیوں کی طرح محبوس رہنے کی وجہ سے ان کے مردانہ اور بہادرانہ جذبات پر نفسیاتی طور سے برا اثر پڑا۔ اور اس کے بالمقابل مسلمان کھلی فضا میں آزادانہ نقل و حرکت کے ذریعہ اپنی جسمانی قوتوں کو بحال اور برقرار کرتے رہے۔

۲۔ قیادت | عرب عمروؓ بن عاص کی واحد کمان کے تحت لڑ رہے تھے۔ اور ان کے واحد سپہ سالار ہی تدبیرِ جنگ، تنقیدِ جنگ اور محاذِ جنگ سب کاموں کے ذمہ دار تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا لفظ ایک ایک مجاہد کے لئے قانون اور حرفِ آخر تھا ــــ اس کے برخلاف رومیوں پر ایک سے زیادہ قیادتیں مسلط تھیں۔ مقوقس کے علاوہ جارج بھی ان کا کمانڈر تھا۔ اور ان دو کے علاوہ دو اور حقیقی بھائی اودوقیانوس اور دومنتیانوس بھی ان کے کمانڈر رہتے تھے۔ ذمہ داری کی اس تقسیم کا قدرتی نتیجہ یہی ہوا کرتا ہے کہ ذمہ داری کا پورا احساس کسی کو بھی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ عربوں کے ساتھ پہلی ہی ٹکر نے رومیوں کو صلح کی طرف مائل کر دیا ــــ اور پھر اس کے بعد یہ صلح بھی اسی اختلافِ قیادت کی بھینٹ چڑھ کر رہ گئی۔ داعیِ صلح مقوقس اپنی جگہ پر بااختیار تھا اور داعیِ جنگ ہرقل اپنی جگہ۔ دونوں اپنے اپنے موقف پر جمے رہے اور بابلیوں کے صلح نامے پر اس کے دستخط نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جب وہ میدانِ جنگ میں اترتے ہیں تو کیا ہو جاتے ہیں۔"

۲۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "خدا کی قسم عمروؓ کی جنگ بڑی نرم ہے۔ تاہم اس میں دو سروں کی طرح سختی ہے۔ اور نہ جوش و خروش ہے"

ہونے کی وجہ سے اہلِ قلعہ نہ صلح ہی کے فوائد سے بہرہ یاب ہو سکے اور نہ جنگ ہی کر سکے۔

۳۔ باطنی اسباب | جنگ کے میدان میں ظاہری اسلحہ کی طرح کچھ باطنی اسلحہ بھی فیصلہ کن اثر رکھتے ہیں۔ رومیوں کے حوصلے عربوں کے مقابلہ میں پست تھے۔ اور وہ اس حد تک مرعوب تھے۔ کہ جب بھی اُن مجاہدین پر نظر ڈالتے تھے۔ تو حقارت کے بجائے اُنہیں مرعوبیت کی نظر سے دیکھتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کی بے جگری نے اُن کا سبب سے بڑا تعارف رومیوں میں اس طرح کرایا تھا کہ یہ لوگ موت کے شائق، جنّت کے عاشق، دنیا سے متنفر اور فتح مندی سے زیادہ شہادت کو محبوب سمجھتے ہیں۔

دوسری اچھی شہرت جوان کے درمیان عربوں کو حاصل تھی وہ ان کی باہمی مساوات تھی۔ اور جو رومیوں کے درمیان یکسر عنقا اور مفقود تھی۔ چنانچہ اُن کے قلوب کو مسخر کرنے کے لئے ایک ہی نظارہ کافی تھا کہ یہ لوگ زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہتھیلی پر رکھ کر روٹی کھا لیتے ہیں۔ ان کے درمیان بڑے کو چھوٹے اور آقا کو غلام سے الگ نہیں پہچانا جا سکتا۔

۴۔ نصب العین کی حفاظت | تین باتوں میں سے ایک بات مسلمانوں کا متعین نصب العین تھا۔ اسلام۔ جزیہ۔ یا تلوار۔ اسی نصب العین کا تعیّن ان کے خلیفہؓ نے ان کے لئے کر دیا تھا۔ اسی کی پیشکش عمروؓ بن عاص نے مقوقس کو کی تھی۔ اور جب مقوقس نے عبادہؓ بن صامت کا رُخ دوسری طرف پھیرنا چاہا تو اُنہوں نے انہی تین شرائط پر تین زبردست قسمیں کھا کر اُسے یقین دلایا تھا۔ کہ مسلمانوں کے پاس ان کے علاوہ چوتھی کوئی شرط نہیں ہے۔ اور یہی نصب العین تھا کہ جب زبیرؓ نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بابلیون کا دروازہ کھولا اور جارہے تھے اُن سے سبقت کر کے عمروؓ بن عاص سے صلح منظور کرا لی۔ جس پر زبیرؓ نے غضبناک ہو کر عمروؓ سے عرض کی کہ اگر آپ ذرا توقف کرتے تو سارا معاملہ ہماری مرضی کے مطابق ہی ہو جاتا۔ تو عمروؓ بن عاص نے اسی نصب العین کا حوالہ دے کر زبیر کو خاموش اور اپنے فوجی مفاد کو قربان کر دیا تھا۔

۵۔ قبولِ صلح | عمرو بن عاص کے سامنے ہر مرحلہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہا وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (یعنی اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اللہ پر بھروسہ کر کے جھک جاؤ)

مقوقس نے عین دَورانِ جنگ میں صلح کا مطالبہ کیا تو عمرو نے جنگ بند کر دی۔ اور گفت و شنید کو لمبا کرنا چاہا تو اُسے بھی لمبا ہونے دیا۔ پھر جب صلح ناکام ہو گئی تو دوبارہ جنگ شروع کر دی۔

دوسری جھڑپ کے بعد بھی مقوقس نے صلح چاہی تو اس دفعہ بھی صلح کرلی گئی۔ اور اس وقت تک جنگ ملتوی رکھی جب تک مقوقس کی فوجوں نے دوبارہ جنگ شروع نہ کردی۔

معلوم ہوا کہ عمروؓ بن العاص آیت کریمہ کی حدود کا ہر جگہ خیال رکھتے تھے۔ دشمن کے رُک جانے پر رُک جاتے تھے اور دشمن کے بھڑ جانے بھڑ جاتے تھے۔

۶۔ طبعی اسباب قدرتی حالات کو جنگ میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

اس قلعہ کی تسخیر میں زیادہ وقت خرچ ہونے کی بڑی وجہ گرمی کا موسم اور دریا کی طغیانی تھی۔ جب طغیانی ختم اور خندق خشک ہوگئی تو قلعہ کی تسخیر فوراً ہوگئی۔

۷۔ داخلی اسباب رومیوں نے قبطیوں کے جذبات کو اپنے خلاف بھڑکا لیا تھا جس کی وجہ سے اُن میں رومیوں کے رجحانات اور مفادات سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہ گئی تھی۔ اور اس سلسلہ میں سب سے اہم پارٹ خود قیرس نے ادا کیا تھا جس نے اپنے مذہب کی ترویج کے لئے تشدد کے ذرائع استعمال کرنے سے بھی گریز نہ کیا تھا۔ اور اسی کے تشدد کی وجہ سے ایک بہت بڑی مذہبی شخصیت بنیامین کو وطن چھوڑ کر فرار ہوجانا پڑا تھا۔ اسی طرز عمل کا یہ نتیجہ تھا کہ قبطی مصر کی سرزمین میں رومی اقتدار کو ایک لمحہ کے لئے بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے اور اُن کی سب سے زیادہ دعائیں اُس کے زوال کے لئے ہوتی تھیں۔

اسی اندرونی منافرت کا مظاہرہ تھا جب تھیوڈور نے سمنود کی مدافعت کے لئے اپنے دو سپہ سالاروں کو بھیجا اور انہوں نے اہل شہر کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تو انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ ہم عربوں کے مقابلہ میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں۔

مورخین کے بیانات تو یہاں تک ہیں کہ مصر کے قبطی عرب مجاہدین کی افواج میں اتنی کثرت سے شریک ہوئے کہ انہوں نے شہدائے جنگ کی کمی کے کھاتے کو پورا کردیا۔

۸۔ مذہب میدان جنگ میں عرب اگرچہ میدان جنگ میں برسرپیکار ہوتے تھے لیکن وہ اپنے دین۔ تعلیمات دین۔ فرائض دین اور بالخصوص نماز کو کسی حال میں فراموش نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز کی امامت خود فوج کے سب سے بڑے سپہ سالار عمروؓ بن عاص کرتے تھے۔ جیسے کہ ہم اس سے قبل ذکر کرچکے ہیں کہ اہل قلعہ نے دو مرتبہ مسلمانوں پر بحالت نماز حملے کیے۔ پہلی مرتبہ عبادہؓ اور زبیرؓ پر۔ اور دوسری مرتبہ جمعہ کی نماز میں تمام فوج پر۔

اور اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ دین ہی روحانی، جذباتی اور ایمانی محرکات میں سب

بڑا کامیاب محرک ہے جو انسان کے اندر شوق جہاد اور عشق شہادت کا جوش اور ولولہ پیدا کرتا ہے۔

۹۔ شب خون اور سلامتیٔ افواج عمروؓ نے تھیوڈور کی نقل و حرکت سنی تو انہوں نے خیال کیا کہ اس کا فوری تدارک نہ کیا گیا تو وہ بابلیون کے محاصرہ پر اثر انداز ہو کر محصورین کے حوصلے بلند اور محاصرین کے حوصلے پست کر سکتی ہے۔ چنانچہ وہ بلا توقف اپنی فوج کا ایک حصہ قلعہ کے لئے چھوڑ کر باقی فوج کے ساتھ سمنود کے قریب دشمن سے جا ٹکرائے۔ اور جب دیکھا کہ مسلمانوں کی جمعیت رومی سپاہ کے مقابلہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور ایک ہی جھڑپ میں اُن کا کافی نقصان ہو گیا ہے تو نہایت ہشیاری کے ساتھ بقیہ فوج کو بچا کر قلعہ کی طرف لے آئے اور اس مقابلہ سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ تھیوڈور کو مسلمانوں کی شجاعت کا اندازہ ہو گیا اور اُس کی فوجیں نہ تو مسلمانوں کے تعاقب ہی کی جرأت کر سکیں اور نہ قلعہ بابلیون کی مدد کو آگے بڑھ سکیں۔

قلعہ کی دیوار پر چڑھنے کا واقعہ رات کے وقت پیش آیا اور اس مہم کو پوری طرح صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے خبری کے حملے سے دشمن کے حواس پراگندہ ہو گئے اور ان کے قائد نے اُس صلح کی تکمیل میں جلدی کی جس کے لئے وہ بہت پہلے سے تیار تھے لیکن بلا وجہ دیر کر کے مسلمانوں کا وقت ضائع کر رہے تھے۔

۱۰۔ عمروؓ بن عاص کی ایک غلطی اس میں شک نہیں کہ عمروؓ بن عاص نے رُومی سپاہ کو تین دن کے نوٹس سے قلعہ بدر کر کے ایک سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا۔ اور اُن کی یہ فروگذاشت اُن کے اس ارادے کے ساتھ کھلا تعارض رکھتی ہے کہ وہ اپنی افواج کی سلامتی کا پورا لحاظ رکھتے تھے آخر اس میں کیا مصلحت تھی کہ دشمن کی فوج کو قلعہ سے نکال کر اپنے ہی مقابلہ کے لئے آزاد کر دیا گیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اس حکم کو بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور ایسے بیماروں کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا جن کی طرف سے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ دوبارہ ہتھیار بند ہو کر مقابلہ پر آ جائیں گے۔

مورخین اگرچہ یہ بات بتانے سے قاصر ہیں کہ رومیوں کا جلا وطن شدہ لشکر کہاں چلا گیا۔ لیکن ملک کے عمومی حالات اس بات کی طرف صاف اشارہ کر رہے ہے کہ مصر پر ابھی تک مسلمانوں کا مکمل قبضہ نہیں ہوا تھا۔ اور کئی مقامات پر رومی افواج مقابلہ کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔ اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ قلعہ بدر رومی بھی انہی کے ساتھ شامل ہو گئے ہوں گے۔ بہرحال مورخین جس طرح اُن کی جلا وطنی کی وجہ بتانے سے قاصر ہیں اسی طرح اس بات کے بتلانے سے بھی خاموش

ہیں کہ وہ جلا وطن ہو کر کہاں چلے گئے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ اگر رومی سپاہ کو قلعہ ہی کے اندر زیرِ حراست رکھا جاتا تو اس سے مسلمانوں کو کئی مشکلات پیش آ جاتیں مثلاً :-

۱- اُن کی نگرانی کے لئے مسلمانوں کی کثیر فوج قلعہ میں رکھنی پڑتی جس سے مزید فتوحات کے لئے فوج کم ہو جاتی۔

۲- اتنی کثیر تعداد کے لیے خوراک کی فراہمی بھی ایک مسئلہ کی صورت اختیار کر جاتی۔

۳- خوراک کے علاوہ اُن کی نگرانی کے لیے محکمہ نگرانی اور قید کی صورت میں محکمہ جیل کا قائم کرنا پڑتا۔ اور اس طرح کئی نئے مسائل کھڑے ہو جاتے جن کے لئے سرِدست مسلمان تیار نہ تھے اور اُن کے پاس افرادی طاقت مکتفی نہ تھی۔ بالخصوص اس حال میں جبکہ انہیں مستقبل قریب میں اسکندریہ کی سب سے بڑی جنگ ابھی لڑنی باقی تھی۔

(۴)

اسکندریہ اور ساحلی علاقہ کی فتوحات

"اللہ تعالیٰ نے وہ شہر بھی فتح کرا دیا جس میں
چار ہزار محلات و قصور، چار ہزار حمام،
چار سو کھیل کے میدان، بارہ ہزار پھل فروش
اور چالیس ہزار ذمی یہودی آباد ہیں۔"

(خط عمرو بن العاص بنام خلیفہ عمرؓ)

(۱)

اسکندریہ کی طرف پیش قدمی

عربی موقف | (۱) عمرو جانتے تھے کہ اب سے تین ماہ بعد دریائے نیل میں طغیانی شروع ہو جائیگی اس لئے انہوں نے فوراً ہی حضرت عمرؓ کے پاس اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اجازت اور مزید فوجی امداد کے لئے پیغام بھیج دیا۔

۲۔ قلعہ بابلیون کی مرمت وغیرہ کر کے خارجہ بن حذافہ کی سرکردگی میں ایک دستہ اس کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا۔ اور خود آئندہ نقل و حرکت کے لئے شاہراہوں کی درستی اور دریائے نیل پر پل بنانے میں مشغول ہو گئے۔ اس کام میں واقف کار قبطیوں سے بہت کچھ امداد لی۔ تاکہ خلیفہ کی طرف سے اجازت آتے ہی فوراً بلا تاخیر اور پوری تیز رفتاری کے ساتھ اسکندریہ کی طرف کوچ کر دیا جائے۔

۳۔ چونکہ نشیبی مصر میں دریائے نیل کے ڈیلٹے کو سیراب کرنے والی کئی نہریں نکلتی تھیں۔ اور یہ سب نیل کی مغربی شاخ کے مشرقی ساحل سے نکلتی تھیں جو فوج راستے میں حائل اور اس کی رفتار کو سست کرنے والی تھیں اس لئے عمروؓ نے اس سے مغربی ساحل کو اپنے سفر کا راستہ بنایا۔

رومی موقف | (۱) ہرقل کی موت کے بعد روم کی بادشاہت اس کی بیوی مرتینا[۱] اور اس کے دو بیٹوں قسطنطین اور ہرقلیوناس میں تین جگہ تقسیم ہو گئی۔ لیکن ان میں سے قسطنطین بھی تین ماہ کے بعد فوت ہو گیا تو پھر اس کے بیٹے کونستانس نے اپنے باپ کے قتل کی ذمہ دار مرتینا کو گردانتے ہوئے اس کے خلاف شورش برپا کر دی جس کا انجام یہ ہوا کہ کونستانس کو اس کے باپ کا حق دے دیا گیا۔ اور اس طرح اسے قلیوناس کے ساتھ بادشاہت میں شریک بنا دیا گیا۔

۲۔ قیرس قسطنطنیہ واپس آ گیا اور مرتینا کی مہربانی سے اپنے سابق منصب پر فائز کر دیا گیا۔

۳۔ شہنشاہ روم نے ایک بہت بڑا لشکرِ جرار فراہم کیا اور اسے مصر کے دفاع کی خاطر اسکندریہ روانہ کر دیا۔

---

[۱] ہرقلیوناس کی والدہ۔

پیش قدمی | عمرؓو نے دریائے نیل کے ساحل پر صحرا کی طرف سے سفر شروع کیا۔ جو ندی نالوں سے خالی ہونے کی وجہ سے فوجی سفر کے لئے مناسب تھا۔[1] اس سفر میں اُس نے اپنے ہمراہ بھروسہ کے قابل قبطی سردار اسل کو بھی لے لیا تھا۔ تاکہ وہ اہل ملک ہونے کی وجہ سے مناسب رہنمائی بھی کریں اور ضرورت پیش آنے پر اہل مصر اور عربوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیں۔

ایک روایت کے مطابق سفر کے وقت عمرو کا خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک کبوتری نے انڈے دے رکھے ہیں عمرو نے فوج کو خیمہ اٹھانے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ یہ ہمارا قابل احترام ساتھی ہے۔ اسے تکلیف نہ ہو۔ اور اُس وقت تک خیمہ کو یونہی لگا رہنے دو جب تک کہ یہ انڈوں میں سے بچے نکال لے اور وہ پرورش پاکر اُڑ جائیں۔ دوسری روایت میں اس پر یہ اضافہ بھی ہے کہ کبوتر کی حفاظت کے لئے ایک چوکیدار بھی مقرر کر دیا گیا۔

طرنوش | عمرؓو کا ارادہ براہ راست نقیوس پہنچنے کا تھا جہاں رومیوں نے اپنی فوجیں جمع کر رکھی تھیں لیکن رومی مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے طرنوش آچکے تھے[2]

اسکندریہ جانے کے لئے اِس مقام پر دریائے نیل کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ اور صحرا لیبیا کے قبطی علاقوں کی طرف یہاں سے ایک شاہراہ بھی نکلتی ہے۔ اِسی اہمیت کی بنا پر رومیوں نے یہاں سخت دفاعی جنگ لڑی اور شجاعت دبہادری کا زبردست مظاہرہ کیا۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور فوجوں کی ہزیمت کے بعد عمرؓو بن العاص کو شہر پر قبضہ کرنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔[3]

نقیوس | نقیوس[4] ایک شاندار شہر ہونے کے ساتھ ساتھ مستحکم قلعہ بھی ہے جو نیل کی مغربی شاخ[5]

---

[1] مدیریۃ البحریہ

[2] مدیریۃ المنوفیہ

[3] اس کا ایک نام طرنوطا بھی ہے۔ عرب اسکو طرانہ کہتے ہیں۔ اس کا محل وقوع رزین کے زاویہ کے مقابل اور منوف جنوب میں ہے طبری نے اس کا نام مرنوط لکھا ہے۔ مگر یہ تحریر کی غلطی معلوم ہوتی ہے جلد ۲ صفحہ ۱۴۷

[4] آج کل نقیوس کی جگہ ساحل نیل پر منوف کے شمال مغرب میں شبشیر نامی بستی آباد ہے۔

[5] رسنش کی شاخ

کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ جس کا فاصلہ بابلیون سے ایک دن کی مسافت پر ہے اور منوف سے صرف دو گھنٹے کے برابر۔ اس جگہ دور فراعنہ کے کچھ آثار قدیمہ بھی موجود ہیں۔ یہ شہر ایک بہت بڑے مسیحی رہنما کی قیام گاہ ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ مشہور ہے۔ اور چونکہ اسکندریہ اور بابلیون کی درمیانی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس لیے سیاسی اور جنگی اعتبار سے بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس وجہ سے عمرو نے اسے بلا تسخیر چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف بڑھنا مناسب نہ سمجھا۔

اس شہر کا سپہ سالار دومنتیانوس تھا جس کے پاس ایک معمولی سی جمعیت اور معدودے چند کشتیاں تھیں جن پر سوار ہو کر اسے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلنا تھا لیکن جونہی اس کی نظر مسلمان سپاہ پر پڑی اسی کے دل پر دہشت طاری ہوگئی اس کے قوائے عمل نے جواب دے دیا اور وہ فوج کو وہیں چھوڑ کر اپنی خاص کشتی میں بیٹھ اسکندریہ کی جانب بھاگ گیا۔ فوج نے اپنے سالار کو بھاگتا دیکھا تو اس نے بھی ہتھیار پھینک کر کشتیوں کا رُخ کیا لیکن ملاح ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی جانیں بچانے کے لیے کشتیوں کے لنگر کاٹ چکے تھے۔

ابھی سراسیمگی کی حالت میں بلا ہتھیار فوج پانی ہی میں تھی کہ عرب حملہ آوروں نے انہیں جالیا اور ایک ایک کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ان میں سے صرف ایک فرد بچ سکا جس کا نام ذکریا تھا۔ اس کے بعد عرب شہر میں داخل ہو گئے۔ اور اسے فتح کر لیا۔

حنا نقیوسی کی روایت ہے کہ "عرب شہر میں داخل ہوئے اور جس جس کو بھی راستے میں پایا قتل کرتے گئے یہاں تک کہ اگر کسی نے کنیسہ میں داخل ہو کر بھی پناہ لینی چاہی تو وہ بھی ان کی تلوار سے نہ بچ سکا۔ نہ انہوں نے کوئی مرد چھوڑا نہ عورت اور نہ بچہ۔ اس کے بعد شہر کی مضافاتی بستیوں میں پہنچ کر غارت گری کی۔ شہر صوفا پہنچے تو وہاں تھیوڈور کا ایک رشتہ دار اسکوتاؤس اپنے بال بچوں کے ساتھ انگور کے ایک باغ میں چھپا ہوا تھا۔ ان سب کو عربوں نے بھی نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا[1]

---

[1] حنا نقیوسی نے اس روایت میں عربوں کے خلاف اپنے تعصب کا رنگ بھرا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنی کسی جنگ میں بھی اس واضح ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کی کہ "ان کے عابدوں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور راہبوں کو کسی حال میں قتل نہ کرو۔" اور اس کی سخت تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی طرف سے

(باقی حاشیہ اگلے پر)

شہر نقیوس فتح ہو چکا تو جو رومی کشتیاں نیل پر پڑی ہوئی تھیں وہ منتشر ہو گئیں اور راستہ تمام رکاوٹوں سے خالی ہو گیا۔

کوم شریک عمروؓ نے چند روز نقیوس میں قیام کیا اور اسی دوران میں اپنے ایک بہادر ساتھی شریک کو تھیوڈورس کی فوجوں کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ یہ فوجیں اسکندریہ کی طرف جا رہی تھیں مسلمانوں نے ۱۸ میل کی مسافت پر طرنوس کے قریب جا پکڑا۔ تین دن تک شدید مقابلہ رہا۔ جب رومی مسلمانوں کا گھیرا ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تو شریک نے خطرے کو قریب پا کر مالک بن ناعمہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے اشقر گھوڑے پر سوار ہو کر رومی محاصرہ کو چیرتا ہوا برق رفتاری کے ساتھ عمروؓ بن عاص کو میدان کی نزاکت سے باخبر کر دے۔

مالک نے تعمیل حکم کی۔ رومیوں نے ہزار کوشش کی کہ کسی طرح مالک کو پکڑ لیں لیکن ناکام رہے جونہی حضرت عمروؓ بن العاص کو یہ پیغام ملا انہوں نے بلا تاخیر تیز رفتار کمک روانہ کر دی۔ امداد کا پہنچنا تھا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور شریک کی مٹھی بھر جماعت نرغہ سے نکل آئی۔

جس مقام پر یہ جنگ پیش آئی اس کا نام "کوم شریک" (یعنی شریک کا ٹیلہ) رکھ دیا گیا[1]

کریون عمروؓ رومیوں کے تعاقب میں ان کو دھکیلتے ہوئے دلنجات تک لے گئے۔ وہاں سے دمنہور کا رخ کیا۔ سنطیس[2] کے مقام پر رومیوں کے ساتھ سخت معرکہ پیش آیا جس کے نتیجہ میں رومیوں کو شکست ہوئی اور ان کے پاؤں ایسی بری طرح اکھڑے کہ وہ دمنہور میں رکے بغیر سیدھے اسکندریہ کا رخ کر کے قلعہ کریون[3] پہنچے جہاں تھیوڈورس نے پھر ایک دفعہ رومیوں کی کثیر التعداد فوج اکٹھی کر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہمیشہ کی جاتی رہی ہے۔ اس لئے نقیوسی کا یہ بیان سراسر کذب و افتراء اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

[1] ابن عبدالحکم کی روایت میں کوم الشریک، ابن بطریق کی روایت میں کوم شریک لکھا ہے۔

[2] مقریزی کی روایت میں سنطیس، ابن بطریق کی روایت میں سلستان (SALSTAN) اور بعض دوسری روایات میں سجا تیس آیا ہے۔ اور یہ کریون اور کوم شریک کے درمیان دمنہور سے چھ میل جنوب کی ایک بستی کا نام ہے۔

[3] بابلیون اور اسکندریہ کے درمیان جتنے بھی قلعے ہیں ان میں اسکندریہ کے قریب سب سے آخری قلعہ کریون ہی ہے یہ گندم کی سب سے بڑی منڈی ہونے کے علاوہ سیاسی اعتبار سے بھی بہت اہم ہے۔ اس لئے کہ اسکندریہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنا حوصلہ نکالنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ اور انہیں یقین تھا کہ شہر کی بیرونی نہر اور اندرونِ شہر کا مستحکم قلعہ دونوں چیزیں اس کی خاطر خواہ امداد کریں گی۔ اور اسکندریہ جانے کا راستہ اس کے سوا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں جس کے ذریعہ مسلمان بالا بالا شہر میں داخل ہو سکیں۔ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اور دورانِ جنگ میں سنطیس، خیبس، سخا اور طنیب وغیرہ مقامات سے رومیوں کو تازہ دم امداد پہنچتی رہی۔ لڑائی تقریباً بارہ چودہ دن تک طول پکڑ گئی۔ مسلمان ہمت باندھ باندھ کر سختی سے سخت حملہ کرتے تھے۔ لیکن رومی ہر حملہ برداشت کر جاتے۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمانوں نے نمازِ خوف ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعائے نصرت مانگی جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گئی۔ رومی شکست کھا کر اسکندریہ کی طرف بھاگ گئے اور شہر مع قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا[1]۔

کریون کی فتح کے بعد اسکندریہ کا راستہ بالکل صاف تھا۔ عمروؓ نے یہاں کچھ عرصہ اپنی فوج کو آرام دیا اور اس کے بعد وہاں سے بلا مزاحمت سیدھے اسکندریہ جا پہنچے[2]۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کریون کی جنگ میں عربوں کی کمان عمروؓ کے بجائے اُن کے غلام وردان کے ہاتھ میں تھی۔ عبداللہ بن عمروؓ بن عاص اس لڑائی میں زخمی ہو گئے۔ تو انہوں نے وردان سے بغرضِ آرام کیمپ کی طرف لوٹ جانے کی اجازت مانگی تو اُن سے وردان نے پوچھا کیا آرام کرنے کے لیے جانا چاہتے ہو؟ سن لو آرام تمہارے آگے ہے پیچھے نہیں ہے۔ یہ بات کر کے دونوں آگے کی طرف بڑھ گئے اور لڑتے رہے۔ عمروؓ کو بیٹے کے زخمی ہونے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کسی آدمی کو اُن کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ جواب میں عبداللہ نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلع یہ تھا[3]

اَقُوْلُ لَهَا اِذَا جَشَأَتْ وَجَاشَتْ   مَكَانَكِ تُحْمَدِيْ اَوْ تَسْتَرِيْحِيْ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) کی خوراک و رسد تمام اُسی نہر کے ذریعہ پہنچائی جاتی ہے۔ جس کے کنارے پر یہ شہر واقع ہے اگرچہ اس کے قلعے بابلیون جیسے مستحکم تو نہیں تھے۔ لیکن رومیوں نے ان کی مرمت وغیرہ کر کے انکو پہلے سے بہت زیادہ مضبوط بنا لیا تھا۔

[1] ابن عبدالحکم کے الفاظ یہ ہیں کہ "پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور انہوں نے رومیوں کو خوب قتل کیا اور اس کے بعد اُن کا پیچھا اسکندریہ تک نہ چھوڑا"۔

[2] عمرو کے اسکندریہ تک پہنچنے اور راستہ کی فتوحات وغیرہ میں ۲۲ بائیس جینے لگے۔

[3] مقریزی کا بیان ہے کہ عبداللہ نے صرف ایک ہی شعر پڑھا تھا۔ اور اس شعر کا اصل قائل عمرو بن الاطنابہ ہے۔

(جب وہ اُبلنے اور جوش مارنے لگتی ہے تو میں اسے کہتا ہوں کہ دیکھو اپنے محاذ کو نہ چھوڑنا۔ راحت حاصل کرتی ہے تو اسی جگہ حاصل کر۔ اور حمد بیان کرتی ہے تو اسی جگہ بیان کر)
عمرو نے بیٹے کا یہ پیغام سنا تو خوشی سے اُچھل پڑے اور فرمایا کہ یقیناً میرے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

فتح اسکندریہ

عرب اسکندریہ کے قریب پہنچے اور اس کے در و دیوار پر نظر ڈالی تو ان پر حیرت و استعجاب کا عالم طاری ہو گیا۔ اور دمشق بیت المقدس اور انطاکیہ کے مناظر جن سے وہ اب تک مرعوب تھے۔ سب اسکندریہ کے سامنے گرد ہو کر رہ گئے۔

یہ وہی اسکندریہ ہے جسے اسکندر اعظم نے بحر ابیض پر تعمیر کیا اور اپنے ہی نام پر اس کا نام بھی رکھا۔ اور اب اسکندر اعظم کی اسی یادگار کو عمرو بن عاص اسلامی یادگار بنانے آتے ہیں اب وہ اس کی سرزمین پر اس کے محلات وقصور پر، اس کے قبول اور مینار وں پر سکندر اور اسکندریہ دونوں کے حقیقی مالک۔ خدائے واحد و قہار کی عبدیت کا علم لہرانے کا عزم کر چکے ہیں

اسکندریہ رومانی شہنشاہیت کا دوسرا دارالخلافہ اور ساری دنیا کا اہم تجارتی مرکز تھا۔ اور اسی اہمیت کی بنا پر رومیوں اور ان کے پیشرو بطالسہ نے ہمیشہ اس کی قلعہ بندی اور استحکام کو اولین حیثیت دی تاکہ غارتگران دنیا اور فاتحین عالم اس کو کسی طرح کا صدمہ نہ پہنچا سکیں۔

اسکندریہ اپنی رونق، خوبصورتی چمک دمک، استحکام فصیلوں، عمارتوں، بارگوں، محلوں، اور باغوں کے لحاظ سے یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ انجینیری کا شاہکار اور اپنے سیاسی و جغرافی محلِ وقوع کے لحاظ سے بہت بڑی عظمت کا حامل تھا۔

اصطخری[1] کہتا ہے کہ "اسکندریہ کی تعمیرات میں فرشوں، ستونوں اور دیواروں کے لئے زیادہ تر سنگ مرمر ہی استعمال کیا گیا ہے"[2]

سیوطی[3] کہتا ہے کہ سارا شہر دن کی طرح رات کو بھی سفید، براق اور چکدار دکھائی دیتا ہے....."

---

[1] ابراہیم بن محمد اصطخری۔
[2] مسالک الممالک جلد ا صـ۵۱۔
[3] حسن المحاضرہ۔

"چونکہ اس کے فرش فرش اور در و دیوار میں سفید براق مرمر لگایا گیا ہے اس لیے راہبوں اور تارکین دنیا نے اپنے لباس کا رنگ سیاہ قرار دے لیا تھا۔ اور جب ان میں سے کوئی شہر میں داخل ہوتے پر مجبور ہوتا تو آنکھوں پر پردہ ڈال کر داخل ہوتا تھا تاکہ اس عروس دنیا کے چہرے پر اُس کی نظر پڑ کر حبط اعمال کا سبب نہ بن جائے"۔ ۔ ۔ "کوئی جلاہا اگر چاہتا کہ رات کے وقت سوئی میں دھاگہ پر دتے تو وہ اپنے چراغ کے بجائے اُس چمک میں پروتا تھا جو چاند کی چاندنی سے سفید سنگ مرمر میں پیدا ہوتی تھی[۵]

مسعودی[۶] کہتا ہے کہ "لوگ مرمر کی چکا چوند سے بچنے کے لئے عام طور پر سبز رنگ کے پردے راستوں پر ڈال دیا کرتے تھے"۔

"راستے جتنے بھی تھے ستونوں کے درمیان سے نکلتے تھے بڑی شاہراہیں دو تھیں ایک مشرق سے مغرب کو باب الشمس سے باب القمر تک نکل جاتی تھی اور دوسری جنوب سے شمال کی طرف چلی جاتی تھی۔ اور دونوں کے چوراہے پر ایک وسیع میدان تھا جس کو باغیچوں اور محلات مقصورہ سے آراستہ کیا گیا تھا"[۷]

سیوطی نے ابن عبدالحکم سے نقل کیا ہے کہ "اسکندریہ تین علاقوں پر تقسیم تھا۔ مصری علاقہ رومی علاقہ اور یہودی علاقہ ہر علاقہ کی ایک جداگانہ اپنی فصیل بھی تھی اور ایک سب سے بڑی مشترکہ فصیل تھی جو تینوں علاقوں کی بیک وقت حفاظت کرتی تھی"۔

حنا مسکوس کہتا ہے کہ "شہر کے وسط میں بھی بہت سے باغات موجود تھے"۔

عبداللہ بن غریف کہتا ہے کہ "شہر میں سات قلعے اور سات خندقیں تھیں"۔

سیوطی کہتا ہے کہ "اسکندریہ جیسا متمدن شہر دنیا کے تختے پر کہیں نہیں پایا جاتا"۔

اسکندریہ میں بلند اور ضخیم میناروں کی کمی نہیں تھی۔ بطالسہ کے محلات سے یہ شہر بھرا پڑا تھا اسی میں وہ عظیم الشان مقبرہ ہے جس میں اسکندر اعظم کی لاش سونے کا پرت چڑھا کر رکھی گئی ہے۔ مقبرہ تمتراپیوس[۸]، کلیسۂ ماریا ورجن، کلیسۂ مرقص[۹]، کلیسۂ تھیوڈورا اور کلیسۂ قیصرون[۱۰] اسی شہر میں ہیں

---

[۵] مقصد یہ ہے کہ چاند کی چاندنی میں مرمر کے اندر بہت زیادہ روشنی پیدا ہو جاتی تھی۔

[۶] مروج الذہب صفحہ ۴۲۹

[۷] یہ ستونوں سے گھرے ہوئے برآمدے کے درمیان ایک عالیشان محل ہے کہ ایک روایت کے مطابق اسکندر نے ارمیاہ پیغمبر کو یہاں دفن کیا تھا اور اسی وجہ سے لوگ اس مقبرے کا بیحد احترام کرتے ہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عربوں کے دلوں میں جس عمارت نے سب سے زیادہ اثر کیا وہ سراپیومؔ[1] ہے۔ جو دراصل کئی خوبصورت عمارتوں کا ایک حسین مجموعہ ہے۔ اور یہ عمارت مصری علاقہ میں اُس موقع پر ہے جہاں دقلدیانوس کا مینار بنا ہوا ہے اور جسے عربوں نے عمرو السواری کا نام دے دیا ہے۔

اس کے پہلو میں بہت اونچے طلائی قبے والی ایک اور عمارت ہے جو ستونوں پر قائم ہے۔ اور اس کا نام اؤنس ہے۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز وہ منارہ ہے جسے جہازوں کی رہنمائی کے لئے بطلیموس فلاڈلفوس کے عہد میں سوستراتوس کنیڈی نے تعمیر کیا تھا۔ یہ منارہ عربی فتوحات کے وقت صحیح حالت میں تھا دن کے وقت سورج کی روشنی سے چمکتا تھا اور رات کے وقت اپنی روشنی سے یہ کئی فرسخ کے فاصلے سے دکھائی دیتا تھا۔[2]

محاذِ جنگ | یہی اسکندریہ آج محاذِ جنگ ہے۔

اس کی محافظ فوج پچاس ہزار کے لگ بھگ ہے جس کے لئے سامان رسد بھی وافر مقدار میں شہر کے اندر موجود ہے۔ چاروں طرف نہایت مستحکم فصیلیں ہیں جن پر جدید ترین آلاتِ حرب اور بڑی بڑی طاقت کی منجنیقیں نصب ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔ سکے اس کا بانی اورجیوس بتایا جاتا ہے۔

شہ حنا نقیوسی کہتا ہے کہ یہ کنیسہ شہر کے ایک دروازے کے قریب سمندر کے کنارے پر واقع ہے (صفحہ ۴۴) ارکولفوس کا بیان ہے کہ جب تم مصر کی طرف سے شہر میں داخل ہو تو تمہیں شہر کے شمال میں ایک بہت بڑا کنیسہ دکھائی دے گا جس میں مرقس انجیلی کا جسد دفن ہے۔ قبر کنیسہ کے شمالی حصہ میں بالکل محراب کے سامنے ہے۔ اور اُس کے اوپر سنگِ مرمر کا ایک ستون بطور نشان کھڑا کر دیا گیا ہے۔

لہ شہر کا سب سے بڑا کنیسہ یہی ہے جو شہر کے سب سے بڑے محلے بروکیوں میں واقع ہے۔ اور اپنی عظمت و شان کی وجہ سے کلیسہ کبریٰ کا قائمقام سمجھا جاتا ہے۔ اس کے صحن میں دو قدیم آثار سے تھے۔ اس کنیسہ کو عجیب و غریب نقش و نگار اور منقش و نگار سے مزین کیا گیا تھا۔ چاندی سونے کے زیورات نے اسے بالکل دلہن بنا دیا تھا اُس زمانہ میں قربانیاں اور نذرانے پیش کرنے کیلئے اس سے بڑی کوئی دوسری قربان گاہ نہیں تھی۔ حنا نقیوسی نے اسے قصر جمیل کہا ہے ــــ یعقوبی کا بیان بھی یہی ہے کہ اس میں رنگین اور منقش پتھروں کے بنے ہوئے دو فوارے تھے۔

سلہ ابن حوقل کہتا ہے کہ اس کی تعمیر تراشیدہ پتھروں سے کی گئی تھی جنہیں سیسہ کے ذریعہ جوڑا گیا تھا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شمال میں شہر کی حفاظت سمندر کر رہا ہے۔ جنوب میں بحیرۂ مریوط اور ایک نہر محافظ ہے۔ اور مغرب میں نہر ثعبان اس کا پہرہ دے رہی ہے۔

اور اب عربوں کی پیش قدمی کے لئے صرف ایک رُخ یعنی ... کچھ حصہ جنوب مشرق باقی رہ گیا ہے۔

<u>فریقین کے آلات جنگ</u> | جیسے ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے مستحکم فصیلیں اسکندریہ کا سب سے بڑا دفاعی ہتھیار ہیں۔

اس کے علاوہ رومیوں کے پاس دیو ہیکل منجنیقوں کی کمی نہیں ہے جن کے ذریعے وہ فصیل پر چڑھ کر بھاری بھاری پتھروں کی بارش برسا سکتے ہیں۔

لیکن عربوں کے پاس قلعہ شکن آلات میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ مفتوحہ علاقوں کے مالِ غنیمت میں جو آلات اُن کے قبضہ میں آئے تھے انہیں بھاری ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بس لے دے کر اِن کے پاس کوئی ہتھیار ہے تو ان کے عربی گھوڑے ہیں جنہیں وہ ہر میدان میں ڈال دیتے ہیں۔ یا پھر ایمان راسخ، عشق جہاد، ثابت قدمی اور شجاعت و شہامت کے اخلاقی ہتھیار ہیں جنہیں وہ فولاد کے ہتھیاروں سے زیادہ قابلِ اعتماد اور کارگر سمجھتے ہیں۔ اور اب تک ہر میدان میں یہی اُن کے امتیازی ہتھیار رہتے آئے ہیں۔

<u>محاذ کا جائزہ</u> | ابتداء میں عمروؓ کا نقشۂ جنگ یہ تھا کہ وہ عادت کے مطابق شہر کا کلی محاصرہ کر لیں۔ لیکن تین اطراف میں پانی ہونے کی وجہ سے محاصرہ صرف خشکی ہی کی طرف ہو سکتا تھا۔ اور وہ بھی شہر سے دور منجنیقوں کی زد سے بچ کر۔ اس لئے کہ ابتدائی حملہ میں مسلمان منجنیقوں کی سنگ باری کا تلخ تجربہ کر چکے تھے۔ اس لئے عمروؓ نے صرف اس بات پر اکتفا کی کہ اسلامی فوج اپنے کیمپوں ہی میں پڑی رہے[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایسی تعمیر کی مثال دنیا میں کسی دوسری جگہ نہیں ملتی اور لیبی کہتا ہے۔ کہ ایسے سخت پتھر اور پھر ان کے جوڑنے کا ایسا مضبوط مسالہ اور ترتیب کا ایسا نرالا ڈھنگ دنیا کے کسی خطے میں نہیں پایا گیا ہے[2] ـــــ اصطخری کہتا ہے کہ اس منارہ میں تین سو سے زیادہ کوٹھڑیاں ہیں جن کی سیر کسی رہنما کے بغیر ممکن نہیں ـــــ مقریزی نے بھی اپنے الفاظ میں اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس منارہ میں دروازوں، راستوں اور منزلوں کی اتنی بھول بھلیاں ہے کہ جو زائر بھی داخل ہوتا ہے۔ وہ سرگرداں ہو کر راستے بھٹک جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسلمانوں کا سکندریہ کے دروازے کے پاس طرح پڑے رہنا بھی مفید ہی رہا۔ کیونکہ اس ناکہ بندی سے سکندریہ کا تعلق بیرونی دنیا سے کلیۃً منقطع ہوگیا تھا اور رسل و رسائل کا انقطاع بھی ایک بہت بڑی موثر تدبیر جنگ ہے۔

شہر کے فتح ہونے کی اب صرف ایک ہی صورت رہ گئی تھی۔ اور وہ یہ کہ رومی افواج محاصرہ سے تنگ آکر میدان میں نکلیں اور پھر مسلمان انہیں شکست دے کر پیچھے دھکیلتے ہوئے اُن کے ساتھ ساتھ ہی شہر کے اندر داخل ہو جائیں ——— اور عمروؓ کو یقین تھا کہ جلد یا بدیر ایسا ہی ہونا ہے۔ رومی افواج اپنی کثرتِ تعداد کے بھروسے پر کبھی نہ کبھی شہر سے باہر ضرور نکلیں گی۔ اور ہمارا کام بن جائے گا۔

اس کے علاوہ عمروؓ کو یہ بھی احساس تھا کہ گرمی کا موسم اور موسم کے ساتھ ہی نیل کی طغیانی قریب ہے جس کے بعد اسلامی فوجوں کی نشیبی مصر کی طرف مراجعت ناممکن ہو جائے گی اس لئے انہوں نے فوج کو حکم دیا کہ وہ اسکندریہ کی ان مضافاتی بستیوں میں فروکش ہو جائیں جن کے مالک انہیں خالی کر کے اسکندریہ بھاگ گئے ہیں۔

نقشہ جنگ | محاذِ جنگ کا مذکورہ بالا جائزہ لینے کے بعد عمروؓ نے مندرجہ ذیل خطوط پر نقشہ جنگ مرتب کیا:-

۱۔ فوج کا ایک حصہ اسکندریہ کی ناکہ بندی کے لئے اسی جگہ پڑاؤ ڈالے رہے۔

۲۔ اس کے ساتھ ساتھ نشیبی مصر کی فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رہے۔

۳۔ رومیوں کے متروکہ محلات و قصور کے ملبہ سے بابلیون کے قریب نیل پر ایک پل تعمیر کیا جائے۔

مسلمانوں کا شہر میں داخلہ اور پسپائی | ابھی عمروؓ اس منصوبہ پر عمل شروع کرنے بھی نہ پائے تھے کہ اُن کی خواہش پوری ہوئی۔ رومی مقابلہ کے لئے میدان میں نکل آئے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی اور مسلمان رومیوں کو دھکیلتے ہوئے شہر کے اندر داخل ہوگئے۔ لیکن اندر داخل ہوتے ہی رومیوں کا زور بڑھ گیا اور وہ مسلمانوں کو باہر نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۱؎ سیوطی کا بیان ہے کہ جس جگہ عربوں نے پڑاؤ ڈالا تھا وہ حلوہ اور قصر فارس کے درمیان کا میدان تھا۔ قصر فارس اسکندریہ کے مشرق میں واقع ہے۔ ابن عبدالحکم نے بھی اس کی تائید میں لکھا ہے کہ عرب مدماہ تک حلوہ میں رہے۔ فارس کا نام بعض کتابوں میں قصر فاردس بھی آیا ہے۔

ایک عجیب واقعہ اس حملہ میں مسلمانوں کے دو آدمی اندر ہی رہ گئے جن میں سے ایک خود عمروؓ اور دوسرے مسلمہؓ بن مخلد۔ رومیوں نے ترجمان کے ذریعہ ان سے بات چیت شروع کی اور کہا دیکھو تمہارے ساتھی ہمارے آدمیوں کو پکڑ کر لے گئے ہیں اور تم ہمارے قبضے میں ہو۔ معاملہ کا اس طرح تصفیہ کر لو کہ ہم تمہیں قتل کرنے کی بجائے اپنے آدمیوں کے فدیہ میں آزاد کر دیتے ہیں تم ہمارے قیدیوں کو آزاد کر دو"۔ لیکن انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رومیوں نے دوسری متبادل صورت یہ پیش کی کہ "تمہارا ایک آدمی ہمارے ایک آدمی سے مقابلہ کرے۔ اگر ہمارا آدمی غالب آجائے تو تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور اگر تمہارا آدمی غالب آجائے تو ہم تمہیں آزاد کر کے تمہارے ساتھیوں کے پاس پہنچا دیں گے"۔ وہ اس شرط پر راضی ہو گئے۔ رومیوں کی طرف سے ایک جنگجو بہادر سامنے آیا جو اپنی بہادری شجاعت میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ ادھر سے عمرو نے اس کی طرف بڑھنے کا قصد کیا۔ لیکن مسلمہؓ نے فوراً روکا کہ ہائیں یہ کیا کرنے لگے ہو، دہری غلطی کرتے ہو، تم امیر لشکر ہو، مسلمان تمہاری طرف سے سخت فکرمند ہوں گے کہ نہ معلوم تمہارا کیا حشر ہوا۔ اگر بات بگڑ گئی تو مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ٹھہر جاؤ، تمہارا منشاء اللہ نے چاہا تو میں پورا کر دوں گا"۔ یہ کہتے ہی مسلمہؓ رومی کی طرف جھپٹے اور قابو پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ رومیوں نے اپنا معاہدہ پورا کیا اور انہیں قلعہ سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد جب رومیوں کو پتہ چلا کہ ان میں تو خود سپہ سالار عمروؓ بھی موجود تھا تو بیحد پشیمان ہوئے اور مخالف سردار کے اس طرح بچ نکلنے پر کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

اس واقعہ کے متعلق دوسری روایت اروِنگ[۱] اپنی کتاب "تاریخ معاندین محمدؐ" میں لکھتا ہے کہ عمروؓ نے حاکم شہر کے سامنے پہنچ کر ایسی گفتگو کی جس سے ان کی بہادری اور سرداری کا خیال ہوتا تھا اس لیے حاکم کو ان کے سردار ہونے کا شبہ ہوا اور اس نے ان کے قتل کا حکم دیدیا۔ عمرو کا غلام وردان جو ان کے قریب ہی کھڑا تھا اس بات کو تاڑ گیا اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے عمرو کے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور کہا "او کمینے اپنے سرداروں کے سامنے لب کشائی کر رہا ہے۔ زبان بند کر"۔ پھر رومی حاکم سے مخاطب ہو کر بولا کہ ہمارے خلیفہ نے ہمارے سپہ سالار عمروؓ بن عاص

۱۔ E. IRVING – A history of the Lives of Successors of MOHAMMAD.

کے پاس ایک فرمان بھیجا ہے۔ جس میں اسے محاصرہ ختم کرنے اور رومیوں کے ساتھ صلح کر لینے کا حکم دیا ہے اور حاکم کو مشورہ دیا کہ یہ شخص صلح کی گفت و شنید کرنے کے لئے درمیانی رابطہ کا کام بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ حاکم نے وردان کی رائے منظور کر لی اور عمرو رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔

ایک اور جھڑپ ایک دفعہ اور بھی اسی طرح رومی شہر سے باہر نکل کر حملہ آور ہوئے۔ اور مہری قبیلہ کے ایک آدمی کا سر کاٹ کر لے گئے مہریوں نے عہد کر لیا کہ وہ اپنے آدمی کو سر کے بغیر ہرگز دفن نہ کریں گے۔ اس پر عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ تدبیر بتائی کہ آئندہ جب بھی رومی باہر نکلیں تو تم ان پر حملہ کر کے ان کے ایک آدمی کا سر کاٹ لینا اور پھر اس شرط پر واپس کرنا کہ وہ تمہارے آدمی کا سر دے دیں چنانچہ یہی ہوا۔ جب رومی حملے کے لئے نکلے تو مسلمانوں نے ان کے ایک بطریق کا سر کاٹ لیا اور پھر اس کے ساتھ مہری کے سر کا تبادلہ کر لیا۔

سریہ عمرو اس کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ نے فوج کو محاصرہ[1] جاری رکھنے کا حکم دیا اور خود ایک مختصر سا دستہ[2] لے کر کریون ہوتے ہوئے دمنہور پہنچے۔ اور وہاں سے مشرق کی سمت مڑ کر اس صوبہ میں پہنچ گئے جس کا موجودہ نام غربیہ ہے۔ شہر سخا[3] ان کا نشانہ تھا۔ اور وہ اس پر بے خبری کے حال میں اچانک چھاپہ مارنا چاہتے تھے۔ لیکن قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ شہر کا احاطہ فصیلوں اور نہروں سے کیا گیا ہے اس لئے وہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔ بقول حنا نقیوسی "عمرو کا سخا پر کوئی قابو نہ چل سکا"[4]

عمرو رضی اللہ عنہ سخا سے پلٹ کر جنوبی بستیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ پہلے طوخ[5] پر کیمپ ڈالا اور پھر اس کے بعد دمسیس[6] پہنچے لیکن یہ دونوں بستیاں بھی عربوں کے سامنے ڈٹ گئیں جنہیں عمرو رضی اللہ عنہ دشوار سمجھ کر واپس ہو گئے۔

---

[1] کندی کہتا ہے کہ محاصرۂ اسکندریہ تین مہینے جاری رہا۔ مقریزی چار ماہ بتلاتا ہے (جلد ۱ صفحہ ۱۶۵) ابن عبدالحکم (صفحہ ۲۲) سیوطی (جلد ۱ صفحہ ۵۳) اور ارو گلٹ بھی اسی کی تائید کی ہے۔

[2] عمرو رضی اللہ عنہ کو امید نہیں تھی کہ اسے اس علاقہ میں کوئی جنگ پیش آئے گی۔ اس لئے زیادہ فوج کی ضرورت نہ سمجھی۔ کیونکہ اس کی ضرورت قلعہ بند شہروں میں پیش آتی ہے۔

[3] یہ شہر طنطا کے شمال میں ۲۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

[4] ویان صفحہ ۵۷۱

[5] یہاں طوخ سے مراد یا تو وہ طوخ مزیدہ ہے جو صوبۂ غربیہ میں واقع ہے۔ یا دقہلیہ کا طوخ الکلام مراد ہے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک روایت کے مطابق عمروؓ نے نقل و حرکت میں ۱۲ مہینے خرچ کیے یہاں تک کہ وہ شہر دمیاط تک جا پہنچے۔ لیکن بقول حنا نقیوسی "عمرو اس علاقہ کے شہروں کو فتح نہیں کر سکا"

مصریہ خارجہ مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ صوبۂ صعید میں رومی افواج جمع ہیں تو انہوں نے خارجہ بن حذافہ کی سرکردگی میں ایک دستہ اس طرف روانہ کر دیا۔ یہ دستہ شہر الطوبیہ[۱] پہنچا تو شہر والوں نے صوبہ کے گورنر حنا کو اس کی اطلاع دی اور اس سے جنگ کے لیے تیار ہونے کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس کے دل میں عربوں کا خوف پیدا ہو گیا اور اس نے یہ سوچ کر کہ میرا حشر بھی کہیں ویسا ہی نہ ہو جیسا فیوم والوں کا ہو چکا ہے اس نے قومی خزانہ اپنے ساتھ لیا اور ترنوم کو چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف بھاگ گیا۔

صوبۂ صعید کی فتوحات اس مقام پر مکمل ہو گئیں اور ۱۴۲ء میں اس کے اکثر و بیشتر رومی علاقہ کو خالی کر گئے جو قدرے قلیل باقی رہے۔ انہوں نے مکمل طور پر اطاعت قبول کر لی۔

اسکندریہ کا اندرونی خلفشار رومیوں میں گروہی اور قومی تفریق پیدا ہو گئی۔ اور سیاسی سطح پر وہ بڑی جماعتوں رومِ اخضر اور رومِ ازرق (یعنی سبز رومی اور نیلے رومی) میں تقسیم ہو گئے۔ اور اس اختلاف میں ایسے اندھے ہو گئے کہ انہیں اپنا وہ مشترک اور طاقتور دشمن بھی دکھائی نہ دیا جو اسکندریہ کے عین دروازے پر دستک دے رہا تھا اور جس کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز وہ اپنے بہرے کانوں تک سے سن رہے تھے۔

حنا نقیوسی کا بیان ہے کہ اس اختلاف کی اصل بنیاد دینی فرقہ بندی کے سوا کوئی دوسری نہیں تھی۔ پھر اس نے ان کے باہمی جنگ و جدل کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بڑے زور سے لکھا کہ "یہ سارا کرشمہ ان کے ذاتی مفاد پرستی کا تھا"

قیرس کی واپسی قیرس عرصۂ دراز تک اسکندریہ سے غائب رہنے کے بعد اب پھر واپس آ گیا۔ اور اس کی واپسی پر رومیوں نے خوشی کے شادیانے بجائے۔ نقیوسی لکھتا ہے کہ "قیرس کی واپسی سے اہل شہر پر خوشی کے مارے عالم وجد طاری ہو گیا اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا زبردست شاہانہ استقبال کیا"[۲]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اصل بات یہ ہے کہ زیریں مصر میں طرخ نام کی بہت سی بستیاں ہیں مثلاً طرخ دلکہ، طوخ میغطر، طرخ طنبش اور طوخ الملک۔

سے اس کا موجودہ نام بیت دسیس ہے جو طوخ مزید سے چند میل مشرق میں واقع ہے اور شاخ دمیاط سے بھی مشرق ہی کی طرف ہے

[۱] صوبۂ طیبہ کا پایۂ تخت جس کا موجودہ نام انصنا ہے۔

[۲] دیوان ص ۱۸۷

بعض روایات کے مطابق قیرس کی واپسی اس نیت سے تھی کہ وہ پورے مصر کو عربوں کے حوالے کر کے اُن کی خوشنودی سے اسکندریہ میں اپنے زائل شدہ سابق دینی تفوق کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا اگرچہ اُس نے اپنے اس ارادے کو انتہائی طور پر صیغۂ راز میں رکھا تھا تاہم شہنشاہِ روم پر اس کا انکشاف کرنے کے بعد اُسے بھی اپنا ہم نوا بنا چکا تھا۔ بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر وہ خود عمروؓ بن عاص کے ساتھ اس بارے میں خفیہ مذاکرات بھی کر چکا تھا۔

شہنشاہِ روم | ہرقل اکتوبر ۶۱۰ء میں رومیوں کا شہنشاہ بنا تھا۔
اور اب فروری ۶۴۱ء میں اُس کی موت نے اس کی شہنشاہی کا خاتمہ کر دیا۔

اس کے بعد اقتدار اس کے دو بیٹوں قسطنطین اور ہرقل[1] کی طرف منتقل کر دیا گیا اور ہرقل کی ماں مرتینا کو بھی حکومت میں تیسرا شریک بنا دیا گیا۔ لیکن مرتینا اپنے بیٹے ہرقل کے ساتھ قسطنطین کی شارکت کو پسند نہیں کرتی تھی۔

قسطنطین عمر میں بڑا ہونے کے علاوہ ہرقل کی بہ نسبت عوام میں زیادہ مقبول تھا۔ نیز دربارِ شاہی کا سب سے بڑا مذہبی نمائندہ پیرس بھی مرتینا اور اس کے بیٹے ہرقل کی بہ نسبت قسطنطین کی طرف زیادہ میلان رکھتا تھا اسی لئے اُسی کے ہاتھ پر اس نے حکومت کی بیعت کی۔

بوری[2] نے لکھا ہے کہ "مرتینا حکومت کے بارے میں بطریق پیرس کی مرضی کے مطابق چلنا چاہتی تھی اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس لالچ نے اس کی رائے میں کچھ تبدیلی پیدا کر دی ہو"

قسطنطین نے اقتدار حاصل کرتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک طرف جلاوطن قیرس کو واپسی کا پیغام بھیجا[3] اور دوسری طرف تھیوڈور کو بھی مصر کی موجودہ پوزیشن معلوم کرنے کے لئے بلا لیا[4]

تھیوڈور نے بڑے زور سے یہ رائے دی کہ رومیوں کو چاہیئے کہ وہ عربوں کے ساتھ کسی صلح میں شریک نہ ہوں قسطنطین نے اس رائے پر عمل کرتے ہوئے آئندہ موسم گرما میں مصر کی طرف کثیر التعداد رومی افواج بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔ اور فی الفور جہازوں کی تیاری اور فوجوں کی آراستگی کے احکامات جاری کر دیئے

---

[1] بعض روایات میں اس کا نام ہرقلیس اور ہرقلوناس بھی آیا ہے۔ [2] Bury

[3] حاشیہ: جو قیرس کے واپس بلانے والی مرتینا کو قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسطنطین کو دراصل مرتینا ہی نے بنا رکھا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مرتینا کی طرف قلبی رجحان رکھتا تھا۔

[4] تھیوڈور اسکندریہ میں اناستیسیوس کو اپنا نائب مقرر کر کے چلا گیا تھا۔

لیکن اسی دوران میں بہت جلد اس کی موت کا پیمانہ آگیا اور وہ اپنی ساری تیاریاں اپنے ساتھ ہی لے کر اس جہاں سے رخصت ہو گیا[1]

مرتینا نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنے بیٹے ہرقل کے ہاتھ پر حکومت کی بیعت لینی شروع کر دی لیکن اعیانِ حکومت کی بڑی جماعت نے کوشش کر کے قسطنطین کے بیٹے کونستانس[2] کو بھی اپنے باپ کی جگہ حکومت میں حصہ دار بنا دیا

ہرقل نے قیرس کو بھی اسکندریہ بلا کر شریکِ اقتدار کر لیا۔ اور اس کے ساتھ مل کر یہ بات طے کی کہ عربوں کے ساتھ صلح کر کے مصر کے طول و عرض سے جنگ و جدل کا سلسلہ ختم کرنا چاہیئے۔ شاید اس کا یہ خیال ہو کہ صلح کے بعد بھی مصر بدستور رومی اقتدار ہی کے ماتحت رہے گا۔ چنانچہ یہ فیصلہ پختہ ہو گیا اور اس کے حق میں مجلس مدبرین، مجلس علمائے دین اور خاص طور پر ملکہ مرتینا کی تائیدات بھی حاصل کر لی گئی تھیں[3]

بابلیون کی طرف | عمروؓ بن عاص اپنی فوج کو آرام دینے کے لیے نیل کی طغیانی کا تماشہ تلعۂ بابلیون میں گذار رہے تھے قیرس خود تن تنہا[4] صلح و امان کا پیغام لے کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ عمروؓ نے اس کا پر تپاک خیر مقدم کیا۔ جب اس نے صلح کی بات چیت شروع کرنی چاہی تو عمروؓ نے فرمایا "آپ کی خود تشریف آوری قابلِ قدر ہے۔" قیرس نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سرزمین عطا فرما دی ہے اس لیے آج کے بعد رومیوں سے جنگ کا سلسلہ کلیۃً ختم ہو جانا چاہیئے[5]

صلح | اس کے بعد صلح کی باقاعدہ بات چیت ہوتی رہی۔ اور بالآخر صلح ہی کی توثیق پر بات ختم اور فتوحاتِ مصر کی تکمیل ہو گئی۔ شرائطِ صلح درج ذیل ہیں[6]

---

[1] بروایت حنا قسطنطین کا مرض الموت حکومت ملنے کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ اور اس کی موت آخری وقت کسی رگ کے پھٹ جانے کی وجہ سے ہوئی تھی جس کی وجہ سے اسے متواتر خون کی قے آ رہی تھی۔

[2] بعض کتابوں میں اس کا تلفظ کونستانز بھی آیا ہے۔

[3] بٹلر کا دعویٰ ہے کہ قیرس نے بلاشبہ بھولے بھالے ہرقل کو جس کی ذاتی رائے عربوں کے ساتھ صلح کی نہیں تھی کوئی نہ کوئی سبز باغ دکھا کر ہی بتکلف آمادۂ صلح کیا تھا۔ اور ایسی ہی چالاکی سے اس نے بڈھے شیوخ، بزدل عمائد اور کمزور مرتینا کی تائیدات بھی حاصل کی تھیں حقیقت یہ ہے کہ قیرس ذاتی طور پر ہمیشہ ہی سے مصالحانہ مزاج رکھتا اور مناقشات سے دور بھاگتا تھا۔

[4] ایک روایت کے مطابق قیرس تنہا نہیں گیا تھا بلکہ اپنے ساتھ راہبوں کا ایک وفد لے گیا تھا۔

[5] بعض روایات میں قیرس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان پہلے ہی کوئی عداوت نہیں تھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱- جو کوئی بھی اِس صلح میں داخل ہوگا اُسے جزیہ ادا کرنا پڑے گا[1]۔

۲- گیارہ مہینے کے لئے دونوں طرف سے جنگ کلیتۃً بند رہے گی۔ اور یہ مدت ۸ ستمبر ۶۴۲ء[2] کو ختم ہو جائے گی۔

۳- عربی فوجیں اپنے موجودہ کیمپوں میں پڑی رہیں گی۔ اور جانبین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر حملہ آور نہیں ہوگا۔

۴- اسکندریہ کی رومی افواج اپنا ساز و سامان لے کر بحری راستے سے روم کی طرف روانہ ہو جائیں گی[3]۔

۵- اس کے بعد پھر کبھی رومی فوجیں مصر کی واپسی کے ارادے سے مصر کا رُخ نہ کریں گی۔

۶- عیسائی گرجوں پر نہ مسلمان قبضہ کریں گے اور نہ اُن کے مذہبی معاملات میں دخیل ہوں گے۔

۷- یہودیوں کو اسکندریہ میں رہنے کی اجازت ہوگی۔

۸- معاہدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے اور حفظ ما تقدم کی ضمانت ایک یرغمال کی صورت میں رومیوں کو ادا کرنی ہوگی[4]۔

طبری نے صلح کا متن مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"عمروؓ کی طرف سے مصر والوں کو اُن کی جان، مال، مذہب، عبادت گاہوں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ شرائطِ صلح مختلف روایات میں مختلف آئی ہیں لیکن ہم نے ان میں اہم شرائط پر اکتفا کیا ہے

[1] جزیہ کی مقدار دو دینار فی کس مقرر کی گئی۔ اور اس سے ناکارہ بوڑھوں اور چھوٹے بچوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اس شرح کے مطابق جزیہ کی کل مقدار ایک لاکھ بیس ہزار دینار بنتی تھی (تاریخ ابو صالح ارمنی صفحہ ۸۱) مصر والوں پر جزیہ کے علاوہ زمین اور جائیداد پر بھی مندرجہ ذیل محاصل عائد تھے۔ تین اردب گندم۔ دو قسط شہد۔ دو قسط سرکہ۔ اور دو قسط زیتون ابن خلدون کے مطابق عربوں نے جزیہ کی پہلی قسط کا فوری مطالبہ کیا تھا

[2] ابن اثیر نے التوا کی مدت کم بیان کی ہے۔ نیز اس کی وجہ یہ پیش کی ہے کہ اس عرصہ میں وہ حضرت عمرؓ سے جنگی قیدیوں کے بارے میں رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔

[3] اگر کوئی رومی خشکی کے راستے جانا چاہے تو اس کے لئے یہ شرط طے پائی کہ وہ دورانِ سفر میں جتنی مدت سرزمین مصر میں رہے گا اسے مقررہ رقم ماہانہ ادا کرنی پڑے گی۔

[4] ایک روایت کے مطابق یرغمال ڈیڑھ سو فوجی اور پچاس غیر فوجی نفوس پر مشتمل تھا۔

نسلیوں کی امان دی جاتی ہے۔ اس میں نہ کوئی کمی کی جائے گی نہ زیادتی۔ نوبہ کے لوگ ان کے مویشی بدوش نہیں رہ سکیں گے۔ مصر والے اس صلح پر متفق ہو جانے کے بعد فوراً جزیہ کی ادائیگی شروع کر دیں گے جس کی زیادہ سے زیادہ مجموعی مقدار پچاس کروڑ دینار ہو سکتی ہے اس صلح میں اگر نوبیوں اور رومیوں میں سے کوئی شریک ہونا چاہے گا تو وہ بھی جملہ شرائط کا پابند ہوگا۔ اور جو ان میں سے ملک چھوڑ کر جانا چاہے گا تو اسے بھی امن کے ساتھ ملک سے رخصت کر دیا جائے گا۔ مقرر کردہ جزیہ تین مساوی اقساط میں وصول کیا جایا کرے گا[1] صلح کے اس مضمون پر اللہ تعالیٰ کی گواہی، اللہ تعالیٰ کے رسول کی ضمانت اور امیر المومنین کی تصدیق ہے۔"

طبری نے لکھا ہے کہ اس معاہدے کی کتابت وردان نے کی اور گواہ زبیرؓ، عبداللہ اور محمد بن عمرو کو بنایا گیا۔

کیا مصر بزور شمشیر فتح کیا گیا؟ بیشتر روایات اس بات پر متفق ہیں کہ مصر کی مجموعی فتح حرباً نہیں بلکہ صلحاً مکمل ہوئی۔ لیکن اس کے برخلاف بعض مورخین اس طرف بھی گئے ہیں کہ اسکندریہ کی فتح حرباً ہوئی ہے چنانچہ ابن عبدالحکم اور بلاذری دونوں کی روایت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسکندریہ پر کامیاب حملہ کیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔ اور اس فتح کا مہینہ محرم ۲۰ھ ہجری تھا۔ اسی ذیل میں وہ حضرت عمرؓ کے ایک خط کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے عمروؓ بن عاص کو بدیں الفاظ متوجہ کیا تھا۔

"میرے اس خط کے پہنچتے ہی مسلمانوں کے سامنے ایک موثر تقریر کرو اور انہیں جہاد کا شوق دلاتے ہوئے ثابت قدمی اور اخلاص نیت کی تلقین کرو۔"

ان دونوں کا بیان یہ بھی ہے کہ اس خط کی تعمیل میں عمروؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور خلیفۃ المسلمین کا خط انہیں سنایا۔ جس پر سب کی رائے یہ ٹھہری کہ آئندہ حملہ میں محاذ اسکندریہ کا علمبردار حضرت عبادہؓ بن صامت کو بنایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ کو فتح کرا دیا۔

بلاذری مزید کہتا ہے کہ عمروؓ بن عاص نے قیرس کے پیغام صلح کو مسترد کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اشتعال میں آیا۔ اور مسلمانوں کو اپنی کثرت افواج سے مرعوب کرنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ اسکندریہ کی فصیل پر قلعہ کے تمام مرد و زن کو لا کر کھڑا کر دیا اور عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی پیٹھ باہر کی طرف کریں تاکہ پہنچانی نہ جا سکیں۔

---

[1] یعنی ایک ایک قسط میں جزیہ کی ایک ایک تہائی مقدار وصول کی جائے گی۔

عمروؓ نے اس وڈرامہ کا جواب قیرس کے پاس مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ بھیجا:۔

"قیرس! تیرا یہ طلسم ہوشربا ہم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کان کھول کر سن لے، تو جتنا ناز اپنی کثرتِ تعداد پر کر رہا ہے ہم اس سے زیادہ ناز اپنی قلتِ تعداد پر کرتے ہیں۔ اور اس قلت ہی کے ساتھ ہر جگہ کثرت پر غلبہ پاتے رہتے ہیں۔ تمہارے ہرقل کے ساتھ ہماری یہی قلت نبرد آزما ہو چکی ہے اور اس کا جو حشر ہوا اس سے بھی تم لوگ بے خبر نہیں ہو"

عمروؓ کے دندان شکن جواب نے قیرس کا سارا نشہ کافور کر دیا۔ اور اس نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بات بالکل سچی ہے جب ان لوگوں نے ہمارے بادشاہ کو اپنے دارالسلطنت قسطنطنیہ کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا تو اس کے بعد ہماری تو کیا ہستی ہو سکتی ہے"

اس بزدلی پر اس کی قوم اس سے برہم ہو گئی اور اسے بہت کچھ سخت سست کہا۔ ہوتے ہوتے لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ مسلمانوں نے محاصرے میں اور زیادہ شدت اختیار کی۔ یہاں تک کہ تین مہینے کی شدید جنگ کے بعد بزورِ شمشیر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔[1]

صلح کے بعد | تمام مصر فتح ہو گیا ہے۔ مصر والے عربوں کی اطاعت قبول کر چکے ہیں اور اب کسی طرف بھی مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کی تیاری نہیں ہے۔ مطلع ہر طرف سے صاف ہے۔

اب اس کے بعد عربوں نے مصر میں رہ کر کیا کیا خدمت انجام دی؟

اور رومیوں کا اونٹ کس کروٹ بیٹھا؟

تاریخ کی زبانی اس کی تفصیلات بھی سن لیجیے!۔

خلیفۃ المسلمین کو خوشخبری | عمروؓ بن العاص نے خلیفہ عمرؓ تک مژدۂ فتح پہنچانے کی خدمت معاویہ بن حُدیج[2] کندی کے سپرد کی۔ معاویہ نے عرض کیا "بہتر ہو کہ آپ اس اہم خبر کو اپنے ہی الفاظ

---

[1] کندی نے مدت حصار تین ماہ بیان کی ہے۔ مقریزی (جلد نمبر ۲ ص ۱۲۵) چار ماہ بتاتا ہے۔ اور اسی کی تائید ابن عبدالحکم (ص ۴۲) اور سیوطی (جلد ۱ ص ۵۳) نے بھی کی ہے۔ بلاذری کی روایت بھی تین ماہ ہے۔ (جیسے کہ ہم نے اوپر سے پہلے بیان کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک چار ماہ کی روایت قابلِ ترجیح ہے۔

[2] بلاذری نے قاصد کا نام خدیج اور مقریزی نے حُدیج لکھا ہے۔ بعض ماخذوں میں حُدیج ہے۔ اور اسی کو ہم نے اپنی تحریر میں اختیار کیا ہے۔

میں لکھوا کر مجھے دیدیں"۔ اس پر عمرو نے جواب دیا کہ "تحریر کی کیا ضرورت ہے۔ کیا تم مرد عربی نہیں ہو۔ اور اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ جو کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ اس کو اپنے الفاظ میں خلیفہ کے سامنے بیان کر سکو"۔

معاویہ صحرا کی طویل مسافت کو سرعت کے ساتھ طے کرتے ہوئے مدینہ میں ظہر کے وقت داخل ہوئے اور حضرت عمرؓ کو ان مختصر الفاظ میں مژدہ فتح سنا دیا "اچھی خبر ہے اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ کو مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کرا دیا ہے"۔

حضرت عمرؓ فوراً مسرت میں مسجد کی طرف تشریف لے گئے اور نماز شکر ادا کرنے کے بعد معاویہ کو واپس اپنے مکان پر لے آئے۔ اور پھر گھر آکر بھی دوبارہ نماز شکر ادا کی۔

ایک مورخ نے واقعہ کی تصویر یوں پیش کی ہے۔ "۔۔۔ معاویہ عین ظہر کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے اور مسجد کے دروازے پر اپنی اونٹنی کو ابھی بٹھا ہی رہے تھے کہ حضرت عمرؓ کی خادمہ گھر سے نکلی اور ایک اجنبی مسافر کو دیکھ کر اس کا نام اور کام دریافت کیا۔ معاویہ نے جواب دیا کہ "میں عمروؓ بن عاص کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں"۔ یہ سن کر وہ دوڑی ہوئی حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی اور الٹے پاؤں لوٹ کر معاویہ کو اپنے ساتھ اندر لے گئی۔ حضرت عمرؓ نے خبر دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا "خبر بہت اچھی ہے اے امیر المومنین۔ اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ کو مسلمانوں کے لئے فتح فرما دیا ہے"

حضرت عمرؓ فوراً مسجد میں تشریف لے گئے اور اذان دلوا کر فتح کے شکریہ میں نماز ادا فرمائی اور پھر واپس مکان پر تشریف لے آئے اور دوبارہ گھر میں بھی نماز شکر ادا کی۔ اس کے بعد کھانا منگوایا۔ روٹی اور روغن زیتون پیش کیا گیا جسے انہوں نے مہمان کے سامنے رکھ دیا۔ معاویہ نے تواضعاً اس میں سے تھوڑا سا کھا لیا۔ اس کے بعد کھجوریں لائی گئیں۔

بس یہی تھے وہ مکلف اور لذیذ کھانے جنہیں حضرت عمرؓ خود بھی استعمال فرماتے تھے اور عزیز مہمانوں کے سامنے بھی پیش کرتے تھے ـــــ اس کے بعد معاویہ نے عرض کیا کہ میں تو مدینہ میں ظہر کے وقت آچکا تھا۔ اور میں نے اسی وقت یہ خبر آپ کو اس لئے نہیں پہنچائی کہ وہ قیلولہ کا وقت تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ آپ استراحت فرما رہے ہوں گے۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"تمہارا یہ گمان درست نہیں تھا۔ اس لئے کہ اگر میں دن میں سونا شروع کر دوں تو یقیناً

۱؎ مقریزی

رعیت کو ضائع کر دوں گا۔ اور اگر رات میں سونے لگوں تو خود میرا نفس ضائع ہو جائے گا۔ اپنی بڑی بھاری دو ذمہ داریوں کی موجودگی میں بھلا سونے کا کیا کام"

۲۔ اعلانِ صلح | دوسری طرف قیرس شرائط صلح لے کر بیتوڈور سالار اعظم کے پاس پہنچا۔ اور پھر اس کے بعد صلحنامے کو شہنشاہ ہرقلوناس کے پاس بغرض آخری منظوری بھیج دیا۔ شہر میں بھی آہستہ آہستہ صلح کی خبر گشت کرنے لگی۔ اور اس کے بعد قیرس نے عمائدینِ سلطنت اور قائدین افواج کی ایک مجلس بلا کر ان سب کے سامنے صلح کا صاف صاف اعلان کر دیا۔

اس اعلان کا ابتدائی ردِ عمل تو یہ ہوا کہ سامعین قیرس کے خلاف غم و غصہ سے بھر گئے اور قریب تھا کہ اُس پر حملہ آور بھی ہو جائیں۔ لیکن قیرس نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے آخر کار دلائل اور واقعات کی روشنی میں مجمع کو خاموش کر دیا۔ اس بات کے ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اُس نے یہ صلح خوب سوچ سمجھ کر کی ہے اور اسی میں ہمارے لئے خیر و برکت ہے۔ پھر اُس کی تقریر یہاں تک کامیاب ہوئی کہ وہی فوجی جو چند منٹ پہلے صلح کے خلاف غضبناک تھے اب وہ سرے ہی لمحے میں سرگرمی کے ساتھ لوگوں سے جزیہ وصول کرتے دکھائی دینے لگے۔ یہاں تک کہ جزیہ کی مقررہ مقدار سے بھی زیادہ سونا جمع کر لیا۔

قیرس اس جمع شدہ مال کو ایک کشتی میں رکھ کر بذاتِ خود جنوبی دروازے سے نکل کر عمرؓ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے روانہ ہو گیا[۱]

۳۔ تعمیر فسطاط | عمرؓ بن عاص نے بابلیون اور پہاڑ کے درمیان والی نرم زمین میں بابلیون کے قریب مسلمانوں کے لئے ایک نیا شہر تعمیر کرنے کا ارادہ کر لیا۔

بروایتِ بلاذری شہر کا نقشہ حضرت زبیرؓ نے تیار کیا۔ اور پھر اُس میں اپنا گھر بنا کر وہ تاریخی سیڑھی محفوظ رکھی جس کی مدد سے انہوں نے قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر بابلیون کا دروازہ کھولا تھا[۲]

یاقوت کی روایت کے مطابق عمرؓ نے شہر کا نقشہ بنانے اور زمینوں کی تقسیم کا کام چار آدمیوں کی ایک کمیٹی کے سپرد کیا تھا۔

بعض روایات کے مطابق یہ سارا کام مصر کے واقف کار قبطیوں نے انجام دیا تھا۔

---

[۱] دیوان حنا نقیوسی (ص ۵۸)

[۲] یہ سیڑھی ایک عرصہ تک محفوظ رہی۔ اور پھر آگ سے جل گئی۔

شہر بسا دیا گیا اور اس کا نام فسطاط[1] یا فسطاط مصر رکھ دیا گیا۔

ابتداء میں اگرچہ اس کی آبادی مختصر تھی[2] لیکن ایک سال کے بعد تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگی۔ اور پھر تو اس حد تک ترقی کی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کے بجائے فسطاط ہی کو دارالخلافہ بنا دیا۔

بیشتر مکانات یک منزلہ اور کچی اینٹوں کے تھے لیکن جب ترقی ہوئی تو چار پانچ منزل تک پہنچ گئے۔ بروایت ضعیف خارجہ بن حذافہؓ نے اپنے مکان میں ایک بالاخانہ بنوالیا تھا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اُسے منہدم کروا دیا۔

عمروؓ بن عاص نے خود اپنے لئے اُسی مکان کو پسند فرمایا جس میں اُن کا جھنڈا رکھا جاتا تھا۔ اور اُسی کے اندر ایک مسجد بھی بنائی جس کا نام مسجد اہل الرایہ (یعنی جھنڈے والوں کی مسجد) مشہور ہو گیا۔ اس کا محل وقوع نیل کا کنارہ[3] اور باغات و انگورستان کا عین وسط تھا۔ مسجد کا رقبہ ۵۰×۳۰ گز تھا۔ چھت نیچی تھی۔ صحن بالکل نہیں تھا۔ باہر کے کھلے میدان ہی کو صحن کا قائم مقام سمجھ لیا گیا تھا۔ چاروں طرف سڑک بنائی گئی تھی جس پر مسجد کے چھ دروازے کھلتے تھے۔ نمازی زیادہ ہو جاتے تو باہر کے کھلے میدان میں کھڑے ہو جاتے۔ مسجد میں ایک منبر بنایا گیا تھا جس پر کھڑے ہو کر عمروؓ بن العاص خطبہ دیتے تھے۔

---

[1] ایک قول کے مطابق فسطاط غیر عربی لفظ ہے۔ دوسرے قول کے مطابق فسطاط رومی لفظ (FOSSATUM) سے بنایا گیا ہے۔ جسے بازنطینی رومی سپاہیوں کے کیمپ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ خطط مقریزی (جلد ۱ صفحہ ۲۹۶) میں لکھا ہے کہ فسطاط کے معنی شہر ہیں ـــ یاقوت نے اس کے چھ تلفظ لکھے ہیں۔ فُسْطَاط۔ فِسْطَاط۔ فُسَّاط۔ فِسَّاط۔ فُسْتَاط اور فِسْتَاط ... نیز یاقوت ہی کے بیان کے مطابق اس لفظ کا ذکر حدیث نبوی میں بھی اس طرح آیا ہے۔ عَلَيْكُمْ الْاِجْتِمَاعَ فَاِنَّ يَدَ اللّٰهِ فَوْقَ الْفُسْطَاطِ۔ (یعنی اجتماعی زندگی اختیار کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ فسطاط پر ہے) جس کے معنی اس حدیث میں شہر کے ہیں جہاں لوگ اجتماعی زندگی گذارتے ہیں ـــ ابن الفقیہ کا قول ہے کہ شہر بصرہ کا نام فسطاط تھا۔

[2] فسطاط کی تاریخ تعمیر میں اختلاف ہے۔ بقول بلاذری اس کی تکمیل بابیلون کی تسخیر کے بعد ہوئی۔ لیکن اکثریت کی رائے اس کے برخلاف یہ ہے کہ وہ سقوطِ اسکندریہ کے بعد اُس وقت مکمل ہوا جب حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کے دارالخلافہ بنانے سے انکار کرتے ہوئے فسطاط کے دارالخلافہ بنائے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اور اس بات کی اجازت دی کہ عمروؓ بن عاص اگر چاہیں تو اس میں مستقل سکونت اختیار کر سکتے ہیں۔

[3] اس کے راوی یاقوت۔ ابوالمحاسن اور سیوطی بحوالہ ابن عبدالحکم ہیں۔

بروایت ضعیف اس مسجد کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ جلیل[1] القدر صحابہؓ نے حصہ لیا تھا۔ جن میں حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ بن الاسود اور حضرت عبادہؓ بن صامت بھی شامل تھے۔

عمروؓ بن عاص نے مسلمانوں کے لئے ایک قبرستان بھی تعمیر کیا جس میں چار صحابی بشمول عمروؓ بن عاص دفن کیے گئے۔

شہر میں متعدد حمام بھی بنائے گئے جن میں سے ایک کا نام حمَّامُ الفَار (یعنی چوہوں کا حمام) پڑ گیا۔ اور اس نام کی وجہ تسمیہ صرف یہ تھی کہ یہ حمام رومی حماموں کے مقابلے میں نہایت چھوٹے اور حقیر تھے۔

۴۔ خلیج ترا جان | عمروؓ بن عاص نے تراجان[2] نامی ایک خلیج کھدوائی جو بابلیون کے شمال میں دریائے نیل سے نکل کر شہر عین شمس کے پاس سے گزرتی ہوئی وادئ طمیلات کو عبور کرکے موضع قنطرہ تک پہنچتی تھی۔ اور وہاں جاکر قلزم کے قریب بحر احمر کے ساتھ مل جاتی تھی۔

---

[1] سیوطی نے ان کی تعداد تیس بتائی ہے اور دوسروں نے اسی

[2] علی پاشا مبارک اپنے خطط میں لکھتا ہے کہ مقریزی کی تحریرات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ خلیج اُسی پرانی خلیج کا حصہ تھی جو عبرانیوں کے زمانے میں جہازرانی کے کام آتی تھی اور جو نیل اور بحر احمر کو باہم ملاتی تھی ــ مقریزی کے خطط میں لکھا ہوا ہے کہ "یہ خلیج قاہرہ کے مغرب میں قاہرہ اور معش کے درمیان واقع ہے۔ اور اسلام کے ابتدائی دور میں خلیج امیرالمومنین کے نام سے مشہور تھی۔" اور یہ وہی پرانی خلیج ہے جسے سب سے پہلے طوطلیس بن ملیانے کھودا تھا جو مصر کے اُن بادشاہوں میں سے ایک تھا جن کا پایہ تخت شہر منف ہوا کرتا تھا۔ پھر اس خلیج کو دوبارہ قیصر روم اندروماکس نے کھدوایا۔ جب ہیرودوت مصر پہنچا تو اس نے وہاں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نیل کو بحر احمر کے ساتھ ملانے کی پہلی کوشش نخوس بن ابسماطیکوس نے کی تھی۔ لیکن وہ خود اپنے ہاتھوں سے اُسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ پھر جب مصر میں اہل فارس داخل ہوئے تو دارا نے اس کی کھدائی شروع کرائی۔

بروایت ضعیف حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن عاص سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مصر کا دروازہ کھول دیا ہے اور یہ ملک نہایت زرخیز اور کثیر الغذا ہے۔ میرے دل میں کبھی کبھی یہ خیال گشت لگایا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مصر کو فتح کرادے تو اس کے ذریعہ مکہ اور مدینہ والوں کی تنگ حالی بھی دور ہو جائے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مصر کو مسلمانوں کے لئے فتح فرما دیا ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ دریائے نیل سے بحر احمر تک ایک خلیج کھدوادی جائے تیں کے ذریعہ وہاں سے آسانی کے ساتھ حرمین تک غذا اور خوراک لائی جا سکے۔

بروایت ضعیف عمروؓ نے بحیرۂ تساح اور بحیرہ ابیض کے درمیان خلیج کھودنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن خلیفۂ عمرؓ نے اس منصوبے کو اس بنا پر مسترد کر دیا تھا کہ پھر اس کے ذریعے رُومی آسانی کے ساتھ بحراحمر کی طرف پیش قدمی کر سکیں گے۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ اس کی مدد سے حاجیوں کا راستہ روکنے لگ جائیں۔

۵۔ تشیبی مصر | تشیبی مصر کے بعض شمالی علاقوں نے عربوں کی اطاعت سے روگردانی اختیار کی۔ اس لئے عمروؓ بن عاص نے کچھ فوج اُدھر روانہ کی جو کریون سے گزرتی ہوئی، خنا پہنچی جہاں کے حاکم طما نے بغاوت اختیار کر رکھی تھی۔[1] فوج نے دوبارہ اُس کی گردن جھکائی اور بہت سوں کو قید کر کے عمروؓ کے پاس روانہ کر دیا۔

عمروؓ اخنا سے فراغت پا کر بلہیبؒ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں پہنچ کر انہیں حضرت عمرؓ کا جواب وصول ہوا۔ اس خط میں حضرت عمرؓ کی طرف سے صلح اسکندریہ کی توثیق درج تھی۔ عمرو نے اس خط کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سُنا دیا۔ جس سے متاثر ہو کر انہوں نے بغاوت ترک کر دی اور اطاعت قبول کر لی۔ بلکہ بہت سے ان میں سے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

عمرو نے علاقہ رشید کے حاکم قزماںؒ اور برلسؒ کے حاکم خنا کے ساتھ بھی صلح کے پیمان کئے۔

فتح برلس کے بعد ساحل سمندر پر بڑھتے بڑھتے عمروؓ بن عاص دمیاط تک پہنچ گئے۔ اور اُسے فتح کرنے

---

[1] عمروؓ بن عاص نے طما کے پاس تحریری پیغام بھیجا کہ ان شرائط پر قیرس ہمارے ساتھ صلح کر چکا ہے۔ اور اس کی رُو سے مجملہ مصر مع تمہارے علاقے کے داخل صلح ہے۔ اس لئے تم ہمارے مطیع بن کر رہو۔ تو اس نے تحریر کو مسترد کرتے ہوئے خود دربارِ چیت کی خواہش ظاہر کی۔ ملاقات طے پا گئی۔ دوران ملاقات میں اُس نے جزیہ کی مقدار پوچھی تو عمروؓ نے پیوند لیتے ہوئے قریبی گرجا کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اگر تم اس گرجے کے ستون سے چھت تک بھی دولت عطا کر دو تو میں یہ بات پھر بھی نہ بتاؤں گا۔ تم تو ہمارا خزانہ ہو۔ اگر زیادہ دو گے تو تم ہی پر زیادہ خرچ کر دیا جائے گا اور کم دو گے تو یہ کمی بھی تمہاری طرف سے اپنے ہی لئے ہو گی۔

اس پر طما نے اطاعت سے انکار کر دیا۔ جس کے بعد عمروؓ نے اخنا کو بزورِ شمشیر فتح کر لیا۔

[2] یہ شہر رشید کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور بلاذری نے اس کا نام بلہیت لکھا ہے۔

[3] بعض روایتوں میں قزماس آیا ہے۔

[4] یہ شہر دریائے نیل کی شاخ بنبیتی کے دہانے پر واقع ہے۔

کے بعد نیل کے جملہ منافذ پر تاحدِ سمندر[۱] قابض ہو گئے۔

دمیاط کے قریبی شہر خیس کو بھی دمیاط ہی کے ساتھ فتح کر لیا گیا تھا[۲]

۶۔ تنیس اور شطا | تنیس[۳] ایک مشہور و معروف، اچھا خاصا وسیع اور خوبصورت شہر تھا۔ باریک اور نفیس کپڑا[۴] اس کی مخصوص صنعت تھی۔ تجارتی اہمیت بھی اس درجہ رکھتا تھا کہ صرف عراق ہی کے ساتھ اس کی درآمد و برآمد بیس سے تیس ہزار دینار سالانہ تک پہنچ جاتی تھی۔ یہ شہر ایک کشادہ جزیرے پر واقع تھا۔ جس میں جنوب کی طرف سے بحر روم کی ایک نہر داخل ہوتی تھی۔ شہر کے گرد متعدد فصیلیں تھیں جن کے اندر انیس فولادی دروازے بنے ہوئے تھے۔

شاہِ روم نے درخواست کی کہ یہ شہر میرے لئے چھوڑ دیا جائے اور میں اس کے بدلے میں تو شہر تک دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن عمروؓ نے اس کی درخواست مسترد کر دی۔

اس کا حاکم ابوطور[۵] بیس[۶] ہزار کا لشکر جرار لے کر مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہو گیا۔ اس لشکر میں قبطی، رومی اور عرب ہر قوم کے جنگجو بہادر شامل تھے۔ متعدد مقامات پر یہ لشکر مسلمانوں سے متصادم ہوا اور میدان حرب و ضرب میں دل کھول کر اپنے حوصلے نکالے۔ لیکن آخری فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس ٹڈی دَل کو مسلمان بہادروں نے شرمناک ہزیمت دی اور شہر میں فاتحانہ داخل ہو کر اموالِ غنیمت حاصل کئے۔

یہاں سے فراغت پا کر عمروؓ بن عاص فرما کی طرف روانہ ہو گئے۔

بلاذری یزید بن ابی حبیب بن جیشانی سے روایت کرتے ہیں کہ "یزید نے خود فاتحین مصر کی

---

[۱] شہر رشید نیل غربی کے مدخل پہ ادپہ کی طرف واقع تھا۔ اور بلبیب مجرائے نیل پہ اس کی شاخ رشید اور اسکندریہ کے درمیان واقع تھا اور برلس نیل کی شاخ سنبیتی پہ واقع تھا۔

[۲] بقول یاقوت یہ شہر غربی کنارے پر تھا اور اس کو خارجہ بن حذافہ نے فتح کیا تھا۔ (جلد ۲۔ ص ۵۰۰)

[۳] بروایتِ ضعیف یہ نام یونانی لفظ تنیس سے نکلا ہے۔ جس کے شروع میں قبطی زبان کی علامتِ تانیث لگا دی گئی ہے۔ THINNESS

[۴] بروایت مسعودی یہاں خلیفہ کے لئے ایک خاص کپڑا تیار کیا گیا تھا جس کی قیمت ایک ہزار اشرفی تھی۔ اس کی بناوٹ میں سونے اور کتان کے تار استعمال کئے گئے تھے۔

[۵] بعض روایتوں میں ابو ثور ملتا ہے۔

[۶] بعض حوالہ جات میں اس تعداد کو غلط قرار دیتے ہوئے صرف دو ہزار فوج کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک جماعت سے سنا ہے کہ عمروؓ بن عاص نے فسطاط کو فتح کرنے کے بعد عبداللہ بن حذافہ سہمی کو عین شمس کی طرف بھیجا جنہوں نے اس علاقہ کو فسطاط ہی کی شرائط صلح کے مطابق صلح سے فتح کیا۔ خارجہ بن حذافہ عادی کو مقاماتِ فیوم، اشمونین، اخمیم، بسترودات اور صعید کے دوسرے دیہات کی جانب لشکر دے کر بھیجا اور انہوں نے بھی اس سارے علاقے کو تسخیر کیا۔ عمیر بن وہب جمحی کو تنیس، دمیاط، تونہ[1]، دمیرہ[2]، شطا، دقہلہ[3]، بنا[4] اور بوصیر[5] کی طرف فوج کشی کی اور انہوں نے بھی ان سب کو صلح سے فتح کیا۔ عقبہ بن عامر جہنی کو بقیہ نشیبی علاقے سونپے اور انہیں وہ صلحاً مسخر کر آئے۔

اس طرح عمروؓ بن عاص نے فتوحاتِ مصر کی تکمیل کی اور اس کی تمام زمین کو خراجی زمین بنا لیا[6]

مقریزیؒ[7] راوی ہے کہ تنیس اور دمیاط کے درمیان شطا نامی ایک شہر ہے جس کے حاکم[8] نے اسلام کا تحقیقی مطالعہ کیا اور پھر مسلمانوں کے پاس آکر اسلام قبول کر لیا۔ اور اس کے بعد تنیس کی جنگ کے دوران ہی میں اہل برلس، دمیرہ، اشمون اور طناح کا لشکر اپنے ہمراہ لے کر مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اور نہایت دلیری کے ساتھ رومیوں کے خلاف جنگ کی۔ یہاں تک کہ خود اپنے ہاتھ سے بارہ دشمنوں کو قتل کیا، اور رات تک برابر تلوار چلاتا رہا۔ یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کیا اور اپنی ساری

---

[1] تونہ مصر کا ایک نواحی جزیرہ ہے (علی مبارک۔ خطط توفیقیہ میں)

[2] دمیرہ (بفتح اول وکسر ثانی) دمیاط کا قریبی گاؤں ہے (یاقوت معجم البلدان میں)

[3] دقہلہ بروایتِ یاقوت دمیاط سے چار فرسخ اور دمیرہ سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر ایک پرانا اور متمدن شہر ہے۔ علی مبارک نے اپنے خطط میں لکھا ہے کہ یہ شہر صوبہ دقہلیہ کا پرانا شہر ہے جو فارسکور کے مرکز میں واقع ہے۔ اور صوبہ کا نام بھی اسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

[4] فسطاط سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ایک پرانا شہر ہے۔

[5] بوصیر (بکسر الصاد)۔ سمندر کے ساحل پر اس نام کے چار شہر اور فیوم اور جیزہ اور بہنسا، واقع ہیں۔

[6] فتوح البلدان صفحہ ۲۲۱

[7] اس قصہ کو واقدی نے بھی فتوح مصر صفحہ ۱۴۳ پر لکھا ہے۔

[8] اس حاکم کا نام شطا بن الہمرک تھا جو مقوقس کا چچا تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق شہر کا نام بھی اُسی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ واقدی شطا کی ولدیت ہامرک بیان کرتا ہے۔

زندگی کو پاک کر گیا۔ یہ رات شعبان ۲۱ھ[1] ہجری کی درمیانی رات تھی (انا للہ وانا الیہ راجعون) مقریزی ہی کے بقول اس کی قبر عرصہ دراز تک زیارت گاہِ خلائق بنی رہی۔ دُور دور سے لوگ سفر کر کے آتے اور اس کی قبر پہ دعائیں کر کے واپس جاتے تھے۔

۷۔ قیرس کی موت | قسطنطنیہ میں سیاسی خلفشار پیدا ہونے کی وجہ سے ملکہ مرتینا اور اس کے بیٹے کا اقتدار ختم ہو کر روم کی شہنشاہی صرف کونستانس کی ذات پہ منحصر ہو گئی تھی۔ ایسے سیاسی ماحول میں قیرس کا اثر و نفوذ باقی رہنا مشکل تھا۔ اس لئے اس پہ نہ صرف اپنے زوالِ اقتدار کا بلکہ جلاوطنی اور قتل تک کا خوف طاری رہنے لگا۔ اس رنج و غم نے اس کی صحت کو یہاں تک مضمحل کر ڈالا کہ بالآخر وہ مہلک پیچش کا شکار ہو کر مورخہ ۲۱ر مارچ ۶۴۲ء کو فوت ہو گیا۔[2]

حنا نقیوس کے الفاظ میں اُس کی موت کی کہانی یہ ہے:۔ "اُس پہ رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس کی وجہ سے وہ سخت پیچش میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کی نیند سو گیا[3]....... وہ اسی رنج و غم میں خون کے آنسو روتا تھا کہ مبادا وہ پہلے کی طرح اب دوبارہ پھر جلاوطن نہ کر دیا جائے اور یہ صدمہ اس کے اعصاب پر کچھ اس طرح مستولی ہوا کہ اس کی روح اُس سے چھٹکارا نہ پا سکی اور وہ اسی حالت میں فوت ہو گیا۔[4]

۸۔ مہلت کا خاتمہ | آج ستمبر ۶۴۲ء کی اُنیس تاریخ ہے۔ رومی جہازوں کا بیڑہ[5] تھیوڈور کی نگرانی میں اپنے لنگر اُٹھائے ہوئے ہے اور بادبان کھولے ہوئے روانگی کے لئے تیار کھڑا ہے۔ اس بیڑے میں تھیوڈور اپنی ہزیمت خوردہ فوج کو سوار کر کے قبرص کی طرف کوچ کر جائے گا اور اسکندریہ کو خالی کر دے گا ۔۔۔ کیوں؟ ۔۔۔ اس لئے کہ اس ماہ کی اُنتیس[6] تاریخ کو مہلت کی وہ میعاد ختم ہو جائے گی جس کا ذکر شرائطِ صلح میں کیا جا چکا ہے۔

---

[1] مطابق ۱۹ جولائی ۶۴۲ء

[2] ایک قبطی روایت میں وفاتِ قیرس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ عمرو نے جب سکندریہ پہ قبضہ کر لیا تو وہاں کے حاکم کو اس بات کا اندیشہ ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عمرو اسے قتل کروا دیں۔ وہ حاکم بدگمان طبیعت کا آدمی تھا جو شہر کے دینی اور دنیوی دونوں شعبوں کے ذمہ دار کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب اس کے دماغ پر اس موہوم بدگمانی کا پورا غلبہ ہوا تو اس نے زہریلی انگشتری اپنے مُنہ میں رکھ لی جس کے اثر سے وہ فوراً مر گیا"

[3] دیوان ص ۵۰۰

[4] دیوان ص ۵۰۸ ۔ [5] ایک روایت کے مطابق اس بیڑے میں سو کشتیاں تھیں

وہ دیکھو، اسکندریہ نے بھی اپنے دروازے کھول دیئے ہیں ــــــ کس کے لئے؟ ــــــ عمرو بن عاص اور اس کی افواج کا استقبال کرنے اور انھیں اپنے آغوش میں لینے کے لئے۔

بس اب عمرو بن عاص کو بھی خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کے پاس مژدۂ شادمانی بھیجنے کے لئے مزید انتظار کی حاجت نہیں رہی۔ انھوں نے ان الفاظ میں فتح کی خوش خبری حضرت امیر المومنین کو بھیجی:-

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم پر اس عدیم المثل بلاد شہر کے دروازے کھول دیئے ہیں جس کی شان یہ ہے کہ اس میں چار ہزار عالیشان محلات و قصور ہیں۔ چار ہزار حمام اور اور طعام خانے ہیں۔ چار سو کھیل کے میدان ہیں۔ بارہ ہزار میوہ فروش ہیں اور چالیس ہزار یہودی ذمی آباد ہیں۔"

۹۔ بنیامین کی واپسی | حضرت عمرو بن عاص کو بطریق بنیامین کے ساتھ قبطیوں کی اُلفت و محبت کا اندازہ ہوا تو اس کی تلاش کے لئے یہ تدبیر کی کہ ملک میں قبطیوں کے متعلق امن عام کا اعلان کرا دیا اور اس اعلان میں بنیامین کے نام کا خصوصیت کے ساتھ اظہار کرتے ہوئے منادی کرا دی گئی کہ بڑے بطریق کو مع اُن تمام قبطیوں کے امان دی جاتی ہے جو سرزمین مصر میں روپوش ہیں یا اس سے باہر کسی دوسرے ملک میں جا چکے ہیں۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ اور اُن کو ہماری طرف سے کسی بدعہدی کا بھی اندیشہ نہ رکھنا چاہیئے۔"

ایک روایت میں منادی کے یہ الفاظ لکھے ہیں:-

"قبطی بطریق بنیامین جہاں کہیں بھی موجود ہو ہم اُسے حفاظتِ جان اور امان کا یقین دلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس عہد پر گواہ ٹھہراتے ہیں۔ بطریق کو پورے امن و اطمینان کے ساتھ یہاں پہنچ کر اپنی قوم کی دینی رہنمائی کا منصب بدستور سابق حاصل کر لینا چاہیئے۔"

یہ امان بنیامین تک پہنچی تو وہ صحرا سے اپنا پوشیدہ مقام چھوڑ کر اسکندریہ چلا گیا۔ اسکندریہ پہنچ کر جب وہ پورے اطمینان کے ساتھ اپنے معتقدین میں قیام پذیر ہو گیا تو عمروؓ نے ایک دن اُسے

---

[1] اصطخری کی مسالک الممالک میں اس تعداد کو مبالغہ آمیز قرار دیا گیا ہے (جلد ۱ ص۱۰)
مقریزی نے حماموں کی تعداد بارہ ہزار بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ سب سے چھوٹے حمام میں ایک ہزار نشستیں بنی ہوئی تھیں۔

اپنے پاس بُلایا اور پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ اُس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم نے جتنے علاقے بھی فتح کیئے ہیں اُن میں آپ جیسا پیشوائے دین میری نظر سے کہیں نہیں گزرا"۔
اس کے بعد عمرؓو نے حکم صادر کیا کہ قبطی قوم کی دینی پیشوائی کا منصب باقاعدہ طور پر بنیامین کے سپرد کر دیا جائے۔

بنیامین اس عزت افزائی پر شاداں و فرحاں اور جذباتِ ممنونیت لئے ہوئے عمرو کے پاس سے روانہ ہو گیا اور اپنے متبعین کے حلقہ میں پہنچ کر مندرجہ ذیل الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا:۔

"مجھے اپنے شہر اسکندریہ کی طرف پھر ایک بار لوٹ آنے کا موقع اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا۔ اور اس حال میں فرمایا کہ اب یہاں خوف کے بعد امن کا اور مصیبت کے بعد اطمینان کا دَور دَورہ ہے اور کافروں کے جور و استبداد کا خاتمہ ہو چکا ہے"۔

یہ احساسِ حرّیت قریب قریب سارے ہی قبطیوں میں پایا جاتا تھا۔ اور اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ساویرس بھی مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے پر مجبور ہو گیا:۔

"قبطی قوم رومی استبداد سے آزاد ہو کر ایسی خوش ہوئی جیسے بکری کا بچہ اُس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کی رسی کھول دی جائے اور وہ اپنی ماں کے تھنوں کی طرف دُودھ پینے کے لئے جھپٹ پڑے"۔

اس اعترافِ حقیقت سے مشہور متعصب نقیوسی بھی اپنے قلم کو روک نہ سکا۔ لکھتا ہے:۔

"عمرو نے گرجوں کی املاک میں سے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اور نہ ہی اُن کا ایک تنکا غصب یا غنیمت میں حاصل کیا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک کنیسوں کی حمایت و حفاظت کرتا رہا"۔[1]

مذہبی معاملات کے علاوہ رعایا کی عام خوش حالی اور ملک کی سیاسی ترقی کے بارے میں بھی عمرو بن عاص وقتاً فوقتاً بنیامین سے صلاح و مشورہ لیتے اور اس کے مناسب مشوروں پر عمل کرتے رہے۔

مثلاً بنیامین کی ایک رائے یہ تھی کہ زمین کے غلہ کا خراج اس وقت وصول کیا جائے جب کسان

---

[1] دیوان ص ۵۸۴

اور باغبان پیداوار تیار کر کے فراغت پا چکے ہوں۔ چنانچہ عمرؓو نے اس رائے کو قبول کیا اور جملہ تحصیلداران کے نام ضروری احکام جاری کر دیئے۔

اسی طرح انہار مصر کی کھدائی، صفائی، اُن کے پلوں کی تعمیر و مرمت، نالیوں کی سالانہ دیکھ بھال، عمال کو رشوت ستانی سے محفوظ رکھنے کے لئے اُن کی تنخواہوں کی وقت پر ادائیگی اور مناصب پر رحم دل لوگوں کا تقرر، ان سب اصلاحات میں بنیامین کے مشوروں کو عمرؓو نے کھلے دل کے ساتھ قبول کیا اور مستعدی کے ساتھ انہیں نافذ کیا۔

۱۰۔ شہری آزادیاں | عمرؓو بن عاص نے مذہبی اور فکری آزادی مکمل طور پر دے رکھی تھی۔ اور اسی آزادیٔ فکر کا یہ نتیجہ تھا کہ روم اور مصر کے بہت سے فلسفی اپنی اپنی مذہبی درسگاہیں قائم کر کے اپنے اپنے مذاہب کی تعلیم دینے لگے۔ اور جب انہوں نے اپنے آزادانہ مطالعہ اور تحقیق کے ذریعہ مسیحیت میں الحاد اور ملحدین نصرانیت میں باہمی ٹکراؤ دیکھا تو اس آزادیٔ فکر کی برکت سے وہ کسی ایسے مذہب کو تلاش کرنے لگے جو مذکورہ بالا نقائص سے پاک ہو، چنانچہ اس قسم کے حقیقت جو اور غیر متعصب عقلاء کی نظرِ تحقیق و تدقیق نے اسلام کو مطلوبہ معیار پر پایا تو ان کی اکثریت بطیب خاطر اسلام میں داخل ہو گئی گویا انہیں اسلام کی خوبیوں نے اتفاقی طور پر اپنی طرف کھینچا۔ نہ کہ مسیحیت کے نقائص نے سلبی طور پر اسلام کی طرف دھکیلا۔ جیسا کہ بٹلر اپنی اپنی مندرجہ ذیل تحریر سے غلط تاثر دینا چاہتا ہے۔

"یہ کہنا قرینِ انصاف نہیں ہے کہ قبطیوں میں سے ہر وہ شخص جو اسلام میں داخل ہُوا طلب دنیا ہی کے لئے داخل ہُوا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان داخل ہونے والوں میں دونوں طرح کے آدمی تھے۔ کچھ تو بلاشبہ اسی لالچ سے مسلمان ہُوئے کہ وہ فاتحین کے برابر کے بھائی بن جائیں۔ جس کے بعد ان کا جزیہ بھی معاف ہو جائے گا اور باقی تمام حقوق میں بھی اُن کی حیثیت مساویانہ ہو گی ـــــ لیکن اصل ناگوار حقیقت یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی اکثریت اُن عقلاء اور اہل الرائے پر مشتمل نظر آتی ہے۔ جنہوں نے مسیحیت کے نقائص و معائب کو دیکھ کر اُسے ناپسند کیا تھا۔ اور اس کراہت کی بڑی ذمہ داری خود مسیحیوں ہی پر عائد ہوتی ہے۔ جن کے اعمال سراسر اُن کی تعلیمات کے متناقض تھے۔ غضب خدا کا مسیحیت نے جس محبتِ الٰہی اور شفقتِ خلائق کی تلقین سب سے زیادہ کی تھی، مسیحیوں نے سب سے زیادہ خلاف ورزی اُسی کی کی اور طرفہ یہ کہ

خود اپنے ہی دینی اور مسیحی بھائیوں کے مقابلہ میں کی۔

اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ جب مصر کے ارباب عقل و شعور کے سامنے اسلام اپنا پیغام امن لے کر آیا تو انہوں نے مسیحیوں کی بدکرداریوں سے پناہ مانگتے ہوئے اسلام کے دامنِ عافیت میں پناہ لی۔"

۱۱۔ ملکیتِ زمین میں مساوات چونکہ مسلمان ہمیشہ جہاد کے لئے دور دراز علاقوں میں جاتے رہتے تھے۔ اور اسلام کے مفتوحہ وسیع علاقوں میں جگہ جگہ فاعی ضروریات پیش آتی رہتی تھیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مسلمانوں کے لئے زمین کی ملکیت کا دروازہ بند ہی رکھا۔ اور اس کے بجائے اُن کے ذاتی اور عائلی اخراجات کے لئے تسلی بخش وظائف مقرر کیئے۔ چنانچہ ابن عبدالحکم لکھتا ہے کہ :۔

"حضرت عمرؓ نے ایک شخص ابنِ مستور کے سوا کسی مسلمان کو بھی مصر کی زمین کا کوئی ٹکڑا عطا نہیں کیا اور اُس کو بھی اس لئے دے دیا تھا کہ وہ غلام تھا جس کے کافر آقا نے اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اُسے اپاہج کر دیا تھا اور اب نہ وہ کمانے ہی کے قابل رہا تھا اور نہ ہی جنگ میں جا سکتا تھا۔ اور اسے آزاد بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرایا تھا۔"

اس کے بعد جب مسلمان مصر میں پوری طرح مطمئن ہو گئے اور کسی طرف سے کسی قسم کے سیاسی خطرے کا اندیشہ نہ رہا تو پھر انہیں بھی زمینیں حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ عام اہل مصر سے زیادہ زمین نہیں لے سکتے۔ اور جو بھی زمین حاصل کریں گے اُس پر عوام کی طرح وہ بھی محصول ادا کریں گے۔

اس طرح گویا عمروؓ بن عاص نے فاتح مسلمانوں اور مصر کی عام رعایا کے درمیان مساوات کا ایک عدیم المثال نمونہ پیش کیا۔

۱۲۔ فوجی مصارف فوج کے مصارف تین ذرائع سے پورے کیئے جاتے تھے

۱۔ جزیہ سے جو رقم وصول ہوتی تھی اُس میں سے فوجیوں کے لئے وظائف مقرر تھے۔

۲۔ جس علاقہ میں فوج بھیجی جاتی تھی اُس علاقہ سے اُس کی سہ روزہ مہمانداری کا خرچ وصول کیا جاتا تھا۔

۳۔ ہر بستی میں کچھ زمین شخصی ملکیت سے مستثنیٰ اور مفادِ عامہ کے لئے محفوظ کرلی گئی تھی جس سے مختلف قسم کے مفاد وابستہ تھے۔ اور اس بارے میں عمروؓ بن عاص کی طرف سے فوج کے لئے

مندرجہ ذیل ہدایات تھیں :۔

ہر راعی پر اپنی رعیت اور ہر نگران پر اپنے حلقۂ نگرانی کی حفاظت ضروری ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ان سبزہ زاروں کی شکل میں تم پر اپنی برکات نازل کی ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ
ان سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ ان کی پیداوار، ان کے مویشیوں کا دودھ، ان کے پرندوں اور
شکاروں کو اپنی خوراک بناؤ۔ اور اپنے گھوڑوں کو بھی ان چراگاہوں میں چرا کر فربہ اور طاقتور
کرلو اور ان کی نگہداشت میں کسی طرح کی کوتاہی اور کمی نہ رکھو۔ اس لئے کہ یہی گھوڑے
دشمن کے مقابلہ میں تمہاری سپر ہیں۔ اور انہی کی بدولت تم میدانِ جہاد میں غنیمت
حاصل کرتے ہو۔ یقین جانو کہ میری نگاہ میں گھوڑوں کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل ہے جتنی
اہمیت خود ان کے سواروں کو ہے۔ یاد رکھو جس مجاہد کے گھوڑے کو میں نے بغیر کسی بیماری
کے نحیف و لاغر دیکھ لیا اُس کے وظیفہ میں سے اتنی ہی رقم کاٹ لوں گا۔

اس بات کو بھی نہ بھولنا کہ تم ہر چہار طرف سے دشمنوں کے نرغے میں ہو اور وہ تمہاری
غفلت کے مواقع کو نہایت غور اور احتیاط سے دیکھ رہے ہیں۔ اُن کے دل اس
سرزمین سے اٹکے ہوئے ہیں جو اپنی زرخیزی، کثرتِ پیداوار اور دیگر بے شمار برکات
سے مالا مال اور ہر لحظہ ترقی پذیر ہے۔ اس لئے یقین رکھو کہ تم قیامت تک کے لئے
رات دن جہاد کے میدان میں دست بہ تیغ اور پا بہ رکاب ہو۔

۱۳۱۔ نظامِ محاصل | عمرو بن عاص نے محاصل کا ایسا عمدہ اور جدید نظام جاری کیا جس سے قبطی بہت
خوش ہوئے۔ اس انتظام میں بطریق بنیامین کے مشوروں سے بھی مدد لی گئی تھی۔

سابق رُومی نظام کے مقابلہ میں جدید اسلامی نظام کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں خراج کی
مقدار کو فصل کے حالات، پانی کی مقدار اور پیداوار کی کمی بیشی کا تابع کر دیا گیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے ان
لوگوں کو ہر حال میں مقررہ مقدار ادا کرنی پڑتی تھی خواہ موسمی حالات کیسے ہی مخالف کیوں نہ ہوں۔

پیداوار کے اندازے کی یہ صورت کی گئی تھی کہ ہر پرگنہ اور گاؤں کے نمبردار اپنے اپنے علاقہ کے
نمائندے بن کر ہر سال تشخیص کنندہ کمیٹی کی صورت میں ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے اور ان میں سے ہر ایک
ایمانداری کے ساتھ اپنے علاقہ کے موسمی حالات کو سامنے رکھ کر اُس سال کا خراج متعین کرتا تھا۔
اور اس طریقہ میں اگر کبھی کمی کا امکان تھا تو دوسرے وقت اضافہ کا بھی پورا امکان موجود تھا۔ اور جب
کبھی خراج اپنی مقررہ مقدار سے زیادہ ہو جاتا تھا تو اُس کی مقدار زائد کو بھی اسی علاقہ کے عام مفاد پر

خرچ کر دیا جاتا تھا۔

عمرؓ بن عاص اہلِ مصر سے جتنا خراج وصول کرتے تھے وہ اُن محاصل سے بہت کم تھا جو رومیوں نے قسم قسم کے بھاری ٹیکسوں کی صورت میں اُن پر عائد کر رکھے تھے۔

اسکندریہ والے اسکندریہ کی تعمیر کے بعد ہی سے شاہی معافی کے ماتحت ٹیکس اور مضافاتی زمین کے خراج سے مستثنیٰ رہتے چلے آئے تھے[1] اور اس طرح رومی اور یہودی دونوں قوموں نے اہلِ مصر کے مقابلہ میں اپنے لیے خصوصی امتیازات قائم کر رکھے تھے۔ عمرؓ نے اپنے دور میں ان شاہی امتیازات کو یکسر ختم کرتے ہوئے تمام محاصل کو اسکندریہ والوں پر عائد کیا جس سے مصر والے بجد خوش ہوئے۔ اور اُن کی فضائے قلوب سے احساسِ کمتری کی ساری گھٹائیں دور ہو کر اُن پر حریت اور مساوات کے چاند سورج ضیا بار ہو گئے۔

ہر شہر میں عمرؓ نے معتدبہ زمین مفادِ عامہ کے لیے بھی مخصوص کر دی جس کی ساری آمدنی کنیسوں، حماموں اور سڑکوں وغیرہ پر خرچ کی جاتی تھی۔

محاصلِ مصر کی مجموعی آمدنی کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے
بلاذری کے نزدیک اس کی مقدار ایک کروڑ دینار تھی ہے
مقریزی ایک کروڑ بیس لاکھ بیان کرتا ہے۔

اس اختلافِ روایت کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے وصولی کا اصل ضابطہ وہی دو دینار فی کس تھا جس کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔

خراج کی اس قلیل وصولی کے باوجود بھی عمرؓ اس بات کے زیادہ حریص تھے کہ اہلِ مصر کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھیں۔ اور اس مقدار میں بھی معمولی معمولی بہانوں سے کمی کر دیا کریں۔ اور اس طرح جزیہ و خراج کی جو رقم بھی وصول ہوتی اُسے بھی زیادہ سے زیادہ انہی کے قومی اور ملکی مفاد میں خرچ کر دیں۔ مثلاً اُن کے لئے نہریں کھدوا دیں، پُل اور پلیاں بنوا دیں اور اُن کی صفائی اور حفاظت کی خاص احتیاط کی۔

اس کے علاوہ جس علاقہ کے بارے میں بھی معلوم ہو جاتا کہ اس کی پیداوار پر کسی ارضی یا سماوی آفت

---

[1] اہلِ اسکندریہ کو خود اسکندرِ اعظم نے خراج کی معافی دے رکھی تھی۔ جسے بطالسہ نے بھی بحال رکھا۔ اور اب رومیوں نے بھی نہ صرف اپنی ذات کے لئے بلکہ اپنی نسلوں تک کے لئے اس حق کو محفوظ کر رکھا تھا اہلِ اسکندریہ خراج اور جزیہ کی طرح سرکاری بیگار سے بھی مستثنیٰ تھے۔

سے ناگوار اثر پڑا ہے تو اس کا خراج معاف فرما دیجئے۔

ایک کمزور روایت میں ہے کہ خلیفہ عمرؓ کو جزیرۂ عرب کے سیاسی استحکام کے لئے کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ اس لئے وہ عمرؓو بن عاص سے اس بات کا برابر اصرار کرتے رہتے تھے کہ وہ مصر کا سارا خراج مرکزی بیت المال کے لئے روانہ کیا کریں۔ لیکن عمرؓو بن عاص کی مصر نوازی اس فرمان کے راستہ میں برابر حائل رہی۔ یہاں تک کہ خلیفہ کو مجبور ہو کر مراسلت میں اپنا لب و لہجہ بدلنا پڑا۔ جس کا اندازہ اُن کے مندرجہ ذیل خط سے ہوتا ہے:۔

"افسوس ہے کہ میں تمہیں خراج روکنے کے بارے میں اتنے خطوط لکھ چکا ہوں۔ لیکن تم ان کا معقول جواب نہیں دیتے۔ حالانکہ تمہیں میری طبیعت کا پورا پورا اندازہ ہے۔ کہ میں تمہارے صحیح اور عمدہ طرزِ عمل ہی سے خوش ہو سکتا ہوں لاگ لپیٹ کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے تمہیں مصر اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ اُسے تمہاری ذات اور تمہاری قوم کے لئے لقمۂ تر بنادو بلکہ اس لئے بھیجا تھا کہ تم اپنے حسنِ تدبیر و سیاست سے اُس کے خراج میں خاطر خواہ اضافہ کرو گے۔

مختصر بات یہ ہے کہ جس وقت تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو فوراً خراج کی رقم مدینہ روانہ کر دو۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کا حق ہے ۔۔۔۔۔"

اس کے جواب میں عمرو نے لکھا:۔

"خدا کی قسم آپ کے پیش کردہ مصالح سے مجھے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمینداروں نے مجھ سے غلہ تیار ہونے تک مہلت مانگ رکھی ہے۔ اور ان کے ساتھ اتنی سختی مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنی اصلی ضروریات فروخت کر کے خراج ادا کریں۔"

اس روایت سے اس بات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ عمرؓو اہلِ مصر کی ترقی کو ہر چیز سے زیادہ مقدم اور ضروری سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنی اس مصر نوازی کی بدولت اپنے خلیفہ تک کو ناراض کر لیا تھا۔

۱۴۔ عروسِ نیل کی کہانی | قبطی مہینہ بؤونہ میں اہلِ مصر کا ایک وفد عمرؓو کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ "ہمارے دریائے نیل کی ایک قدیم عادت یہ ہے کہ یہ اس وقت تک طغیانی میں نہیں آتا جب تک کہ اس کی سالانہ بھینٹ ادا نہ کر دی جائے۔"

عمرؓ نے دریافت کیا "وہ بھینٹ کیا ہوتی ہے ؟" انہوں نے عرض کیا کہ "جب اس مہینے کی بارھویں تاریخ گزر جاتی ہے تو ہم کسی کنواری لڑکی کو اس کے والدین سے مُنہ مانگی قیمت پر خرید کر پھر اُسے بہتر سے بہتر قیمتی لباس اور زیورات پہنا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ جس کے بعد وہ اپنی روانی پکڑ لیتا ہے۔" عمرو نے فرمایا "اسلام سے پہلے جو کچھ ہو چکا، ہو چکا لیکن اب اسلامی دور میں اتنا بڑا ظلم نہیں ہو سکتا۔"

بات ختم ہو گئی۔ بوؤنہ کا سارا مہینہ گزر گیا مگر دریائے نیل بیدار نہ ہوا۔ اس کے بعد کا مہینہ ابیب بھی خشکی ہی میں گزر گیا۔ اور پھر تیسرے مہینے میں بھی نیل سوتا ہی رہا۔ اب تو اہلِ مصر کو قحط سالی کا پورا یقین ہو گیا۔ اور اکثر و بیشتر افراد نے تو مصر کو چھوڑ کر چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ عمرؓو بھی متفکر ہو گئے۔ اور تمام صورتِ حال حضرت عمرؓ کے پاس لکھ کر بھیج دی۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ :۔

"تم اس ظالمانہ رسم کے ختم کرنے میں حق بجانب ہو۔ اپنے موقف پر ڈٹے رہو۔ اور میں اپنے خط کے ساتھ جو پُرزہ بھیج رہا ہوں اُسے فوراً دریا کے اندر ڈال دینا۔ پُرزے پر جو عبارت لکھی تھی وہ یہ تھی :۔

"اللہ کے بندے امیرالمومنین عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ امابعد اے نیل اگر تو اپنے اختیار سے بہا کرتا تھا تو بیشک سو یا پڑا رہ۔ اور اگر اللہ واحد و قہار کے حکم سے بہتا تھا تو ہم اللہ واحد قہار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو رواں کر دے"

عمرؓو بن عاص نے لوگوں کو خلیفہ کے خط اور پُرزے کی اطلاع دے کر اُس پرزے کو عیسائیوں کی عید سے ایک دن پہلے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ کل تک تو لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ مصر سے نکل جانے کے لئے بوریا بستر باندھے بیٹھے تھے۔ لیکن آج عید کی صبح کو جب بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نیل ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ایک ہی رات میں ۱۶ ہاتھ طغیانی لا چکا ہے۔

عروسِ نیل کی کہانی مسلمان مورخین نے اکثر کتابوں میں نقل کی ہے۔ ہم نے اسے نجوم زاہرہ سے لیا ہے۔

بٹلر اس کہانی کی تاریخی اصلیت کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن مسیحی دور میں اس پر عمل کیے جانے کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور کہتا ہے کہ :۔

"مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ یہ قصہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ لیکن میں اس بات کو سفید جھوٹ سمجھتا ہوں کہ مسیحیوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اس فعلِ شنیع پر عملدرآمد بھی

کیا ہوگا۔ جبکہ یہ اُن کے مذہب اور دیانت کے سراسر خلاف اور متناقض تھا۔"

عروسِ نیل کا افسانہ دراصل قصۂ اغریقیہ کی نقل در نقل ہے۔ اغریقیہ کی کہانی مورخ پلو مارک نے اس طرح بیان کی ہے کہ مصر کا ایک قدیم بادشاہ اجپتیس جب مختلف مُلکی مصائب و آفات میں گِھر گیا تو اُس نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ وہ الہامی طریقہ سے ان مصائب کا علاج اُسے بتائے چنانچہ اس پر یہ بات منکشف ہوئی کہ وہ اپنی بیٹی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دے۔ چنانچہ اُس نے اس پر عمل کیا ـــــ بیٹی کو غرق کر دینے کے بعد اُسے اپنے ظلم پر سخت ندامت ہوئی اور اُس نے جوشِ انتقام میں خود کو بھی نیل کی موجوں کے حوالے کر دیا اور ہلاک ہو گیا۔

۱۵۔ اسکندریہ کا کتبخانہ اسکندریہ میں ایک عظیم الشان کتبخانہ بھی تھا۔ یہ کتبخانہ دنیا کے عظیم الشان کتبخانوں میں سے ایک تھا جس میں علوم و فنون کی بہترین کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ اس کو بطالسہ نے شاہی محلات کے متصل عجائب خانہ کی عمارت کے کئی عالیشان کمروں میں قائم کیا تھا اور سات لاکھ کے قریب کتابیں اس میں جمع تھیں۔

یہی وہ کتبخانہ تھا جس کے جلا دینے کا جھوٹا الزام عرصۂ دراز تک عمروؓ اور عمرؓ کے ذمہ لگایا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ دیگر علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ علم نقد و تبصرہ نے بھی ترقی کی اور جب علمائے تاریخ نے اس الزام کو تنقید و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا تو اس کا دروغ کھل کر سامنے آگیا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ فتوحاتِ مصر کے بعد پوری پانچ صدیوں تک یہ قصہ کسی تاریخ میں دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ اُس دور کا قلم ثانوی صدی اُن مورخین کے ہاتھ میں تھا جنھوں نے مسلمانوں کو مطعون کرنے اور سوئی کا بھالا اور رائی کا پہاڑ بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اس قصہ احراق کو سب سے پہلے ابوالفرج بن عبری نے مختصر تاریخ الدولؒ میں درج کیا۔ پھر اُس سے ابوالحسن القفطی نے اپنی تاریخ الحکماءؒ میں نقل کیا۔ یہی پھر کیا تھا۔ ان کے بعد آنے والے تمام مورخین ان ہی کی مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔

---

[۱] ڈاکٹر حسن ابراہیم کہتا ہے کہ واقعۂ حریق کو عمروؓ بن عاص کی طرف سب سے پہلے مورخ عبداللطیف بغدادی (متوفی ۱۲۲۹ء) نے اپنی کتاب الافادۃ والاعتبار میں بیان کیا۔

(تاریخ عمرو بن العاص صفحہ ۱۴۴)

[۲] یہ دونوں مورخ تیرھویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ قصہ مؤرخین کی زبان سے اس طرح بیان کیا جاتا ہے :۔

"اسکندریہ کا رہنے والا حنا النحوی ایک قبطی پادری تھا جسے بدعقیدگی کے الزام میں پادریوں کی مجلس نے معزول کر دیا تھا۔ یہ شخص انقلاب اسکندریہ کے بعد عمرو ؓ سے ملا اور اپنی ذکاوت وذہانت اور علم وفضل کی بنا پر اُن کا تقرب حاصل کر لیا۔ جب اُس نے عمرو ؓ کے دل میں رسوخ ونفوذ حاصل کر لیا تو ایک دن موقع پاکر کہنے لگا :۔

حنا النحوی : عمرو ؓ! آپ نے تمام اسکندریہ دیکھ لیا ہے اور اس کے عجائبات پر بھی مُہر لگا دی ہے۔ لیکن آج میں آپ سے ایک ایسی چیز مانگنا چاہتا ہوں جو آپ کے لئے تو کچھ مفید نہیں ہے۔

لیکن میرے لئے بڑے کام کی ہے۔

عمرو بن عاص : وہ کیا چیز ہے ؟

حنا النحوی : میرا اشارہ رومی کتبخانہ کی حکمت آمیز کتابوں کی طرف ہے۔

عمرو بن عاص : یہ تو ایک اہم معاملہ ہے۔ اور خلیفہ عمر ؓ کی اجازت کے بغیر میں خود اس بارے میں کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ چنانچہ عمرو ؓ نے خلیفہ ؓ کو سارا واقعہ لکھ بھیجا جس کا جواب وہاں سے یہ آیا کہ تم نے جو کتابوں کا ذکر کیا ہے تو اس بارے میں یہ ہے کہ اگر اُن کتابوں کے مضامین کتاب اللہ کے موافق ہیں تو ہمیں کتاب اللہ کی موجودگی میں اُن کی کوئی حاجت نہیں۔ اور اگر وہ کتاب اللہ کے خلاف ہیں تو ہمیں اُن سے کوئی ہمدردی نہیں، اس لئے انہیں آگ کے حوالے کر دو۔"

مؤرخین نے اس واقعہ پر مزید اس بات کا اضافہ کیا کہ عمرو ؓ نے اس حکم کے بعد کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں پر تقسیم کر دیا۔ جنہیں وہ چھ مہینے تک برابر جلاتے رہے۔

اب ہم تاریخ کے ہسپتال میں واقعات کی میز پر تنقید کے نشتر سے اس پُتلے کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں :۔

١۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کہانی کا راوی حنا النحوی مسلمانوں کے داخلہ مصر کے وقت سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے کہ تاریخ سے اُس کے دورِ حیات کا پتہ ۵۲۶ء

لے بعض مسلمان مورخوں نے اس کا نام یحییٰ لکھا ہے۔ اور بعض نے یوحنا نحوی۔

میں چلتا ہے۔ جو انقلاب مصر سے ایک سو پندرہ برس پہلے کا زمانہ ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ قابلِ غور ہے کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ بطالسہ کا کتبخانہ ۴۸ق م میں اس وقت نذرِ آتش ہو چکا تھا۔ جب قیصر اسکندریہ پہنچ کر اس کی بندرگاہ پر ہی محصور کر دیا گیا تھا۔ جس کے بعد اس نے اپنے بحری بیڑے کو خود اپنے ہی ہاتھ سے آگ لگا دی تھی۔ اور اس آگ کی لپٹوں نے کتبخانہ کو جلا دیا تھا۔

امیانوس نامی مورخ جس کی تائید ایک دوسرے مورخ سیدیس نے کی ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ "اسکندریہ کا کتبخانہ جو سات سو کتابوں پر مشتمل تھا اور جسے بطالسہ نے بڑی کاوشوں سے جمع کیا تھا، اسکندریہ کے حملے کے وقت نذرِ آتش ہو گیا تھا"

مورخ اور میلوسس لکھتا ہے کہ "دورانِ جنگ میں قیصر نے شاہی بیڑے کو جلا دینے کا حکم دیا۔ اور یہ بیڑا چونکہ سمندر کے کنارے پر تھا اس لئے اس کی آگ شہر کے ایک حصے تک پہنچی۔ اور انہوں نے چالیس ہزار کتابوں کے اس کتبخانہ کو خاکستر بنا دیا جو اس کے بالکل قریب ہی تھا"

مورخ دیو کا سیوسس لکھتا ہے کہ "........ آگ بندرگاہ سے تجاوز کر کے عمارات تک پہنچی۔ اور اس نے گندم کے ذخیروں اور کتابوں کی لائبریری کو بھی بھسم کر دیا"

۳۔ یہ بات بھی پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ کتبخانۂ اسکندریہ کے ایک دفعہ جلنے کے بعد دوبارہ پھر جو کتبخانے قائم کیے گئے تھے وہ بھی مسلمانوں کے داخلۂ مصر سے پہلے ہی تلف ہو چکے تھے۔ ...... ایک روایت میں ہے کہ اسکندریہ میں دو کتبخانے تھے۔ ایک بروکیون کا۔ جو ۲۶۲ء میں بزمانۂ جالینیاسس تلف کیا جا چکا تھا۔ دوسرا سرابیوم کا جو ۳۹۱ء میں تیوفیلوس کے حملے کے وقت تلف ہو چکا تھا۔ اور اس طرح ان دونوں کتبخانوں کا نام و نشان فتح مصر سے دو سو پچاس سال پہلے ہی مٹ گیا تھا۔

شبلر کہتا ہے کہ تم نے حالاتِ سابقہ سے اس بات کا مشاہدہ کر لیا ہو گا کہ ۳۶۶ء کے مذہبی مناقشات میں پرستارانِ قیصر کس بری طرح لوٹے اور برباد کیے گئے۔ اور گمانِ غالب یہی ہے کہ وہاں کا کتبخانہ بھی ان ہی مناقشات کی بھینٹ چڑھ گیا...... اور وہ بھی دعویدارانِ مسیحیت ہی تھے جن کا ٹولہ تیوفیلوس کی سرکردگی میں مقدس عبادتگاہ معبدِ سرابیس پر اسے اپنے ہی ہاتھوں سے مسمار کرنے کے لیے پل پڑا تھا۔ ان حادثات کا سال ۳۹۱ء تھا۔ اور واقعات کی صداقت میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کتبخانہ ان ہی

کمروں میں تھا جو اس معبد کے متصل تھے اور یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ وہ معبد کُل کا کُل برباد کر دیا گیا تھا۔ جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ معبد کے ساتھ کتبخانہ بھی برباد کر دیا گیا تھا۔

۴۔ پانچویں صدی اچھٹی صدی اور پھر ساتویں صدی کے ابتدائی دَور کے تاریخ نگار دونوں باتوں میں خاموش ہیں۔ یعنی نہ وہ کتبخانہ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اس کے جلائے جانے کا۔

۵۔ اگر یہ بات فرض بھی کر لی جائے کہ صلح اسکندریہ کے وقت کوئی کتبخانہ وہاں موجود تھا تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ کتبخانہ رُوم کی طرف گیارہ مہینے کی اس مُہلت میں منتقل بھی کیا جا چکا تھا جو **انعقادِ صلح** اور نفاذِ صلح کے درمیان رومیوں کو دی گئی تھی۔ خاص طور پر جبکہ صلحنامہ کے متن میں واضح طور پر رومیوں کو اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنے ساتھ جو کچھ بھی لے جانا چاہیں لے جا سکتے ہیں۔

۶۔ اگر مسلمانوں کے دخولِ اسکندریہ کے وقت کتبخانہ موجود ہوتا تو یقیناً عمروؓ اس کی پوری پوری حفاظت کرتے۔ اس لئے کہ آزادیٔ فکر اسلام کا جوہرِ حیات ہے۔ اور اسی جوہرِ حیات کی حفاظت اسلام کے دورِ اوّل میں سب سے زیادہ کی جاتی رہی ہے۔

۷۔ اسلامی تعلیمات میں اس بات پر پُورا زور دیا گیا ہے کہ یہودیوں اور نصرانیوں کے مذہب اور مذہبی کتابوں سے کوئی تعرّض نہ کیا جائے۔ ان تعلیمات کی موجودگی میں کتبخانہ کا جلایا جانا مسلمانوں کے لئے قطعاً ناممکن ہو جاتا ہے۔

۸۔ باقی رہا ابوالفرج کا یہ قول کہ کتابیں چار ہزار حماموں میں تقسیم کی گئیں جنہیں وہ چھ مہینے تک پھُونکتے رہے، اس قول میں واقفیت سے زیادہ افسانویت نظر آ رہی ہے۔ اور عقلِ سلیم اسے قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے۔

۹۔ نیز ابوالفرج کی یہ روایت جس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بغدادی سے نقل کی گئی ہے پوری چھ صدیوں کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور اتنی لمبی مدت تک کسی مورخ پر اس کا انکشاف نہیں ہُوا۔

مورخ اوتیخوس جس کا خصوصی موضوع ہی فتح اسکندریّہ تھا، اس کہانی سے لاعلم رہا۔ اور اسی طرح طبری، لیعقوبی، کندی، ابن عبدالحکم اور بلاذری میں سے بھی کسی کے وسائل علم اس تک نہ پہنچ سکے۔

۱۰۔ سب سے آخری اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ حنّا نقیوسی جس نے عربوں کے دخولِ مصر کو اپنا موضوعِ تحریر بنایا اور جو مسلمانوں کے خلاف صفِ اوّل کا علمی حملہ آور ہے اُس تک سے

کتب خانہ اسکندریہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔[1]

نتائج ماخوذہ

ملک مصر اپنے تمام شمال اور جنوب اشہروں اور دیہاتوں، قلعوں اور خندقوں کے ساتھ عرب فرمانروائی میں آچکا ہے۔ عربوں نے اس میں ہر طرح کی شہری آزادیوں کا اعلان کر دیا ہے۔ عرب اور باشندگانِ مصر کے درمیان تعاون و اعتماد کے خوشگوار رابطے پیدا ہو چکے ہیں۔

اس فضا کے پیدا کرنے میں سب سے بڑا دخل سرکاری محاصل کو ہے جن کی وصولی کو عمرؓو نے اتنا ہی ہلکا، آسان اور سہل بنا دیا ہے جتنا کہ اسے رومیوں نے بھاری دشوار اور سخت بنا دیا تھا۔

سیاسی مبصرین جو فتح و شکست کو اسباب و عوامل کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں، مصری فتوحات کے اسباب و عوامل کا مندرجہ ذیل جائزہ پیش کرتے ہیں:۔

فتوحاتِ مصر کے اسباب اور عوامل

۱۔ نظم و ضبط | فوجی طاقت خواہ کتنی ہی قلیل التعداد ہو، اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے نظم و نسق کے جن مختلف اداروں اور تنظیمات کی محتاج ہوتی ہے۔ عمرو بن العاص نے ان کے اہتمام میں حتی المقدور پوری توجہ سے کام لیا۔

اسلامی افواج قلعہ بابلیون کو فتح کرنے کے بعد جب شمالی جانب اسکندریہ کی طرف روانہ ہوئیں تو عمرؓو نے قبطی انجینئروں کو نظم حکومت میں دخیل کر کے ان کی صلاحیتوں اور فنون سے قدم قدم پر کام لیا۔ اور شاہراہوں اور پلوں کی تعمیر خاص طور پر ان ہی سے کرائی۔

اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عمرؓو کی دوربین نگاہ اس بات کا شعور رکھتی تھی کہ اگر پلوں اور سڑکوں وغیرہ

---

[1] اردو میں سب سے پہلے سرسید احمد خاں مرحوم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ایک مضمون اس فسانہ کے فرضی ہونے کے بیان میں اپنے اخبار "علیگڑھ سائنٹیفک سوسائٹی" میں لکھا اس کے بعد ایک نہایت محققانہ، عالمانہ اور فاضلانہ مقالہ اس قصہ کے لغو اور غلط ہونے کے متعلق شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے "کتب خانۂ اسکندریہ" کے عنوان سے تحریر فرمایا جو کتابی شکل میں چھپ گیا۔ اور مولانا کے مجموعہ مضامین "مقالاتِ شبلی" میں بھی شامل ہے۔

(محمد احمد پانی پتی)

کے پُر مشقت کاموں میں عرب فوج کو الجھا دیا گیا تو ان کے وہ اندرونی قویٰ مضمحل ہو جائیں گے جن سے انہیں دشمن کے مقابلہ میں کام لینا ہے۔ اس لئے انہوں نے ہر مرحلہ پر ایک بالغ نظر جرنیل کی طرح اس بات کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھا کہ جب بھی فوج کو دشمن سے لڑائیں اس حالت میں لڑائیں کہ وہ حتی الامکان تازہ دم اور محفوظ القویٰ ہو۔ تھکی ماندہ اور مضمحل نہ ہو۔

سڑکوں کی درستی اور پُلوں کی تعمیر میں بھی یہی مصلحت کار فرما تھی کہ فوجوں کو جگہ جگہ ناہموار راستوں اور حائل ندی نالوں کو عبور کرنے میں اپنے وقت اور اپنی قوتوں کو ضائع نہ کرنا پڑے۔

عمروؓ کی دوسری حربی فراست یہ تھی کہ انہوں نے قبطی شرفاء اور سرداروں کو حسنِ سلوک کے ذریعہ اپنا گرویدہ بنا کر اُن کی ایک جماعت کو سفر میں اپنے ساتھ لے لیا۔ تاکہ وہ اُن کے ذریعہ اُن اہلِ ملک سے گفت و شنید اور تبادلہ خیالات کر سکیں جو عربی زبان سے اسی طرح ناواقف تھے جس طرح عرب اُن کی زبان سے ناآشنا تھے۔

یہ بھی عمروؓ کی دانائی ہی تھی کہ جب انہوں نے اسکندریہ کے مضافاتی علاقے کو خالی پایا تو متروکہ مکانات کے ملبہ سے دریائے نیل کے پُل کی تعمیر کا حکم دے دیا جسے وہ فوجی اور ملکی ضروریات کے لیے قلعہ بابلیون کے قریب تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ اور جس کے لیے اُن کے پاس سامانِ تعمیر کا یکسر فقدان تھا۔ اگر عمروؓ اس موقع سے فائدہ نہ اُٹھاتے تو پل کی تعمیر نہایت دشوار اور موخر ہو جاتی۔

فوجی نظم و ضبط کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم شعبہ فوجی مواصلات یعنی فوج اور قائد کے درمیان ربط و اتصال کا شعبہ ہے۔ اسی کے ذریعہ سپہ سالار کے احکام فوجیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور اسی کی مدد سے فوج کے پیش آمدہ حالات سے سپہ سالار کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ عمروؓ بن عاص نے اس اہم شعبہ کو کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کیا۔

جس میدان میں اس رابطہ کی پوری اہمیت ظاہر ہوئی وہ کوم شریک کا میدان تھا۔ جہاں رومیوں نے اپنی کثرتِ تعداد کی بنا پر عربوں کو چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا تھا۔ اور اپنے چو طرفی حملوں سے انہیں ہراساں کر دیا تھا۔ شریک نے سنگین صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے بعد مالک کو ایک صبا رفتار گھوڑے پر سوار کر کے حکم دیا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے رومی حصار کو توڑ کر عمروؓ تک پہنچ جائے اور صورتِ حال سے آگاہ کر دے۔ جس کے بعد عمروؓ نے تیز رفتار کمک بھیج کر رومی حصار کو توڑ دیا تھا۔ اور جونہی عربوں کا رابطہ اپنے قائد کے ساتھ دوبارہ قائم ہوا۔ تو اُن کے حوصلے بلند سے بلند ہو گئے۔ اور شکست قریب کو فتح مبین کی صورت میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ بھی فوجی مواصلات ہی کی برکت تھی کہ جب اسکندریہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا اور مسلمانوں میں کچھ مایوسی کے آثار پیدا ہو چلے تو فوراً خلیفہ عمرؓ کے احکامات اُن کے پاس پہنچ گئے، جن سے ان کے اندر ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا اور تازہ دم حملے سے انہوں نے اسکندریہ کو فتح کر لیا۔
غرض یہ کہ مواصلات ایک ایسا اہم شعبہ ہے جس پر فوج کی کامیابی تمامتر موقوف ہے اور عمرؓ نے جتنی فتوحات بھی کیں اُن میں اس عاملِ مؤثر کی کارفرمائی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

مستقل کیمپ یا چھاؤنی بھی فوج کی اولین ضروریات میں سے ہے۔ عمرؓ نے اس کے اہتمام میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی۔ جونہی وہ اسکندریہ سے فارغ ہوئے بلاتاخیر فسطاط کی چھاؤنی بنانے میں مصروف ہو گئے۔

آپ نے فوج کی رسد اور خوراک کے شعبہ کو تین ذرائع سے مکمل کیا۔ (۱) جزیہ میں فوج کا حصہ مقرر کر دیا (۲) جہاں کہیں فوج اپنا کیمپ ڈالے وہاں کے باشندوں پر اُس کی تین دن کی خوراک عائد کر دی۔ (۳) اور آگے چل کر فوجیوں کو زمین خریدنے کی بھی اجازت دے دی۔ بشرطیکہ وہ اُس کا مقررہ مالیانہ ادا کرتے رہیں۔

عربوں کا سب سے بڑا فوجی ہتھیار اُن کے گھوڑے ہی تھے۔ اس لئے عمرؓ نے ان کی غور و پرداخت کو پوری اہمیت دی۔ اور اُن کا اس بارے میں اس مضمون کا حکم آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ گھوڑوں کی نگہداشت میں کسی طرح کمی نہ کی جائے۔ اور اگر میں نے بیماری کے بغیر کسی گھوڑے کو نحیف و لاغر پایا تو اُس کے سوار کا وظیفہ اسی مقدار سے کم کر دیا جائے گا۔

۲۔ <u>قائد کی شخصیت میدانِ جنگ میں</u> | فوج کے سپہ سالار کے لئے یہ بات اشد ضروری ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں اپنی فوج کے درمیان موجود ہ ایک ایک سپاہی کے ساتھ مربوط اور میدان کے ہر نشیب و فراز سے باخبر رہے اور اس سے دو اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ پہلا فائدہ تو یہی ہے جسے ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا کہ قائد اپنی آنکھوں سے حالات کا صحیح مشاہدہ کر کے میدان کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو بر وقت پورا کر سکتا ہے۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اپنے سپہ سالار کو اپنے شانہ بشانہ دیکھ کر فوج کے حوصلے بلند اور جذبات دوبالا ہوتے ہیں۔ وہ اُس کے جوش و خروش کو خود اپنے اندر جذب کرتے ہیں، اس جیسی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں۔ اُس کی دوڑ دھوپ کی نقل اتارتے ہیں اور اس کی مجموعی صفات ہمت و شجاعت دلیری و جرأت اور شوقِ جہاد کو نمونۂ تقلید بنا کر ویسے ہی بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

تسخیر بابلیون اور سقوطِ سکندریہ کے درمیانی وقفہ کی لڑائیوں میں عمرو بن عاص خود میدان میں مجاہدین کے دوش بدوش ہو کر جنگ نہ کرتے تو یقیناً میدان کا رُخ کچھ دوسرا ہی ہو جاتا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ کثرتِ تعداد کے باوجود رومیوں کی پے درپے شکست کے اسباب میں سے ایک قوی سبب یہ بھی تھا کہ اُن کے سپہ سالار یا تو سرے سے میدان میں آتے ہی نہیں تھے یا پھر آتے بھی تھے تو نیم دلی اور بزدلی کے احساسات لیئے ہوئے آتے تھے۔ جن کا عکس غیر شعوری طور سے فوج پہ بھی پڑتا تھا۔ اور وہ ان سے پہلے ہمت ہار بیٹھتے تھے اس کیفیت کا شاندار مظاہرہ نقیوس کی مہم میں دیکھا جا چکا ہے۔ جب رومی قائد دومنتیانوس مسلمانوں کی صورت دیکھتے ہی ایسا مرعوب ہوا کہ بدحواسی کے عالم میں فوج اور بیڑے کو چھوڑ چھاڑ اسکندریہ کی طرف بھاگ نکلا۔ اور پھر اُس کے بعد اُس کی فوج کا جو حشر ہونا چاہیئے تھا وہ بھی آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔

کوم شریک کی جنگ میں بھی اگر قائد فوج شریک موقع پہ موجود نہ ہوتے تو مالک کریقت عمروؓ کے پاس امداد طلبی کے لیئے نہ بھیج سکتے اور ایک لمحہ کی تاخیر سے فتح کا امکان شکست میں تبدیل ہو کر رہ جاتا۔ نیز یہ کہ اگر شریک اپنی فوج کے ساتھ خود شریک جنگ نہ ہوتے تو مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت بھی رومی لشکر کا مقابلہ اس طرح ڈٹ کر کبھی نہ کر سکتی۔

قلعۂ کریون کی جنگ میں طویل محاصرہ کی افسردگی کو جوش اور ولولہ میں جس چیز نے تبدیل کیا وہ بھی یہی تھی کہ عمروؓ نے نمازِ خوف ادا کر کے پہلے خود اپنے اندر آہنی عزم اور آتشیں حوصلہ پیدا کیا اور پھر اُن کے کرنٹ نے ایک ایک فوجی کے دل کو گرما دیا۔ جس کے بعد انہوں نے ایک آخری حملہ کر کے کریون کی مہم کو سر کر ہی لیا۔

اس عسکری راز کی اہمیت کو صرف عمروؓ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ ہر مسلمان کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ ہمارے درمیان عمروؓ کی شخصیت کا وجود ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے — اس کا ثبوت ہمیں اُس وقت ملتا ہے جب اسکندریہ کے حملہ میں عمروؓ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ شہر کے اندر محصور ہو گئے تھے۔ اور پھر رومیوں کے ساتھ طے کردہ شرائط کے مطابق ایک رومی بہادر انفرادی مقابلہ کے لیے مبارز طلب ہوا تو مسلمہؓ نے یہ کہہ کر عمروؓ کو اس کے مقابلہ پر جانے سے روکا تھا کہ مسلمانوں کا نظم و نسق اور اُن کے دل تمہاری ذات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لیئے اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالو۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی وابستگی عمروؓ کی شخصیت کے ساتھ کس درجہ تھی۔

اسی طرح اسکندریہ میں جب رُومی سالار کو عمروؓ کی باتوں سے اُس کے سردار ہونے کا شبہ ہوا تھا اور قریب تھا کہ وہ اُن کو قتل کروا دے تو اُن کے غلام نے اُن کے چہرے پر طمانچہ رسید کر کے اُن کی جان بچالی تھی اور ثابت کر دیا تھا کہ مسلمان عمروؓ بن عاص کی شخصیت کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز اور قابلِ حفاظت سمجھتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں رومیوں کا معاملہ برعکس تھا۔ جب اُن کا شہنشاہ زندہ تھا تو وہ خود اُس کے مقابلہ میں بھی سرکشی کرتے رہتے تھے۔ پھر جب وہ مرگیا تو اس کے دو بیٹوں کے درمیان سیاسی رقابت شروع ہوگئی اور جب اسی کشاکش میں ہرقلیس تخت نشین ہوگیا تو پھر بھی فوج میں شورش اُٹھی اور اُس نے کونستانس کو بجبر شریک تاج کرایا۔

مزید برآں رومی افواج کا سالارِ اعظم تھیوڈور بذات خود ایک کمزور طبیعت کا شخص تھا۔ یہاں تک کہ اُس کی اس کمزوری کا علم خود اس کی فوجوں کو بھی ہوگیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب سپہ سالار کمزور ہوتا ہے تو فوج میں اس سے پہلے کمزوری اور بزدلی آجاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فتح و نصرت کے عوامل میں سے ایک بہت بڑا عامل یہ ہے کہ فوج کی قیادت مضبوط اور فولادی شخصیت کے ہاتھ میں ہو تاکہ وہ اُس سے بہتر سے بہتر کام لے سکے۔

۴۔ حملہ بابلیون اور سکندریہ کے درمیان جتنے مقابلے پیش آئے اُن کے حالات صاف بتا رہے ہیں کہ ہر مقام پر عمروؓ بن عاص نے حملہ آور کی پوزیشن اختیار کی اور رُومیوں نے مدافعت کی۔ کہیں کہیں اگر رُومیوں کی طرف سے حملہ ہوا بھی تو وہ ضمنی اور مقامی حیثیت کا تھا اور صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ محاصرے کی شدت میں کچھ کمی ہوجائے۔

عمروؓ نے شعوری طور پر ایسا کیا تھا۔ اس لیے کہ وہ اِس فوجی راز سے بخوبی واقف تھے کہ فتح و نصرت کا دار و مدار منفی عمل کی بجائے سراسر اثباتی عمل پر ہے۔ حملہ آور کا حوصلہ نفسیاتی طور پر بلند ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں حملہ زدہ کا حوصلہ پست اور قدرتی طور پر کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ عمروؓ اسی لیے دشمن کو پیش قدمی کا موقع بہت کم دیتے تھے اور اُس کے میدان میں نکلنے سے پہلے ہی اُس پر جا پڑتے تھے۔

یہ بات بھی ضروری نہیں ہے کہ حملہ آور اپنے ہر حملہ میں فوری طور پر کامیاب بھی ضرور ہو جائے۔ اگر ظاہری کامیابی حاصل نہ بھی ہو تب بھی اُس کے بہت سے دُوسرے معنوی فوائد اور نفسیاتی اثرات ایسے ہوتے ہیں جو دیر میں ظاہر ہوتے ہیں اور دُور رس نتائج پیدا کرتے ہیں۔ ایسے حملوں سے دشمن کے جانی اور مالی نقصان کے علاوہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ دشمن حملہ آور کی شجاعت و شہامت اور قوت ارادی سے

مرعوب ہو کر دوسرے مقامات پر اُس کا راستہ روکنے کی جرأت کم ہی کرتا ہے۔ اور ایسا اوقات مناسب موقع پر مائل بہ صلح بھی ہو جاتا ہے۔

نشیبی مصر کے علاقوں میں عمروؓ کے بیشتر حملے اسی قسم کے تھے۔ جو اگرچہ بظاہر ان معنی میں ناکام رہتے کہ وہ قلعوں کے دروازے تلوار کے زور سے فوری طور پر نہ کھلوا سکے۔ لیکن اس اعتبار سے ضرور کامیاب رہے کہ رومیوں کو مسلمانوں کی طاقت کا صحیح اندازہ ہو گیا اور وہ ہر حملہ میں بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد آخر کار صلح پر آمادہ ہو کر بخوشی جزیہ ادا کرنے لگے۔

۴۔ فوج کا بچاؤ | عمروؓ بن عاص اپنی فوج کی سلامتی اور اُس کے مفاد کے تحفظ کا ہر وقت خیال رکھتے تھے یہی وجہ تھی اسکندریہ کی طرف کوچ کرنے سے پہلے انہوں نے اپنی فوج کا ایک دستہ خارجہ بن حذافہ کی سرکردگی میں بابلیون پر متعین کر دیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی فوج عقب سے محفوظ ہو جائے۔ اور ایسا نہ ہو کہ ہم اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں تو ہمارے پیچھے بابلیون پر دوبارہ دشمن قبضہ کر کے ہمارے لیے نیا خطرہ کھڑا کر دے۔

اسکندریہ کی طرف مارچ کرنے کے لئے نیل کے مغربی ساحل کو بھی اسی بنا پر منتخب کیا گیا کہ یہ نہروں اور نالوں سے محفوظ تھا۔ بخلاف مشرقی ساحل کے جس میں جگہ جگہ نہریں اور نالے تھے جن کو عبور کرنے میں فوج کو تکلیف اٹھانی پڑتی اور ان کے گھوڑوں کو بھی دشواری کا سامنا ہوتا جو اُن کی سب سے زیادہ محبوب سواری اور سب سے زیادہ کارگر سامانِ جنگ تھا۔

راستہ میں جب انہوں نے شہر نقیوس کے قلعہ اور اس کی فوجی اہمیت کو دیکھا تو اُسے بھی اپنے عقب میں آزاد چھوڑ کر آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور اُسے بھی اسی فوجی مصلحت کے پیش نظر تسخیر کیا کہ اسکندریہ کی جنگ میں اُس کی طرف سے کوئی اندیشہ مسلمانوں کے دل میں باقی نہ رہ جائے

محاصرۂ اسکندریہ کی طوالت کا اندازہ کرنے کے بعد جب عمروؓ بن عاص نے فوج کے ایک حصہ کے ساتھ نشیبی مصر کا رُخ کیا تو اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ آخری اور فیصلہ کن حملے کا وقت آنے سے پہلے ہی نشیبی علاقوں کی طرف سے بھی اطمینان کر لیا جائے تاکہ اسکندریہ پر بھرپور حملہ کے وقت فوج اُس طرف سے مطمئن رہے۔

۵۔ اخلاقی طاقت | عمروؓ بن عاص کی فوج اسلام کی سربلندی کے لیے جنگ کر رہی تھی۔ اُن میں سے ہر ایک موت کا شائق اور ایک دوسرے سے بڑھ کر شہادت کا طلبگار تھا۔ اس لیے کہ ان سب کو یقین تھا کہ شہادت ہی ایک ایسا راستہ ہے کہ جس کے ذریعے وہ یقینی طور پر جنت حاصل کر سکتے ہیں۔ جس فوج کا شعور اتنا بلند اور مقصد اس قدر مخلصانہ ہو جس کے دل سے موت کا خوف

کلیتہً مفقود ہو چکا ہو اور جس کا ایک ایک فرد قتل ہو جانے کو سعادت ابدی تصور کرتا ہو تو پھر وہ میدان جنگ میں پہاڑ کی چٹان ثابت نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا۔

ایسی فوج تھی جس کو لے کر عمرو بن عاص اس وقت کی سب سے بڑی متمدن پرشوکت کثیرالافواج اور کثیرالاسلحہ حکومت سے جا ٹکرائے اور قدم قدم پر فتوحات حاصل کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس کا کلیتہً استیصال کر دیا۔

مسلمانوں کی اس اخلاقی اور ایمانی طاقت کا اعتراف خود مدمقابل کو بھی تھا۔ جس کا ذکر وہ اپنی مجلسوں میں بھی کرتے تھے۔ مسلمانوں کی اسی طاقت نے اُن کے عوام و خواص پر اس درجہ تسلط پا لیا تھا کہ وہ اپنی کثرت تعداد کے باوجود مسلمانوں سے ہر وقت خوفزدہ رہتے تھے۔

محاصرۂ اسکندریہ کے دوران جب مقوقس نے قلعہ کے تمام مردوزن کو فصیل کے اوپر کھڑا کر کے اپنی کثرت تعداد کا مظاہرہ کیا تھا تو اس کے جواب میں عمروؓ کے یہ الفاظ تھے کہ:۔

ہم نے اب تک جتنی فتوحات کی ہیں وہ قلت ہی کی طاقت سے کی ہیں۔ اور تمہارے ہرقل کا جو عبرتناک انجام ہو چکا ہے وہ بھی اسی اقلیت کے ہاتھوں ہوا تھا۔"

عمرو کے اس بہادرانہ جواب ہی نے قیرس کا پتّہ پانی کر دیا تھا۔ جس کے بعد اُسے صلح کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

اس کے برخلاف رومی محاذ میں اخلاق اور کردار کی طاقت کا بہت زیادہ فقدان تھا۔ رہا سہا حوصلہ عراق اور شام کی شکستوں اور خود ہرقل کے قسطنطنیہ کی طرف فرار نے ختم کر دیا تھا۔ اور اُن کے تحت الشعور میں یہ احساس کمتری پیوست ہو گیا تھا کہ خواہ ہم عربوں کے مقابلہ میں مقدار کے لحاظ سے کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں لیکن ان کا مقابلہ کسی حالت میں بھی نہیں کر سکتے۔ اور وہ تقریر بھی اسی قسم کے مواد پر مشتمل تھی جس کے ذریعے قیرس نے اسکندریہ میں اعلانِ صلح کے وقت اپنے فوجی افسران کو صلح پر آمادہ کیا تھا۔

۴- تدبیر ملکی (پالیٹکس)

قائد کے لئے دیگر صفات کے ساتھ تدبّر اور فراست کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس لئے کہ بہت سے اہم معاملات ایسے ہوتے ہیں جو حسن تدبیر ہی سے سلجھ سکتے ہیں اور طاقت کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آنے پاتی۔ اور خود طاقت استعمال کرتے وقت بھی طاقت سے زیادہ تدبّر ہی کا رہنمائی ہوتی ہے۔ اور اس وقت تک کسی جنگ کا نقشہ بنتا ہی نہیں جب تک قائد اپنے دشمن کے مزاج اور رُجحان، طاقت اور

کمزوری، حالات اور ماحول کے تقاضوں، اُن کی دلی اُمنگوں اور جذبات وغیرہ کا گہرا مطالعہ نہ کر لے اور پھر اس مطالعہ کی روشنی میں سوچ سمجھ کر ایسا جامع نقشہ نہ بنا لے جو قبلِ جنگ، دورانِ جنگ اور پھر بعدِ جنگ کے تقاضوں پر حاوی ہو۔

عمروؓ بن عاص کو اس صفت کا بھی وافر حصہ ملا تھا۔ وہ ایک اچھے مدبر اور پالیٹیشن شمار کیے جاتے تھے اور مصر کے غزوات و فتوحات اس کی روشن شہادت ہیں۔

یہ عمروؓ کی فراست، تدبیر اور بالغ نظری ہی تھی جس کی بدولت اُنہوں نے مصر کے خواص کو بہت جلد مانوس کر کے اپنے گرد جمع کر لیا اور اُن سے بڑے بڑے کام لیے۔ اور وہاں کے عوام کو بھی ملکی اصلاحات کے ذریعے ایسا خوش کیا کہ وہ اسلامی نظامِ عدل و مساوات کے ترانے گانے لگے اور بہت جلد ان کے دلوں سے ان مظالم و مصائب کے احساسات کو محو کر دیا جو رومی دور میں اُن کے صبر و برداشت کا پیمانہ لبریز کر چکے تھے۔

مصر کے قبطی اسلام کی اعتقادی، عملی اور سیاسی برکات کے چرچے تو بہت پہلے سے سن رہے تھے اور رومیوں کے مایوس کن برتاؤ سے تنگ آکر نجات دہندہ کے لیے دعائیں بھی کیا کرتے تھے لیکن اسلام کی برکات کا عینی مشاہدہ اور عملی تجربہ انہیں عمروؓ کی فتوحات کے بعد ہوا۔ جب انہوں نے رومیوں کے سیاہ دور کو یکسر روشنی کے دور میں تبدیل کر دیا اور غلامی کی بجائے مساوات، ظلم کی جگہ عدل و انصاف اور خود غرضی کی جگہ ایثار و قربانی کی فرمانروائی قائم کر دکھائی۔

عمروؓ نے فاتح اور مفتوح کے امتیاز کو ختم کر کے زمین کے خراج میں مسلمانوں کو بھی اہل مصر کے برابر کیا۔

اہل مصر کو عقیدہ، فکر اور مذہب کی بھی مکمل آزادی عطا کی۔ عمروؓ نے جب دیکھا کہ مصر والوں کے دل اپنے سب سے بڑے مذہبی پیشوا بنیامین کی گم شدگی کی وجہ سے شکستہ ہیں تو انہوں نے اعلانِ عفو کے ذریعہ اُس کو تلاش کیا اور پھر اپنے حسنِ سلوک کے نتیجہ میں اُن کی زبان سے مندرجہ ذیل اعلان کرایا جو اہلِ مصر کے لیے شاہی پروانہ تھا۔

”میں دوبارہ اپنے وطن میں داخل ہو رہا ہوں۔ اور اس حال میں ہو رہا ہوں جبکہ یہاں خوف کے بعد امن کا سماں ہے اور مصیبت کے بعد راحت کا دور دورہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے جبر و تسلط سے ہم سب کو آزاد کر دیا ہے۔“

اہل مصر کو جس چیز نے زیادہ مطمئن کیا وہ محاصل کا جدید نظام تھا جس میں اُن کے حالات اور گنجائش کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا تھا۔

رعایا پروری اور ایثار و قربانی کی ایک بہترین مثال یہ پیش کی گئی کہ اگر کبھی خراج پیداوار کے اضافہ کی بنا پر مقررہ مقدار سے زیادہ وصول ہوتا تھا تو اُسے اُسی علاقہ کی بہبود پہ خرچ کر دیا جاتا تھا

عمرؓ نے کلیسوں اور عبادت گاہوں کو کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنے دیا۔

ہر شہر میں کچھ زمین مفادِ عامہ کے لیے مخصوص کر دی گئی جس سے فوج اور رعایا دونوں کے مصالح وابستہ تھے۔

عمرؓ نے یہ نہیں کیا کہ افسرانِ علاقہ کو ہٹا کر اُن کی جگہ عربوں کو مقرر کر دیا ہو۔ بلکہ سابق قبطیوں ہی کو ان کے انتظامات پہ برقرار رکھا۔

عمرؓ قابلِ ذکر ملکی اصلاحات میں قبطیوں کا مشورہ حاصل کرتے رہے۔ اور ان کا یہ طریقہ عین تقاضائے اخلاص تھا۔ اس لیئے کہ وہ مصر کی حقیقی خدمت کرنا چاہتے تھے اور کسی ملک کی حقیقی ضروریات کو وہی لوگ صحیح طور پہ سمجھ سکتے ہیں جو اس ملک کے باشندے ہوں۔

سیاست، تدبر اور پالیٹکس کے یہی مذکورہ بالا عوامل تھے جنہیں عمرؓ نے مصر میں اختیار کیا۔ اور یہ انہی عوامل کی برکت تھی کہ مصر کی سرزمین پہ اسلامی حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے مضبوط اور مستحکم ہو گئی۔

★

اسکندریہ کی بازیابی

رومی مصر سے نکلنے کو تو نکل گئے تھے لیکن اُن کے دل بدستور اُس میں اٹکے ہوئے تھے۔ وہ برابر اپنی گردنیں لمبی کر کے اُس کی طرف حسرت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مصر اُن کے لیے سونے کی چڑیا تھا اور انہیں اُس کے نکل جانے کا صدمہ شام اور فلسطین کے نکل جانے سے بھی بہت زیادہ تھا۔ اس لیے وہ اس کی بازیابی کے لیے مناسب موقع کی تاک میں تھے اور یہ موقع انہیں جلد ہی مل گیا۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ شہید کر دیئے گئے[1]۔ اُن کے بعد حضرت عثمانؓ[2] نے خلافت پہ متمکن ہو کر

---

[1] حضرت عمرؓ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ (مطابق ۳ نومبر ۶۴۴ء) کو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے مجوسی غلام ابولؤلؤ کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے۔ یہ شخص فارس کا رہنے والا تھا اور جنگ نہاوند میں گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا تھا (محمد فرج نے حضرت فاروق اعظم کی شہادت ۴ نومبر کو لکھی ہے جو غلط ہے) محمد احمد پانی پتی

[2] جامع القرآن حضرت عثمانؓ بن عفان یکم محرم ۲۴ھ (مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء) کو خلیفہ ہوئے اور حضرت عمروؓ بن العاص کی معزولی بقول طبری ۲۷ھ میں اور بقول ابن اثیر ۲۶ھ میں واقع ہوئی۔ مصر کے نامور مورخ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی معزولی اسکندریہ پر رومیوں کے حملے کے بعد ۲۵ھ کے اواخر یا ۲۶ھ کے اوائل میں ہوئی (عمرو بن العاص مؤلفہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ص ۲۴۹)
(محمد احمد پانی پتی)

عمروؓ بن عاص کو قیادتِ مصر سے معزول کر دیا۔ اور اُن کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ[1] کو والی مصر بنایا۔
عمروؓ بن عاص نے مصر چھوڑ کر جزیرۂ عرب میں قیام اختیار کر لیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔[2]

اسکندریہ سے رومیوں کو دعوت اُدھر بروایت ابن الاثیر اسکندریہ میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے جو مسلمانوں کے نظام سے متنفر اور رومی نظام کی واپسی کے آرزومند تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرتے اور تمام حالات سے رومیوں کو باخبر کرتے رہے بالخصوص عمروؓ بن عاص کی معزولی کے بعد تو انہوں نے شاہِ روم کو صاف الفاظ میں مطلع کر دیا کہ اس وقت عمروؓ کی عدم موجودگی بہت عمدہ موقع ہے کہ اسکندریہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا جائے۔

ان لوگوں کے مسلمانوں سے ناخوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جدید والیِ مصر عبداللہؓ کی توجہ تمام تر جزیہ کی رقم بڑھانے اور نئے نئے ٹیکس عائد کرنے کی طرف تھی جسے وہ لوگ برداشت نہ کر سکے اور حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازشیں کرنے لگے۔

شاہِ روم کی رائے شاہِ روم کو مصر کا ہاتھ سے جاتے رہنے کا پہلے زبردست قلق تھا اور اُس کے زخمِ ہزیمت سے بھی ابھی تک تازہ اور گرم خون جاری تھا۔ اہلِ اسکندریہ کے دعوت نامے کو دیکھ کر اُس نے ایک بار پھر اپنی بے عزتی کا بھرپور انتقام لینے اور مصر کی اس سرزمین کو جس کی آمدنی اس کے خزانۂ عامرہ کی سب سے بڑی کفیل تھی۔ عربوں کے پنجہ سے واگذار کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔

---

[1] یاقوت نے عبداللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قریش کے سب سے زیادہ معقول اور شریف آدمی تھے (ص ۲۲۵) لیکن طبری کی رائے اس کے خلاف یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنروں میں عبداللہ والی مصر سب سے بُرا آدمی تھا (ج ۴ ص ۵۸) ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عینِ حیات میں یہی عبداللہ مرتد ہو کر مشرکین میں جا ملا تھا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اس کا خون ہدر کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ نے اُن کے لئے امان حاصل کر لی۔ جس کے بعد وہ دوبارہ داخل اسلام ہو گیا۔

[2] بقول طبری عمروؓ اس دوران میں مکہ میں مقیم رہے ——— بقول ابو المحاسن حضرت عثمانؓ نے عمروؓ کو اس لئے معزول کیا تھا کہ وہ زیل سے جنگ کرنے کے لیئے فارغ ہو جائیں۔ (ص ۴۳) لیکن یہ روایت مشکوک ہے۔

شاہ نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسکندریہ پر فوج کشی کے لئے بحری فوج کا ایک عظیم الشان بیڑہ[1] تیار کرنے کا حکم دے دیا اور اس بات کی سخت تاکید کر دی کہ اس تیاری کو تمام تر صیغۂ راز میں رکھا جائے اور کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

بحریہ تیار ہو گیا۔ شاہ کے حکم سے حملہ کی قیادت بہادر منویل کے سپرد کی گئی۔ لنگر کاٹ دیئے گئے اور بحریہ اپنی سیلابی موجوں اور طوفانی عزائم کے ساتھ اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

حملہ یونہی تین سو بحری جہازوں کا بیڑہ بے خبری کے عالم میں عربوں کے سر پر جا پڑا اور ساحل اسکندریہ پر لنگر انداز ہو گیا۔

اسکندریہ کی عرب فوج صرف ایک ہزار ہے۔ لیکن اس قلت کے باوجود دفاع پر ڈٹ گئی ہے۔ لڑتے جاتے ہیں اور شہادت کا جام نوش کرتے جاتے ہیں۔ سب نے اپنی محبوب منزل پالی ہے۔ کسی کی قسمت میں بچنا تھا تو بچ بھی نکلا ہے۔ اسکندریہ کے دروازے ایک بار پھر رومیوں کے لیے کھل گئے ہیں اور انہوں نے دوبارہ اس پر قبضہ کر لیا ہے۔[2]

اسکندریہ پر قبضہ جمانے کے بعد غارتگرانِ روم کا سیلاب اپنی تعداد میں اہل اسکندریہ کا مزید اضافہ کرکے اسلامی دارالخلافہ فسطاط کی طرف روانہ ہو گیا ہے اور راستہ میں جس بستی سے گزرتا ہے خوب لوٹ مار کا بازار گرم کرتا جاتا ہے ——— اور بعض روایات کے مطابق ان درمیانی بستیوں سے بھی آ آ کر لوگ رومیوں کی فوجی تعداد میں اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

مسلمان اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ اس سیلاب کے آگے بند باندھ سکیں۔ اس لئے کہ جدید والی مصر عبداللہ نے قلعوں کی مرمت، شہروں کی حفاظت اور سیاسی استحکام کی طرف سرے سے کوئی توجہ ہی نہیں کی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ضرورت کے وقت سب کے سب کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور رومیوں کی پیش قدمی کو کسی مرحلہ پر بھی نہ روک سکے۔

عمرو بن العاص کی بحالی | رومی پیش قدمی کی اطلاع خلیفہ عثمانؓ کو پہنچی تو وہ صورت حال سے پریشان ہو گئے۔ اور ایسے سپہ سالار کی جستجو کرنے لگے جو اس نازک مرحلے پر کام آ سکے بالآخر ان کی نظر انتخاب نے

---

[1] اس وقت رومی سمندر کے بادشاہ تھے۔ اسی لئے انہیں بحری جنگوں میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

[2] عرب مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسکندریہ پر رومیوں کا دوبارہ قبضہ سنہ ۲۵ ہجری مطابق (۶۴۶ء) میں ہوا۔

یہی فیصلہ کیا کہ عمروؓ بن عاص کے سوا کسی دوسرے شخص میں یہ حوصلہ نہیں ہو سکتا کہ وہ حضرت یہ کہ رومیوں کے سیلاب کو مزید پیش قدمی سے روک دے۔ بلکہ انہیں شکست دے کر پسپا بھی کر دے۔ عمروؓ ہی ایک ایسی آزمودہ کار شخصیت ہے جس کے ساتھ پنجہ آزمائی کر کے رومی اُس کی شدت وصولت کا اندازہ کر چکے ہیں۔ اور وہ خود بھی رومیوں کے مزاج اور اُن کی کمزوریوں سے ایک حد تک واقف ہو چکا ہے۔ اس وقت رومیوں کے مقابلہ کے لئے زور بازو کے ساتھ ساتھ تدبیر و حکمت کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اور عمروؓ ان دونوں صفات کا جامع ہے۔ وہ صرف میدانِ سیف ہی میں حرب و ضرب اور تلوار کا دھنی نہیں ہے بلکہ بساطِ تدبیر و سیاست کا بھی ماہر و شاطر ہے۔ جیسی بھرپور جنگ لڑتا ہے ویسا ہی جامع نقشۂ جنگ بھی بناتا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے ایک لمحہ میں یہ سب کچھ سوچ لیا اور دوسرے ہی لمحے حکم صادر فرما دیا کہ عمروؓ بن عاص فوراً روانہ ہو جائیں اور مصر پہنچ کر افواجِ اسلامی کی قیادت سنبھال لیں۔

عمروؓ روانہ ہو گئے۔ مصر پہنچ کر قیادت سنبھال لی۔ اور کوشش کر کے اسلامی پرچم کے نیچے پندرہ ہزار مجاہدین کا جم غفیر ترتیب دے لیا۔[1]

سالارِ بابلیون خارجہ بن حذافہ کی رائے تھی کہ قبل اس کے کہ دشمن کو تازہ کمک پہنچے یا وہ مزید اہلِ مصر کو اپنے ساتھ ملا کر فوجی تعداد بڑھائے۔ ہمیں چاہیئے کہ آگے بڑھ کر اُس کی پیش قدمی کو روک دیں۔ لیکن عمروؓ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں دشمنوں کا اسی جگہ انتظار کرنا چاہئے اور انہیں اس بات کی کھلی چھٹی دے دینی چاہیئے کہ وہ جن جن علاقوں سے آئیں اُن میں خوب لوٹ مار کرتے ہوئے آئیں غالباً عمروؓ کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ رومی جہاں کہیں بھی ہوں گے اور جتنی بڑی تعداد بھی ان کے پاس ہوگی ہم بہرحال انہیں شکست دیں گے۔ اس لئے انہیں اپنے ظلم و ستم کے ذریعہ اہلِ مصر کی رائے عامہ کو اچھی طرح اپنے خلاف کر لینے دو۔ تاکہ ان کی آئندہ شکست سے مصر والوں کی رائے عامہ ہمارے حق میں پہلے سے بھی زیادہ سازگار اور پختہ ہو جائے۔ —— تبادلۂ خیالات کے بعد آخری فیصلہ پیش قدمی کا ہی ٹھہرا۔

اسلامی افواج نے رومی افواج کو نقیوس میں جالیا۔ دونوں سیلاب ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ جم کر مقابلہ ہوا۔ خشکی میں بھی جنگ ہوئی۔ اور اُس دریا میں بھی جو شہر کے قریب

---

[1] فتوح البلدان بلاذری رومیوں کی فوج مسلمانوں سے تناسب میں قوادی زیادہ تھی (صفحہ ۲۲۲) اور اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فوج ایک ہزار پانسو تھی لیکن یہ اصلی عدد کی تحریف معلوم ہوتی ہے۔

سے گزرتا تھا[1]

رُومی پورے جوش وخروش کے ساتھ اس عزم کو لیے ہوئے جنگ کر رہے تھے کہ مصر ہمارا ہے ، ہمیں ہر قیمت پر اُسے حاصل کرنا ، غاصبوں سے چھڑانا اور انہیں مار مار کر جزیرۂ عرب کی طرف بھگا دینا ہے۔

مسلمان اس حوصلے سے لڑ رہے تھے کہ مصر جب ایک دفعہ اسلامی مملکت میں داخل ہو چکا ہے تو اب یہ ہمارے نزدیک جزیرۂ عرب ہی کا ایک حصہ ہے۔ اور اسلامی مملکت کے کسی حصے کو کسی قیمت پر بھی ہم کافروں کے حوالے نہیں کر سکتے۔

جانبین سے تیروں کی بارش اور تلواروں کی یورش ہو رہی تھی اور لڑائی پورا زور پکڑ چکی تھی کہ اسی دوران میں عمروؓ کے گھوڑے کو صدمہ پہنچا اور وہ اس کی پیٹھ سے اُتر کر پاپیادہ ہو گئے۔ اسی حالت میں دُشمن کی کمان بھی کر رہے تھے اور دُشمن پر تلوار بھی چلاتے جاتے تھے

رومیوں نے بھی اس جنگ میں بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا ، یہاں تک کہ میدان کے بعض گوشوں میں عربوں کو پسپا بھی کر دیا۔

اجتماعی مقابلہ کے ساتھ ساتھ انفرادی مقابلے بھی ہوئے۔ ایک موقع پر ایک رومی بہادر میدان میں نکل کر مبارز طلب ہوا اور للکارا کہ کسی عرب میں اگر حوصلہ ہے تو نکل کر آئے اور میرے ساتھ دو دو ہاتھ کرے۔ اس کے مقابلہ کے لئے قبیلۂ زبید کا ایک بہادر حومل نکلا۔ دونوں کے درمیان پہلے تو کافی دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی۔ اس کے بعد دونوں نے تلواریں سونت لیں۔ طرفین کی فوجیں اپنے اپنے بہادروں کو دادِ شجاعت دیتی اور بے چینی کے ساتھ اُس کے غلبہ کا انتظار کرتی رہیں۔ رُومی نے حومل پر ایک بھرپور ہاتھ مارا جس نے انہیں کاری زخم پہنچایا۔ لیکن اسی حالت میں اس کے حملہ کا جواب دیتے ہوئے حومل نے رومی پر بھی ایک ایسی ضرب لگائی۔ جس سے اُس کا کام تمام ہو گیا[2] اور اس کے چند دن بعد خود حومل بھی زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے[3]

---

[1] بقول مقریزی یہ جنگ خشکی اور تری دونوں میں لڑی گئی"۔ بقول یاقوت " عمرو اور رومیوں کے مابین جنگ فقیر سس میں ہوئی" (جلد ۴ صفحہ ۸)

[2] بقول مقریزی حومل نے میان سے خنجر نکالا اور رومی کی گردن میں پیوست کر دیا۔ پھر اس پر جھپٹ کر اس کا سازو سلاح اُتار لیا

[3] عمروؓ نے حومل کی نعش کو منطا ما بھیج کر مقام مقطم کے قریب دفن کرا دیا

اس انفرادی حملہ کے بعد پھر دوبارہ گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ اور اب کی بار تو مسلمان ایسی بے جگری اور بے خوفی کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ بالآخر دشمن پر غلبہ حاصل ہوگیا۔ رومی پسپا ہوئے اور اسکندریہ کی طرف راہِ فرار اختیار کرلی۔ مسلمانوں نے بھی اسکندریہ تک اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔

عمروؓ بن العاص دوبارہ اسکندریہ میں

رومی فوج نے اسکندریہ میں داخل ہوکر دروازے بند کر لیے اور محاصرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

عمروؓ کے سامنے ایک بار پھر وہی محاصرہ کی سابق مشکلات آکھڑی ہوئیں۔ سب سے بڑا مانع شہر کی مضبوط فصیل تھی۔ جس کو دیکھ دیکھ کر وہ دل ہی دل میں اس بات کی حسرت کرکے رہ جاتے تھے کہ اے کاش میں اس فصیل کو اپنے سابق قبضہ کے وقت مسمار کرادیتا۔ اور اب تو انہوں نے قسم کھالی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ اس پر قبضہ دے دیا تو اس فصیل کو ضرور منہدم کرا دوں گا۔

ایک روایت کے مطابق اسکندریہ کے ایک شخص ابن بسامہ نے عمروؓ کے سامنے اس خدمت کی پیش کش کی کہ اگر آپ میرے اہل و عیال اور مال و املاک کی سلامتی کا وعدہ فرمالیں تو میں آپ کے لیے اسکندریہ کا دروازہ کھول دوں۔ عمروؓ نے امان دے دی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ مسلمان اندر داخل ہو گئے۔ رومی بھی مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ جنگ ہوتی رہی اور مسلمان بڑھتے بڑھتے شہر کے درمیان تک پہنچ گئے[1]۔ عمروؓ نے رومیوں کو ہاتھ کھڑے کرنے کا حکم دیا اور پھر تلوار کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اُن کے سردار منوئل کو بھی قتل کیا۔ پھر اس کے بعد شہر میں آگ لگا دی[2]۔ فصیلوں کو مسمار کر دیئے اور عورتوں اور بچوں کو مالِ غنیمت بنا لینے کا حکم دے دیا۔

بنیامین کا معاملہ

بطریق بنیامین کو عمروؓ بن العاص کا عدل و انصاف بھی یاد تھا۔ اور وہ اس احسان کو بھی فراموش نہیں کرسکتا تھا جو عمروؓ نے روپوشی سے نکال کر اسکندریہ بلا لینے کی صورت میں اُس پر کیا تھا۔ اس لیے وہ اپنی قبطی جماعت کے ساتھ عمروؓ کی عدم موجودگی اور رومیوں کی عہد شکنی کے زمانہ میں اسکندریہ کے رومیوں[3] سے کنارہ کش اور عربوں کے ساتھ ہی اپنی اخلاقی ہمدردی کا اظہار کرتا رہا ــــــ اس لیے عمروؓ نے اب پھر اُسے اس کے سابق دینی منصب پر فائز کر دیا۔

---

[1] اس مقام پر عمروؓ نے ایک مسجد تعمیر کرادی جس کا نام مسجد الرحمۃ رکھا گیا۔

[2] ایک روایت کے مطابق اس آگ میں شرقی بلاک کے دروازے کے آس پاس جو کچھ تھا سب کچھ بشمول کنیسۂ مرقص خاکستر ہوگیا۔

[3] ایک روایت کے مطابق بنیامین اسکندریہ سے بھاگ گیا تھا۔

(۵)

فتوحات بلاد افریقیہ و بلاد النوبہ

- فتح برقہ
- فتح طرابلس
- فتح شمالی افریقیہ
- فتح علاقہ نوبہ

(۱)

فتح برقہ

جنگ کی تیاری اسکندریہ فتح کرنے اور رومیوں سے مصر کو خالی کرا لینے کے بعد سیاسی حالات کا طبعی تقاضا تھا کہ عمروؓ بن العاص علاقہ برقہ کی جانب پیش قدمی فرماتے۔ ویسے عمروؓ بن العاص کا شوق جہاد بھی اسی کا متقاضی تھا کہ وہ معطل ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔ اور برابر فتوحات کرتے چلے جائیں۔ وہ ابھی فلسطین سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ فوراً مصر کی تیاری میں لگ گئے۔ اور اب مصر سے فراغت پائی ہے تو برقہ کی تیاری ہے۔ اس سے فارغ ہو کر انہیں طرابلس کا رخ کرنا ہے۔ اور جب وہ اس سے بھی فارغ ہو جائیں گے۔ تو پھر خلیفہ سے باقی افریقیہ[1] کے لئے اجازت طلب فرمائیں گے — جیسا کہ آپ آئندہ صفحات میں پڑھ لیں گے۔

عمروؓ کی طرح ان کی افواج بھی جہاد کی طرف پوری رغبت رکھتی تھیں۔ اسکندریہ کے فتح ہو جانے کے بعد بظاہر فتوحات اور حصول غنائم کا سلسلہ منقطع ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اور یہ تعطل کی حالت ان

---

[1] ابن عبد الحکم اور بلاذری کے نزدیک افریقیا کا اطلاق ان تمام علاقوں پر ہوتا ہے جو براعظم افریقیا کے شمال میں واقع ہیں اور مغربی مصر کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ تھی کہ برقہ اور طرابلس کو افریقیا اور مصر دونوں سے جدا ایک مستقل صوبہ قرار دے دیا گیا تھا۔

فینیقیوں نے افری APHR کا لفظ ان لوگوں کے لئے استعمال کیا ہے جو شہر قرطاجنہ TICA کے مضافات میں رہتے تھے۔ انہی سے یونانیوں نے اس لفظ کو لے کر ملک کے ان اصلی باشندوں پر بولنا شروع کر دیا جو مصر کے مغرب میں حدود مصر سے لے کر محیط اٹلانٹک بسے ہوئے تھے اور اسی وجہ سے اس سرزمین کو افری کا یعنی ملک افریکا نام دے دیا گیا۔

ہیرو ڈوٹس افریکا کے لفظ کو ان تمام علاقہ کے لئے استعمال کرتا ہے جو مغرب کی طرف سے لے کر بحر اطلس تک چلا گیا ہے۔

بکری نے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ لفظ اصل میں افریقیہ ہے جس کے معنے آسمان والے کے ہیں۔

بعض لوگوں نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اسے افریقس بن ابرہہ بن رائش نے اس وقت آباد کیا۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

کے لئے ہرگز پسندیدہ نہ تھی۔ اس لئے وہ سرزمین مصر کے قرب و جوار اور صحرائی علاقوں میں جا کر چھوٹی چھوٹی فتوحات اور مالِ غنیمت حاصل کرتے رہے۔ برقہ اور افریقہ کی اطلاعات عمروؓ بن العاص کے پاس فتح مصر کے دوران ہی میں آ رہی تھیں جن سے وہ اس بات کا اندازہ لگا رہے تھے کہ یہ علاقے بھی رومیوں ہی کی نو آبادیات ہیں اور ان کی پوزیشن وہاں نہایت مضبوط ہے۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ ان علاقوں کے روابط اہلِ مصر کے ساتھ بہت ہی قریبی ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں کے بہت سے قبائل مصر کے قبیلوں پر مشتمل ہیں۔

مصر اور برقہ کو ملانے والے راستے پختہ اور بے خطر تھے۔ اس لئے عمروؓ نے اسکندریہ کے بعد فیصلہ کر لیا کہ برقہ کی طرف پیش قدمی میں زیادہ دیر لگانا مناسب نہیں ہے[1]۔

عمروؓ اس بات کا یقین کامل رکھتے تھے کہ مصر کی فتح، برقہ کی فتح کے بغیر تکمیل نہیں پا سکتی جیسے کہ ابن عذاری کی مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے:۔

"عمروؓ نے فتوحاتِ مصر ہی کے دوران میں فتح برقہ کی داغ بیل بھی اسی طرح ڈال دی تھی کہ عقبہؓ بن نافع کو کچھ مسلمانوں کی معیت میں جاسوسی کی خاطر برقہ کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ وہاں کے حالات کی صحیح معلومات حاصل کر کے آئیں۔"

اسی ابن عذاری کا یہ قول بھی ہے کہ:۔

"عمروؓ بن العاص نے عقبہ بن نافع فہری کو کرویلہ اور برقہ کی طرف روانہ کیا جس نے ان دونوں کو فتح کیا۔ اور عمروؓ بنا تِ خود برقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اس کے باشندوں سے صلح کا معاہدہ کیا۔"

ابن ابی دینار نے بھی مندرجہ ذیل روایت میں ابن عذاری کی تائید کی ہے۔ اور جاسوسی کی مہم کی جانب ایک ضمنی سا اشارہ بھی کیا ہے:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تھا جب وہ مغرب کی طرف فتوحات کرتا ہوا بربر کے علاقہ میں مقام طنجہ تک پہنچ گیا تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا نام افریق بن ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جو حضرت ابراہیم کی دوسری بیوی قطورا کے شکم سے پیدا ہوئے تھے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس ملک کے باشندے چونکہ فاروق بن مصریم کی اولاد سے تھے۔ اس لئے وہ خود افارقہ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے اور انہی کی طرف نسبت کر کے ان کے ملک کو افریقیا کہا جاتا تھا۔

[1] البیان المغرب جلد ۱ صفحہ ۲

"جب عمروؓ بن العاص مصر اور اسکندریہ کو فتح کر چکے۔ تو انہوں نے عقبہ بن نافعؓ کو برقہ، زویلہ اور ان کے مضافاتی علاقوں کی طرف روانہ کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں وہ علاقہ اسلام کی حفاظت میں آ گیا۔ اس کے بعد عمروؓ بن العاص طرابلس کی طرف بڑھ گئے۔"

پیش قدمی عمروؓ بن العاص اسکندریہ سے فارغ ہو گئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ مصر کی فتوحات پورے طور پر تکمیل پا چکی ہیں۔ اُدھر عقبہ بن نافع کے خطوط بھی برقہ کے تفصیلی حالات لئے ہوئے اُن کے پاس پہنچ گئے ہیں جن کا انہوں نے غائر نظر سے مطالعہ کر لیا ہے۔ حالات سازگار نظر آ رہے ہیں۔ اس لئے اب عمرو کو برقہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دینی چاہیئے۔

---

[1] عقبہ بن نافع بن عبدالقیس بن لقیط قرشی ہجرت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے عمروؓ بن العاص کے ساتھ مل جاتا ہے۔

اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۲۰ میں ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ عقبہ عمروؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور اسی قرابتداری کی وجہ سے عمروؓ ان پر بھروسہ کرتے اور انہیں مختلف مواقع پر ترجیحات عطا فرما کر ایک تاریخی شخصیت بنانے جا رہے تھے۔ چنانچہ انہیں فزان کی ایک نہایت کامیاب مہم پر روانہ کرنے کے بعد انہیں برقہ کا حاکم بھی بنا دیا تھا جس پر وہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن سعد کی تقرری تک برقرار رہے۔ اور گمان غالب یہی ہے کہ عبداللہ بن سعد نے بھی انہیں ان کے منصب پر برقرار رکھا تھا۔ اس لئے کہ تاریخ میں اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ عقبہ کو عبداللہ نے کسی نئے حادثہ سے دوچار کیا ہو۔ اور میرا گمان غالب یہ بھی ہے کہ عقبہ ۳۶ھ میں مصر واپس آ گئے تھے۔ اور وہاں رہ کر ان سیاسی الجھنوں کا مطالعہ کرتے رہے جن سے اسلامی مملکت اس وقت گذر رہی تھی۔ اور جن کے نتیجہ میں خلافت کا منصب حضرت امیر معاویہؓ کے حصہ میں آ چکا تھا۔ اور جن کے بعد عمروؓ بن العاص نے دوبارہ مصر پہنچ کر ۴۱ھ میں عقبہ کو افریقیہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد حضرت معاویہ نے انہیں ۵۰ھ میں اس علاقہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ یہ سارا بیان کندی کی کتاب القضاة والولاة میں مذکور ہے۔

[2] ابن ابی دینار کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی عمروؓ مصر سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے عقبہ کو برقہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اور عقبہ نے اُسے فتح کر لیا تھا۔ پھر اس کے بعد عمرو خود روانہ ہوئے اور طرابلس کو فتح کیا۔ لیکن یہ ایک ایسی رائے ہے جس کی تائید نہ حوالہ جات سے ہوتی ہے اور نہ ہی واقعات اس کے حق میں ہیں۔ قرین قیاس جو بات ہے وہ یہ ہے کہ عمروؓ نے عقبہ کے ساتھ ایک جاسوسی دستہ روانہ کیا تھا تا کہ مصر سے فراغت پانے تک وہاں کے حالات کا علم ہو جائے۔ اس کے بعد جب وہ مصر سے فارغ ہو گئے تو پھر انہوں نے بذات خود برقہ اور طرابلس دونوں کو فتح کیا اور ہمارے پاس اس قیاس کی دلیل یہ ہے اور وہ یہ ہے کہ عمروؓ نے اس وقت ایک ایسی ہی جاسوسی مہم علاقہ نوبہ کی طرف بھی روانہ کی تھی۔

جیسے کہ ہم اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اسلامی فتوحات سے پہلے برقہ پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ اور مصر کی فتوحات ان کے کانوں میں برابر پہنچ رہی تھیں۔ جن سے انھوں نے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ مسلمانوں نے رومیوں کے مقابلہ میں ہر جگہ نہایت شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور انہیں مصر سے نکالنے کے بعد جو حکومت قائم کی ہے۔ وہ سراسر عدل و مساوات اور مذہبی اور شخصی آزادی کی حکومت ہے۔

ان خبروں نے اہل برقہ کے دلوں کو ایک طرف مسلمانوں کے مقابلہ میں مرعوب کر دیا اور دوسری طرف ان کے اندر اس بات کا بھی لالچ پیدا کر دیا کہ ہم کو بھی مصر والوں کی طرح رومی تسلط سے چھٹکارا پا کر اسلام کے فوائد سے نفع یاب ہو جانا چاہیئے۔

برقہ کب فتح ہوا فتح برقہ کی تاریخ متعین کرنے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں ہے۔

بلاذری کے نزدیک اس کی تکمیل ۲۱ھ میں ہوئی ہے[1]

اسی کی تائید ابو المحاسن اور بکری نے بھی کی ہے[2]

لیکن ابن عبد الحکم ۲۲ھ بتاتا ہے اور ابن الاثیر اور کودل نے بھی اسی کے قول کو نقل کیا ہے[3]۔

یعقوبی کے نزدیک فتح برقہ کا سال ۲۳ھ ہے اور ابن خلدون اور ڈی سلین نے اسی کو قبول کیا ہے[4]

لیکن حالات کا جائزہ یہ ہے۔ کہ عمروؓ نے فتح اسکندریہ سے اواخر ستمبر ۶۴۲ء میں فراغت پائی ہے جس کی تاریخ بٹلر کے مندرجہ ذیل قول کی روشنی سے معلوم ہوتی ہے:۔

"اسی مہینہ کی ۲۵ تاریخ کو تھیوڈور کا بحری بیڑہ اپنے لنگر کاٹ رہا اور بادبان کھول رہا تھا۔ تاکہ ہزیمت خوردہ رومیوں کو لے کر قبرص کی طرف روانہ ہو جائے"

اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ عمروؓ نے برقہ کی جنگ اسکندریہ کے فوراً ہی بعد شروع کر دی تھی۔ جب ہم ستمبر ۶۴۲ء کو اسلامی مہینہ سے مطابقت دیتے ہیں۔ تو وہ ذوالقعدہ ۲۱ھ نکلتا ہے۔ اس کے بعد

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۲۴

[2] النجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲ — المسالک والممالک ص ۴۵

[3] ابن عبد الحکم (فتوح مصر والمغرب والاندلس) ص ۱۷۰ — ابن الاثیر الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۱۷
کودل (شمال افریقیا قبل الفتح العربی) ص ۱ CAUDEL

[4] احمد بن یعقوب بن جعفر تاریخ الیعقوبی ج ۱ ص ۲۴۳ — DE SLANE P.422

اگر ہم اس سنہ کے باقی مہینوں کو پیش قدمی کی تیاری میں شمار کرلیں۔ تو واضح طور پر برقہ کی جنگ کا سال ۲۲ھ ہی برآمد ہوتا ہے ۔

اہل برقہ | اہل برقہ بربر تھے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ :۔

"بربر سے مراد مغرب کے وہ قدیم باشندے ہیں جن کا رنگ گندمی تھا۔ اور جو اپنی کثرت آبادی کی بنا پر میدانوں اور پہاڑوں، ٹیلوں اور وادیوں، جنگلوں اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مٹی، پتھر اور لکڑی وغیرہ کے مکانات بناتے تھے۔ بھیڑ بکری اور گائے بیل پالنا ان کا ذریعہ معاش تھا۔ سواری کے لئے گھوڑے استعمال کرتے تھے۔ اور جو ان میں سے خوشحال تھے وہ اونٹ پالتے تھے۔ غرض اکثر حالات میں وہ اہل عرب کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔"

کمزور اور پسماندہ لوگوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی اور چرنے چگنے والے مویشی پالنا تھا۔ اور اہل ثروت کا ذریعہ آمدنی اونٹوں کی نسل کشی وغیرہ تھا۔

بربر کا لفظ چار زمانوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ہومر کے زمانے میں اس کا اطلاق ان قبائل کے مجموعہ پر ہوتا تھا۔ جن کی زبانیں اور لہجے باہم مختلف ہوں۔ ہیروڈوٹس کے زمانے میں اس کا اطلاق ان قوموں پر کیا جاتا تھا۔ جو یونانیوں کی زبان اور ان کی تہذیب سے ناآشنا ہوں۔ بلغوس کے زمانے میں باشندگان روما کے علاوہ باقی سب مذہبوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔ اور عربوں نے افریقیا کے ساحلی باشندوں پر اس لئے اس کا اطلاق کیا کہ ان کی زبان ان کے لئے ناقابل فہم تھی[1]۔

بربر افریقہ میں کب داخل ہوئے۔ اس بارے میں ابن خلدون کی رائے یہ ہے کہ :۔

"نہ ان کی ابتدا کا کسی کو علم ہے اور نہ ہی تاریخ یہ بتاتی ہے۔ کہ افریقہ میں ان سے پہلے کون لوگ آباد تھے۔"

مورخ تونسی کے نزدیک :۔

"سب سے پہلے بربروں کا انکشاف کرنے والے فرعونی دور کے قدیم مصری تھے۔ جو انہیں لیبیو یا باشندگان لیبیا کہہ کر پکارتے تھے۔"

اس سے پتہ چلا کہ لیبیوں سے مراد بھی بربر ہیں۔ جبکہ دیگر مورخین کی روایات اس کے برخلاف یہ

---

[1] یہ بات پیش نظر رہے کہ عرب لفظ بربر کو ایسی آوازوں کے لئے استعمال کرتے تھے جو گڈمڈ، مخلوط اور غیر مفہوم ہوں

پتہ دیتی ہیں۔ کہ بربروں کا دور شمال افریقیا کے لیبیوں سے بہت پہلے کا دور تھا۔
ابن خلدون کہتا ہے کہ :-

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے۔ کہ بربر کے مورث اعلیٰ کا نام مازیغ تھا اور یہ لوگ کنعان بن حام بن نوح کی اولاد سے ہیں۔"

ابن حزم نے جمہرۃ الانساب میں لکھا ہے کہ :-

"بربر کے بعض قبائل نے یمنی اور حمیری ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ اور بعض نے اپنا نسب بَرّ بن قیس عیلان کے ساتھ ملایا ہے۔"

لیکن ابن خلدون اس کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :-

"یہ بات بالکل لغو ہے۔ اس لئے کہ علمائے انساب نے قیس ابن عیلان کے کسی ایسے بیٹے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جس کا نام بَرّ ہو۔ اور حمیر کے لئے بربروں کے علاقہ کی طرف جانے کا بھی کوئی سراغ یمنی مؤرخین کی دروغ بیانی کے سوا کسی اور مستند تاریخ میں نہیں ملتا۔"

اسلام سے قبل بربروں کا مذہب مجوسیت تھا۔ لیکن وہ خارجی اثرات اور بیرونی حملہ آوروں کے ماتحت اپنے مذہب کو بدلتے بھی رہتے تھے۔ چنانچہ ۵۳۵ء کے لگ بھگ بیزنطیوں نے ان کے مذہب کو مسیحیت میں تبدیل کر دیا تھا۔

اسلام سے قبل بربر افریقیا اور مغرب میں بڑی کثرت اور قوت کے حامل تھے اور سیاسی طور پر فرنگیوں کے اطاعت گذار تھے۔ اور جب بھی انہیں کمک اور امداد کی ضرورت پڑتی۔ تو وہ ان کی پوری مدد کرتے تھے۔ جب مسلمان افریقیا میں داخل ہوئے۔ تو انہوں نے اُن کے مقابلہ میں جرجیر کی مدد کی۔ پھر جب جرجیر قتل ہو گیا تو ان کا شیرازہ منتشر ہو کر ان کی حکومت متعدد ریاستوں میں تقسیم ہو گئی .... موسیٰ بن نصیر کے دور سے پہلے ان کا قبول اسلام ثابت نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] ابن خلدون کہتا ہے کہ: "یہ قوم فرنگی کے نام سے بھی مشہور تھی۔ اور عوام اس کو اُن کے اس شہر کی طرف نسبت کر کے افرنسیس بھی کہتے تھے۔ جو ان کے علاقہ کا ام البلاد تھا۔ اور جو جزیرہ اندلس اور قسطنطنیہ تنگ نائے (مضیق) کے درمیان واقع تھا۔

[۲] ابن خلدون

پیش قدمی عمروؓ آج اسی سرزمین کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ اور پہلا شہر جو ان کے سامنے آئے گا۔ وہ انطابلس ہو گا۔ جس کے معنی عربی میں پانچ شہروں کا مجموعہ ہیں۔ انطابلس جن پانچ شہروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ وہ یہ ہیں :- طوشیرا۔[1] سیرین۔[2] برنیق۔[3] ابولونیا۔[4] بارقہ۔[5] یہ سب پرانے شہر ہیں۔ جنہیں یونانیوں نے مختلف زمانوں میں آباد کیا۔ اور فتح اسلامی سے پہلے یہ سب موجود تھے۔ قدیم تاریخ میں ان شہروں کا مقام بہت بلند تھا۔

عمروؓ نے ان سب کی مضبوط فصیلوں کو منہدم کرنے کا حکم دے دیا۔ تاکہ باشندگانِ شہر کسی وقت ان کی آڑ اور حفاظت کے بل بوتے پر اطاعت سے منحرف اور بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔

شہرپناہوں کو منہدم کرنا بیرونی حملہ آوروں کا ایک قدیم اور ضروری حربہ تھا۔ جیسا کہ اس کے برعکس دفاع کنندگان ان کی تعمیر کو ایک اہم ذریعۂ حفاظت سمجھتے تھے۔

برقہ میں عمروؓ کی فوج کو کوئی قابلِ ذکر مقابلہ پیش نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ باشندگانِ ملک پہلے ہی سے اس بات کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ کہ کب مسلمان ہمارے ملک کی طرف آئیں۔ اور ہم اسلام کے پرچم کے ماتحت آجائیں۔ اور ان فوائد و تمتعات سے بہرہ مند ہوں جن کی امید وہ اسلام کے نظریۂ عدل و مساوات سے وابستہ رکھتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے صلح کا مطالبہ کیا اور تیرہ ہزار فرعونی دینار سالانہ پر معاہدہ صلح طے پا گیا جسے وہ کسی وصول کنندہ کا انتظار کیے بغیر ہی اسلامی حکومت کو بھیج دیا کرتے تھے۔

صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو بھی ان کے جزیہ میں فروخت کر دیا کریں گے۔[6]

---

[1] رومی لفظ ہے

[2] بعد کے زمانہ میں اس کو اوسینوں کہا جانے لگا۔ جسے عرب طوکرہ کہتے تھے۔

[3] اس کا ایک قدیم نام ہمدیریں بھی ہے۔ اور آج کل اسے قرذ کہا جاتا ہے

[4] اب اس کے کھنڈرات پر بن غازی تعمیر کیا گیا ہے۔

[5] اس کا موجودہ نام سوسہ ہے۔

[6] کچھ عرصہ بعد اس کا نام ابطولیمایس ہو گیا تھا۔ اور آج کل اسے مرج کہا جاتا ہے۔

[7] اس عبارت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ عمروؓ نے یہ شرط تنہا دلی کے دشوار ہونے کی صورت میں لگائی ہو گی کیونکہ یہ بات اہلِ عرب کے ہاں بالکل نئی تھی اور کسی بھی عربی فاتح نے مفتوحین کی اولاد کو خریدنے کی شرط کسی صلح میں نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

شبلی کا بیان ہے کہ :-

"برقہ کے بربروں نے عربوں کی اطاعت کرنے میں نہ صرف یہ کہ بہت جلد بازی سے کام لیا بلکہ انہوں نے عربوں کو اسی وقت اپنی طرف سے دخول اسلام کی پیش کش بھیج دی تھی جب وہ مصر میں فتوحات کر رہے تھے۔ اور اس پیش کش کو عمروؓ نے ترجمان کی مدد سے سمجھا تھا۔ اور عمروؓ نے پیش کش لانے والی سفارت کو جوں کا توں خلیفہ عمرؓ کے پاس روانہ کر دیا تھا جس کا انہوں نے کھلے دل سے استقبال کیا تھا۔ اور اس استقبال کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ حاضرین میں سے کسی شخص نے اس بات کا انکشاف کیا تھا۔ کہ یہ بربر، بربن قیس کی اولاد میں سے ہیں۔ پھر جب حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی تہذیب و تمدن اور بود و باش کی تفصیلات معلوم کیں۔ تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان صفات کی قوموں کو فتح کرنے کی پیش گوئی فرما چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور ان کے وفد کو تحفہ تحائف دے کر رخصت کرنے کے ساتھ عمروؓ بن العاص کو اس بات کا حکم بھیجا۔ کہ وہ ان لوگوں کو اسلامی افواج کی صف اوّل میں جگہ دیں[1]۔"

بعض روایات میں تو اس سے بھی زیادہ تفصیل مذکور ہے۔ بہرحال ان روایات سے ابن عبدالحکم کی اس بات کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔ کہ برقہ کے بربر اپنا عائد شدہ خراج نہایت خوش دلی کے ساتھ وقتِ مقررہ پر ازخود روانہ کر دیتے تھے۔ اور کسی محصل کا انتظار نہیں کرتے تھے[2]۔

بلاذری اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ[3]:-

"اہلِ برقہ اپنا خراج والیٔ مصر کو خود بخود ارسال کر دیتے تھے۔ اور ایسی خوشدلی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ کہ انہیں کسی قسم کی یاد دہانی کی بھی کبھی ضرورت پیش نہیں

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) لگائی تھی ہو سکتا ہے کہ بربروں نے جزیہ کی ادائیگی کی تاکید اور یقین دہانی کی بنا پر اپنی طرف سے اس مبالغہ آمیز ضمانت کا ذکر کر دیا ہو۔

[1] کتاب الجمان فی اخبار الزمان موءلفہ محمد شطیبی مغربی قلمی نسخہ صفحہ ۲ محفوظ خدیو المکتب ؛

[2] فتوح مصر والمغرب والاندلس صفحہ ۱۷۱

[3] بروایت محمد بن سعد عن الواقدی عن مسلم بن سعید عن اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ ۔

آتی تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ یہ لوگ مغرب میں سب سے زیادہ خوش حال تھے۔
اور انہیں کبھی کسی مصیبت کا بھی سامنا کرنا نہیں پڑا تھا۔"[1]

شاید بربروں کی اس مبالغانہ اطاعت و تسخیر۔ ادائے جزیہ اور اولاد کی فروخت[2] تک کی پیشکش کا اصلی باعث یہ ہو۔ کہ عربوں نے محاصرۂ اسکندریہ کے دوران میں جو چھوٹی چھوٹی مہمات قرب وجوار میں بھیجی تھیں۔ ان کی شجاعت و مردانگی کی خبروں سے بالخصوص عقبہ کی مہم سے ان کے دل پہلے ہی نرم اور مائل بہاطاعت ہو چکے تھے۔

سیوطی کا بیان ہے کہ :۔

"عمرو نے برقہ کی مہم میں صرف گھوڑ سوار فوج ہی روانہ کی تھی۔"[3]

(۲) فتح طرابلس

عمومی حالات | برقہ کی تسخیر کے بعد عمروؓ نے علاقۂ مغرب کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ جس کے لئے ان کے سامنے دو راستے تھے۔

۱۔ ساحل کا راستہ جس پر طرابلس وغیرہ ساحلی شہر واقع تھے۔

۲۔ اندرونی صحرائی راستہ جسے اختیار کرنے کے بعد وہ اندرونی صحرائی بستیوں اور ڈیرول

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۲۴

[2] بربروں کے ہاں اولاد کی فروخت داخل رواج تھی۔ ڈیل نے اس کی مثال میں اہل کورسیکا کو پیش کیا ہے۔ جو بیزنطی حکومت کے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے اپنی اولاد کو بیچ دیا کرتے تھے۔ ڈیل کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

"تحصیل دار نہایت سختی کے ساتھ حکومت کے بوجھل واجبات وصول کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کورسیکا کے ٹیکس گذار اپنی اولاد تک کو غلاموں کی صورت میں فروخت کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے۔ اور غریب مالکان اراضی تو بسا اوقات اپنی زمینیں فروخت کر کے بربروں کے علاقہ کی طرف پناہ گزین ہو جاتے تھے۔" DIHL - L. AFRIQUE BYZANTINE. P. 565

[3] حسن المحاضرہ صفحہ ۸۶

پر قبضہ کر سکتے تھے جہاں قبائل لواتہ[1]، نفوسہ[2] اور ہوارہ رہائش رکھتے تھے۔

عمرو اس بات کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ کہ اگر ساحلی علاقوں کو مسلمانوں نے رومیوں سے واگذار کرا بھی لیا۔ تو ملک کے اندرونی مراکز بدستور مسلمانوں کے لئے دردِ سر بنے رہیں گے۔ اور موقع پا کر مسلمانوں کے خلاف وہ حملہ آور ہونے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ اور عین ممکن ہے کہ ادھر ہم ساحلی علاقوں میں مصروفِ جہاد ہوں اور اُدھر ان کی طرف سے خطرات پیش آ جائیں۔

اس لئے عمروؓ نے بیک وقت دونوں جانب پیش قدمی کو ضروری قرار دیتے ہوئے اپنے لئے مندرجہ ذیل نقشۂ جنگ تیار کیا۔

۱۔ عمروؓ بذاتِ خود طرابلس روانہ ہو جائیں اور

۲۔ فوج کا کچھ حصّہ اندرونی علاقہ کی طرف روانہ کر دیں۔

پروفیسر روتھ[3] کا بیان ہے کہ:۔

"عمرو ایک ہوشمند اور زیرک قائد تھے۔ اس لئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ جس وقت وہ مغربی سمت مصروفِ جہاد ہوں۔ اشد ضروری ہے کہ فزان پر بھی نگرانی روانہ کر دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے عقبہ بن نافع کو اس طرف روانہ کر دیا جو اندرونی علاقوں کو تیز رفتاری کے ساتھ مسخر کرتے ہوئے زویلہ (زویلۃ السودان) تک پہنچ گئے۔ اور انہیں کوئی اہم معرکہ پیش نہیں آیا"[4]

ابن عبد الحکم نے کہا ہے کہ:۔

---

[1] لواتہ، فتح اسلامی کے وقت برقہ کا سب سے زیادہ مشہور قبیلہ تھا۔ جس کا سلسلہ نسب لوا صغر بن لوا اکبر سے ملتا تھا۔ چونکہ بربر کسی لفظ میں عموم پیدا کرنے کے لئے آخر میں "الف" اور "تا" زیادہ کیا کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے لوا سے "لوات" بنایا۔ پھر عربوں نے اپنی طرف سے اس کے آخر میں "ہ" کا اضافہ کر کے لواتہ کر لیا۔

[2] نفوسہ طرابلس کا مشہور قبیلہ ہے۔ جس کی نسبت نفوس بن زحلیک بن مادغیس کی طرف ہے۔ بنو زمور، بنو مکورہ اور ماطوسہ اسی کی شاخیں ہیں۔

[3] ROTH کتاب عقبہ بن نافع ص۲

[4] فتوح مصر والمغرب والاندلس

"عمرؓو بن العاص نے عقبہ بن نافع کو روانہ کیا۔ اور وہ زویلہ تک پہنچ گئے۔ اور اس طرح گویا زویلہ اور برقہ کا درمیانی علاقہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔"[1]

اس روایت کے ناقل ابوالحسن، ابن خلدون اور مالکی ہیں۔ لیکن ابن عذاری کی روایت ان کے خلاف ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ عقبہ فزان کو فتح کرنے کے لئے برقہ کے بجائے مصر سے روانہ ہوئے تھے۔ اس روایت کا متن یہ ہے :۔

"عمرؓو نے مصر کو ۲۰ھ میں فتح کیا اور عقبہ بن نافع کو زویلہ اور برقہ (برافہ) کی طرف روانہ کر دیا۔ جنہوں نے ان دونوں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد عمرؓو بنفس خود برقہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس کے باشندوں سے صلح کی۔"[2]

زویلہ فزان کا ایک قدیم شہر تھا۔ جس کا فاصلہ طرابلس کی جنوب مشرقی سمت میں تقریباً ۰۰۰ کیلومیٹر تھا۔ فتح اسلامی کے وقت فزان کا پایہ تخت یہی شہر تھا۔ جس کا اسلامی نام فتح کے بعد بلدالاشرف رکھ دیا گیا تھا۔[3]

عمرؓو نے برقہ سے فراغت کے بعد اور طرابلس کی طرف پیش قدمی سے پہلے عقبہ کو زویلہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ عقبہ اپنی فوج کے ساتھ جنوب غربی سمت قدم زن ہوئے۔ یہاں تک کہ زویلہ پہنچ گئے۔ اور اُسے ۲۲ھ میں فتح کر لیا۔ اور باشندوں پر تین صد غلاموں کا جزیہ مقرر کر دیا گیا۔[4]

عمرؓو بن العاص نے خلیفہ عمرؓ کو لکھ دیا تھا۔ کہ زویلہ اور برقہ کے درمیان کا تمام علاقہ مطیع و فرمانبردار ہو گیا ہے۔ جو ان میں سے مسلمان ہو گئے ہیں۔ انہوں نے صدقہ ادا کر دیا ہے اور جو ذمی ہیں۔ انہوں نے جزیہ قبول کر لیا ہے۔ اور میں نے محصلین کو حکم دے دیا ہے۔ کہ وہ

---

[1] اس کا تلفظ حرف "ز" کے زبر اور حرف "واؤ" کے زیر کے ساتھ زَوِیلہ ہے۔ اور بعض مورخین اسے زویلۃ السودان بھی کہتے ہیں۔ تاکہ وہ زویلہ افریقیہ سے ممتاز ہو جائے۔ جسے عبداللہ المہدی نے تونس کے قریب تعمیر کیا تھا

[2] البیان المغرب ج ۱ ص ۲

[3] ایک قول کے مطابق اس کا نام زویلہ خطاب بھی ہے۔ اس لئے کہ بنو خطاب نے اس میں رہائش اختیار کر کے اپنی حکومت قائم کی تھی۔

[4] مسالک الممالک میں لکھا ہے کہ "یہ نہ تو جزیہ تھا نہ خراج"

مالدار مسلمانوں سے صدقہ وصول کر کے غریبوں تک پہنچائیں۔ اور ذمیوں سے جو جزیہ وصول ہو اسے مصر کے بیت المال میں پہنچا دیا جائے۔ نیز یہ کہ مسلمانوں کی زمین سے عشر یا نصف عشر[1] وصول کیا جائے۔ اور معاہدین سے مطابق صلح وصول کیا جائے :

فتح سرت شہر سرت اسی نام کی ایک خلیج پر واقع ہے۔ جو سمندر کے جنوب میں تقریباً چار کیلو میٹر کے فاصلہ پر اور طرابلس کے جنوب مشرق میں ۴۵۵ کیلو میٹر پر واقع ہے۔ یہ شہر چار طرف سے مٹی کی ایک فصیل سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے باشندوں کی بولی بھی عجیب تھی۔ جو نہ تو عربی ہی تھی اور نہ قبطی اور نہ بربری اور عجمی۔ ممکن ہے کہ وہ سوڈانی زبان ہو جو سوڈانی روابط کی وجہ سے اُن لوگوں میں سرایت کر گئی ہو۔

طرابلس جاتے ہوئے عمروؓ اس شہر سے گذرے تھے۔ راستہ میں اسے بھی لگتے ہاتھ فتح کرتے چلے گئے۔ یہ تفصیل کسی مؤرخ نے بیان نہیں کی۔ کہ وہ صلحاً فتح ہوا تھا یا عنوۃً۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ آسانی سے فتح ہو گیا ہو گا۔ اور اسی بنا پر اس کی تفصیل میں پڑنا غیر ضروری سمجھا گیا۔

فتح لبدہ لبدہ شمالی افریقیا کے بڑے شہروں میں سے تھا۔ اور یہ طرابلس کے مشرق میں تقریباً نوے کیلو میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جسے فنیقیوں نے افریقیا پر تسلط جمانے وقت ۱۰۰۰ قبل مسیح میں آباد کیا تھا۔ اور وہ قرطاجنیوں کے درمیان لپکی کے نام سے مشہور تھا۔ جسے بعد میں یونانیوں نے لبشمش کے لفظ سے تبدیل کر لیا تھا۔ پھر وہ لبشمش سے لبتقش ہوا۔ بعد ازاں اس کے آخر میں ماینا کا لفظ بڑھا کر لبتس ماینا پکارا جانے لگا۔ جس کے معنی لبدۂ کبیر یا لبدۂ عظیمہ کے ہیں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یونان میں بھی ایک شہر لبتس نام کا موجود تھا۔ اس لئے انہوں نے ماینا کا لفظ بڑھا کر اس کے ساتھ مشابہت کو دور کر دیا۔

عمروؓ کا طرابلس کے راستہ میں اس پر گذر ہوا تو انہوں نے اس شہر کو غیر آباد پایا۔ وہ پرانے محلات و قصور کے کھنڈرات پر مشتمل تھا۔ جس میں کچھ بچے کچھے مخلوط النسل باشندے[2] سر چھپائے

---

[1] جو کھیتی بارش کے ذریعہ سیراب ہوتی تھی۔ اس کی زکوٰۃ عُشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ تھی۔ اور جو آلات آب پاشی کے ذریعہ محنت و مشقت سے سیراب کی جاتی تھی۔ اس کی زکوٰۃ نصف عشر یعنی بیسواں حصہ وصول کی جاتی تھی۔

[2] باشندے رومیوں اور بربروں سے مخلوط تھے۔

پہلے تھے۔ اس لئے عمرؓ نے اسے نہ جانتے ہوئے کوئی اہمیت دی اور نہ واپس لوٹتے وقت۔
شہر طرابلس | طرابلس کی تاریخ تعمیر اگرچہ متعین نہیں ہے۔ لیکن واضح اقوال کی روشنی میں اتنا ضرور معلوم ہے۔ کہ یہ شہر فینقی دور کا ہے۔ اور یہ بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ وہ صبرتہ اور لبدہ کے بعد آباد ہوا ہے۔ اور اہمیت میں اُن سے کم درجہ کا تھا۔ شہر کے گرد فینیقوں نے اس میں کوئی فصیل بھی تعمیر نہیں کی تھی۔

پھر جب رومی شمال افریقیا میں وارد ہوئے تو قیصر وقت (اسنا روس) نے اس کے مشرق مغرب اور جنوب کو فصیل سے محصور کر دیا۔[1]

فتح اسلامی کے وقت یہ علاقہ قسطنطنیہ کی رومی شہنشاہی کے ماتحت تھا۔[2] جنہوں نے برقہ اور طرابلس کو اکٹھا کر کے مصر کے ماتحت ایک صوبہ بنا دیا تھا۔ اور اس کے باشندوں کی اکثریت بھی رومیوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ صوبہ مملکت رومیہ کے دوسرے حصوں کے ساتھ ہر طرح مربوط تھا۔ اور اس کے تاجر بحر ابیض کی تمام ساحلی منڈیوں پر اپنے تجارتی جہاز لے جاتے تھے۔

تاریخی روایات اس بات پر متفق ہیں۔ کہ طرابلس جریجوریوس[3] ثانی کے زیر فرمان تھا۔
ابن عبد الحکم کہتا ہے کہ:۔

"اس علاقہ کا حکمران جرجیر نام کا ایک شخص تھا۔ جسے ہرقل شہنشاہ روم نے اپنا نائب بنا کر یہاں بھیج رکھا تھا۔ لیکن اس نے خود مختاری کا دعویٰ کر کے سرکاری سکے پر اپنی تصویر کندہ کرالی تھی۔ اس کی حدود سلطنت طرابلس سے طنجہ

---

[1] شمالی جانب فصیل کی تکمیل ۱۸۰ھ میں ہرثمہ بن عبداللہ نے کی
[2] رومی سلطنت انتظامی لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم تھی۔ مغربی حصے کا دارالخلافہ روما تھا اور مشرقی حصہ کا پایہ تخت بیزنطہ (قسطنطنیہ) تھا۔
[3] Gregorits ہرقل کا حقیقی بھائی حکومت افریقیا میں اس کا دست و بازو تھا ہرقل کی موت کے بعد جب اس کا بیٹا ہرقلیس جانشین ہوا تو اس نے بھی اُسے افریقیا کی حکومت پر برقرار رکھا۔ پھر اس کی جانشینی علی الترتیب قیصر روس، نیقتاس بن جریجوریوس اور جریجوریوس بن نیقیتاس کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ آخر الذکر جو جریجوریوس کو جرجیر بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے اپنی بہن جریجوریا کو ہرقل قسطنطین کے نکاح میں دے دیا تھا جس کے بعد ملک میں اس کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی (DIEHL, p.515)

تک تھیں۔[1]

مقریزی کہتا ہے کہ:۔

" اس علاقہ کے بادشاہ کا نام جرجیر تھا۔ اور اس کی سلطنت کی حدود طرابلس سے طنجہ تک وسعت رکھتی تھیں۔[2]

محاصرۂ طرابلس | عمروؓ کی قیادت میں عرب طرابلس تک پہنچ گئے۔ اب شہر کی مضبوط فصیلیں اور اس کے مستحکم قلعے اُن کے سامنے سینہ سپر کھڑے تھے۔ لیکن اس کے باشندوں نے اُن کے پیچھے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔

عمروؓ نے شہر کے محاصرے کا حکم دے دیا۔

جرجیر نے اس کے جواب میں کوئی قابلِ ذکر مدافعانہ اقدام کیا یا نہیں۔ اس کے ذکر سے مؤرخین خاموش ہیں۔ اور نہ ہی انہوں نے یہ بتایا ہے۔ کہ قلعہ بند رومیوں کی کوئی خاص حفاظتی توجہ تھی بھی یا نہیں۔

عربوں نے محاصرہ تو کر لیا۔ لیکن شہر کی فصیل اتنی مضبوط تھی۔ کہ انہیں نہ اس کے اوپر چڑھنے کی کوئی سبیل دکھائی دیتی تھی اور نہ دروازوں کے ذریعہ داخل ہونے کی۔

ابن عبد الحکم راوی ہے کہ:۔

" عمروؓ بن العاص ۲۲ھ میں طرابلس پہنچے۔ اور اس قبہؓ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ جو مشرقی جانب ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا۔"[3]

البیان المغرب میں لکھا ہے کہ:۔

" طرابلس کے باشندوں نے اہلِ نفوسہ[4] سے امداد طلب کی تھی۔[5]

---

[1] فتوح مصر والمغرب والاندلس ص۱۸۳

[2] نہایت الادب ص۳۰۹

[3] اس سے مراد شیخ عبد اللہ شعاب کا قبہ ہے۔

[4] ابن العذاری المراکشی

[5] کسی ایک مؤرخ نے بھی یہ بات نہیں لکھی۔ کہ فصیل سے باہر بھی مسلمانوں کو کسی قسم کی مزاحمت پیش آئی تھی۔ اور یہ بات اس امداد طلبی کی روایت میں شک پیدا کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

محاصرے کو پورا ایک مہینہ گذر گیا۔ اور نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ مقنش صبح و شام فصیل کے چاروں طرف گشت لگا کر دیکھ لیا کرتے کہ شاید کہیں کوئی موقع اندر داخل ہونے کا نکل آئے لیکن سب بے سود۔

ایک دن سات مسلمان مسلح ہو کر اس جذبہ سے چلے کہ ہم کوئی نہ کوئی راستہ ضرور تلاش کر کے آئیں گے چلتے چلتے وہ شہر کے شمال مغربی گوشے تک پہنچے تھے۔ کہ انہوں نے اندازہ لگایا۔ کہ دریا کے اندر فصیل کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ مقنش یہ دیکھ کر خوشی کے مارے اچھل پڑے اور ہمت کر کے فصیل کے اسی شگاف کے راستے کنیسۂ قدیمہ[1] کے قریب سے شہر کے اندر داخل ہو گئے اور رومیوں کی گردنیں ناپنی شروع کر دیں۔ اپنا کام کرتے جاتے تھے اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر[2] لگاتے جاتے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر فصیل شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اور بڑے زور سے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) نفوسہ کے کچھ لوگ شہر کے اندر موجود ہوں۔ اور مؤرخین نے انہی کو کمک کے پیرایہ میں ذکر کر دیا ہو ——— تیجانی کی روایت اس بارے میں یہ ہے کہ حضرت عمرو نے اس شہر پر پورے ایک مہینہ قیام کیا اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ باشندگان قلعہ بربروں کی ایک جماعت سے کمک حاصل کر چکے تھے جنہیں نفوسہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور جو نصرانیت قبول کر کے ان کے ہم مذہب بن چکے تھے۔ آخر کار لشکر شہر پر قابض ہو گئے اور اس کی فصیلوں کو منہدم کر کے روانہ ہو گئے۔"

جبل نفوسہ ایک سلسلۂ کوہ کا نام ہے جو مغرب سے شروع ہو کر مشرق تک طویل ہوتا چلا گیا ہے۔ اور یہ سلسلہ بھی اس سلسلۂ کوہ کا ایک جزو ہے۔ جو بحر ظلمات سے شروع ہو کر مراکش، تونس، طرابلس ہوتا ہوا کوہ قفاطہ پر ختم ہوتا ہے۔ کوہ نفوسہ کے شمالی اور جنوبی حصوں میں بہت سی چراگاہیں اور وسیع و سرسبز وادیاں ہیں۔ جنہیں بہت سے چشمے مثلاً چشمۂ مدمیہ، چشمۂ ترک اور چشمۂ زونا وغیرہ سیراب کرتے ہیں۔ بربروں کا وطن یہی علاقہ ہے۔ جہاں ان کے مخصوص مقامات اور خاص خاص ملکیتیں بھی موجود ہیں

اسلامی فتوحات کے بعد مسلمانوں نے ان کی سابق سکونتوں میں بھی شرکت کی۔ اور اپنے لئے مخصوص اور جدید اقامت گاہیں بھی تعمیر کرتے رہے ——— اس علاقہ کا نام نفوسہ بربروں کے سب سے بڑے قبیلے کے نام پر رکھا گیا۔ جو وہاں آباد ہوئے تھے۔ اور ہمیشہ سے اس علاقہ میں رہتے چلے آئے تھے۔

[1] یہ ایک اونچا مقام ہے جو شہر کے شمال مغرب کی طرف واقع ہے

[2] مسلمانوں کی یہ عادت تھی۔ کہ جب وہ دشمن سے لڑتے تھے تو نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد دشمن کو خوف زدہ کرنا ہوتا تھا۔

نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ نعروں کی آوازیں[1] باہر کے مسلمانوں نے سنیں تو وہ دوڑ کر ان سے جا ملے اور نہایت مستعدی کے ساتھ رومیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جس کی تاب وہ زیادہ دیر نہ لا سکے آخر خوفزدہ ہو کر راہِ فرار اختیار کی اور گرتے پڑتے اس سمت بھاگ نکلے۔ جہاں انہوں نے پہلے ہی سے فراری جہاز تیار کر رکھے تھے

شہر پر مسلمانوں کا پوری طرح قبضہ ہو گیا۔ بڑی مقدار میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا جسے عمروؓ نے فروخت کر کے قیمت مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی[2]

ابن عبد الحکم کی روایت | ابن عبد الحکم تسخیر طرابلس کی حکایت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :۔

"عمروؓ کی فوج میں سے بنو مدلج کا ایک شخص سات آدمیوں کی معیت میں ایک دن شکار کے لئے نکلا۔ چلتے چلتے وہ لوگ مغرب کی جانب اپنے کیمپ سے بہت دور نکل گئے۔ گرمی کی شدت ناقابل برداشت ہو گئی۔ تو وہ لوٹ گئے۔ جب وہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے دریا کے کنارے پہنچے۔ تو انہیں نظر آیا، کہ یہ دریا تو شہر سے بالکل ملحق ہے۔ اور اس طرف شہر کی فصیل بھی کچھ کٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ جو کشتیاں پانی میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان کے لنگر بھی مکانات کے دروازوں کے ساتھ ہی بندھے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ مدلجی نے اور زیادہ غور سے دیکھا۔ تو یوں معلوم ہوا کہ اس طرف دریا کا پانی بھی کم گہرا ہے۔ نگاہِ تفتیش نے اور گہرا جائزہ لیا۔ تو اندازہ ہوا کہ جس حصہ میں پانی کم ہے۔ وہاں ایک راستہ بھی دکھائی دے رہا ہے ——— بس پھر کیا تھا۔ ساتوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور کنیسہ کے قریب سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اور تکبیروں کا غلغلہ بلند کر دیا۔ عمروؓ

---

[1] ابن الاثیر کی روایت یہ ہے "عمروؓ اور اس کے ساتھیوں نے غور کر کے دیکھا تو شہر کے اندر سے انہیں تلواروں کی چمک اور شور کی آواز سنائی دی اور اس نے فوراً اپنی فوج کو اندر داخل ہو جانے کا حکم دے دیا" (ج ۳ صفحہ)

[2] بلاذری نے لکھا ہے ——— عمرو ابن العاص چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ۲۲ھ میں طرابلس پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ جہاں انہیں مقابلہ پیش آیا اور بالآخر انہوں نے بزورِ شمشیر اُسے فتح کر لیا۔

منجملہ مالِ غنیمت کے انہیں کسی بڑے تاجر کے زیتون سے لدے ہوئے اونٹ مل گئے جنہیں انہوں نے فروخت کر کے ان کی قیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

نے جب اپنے آدمیوں کو شہر کے اندر دیکھا۔ تو پھر باقی فوج کے باہر رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور انہیں تیار کشتیوں میں بیٹھ کر راہ فرار اختیار کیے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔[1]

فصیل طرابلس کا انہدام مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہو گیا، کہ رومیوں کی طرف سے شہر کے اندر اور باہر کسی جگہ بھی کوئی جگہ بھی کوئی مقابلہ پیش نہیں آیا۔ بلکہ ان پر پہلے ہی عربوں کی دہشت طاری ہو چکی تھی۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے اُن کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں تھے اور ان کا حال بھی ضعف و اضمحلال میں اہلِ برقہ سے کچھ کم نہ تھا۔ اور بیزنطیوں کی ظالمانہ حکومت اور متشددانہ وصولیات نے انہیں جسمانی، روحانی اور مالی افلاس میں عبرتناک حد تک مبتلا کر دیا تھا۔

شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے باقی رعایا کو امن و امان دے دیا۔ ان کے مال املاک پر انہیں بحال کر دیا اور مذہبی اور شہری آزادیوں کا اعلان عام کرا دیا۔

ایک روایت کے مطابق مسلمانوں نے شہر میں ایک مسجد بھی تعمیر کی۔

یہاں سے فارغ ہو کر جب عمروؓ نے اپنی افواج کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو مندرجہ ذیل مصالح کی بنا پر ضروری سمجھا کہ شہر کی تمام فصیل کو منہدم کرا دیں۔

۱۔ رومی دوبارہ قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کے لئے دردِ سر نہ بننے پائیں۔

۲۔ مسلمان رومیوں اور ان کے مددگاروں کی بہ نسبت نہایت قلیل التعداد تھے۔

۳۔ مسلمان اس علاقہ میں نو وارد تھے۔ اس لئے وہ دشمن کی طرف سے بہت زیادہ محتاط رہتے تھے۔

۴۔ مسلمانوں کا مرکزی دار الخلافہ[2] جہاں سے انہیں امداد پہنچ سکتی تھی بہت دور ہو چکا تھا

---

[1] فتوح مصر والمغرب والاندلس صہ ۱۷۲

یہ بات پیش نظر ہے کہ واقعہ کی اس تفصیل میں ابن عبد الحکم منفرد ہے ورنہ اختصار کے ساتھ تو اصل واقعہ کو ابن خلدون، الطبری، بلاذری وغیرہ کے علاوہ بعض بیرونی مؤرخین تک نے پیش کیا ہے۔ مثلاً فرنل نے اپنی کتاب "البربر" FARNEL - LES BERBERES میں اور کودل نے اپنی کتاب شمالی افریقیا میں CAUDEL - L'AFRIQUE DU NORD

[2] یعنی مدینہ منورہ

۵۔ اگر اتفاقاً مسلمانوں کو اس سوراخ کا پتہ نہ چلتا جس سے وہ داخل شہر ہوئے تھے۔ تو یہ فصیلیں خدا جانے کتنے طویل عرصہ تک ان کا وقت ضائع کرتیں۔

(۳) فتح شمالی افریقیا

فتح صبراتہ | طرابلس کے مغرب میں ۷۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک پرانا شہر صبراتہ[1] تھا جسے فینیقیوں نے نویں صدی قبل مسیح میں آباد کیا تھا۔ اور یہ شہر شمالی افریقیا میں سب سے بڑا تھا اور آبادی تمدن اور تجارتی حیثیت میں طرابلس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے کہ اس کی بندرگاہ بھی عمدہ تھی۔ اور اسے اندرون ملک کے ساتھ بہت سے تجارتی راستوں کے ذریعے مربوط کر دیا گیا تھا۔[2]

اہل صبراتہ کو مسلمانوں کی آمد کا یقین اسی کا وقت ہو گیا تھا جب وہ طرابلس کا محاصرہ کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے پہلے ہی سے قلعہ بند ہونے کی تیاری مکمل کر لی تھی لیکن جب ان تک طرابلس کے محاصرہ کی ناکامی اور غیر معمولی تاخیر کی خبریں پہنچیں۔ تو انہوں نے خیال کیا کہ جب مسلمان طرابلس کی فتح سے عاجز رہ گئے ہیں۔ تو یقیناً وہ صبراتہ کو کبھی بھی فتح نہ کر سکیں گے۔ اس لئے کہ صبراتہ طرابلس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مستحکم ہے۔ اور یہاں کے باشندے بھی وہاں کے مقابلہ میں کثیر التعداد ہیں۔ یہ سوچ کر وہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ اور تمام تحفظات ختم کر کے اپنی روزانہ کی زندگی کے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

ادھر عمروؓ جب اچانک طرابلس پر قابض ہو گئے۔ تو فوراً اپنی فوج کو صبراتہ کی طرف روانہ کر دیا اور قائدین کو سختی کے ساتھ ہدایت کر دی۔ کہ وہ درمیان میں رکے بغیر راتوں رات صبراتہ پہنچ جائیں۔

سوار فوج عبد اللہ بن زبیرؓ کی قیادت میں صبراتہ پہنچ گئی۔ اُدھر صبح صادق طلوع ہو رہی تھی

---

[1] بعض حوالہ جات میں سبرت آیا ہے۔ اور یہ نام لاطینی نام SABRATA سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن مؤرخین جغرافیہ صبراتہ ہی لکھتے ہیں۔

[2] اس کی تجارتی حیثیت فتح اسلامی کے بعد ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اور زیادہ ترقی پا گئی۔ عربوں نے اس کا نام سوق قدیمہ یعنی پرانی منڈی رکھ دیا۔ یہاں تک کہ عبد الرحمان بن حبیب نے اس منڈی کو ۱۳۲ھ میں اس کے بجائے طرابلس کی طرف منتقل کر دیا۔

اور ادھر مجاہدین اپنا راستہ طے کر چکے تھے۔ شہر ان کے سامنے تھا فصیل کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اور اہل شہر عادت کے مطابق اپنے مال مویشی لے کر باہر نکل رہے تھے۔
اس سے زیادہ سنہری موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ چھاپہ نہایت کامیاب رہا اور مسلمان فوج شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ اور "بروایت تیجانی" باشندگانِ شہر میں سے کوئی شخص بھی عربوں کے ہاتھ سے نہ بچ سکا۔ سوائے ان لوگوں نے جو سمندر کے راستے صقلیہ کی طرف بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔"
اس شہر کی فصیل کو بھی مسلمانوں نے منہدم کیا اور بے شمار مالِ غنیمت پر قابض ہوئے۔ اور اس کے بعد عمروؓ بن العاص کے پاس فتح کی خوشخبری بھیج دی۔ جس پر وہ آکر اپنی فوج کے ساتھ مل گئے۔
ابن عبدالحکم کی روایت یہ ہے کہ :-

"صبراتہ والے پہلے ہی سے قلعہ بند ہو چکے تھے۔ لیکن جب انہیں طرابلس کے محاصرہ کی ناکامی کا علم ہوا تو پھر وہ مطمئن ہو گئے۔ اُدھر عمروؓ بن العاص جب طرابلس میں کامیاب ہو گئے۔ تو انہوں نے کثیر التعداد سواروں کو راتوں رات صبراتہ پہنچ جانے کا حکم دے دیا۔ یہ فوج صبح کو عین اس وقت پہنچی۔ جبکہ اہل شہر قطعاً بے خبر تھے۔ اور اپنے مویشیوں کو شہر پناہ کے دروازوں سے چرنے چگنے کے لئے باہر لے جا رہے تھے۔ مسلمان انہی دروازوں سے اندر داخل ہو گئے۔ اور پھر ان کے ہاتھ سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ اور اس طرح عمروؓ شہر کی ہر چیز پر دولت قابض اور متصرف ہو گئے۔"[1]

ابن عبدالحکم کی یہ روایت حرف بحرف تیجانی کی روایت سے مطابقت رکھتی ہے۔ جو کہتا ہے کہ :-

"صبراتہ کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے افریقہ میں داخل ہونے ہوتے ہی طرابلس کے بعد فتح کیا۔ ان کی فوجیں علی الصباح اس حال میں پہنچ گئیں۔ کہ اہل شہر اپنے مویشی دروازوں سے نکال رہے تھے۔ فوج کی قیادت اس

---

[1] فتوح مصر والمغرب والاندلس

وقت عبد اللہؓ بن زبیرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ فوج شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ اور پھر ان کے ہاتھوں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ سوائے چند اشخاص کے جو اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر صقلیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور شہر کی ہر شے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے عمروؓ کی طرف شہر پناہ کے بارے میں رجوع کیا جس پر انہوں نے اسے منہدم کرنے اور جلا دینے کا حکم دے دیا[1]

ابن اثیر ان دونوں راویوں سے اختلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:۔

"عمروؓ نے صبراتہ پر معمولی جمعیت نہیں بلکہ بھاری فوج بھیجی تھی"۔

اور کہتا ہے کہ:۔

"عمروؓ ابھی طرابلس ہی پہنچے تھے۔ کہ اہل صبراتہ قلعہ بند ہو گئے تھے پھر جب طرابلس کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔ تو وہ لوگ مسلمانوں کے عجز کے پیش نظر مطمئن اور بحال ہو گئے۔ اس کے بعد جب طرابلس فتح ہو گیا۔ تو عمروؓ نے ایک بھاری فوج صبراتہ روانہ کی جو علے الصباح منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ در آں حالیکہ شہر کے باشندے دروازے کھول کر اپنے مویشی باہر نکال رہے تھے۔ اور طرابلس کی فتح سے بالکل بے خبر تھے۔ مسلمانوں نے اُن پر یکایک چھاپہ مارا اور وہ دندناتے ہوئے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ اور جو کچھ بھی اس میں تھا سب کو مال غنیمت بنا لیا اور عمروؓ کی طرف لوٹ آئے"[2]

مذکورہ بالا اختلافِ روایات کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے تمام مؤرخین اس واقعہ کے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر متفق نظر آتے ہیں:۔

۱۔ طرابلس سے صبراتہ پہنچنے میں نہایت تیز رفتاری سے کام لیا گیا
۲۔ یہ پیش قدمی رات میں ہوئی
۳۔ حملہ بھی چھاپہ کی صورت میں عمل میں آیا۔

---

[1] الرحلہ ص۹ یہاں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ تیجانی نے یہ بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ سوار دل کے قائد تھے۔ ان کے علاوہ کسی کی روایت میں یہ بات نہیں آتی ہے۔

[2] ابن الاثیر جلد ۳ ص۱

فتح شروس | جبل نفوسہ کے علاقہ میں شہر شروس بربروں کا ایک عظیم الشان قدیم دار الخلافہ اور اس کے دو پایہ تختوں[1] میں سے ایک تھا۔ اور اس کے ماتحت ۳۰۰ بستیاں تھیں۔

مسلمان صبراتہ سے فارغ ہوتے ہی اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اس وقت تک اُسی پر پڑاؤ ڈالے رکھا۔ جب تک کہ اُسے فتح نہ کر لیا۔ مؤرخ بھی کچھ بتاتے ہیں۔ اور اس بات سے خاموش ہیں کہ آیا اسے صلحاً فتح کیا گیا یا بزور شمشیر۔

فتح ودان | عمروؓ بن عاص کے دل میں محاصرۂ طرابلس کے دوران بار بار یہ اندیشہ پیدا ہوتا تھا کہ قبائل نفوسہ اہلِ طرابلس کی امداد کو نہ پہنچ جائیں۔ اس لئے انہوں نے طرابلس سے فراغت پا کر اس اندیشہ کو بھی صاف کر لینے کا ارادہ کر لیا۔ اور بُسر بن ابی ارطاۃ[2] کی قیادت میں ایک جمعیت

---

[1] علاقہ جبل کے دو پایہ تخت تھے، شروس اور [illegible]۔

[2] بلاذری نے قائد کا نام بُسر اور ابن عبد الحکم اور بکری نے بشر لکھا ہے ——— فورنل FOURNEL کو اس بات میں شک ہے کہ آیا محاصرہ ودان کا قائد بُسر ہو بھی سکتا تھا یا نہیں۔ اور اس شک کی بنیاد بلاذری کی یہ روایت ہے کہ بُسر کا سن پیدائش سنہ ۹ھ ہے اور ودان کی مہم کا سال ۲۲ھ ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ۱۳ سال کی عمر ہی میں بُسر کو فوج کا قائد بنا دیا گیا تھا ——— یہ بات چونکہ تمام مورخین کے خلاف جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں دو باتوں میں سے ایک کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ یا تو بلاذری نے بُسر کے سن پیدائش میں غلطی کی ہے۔ یا پھر باقی مورخین بُسر کی قیادت بیان کرنے میں غلطی پر ہیں۔ لیکن عقل اور منطق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک بلاذری کے قول کو جمہور کے مقابلہ میں رد کر دیں۔ اور اس رد کی تائید میں ہمارے پاس مورخین کی دیگر روایات بھی ہیں، مثلاً ——— ابو المحاسن (النجوم الزاہرہ ص ۲۲) لکھتا ہے کہ "بیت المقدس کی فتح کے بعد عمرؓ بن الخطاب نے عمروؓ بن العاص کو مصر کی طرف روانہ کیا۔ اور زبیرؓ بن العوام کو ان کے ساتھ کیا۔ اور ان کی معیت میں بُسر بن ابی ارطاۃ اور خارجہ بن حذافہ اور عمیر بن وہب جمحی بھی تھے۔"

اس روایت سے بلاذری کے بیان کردہ سن پیدائش کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ عمروؓ کی مصر کی طرف روانگی تو ودان کی مہم سے کئی سال پہلے تھی۔ جب مصر کی روانگی کے وقت بُسر کی معیت کا ذکر خاص طور پر کیا جا رہا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیادت کی عمر کو بہت پہلے پہنچ چکے تھے۔

علاوہ ازیں بُسر حضرت معاویہؓ کے دور میں ان کے جانباز معاونین میں سے تھے اور معرکۂ صفین اور شام کی فتوحات میں شرکت کے ساتھ ساتھ انہوں نے خشکی اور تری کی جنگوں میں افواج کی قیادت بھی کی تھی۔ افریقیا کی جنگ میں بھی وہ شریک تھے۔ وہ ذاتی طور پر ایک ایسے بہادر شخص تھے کہ جن میں بدرجۂ شدت بڑی حد تک پائی جاتی تھی۔ (

(باقی اگلے صفحہ پر)

وہ ان کی مہم پر روانہ کر دی۔ جس نے اُسے فتح کر کے اس کے باشندوں سے مناسب شرائط اور جرمانہ پر معاہدہ[1] کر لیا۔ لیکن جونہی مسلمان وہاں سے واپس ہوئے انہوں نے فوراً عہد و پیمان توڑ دیئے اور اس وقت تک بغاوت پر قائم رہے۔ جب تک کہ دوبارہ عقبہ بن نافع نے انہیں ۴۱ھ میں فتح نہ کر لیا۔

امداد طلبی | مغرب کا ساحلی علاقہ برقہ سے لے کر صبراتہ تک اور جنوبی علاقہ زشروس، ودان اور زویلہ مکمل طور پر فتح ہو چکا ہے۔ جس میں ۲۱ھ سے لے کر ۲۳ھ تک تقریباً تین سال کا وقت خرچ ہوا ہے۔

اب عمروؓ کے سامنے افریقی سرحد کا ایک اہم شہر قابس اور اس کے علاوہ متعدد قلعے اور چھاؤنیاں ایسی موجود ہیں۔ جنہیں فتح کیے بغیر عمروؓ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے لیکن یہ مقامات فوجی اور تعمیری ہر دو اعتبار سے ایسے مستحکم اور محفوظ ہیں۔ کہ عمروؓ کی موجودہ طاقت ان کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے عمروؓ نے مزید پیش قدمی سے پہلے ضروری سمجھا کہ وہ خلیفہ سے نئی فوجی امداد حاصل کریں۔ اور افریقیا کی جانب مزید پیش قدمی کی اجازت بھی لے لیں — چنانچہ انہوں نے مدینہ کی طرف ان دونوں باتوں کے لئے پیغام روانہ کر دیا۔

واقعہ تو یہ تھا کہ عمروؓ کو مزید پیش قدمی کے لئے خلیفہ سے اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ اور جس طرح انہوں نے طرابلس کے بعد صبراتہ کی طرف بلا اجازت پیش قدمی کر دی تھی۔ اسی طرح وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ حملے کے تاوان بھی یہی تھے جس کے نتیجہ میں حضرت حسن ابن علی رضؓ کو حضرت معاویہ رضؓ کے حق میں اپنے خلافت کے حق سے دستبردار ہونا پڑا تھا۔ حضرت معاویہ رضؓ کی طرف سے بصرہ کی گورنری پر فائز ہو کر آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل اور جلا وطنی کی سزائیں بھی اسی نے دی تھیں — مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ حبیب عبداللہ بن عباسؓ کے دو ننھے بچوں کو ان کی والدہ کے سامنے قتل میں شہید کیا گیا۔ تو اس صدمہ سے والدہ کا دماغ مختل ہو گیا۔ اور انہوں نے بددعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر کو لمبا اور اس کی عقل کو خراب کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی مصاحبت ثابت نہیں ہے — ابن الاثیر کی روایت ہے۔ کہ وہ اپنی عمر کے آخری زمانہ میں پاگل ہو گیا تھا۔

[1] اس معاہدہ کا متن مورخین نے بیان نہیں کیا۔ غالب گمان یہ ہے کہ قیصر نے ان سے جو معاہدہ بھی کیا ہو گا وہ اس بنیاد پر کیا ہو گا کہ وہ عربوں کے مقابلہ میں رومیوں کی امداد نہیں کریں گے۔

صبراتہ سے فالبس کی طرف بھی بڑھ سکتے تھے، بالخصوص جبکہ صبراتہ اور فالبس کی درمیانی مسافت طرابلس اور صبراتہ کی مسافت سے بہت کم تھی۔ انہوں نے صبراتہ کے برخلاف فالبس کے لئے اجازت کیوں ضروری سمجھی۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ عمروؓ مندرجہ اقدامات کو اپنی موجودہ طاقت سے بالا سمجھتے تھے۔ خاص طور پر جبکہ مصر اور مدینہ سے ان کا مواصلاتی رابطہ پہلے ہی کافی بُعد اختیار کر چکا تھا اور وہ اسے اور زیادہ لمبا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ایک رائے اس موقع پر یہ بھی قائم کی جاتی ہے۔ کہ عمروؓ کے جاسوسوں اور ہراول دستوں نے اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچائی تھیں[1] کہ صبراتہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد جرجیر پوری طرح بیدار ہو چکا ہے۔ اور اس نے نہ صرف یہ کہ سبیطلہ[2] نامی قلعہ میں ـــــ جو کہ ساحل کی بلندی پر واقع ہے ـــــ اپنی دفاعی تیاریاں مکمل کر لی ہیں بلکہ اس نے اپنی فوجوں کو سرحدات کی ناکہ بندی پر بھی تعینات کر دیا ہے ـــــ ان خبروں کی بنا پر عمروؓ نے سوچا کہ ہم سرحدات کو اس وقت تک عبور نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ اپنی موجودہ طاقت میں جدید فوج کا اضافہ نہ کر لیں۔ اس لئے انہوں نے خلیفہ سے اجازت بھی طلب کی تھی اور کمک بھی۔

عمروؓ نے جن الفاظ میں خلیفہ سے مدد مانگی تھی وہ یہ تھے :-

" اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں پر طرابلس کو فتح کرا دیا ہے۔ اور اب آگے افریقیا کا فاصلہ صرف ۹ دن کے برابر ہے۔ اگر امیر المومنین اسے بھی فتح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کر گذریں ...... "

خلیفہ کی رائے لیکن خلیفہؓ نے ان کی رائے سے اختلاف کیا۔ اور مزید پیش قدمی کے ذریعہ اسلامی مملکت کی سرحدات کو اتنی زیادہ وسعت دینے سے انکار کر دیا۔ جن کی حفاظت مدینہ کے دور دراز فاصلہ سے کرنی مشکل ہو جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خلیفہ کا ارادہ فلسطین ہی سے آگے بڑھنے

---

[1] تاریخی حوالہ جات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمروؓ بن العاص مسلمان سواروں کو افریقیا کے علاقوں میں بھیجتے رہتے تھے۔ جو وہاں چھاپے مارتے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے سیاسی حالات اور اہل افریقیا کی کی قوت کا حقیقی اندازہ بھی لگاتے رہتے تھے۔

[2] سبیطلہ علاقہ مغرب کا سب سے پہلا قلعہ تھا۔ اور یہ قلعہ اس جنگی شاہراہ پر واقع تھا۔ جو سوسہ سے تفست تک جاتی تھی۔ جرجیر نے اس قلعہ کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ اسے جو خطرہ درپیش تھا وہ مشرق کی طرف سے آ رہا تھا جس کا انسداد وہ اس بالائی قلعہ سے نشیبی میدانوں میں بھی کر سکتا تھا اور فرازی علاقوں میں بھی۔

کا نہیں تھا۔

چنانچہ انہوں نے عمروؓ کو اجازت اور امداد دونوں کے دینے سے انکار کر دیا اور مندرجہ ذیل الفاظ میں انہیں صاف صاف جواب دے دیا کہ

"بالکل نہیں۔ افریقیا افریقیا نہیں بلکہ تفریق کنندہ ہے۔ خود دور افتادہ ہے اور دوسروں کو بھی دور پھینکنے والا، عہد شکن اور عہد شکنی کی تعلیم دینے والا ہے، جب تک میں زندہ ہوں کوئی بھی اس پر فوج کشی نہ کرے۔"

ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ تھے کہ:۔

"افریقیا تفریق کنندہ، تفریق کنندہ تفریق کنندہ ہے۔ اس پر کوئی فوج کشی نہ کرے۔"

بلاذری کہتا ہے کہ افریقیہ کے متعلق حضرت عمرؓ کو براہ راست بھی کچھ اطلاعات پہنچی تھیں، جس سے انہوں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ نہ سہل الحصول ہے اور نہ سہل الوصول ہے۔ اس لئے انہوں نے عمرو کو اس سے روکتے ہوئے لکھ بھیجا تھا کہ:۔

"افریقیا افریقیہ نہیں بلکہ تفریق کنندہ، عہد شکنی کرنے اور عہد شکنی کرانے والا ہے افریقہ والوں نے ہمیشہ رومیوں کو ان کے واجبات کم ادا کیے ہیں۔ اور عہد شکنیاں زیادہ کی ہیں۔"

عمروؓ کی واپسی | اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت خلیفہ کا انکار عمروؓ بن العاص کو ملا۔ اسی وقت مقوقس کا بھی ایک مراسلہ ان کے پاس پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ رومی صلح کے معاہدہ کو توڑ کر دوبارہ حالات جنگ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان ہر دو مراسلات کا لازمی تقاضا ایک ہی تھا اور عمروؓ نے اسے پورا کیا۔ فوراً مصر کی طرف پلٹ آئے اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے اخیر تک وہیں مقیم رہے۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عمروؓ بن العاص کو مصر کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن ابی سرح کو ۲۶ھ میں والی مصر بنا دیا۔[1]

---

[1] قبل ازیں ہم مورخین کی تحقیق اس بارے میں لکھ چکے ہیں۔ جو یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی امارت مصر سے معزولی ۲۴ھ کے اواخر یا ۲۵ھ کے اوائل میں ہوئی ۲۶ھ غلط ہے (محمد احمد پانی پتی)

نتائج ماخوذہ برقہ سے شروع ہو کر صبراتہ اور ودان پر ختم ہونے والی تیز رفتار فتوحات میں ہمیں سب سے زیادہ کارفرمائی دو عوامل کی نظر آ رہی ہے جنہیں ہم ذیل میں وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں :۔

۱۔ **ملک اور فوج کی حفاظت** یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ برقہ اور طرابلس دونوں ہی رومیوں کے زیر اقتدار تھے۔ اور اس وقت عمرو بن عاص ہی رومیوں کے دشمن نمبر ایک تھے جن کی فوجوں نے انہیں پہلے فلسطین اور شام سے نکالا۔ اور اس کے بعد مصر کی سرزمین سے اس لئے عمروؓ بجا طور پر اس بات کا اندیشہ رکھتے تھے۔ کہ شکست خوردہ رومی برقہ اور طرابلس کے راستے سے مصر کی بازیابی کے لئے ہر وقت کوشش کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ وہ اسی قسم کی کوشش فلسطین اور شام کے لئے کرتے رہتے تھے۔

اس لئے عمروؓ اپنی فوج اور اپنے ملک کی سلامتی اور حفاظت کی خاطر برقہ اور طرابلس کا کانٹا نکال دینے میں حق بجانب تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کار اہم کی انجام دہی میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر کو گوارا نہ کیا۔ اور جلد از جلد مغرب کے علاقہ کو فتح کر کے گویا مصر اور اسلامی افواج کی حفاظت مکمل کر لی۔ عمروؓ اگرچہ کافی طاقت نہ ہونے کی بنا پر مزید پیش قدمی کو فی الحال جاری نہ رکھ سکے لیکن انہوں نے مسلمانوں کے عزائم میں اس کی داغ بیل ضرور ڈال دی۔ چنانچہ وہ وقت کے منتظر رہے اور مستقبل میں انہوں نے جب بھی موقع پایا اپنی افواج بھیج کر تمام شمالی افریقہ کو آخر کار فتح کر ہی لیا۔

جس طرح عمروؓ کا مغرب کی طرف بڑھنا سلامتی ملک و فوج کے لئے تھا۔ اسی طرح ان کا مزید پیش قدمی کو روک کر مصر کی طرف واپس آنا بھی ملک اور فوج کی سلامتی ہی کی بنا پر تھا۔ اس لئے کہ انہیں رومیوں کی عہد شکنی کے ارادوں کا پتہ چل چکا تھا۔ اور اگر وہ اس وقت مصر کی طرف نہ پلٹتے۔ تو ملک اور فوج کی سلامتی معرض خطر میں پڑ سکتی تھی۔

اسی طرح ودان اور اس کی مضافاتی بستیوں کی تسخیر بھی اسی غرض سے تھی کہ یہ علاقہ جنوب کی طرف تھا۔ اور عمروؓ شمال کی طرف ساحلی علاقہ میں بڑھ رہے تھے۔ اگر ساتھ ہی ساتھ جنوب کی طرف بھی فوجیں نہ بھیجی جاتیں۔ تو اس طرف سے ہر وقت رومی افواج کا خطرہ پیش آ سکتا تھا۔

۲۔ **اچانک حملہ اور رازداری** صبراتہ پر عبداللہ بن زبیرؓ کے حملے نے ہمارے سامنے اس حقیقت کو پوری طرح آشکارا کر دیا ہے کہ عمروؓ کے نزدیک چھاپہ مار حملہ کی کس قدر اہمیت تھی۔ اور وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اسے کامیابی کی کتنی یقینی ضمانت اور کیسی کارگر تدبیر سمجھتے تھے۔

چھاپہ مار حملہ کی اس سے زیادہ مضبوط کیا دلیل ہوسکتی ہے، کہ روایات صاف صاف بتاتی ہیں، کہ مسلمان شہر کے اندر ایسی حالت میں داخل ہوئے، جبکہ شہر والے پورے اطمینان کے ساتھ اپنے مویشی باہر نکال رہے تھے اور عادت کے مطابق اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ اور آنے والا حملہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اور پھر اہل شہر اس قدر بد حواس ہو کر بے خبری ہی کی بنا پر ہوئے کہ وہ وقتی طور پر نہ جنگ کے لئے تیار تھے اور نہ صلح ہی کر سکے۔ اور ایسی بد حواسی کے عالم میں عربوں کے ہاتھوں ایک ایک کر کے سب ہی قتل ہو گئے۔ سوائے اُن کے جو کشتیوں میں سوار ہو کر منقلیہ کی طرف بھاگ سکے۔

اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اس چھاپہ کی کامیابی سراسر موقوف تھی اس زبردست فوجی رازداری پر جس سے راتوں رات لمبا سفر طے کیا اور دشمن کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی یہاں تک کہ عین موقع پر پہنچ گئے اور اپنے منصوبہ میں سو فی صدی کامیابی حاصل کی!

(۴) علاقہ نوبہ کی فتح

عمروؓ نے مصر کو صرف مغرب ہی کی طرف سے محفوظ کرنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ جنوب کی طرف سے بھی محفوظ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور اس غرض کے لئے نافع عبدالقیس فہریؓ کی قیادت میں ایک جمعیت جنوب کی سمت روانہ کر دی۔

۱۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار گھوڑے تھے۔

۲۔ اس کے مقابلہ میں اہل نوبہ تیر اندازی کے ماہر تھے۔

مسلمانوں کے گھوڑے نوبہ کے علاقہ میں داخل ہو گئے۔ اور ادھر نوبی فوجیں انہیں روکنے کے لئے ڈٹ گئیں۔ فریقین میں شدت کا مقابلہ پیش آیا۔ دشمن نے تیروں کی بارش سے مسلمانوں کا کافی نقصان کیا۔ اور مسلمان کوئی فتح حاصل نہ کر سکے۔ البتہ جنگ کو طول دینے میں کامیاب رہے۔ بعض روایات کے مطابق سات سال[2] تک لڑائی جاری رہی۔ اور کسی روایت کے مطابق عمروؓ کی مصر سے معزولی[3] تک جاری رہی۔ اس کے بعد جب عبداللہ بن سعدؓ ان کی

---

[1] یہ نافع عمرو بن عاص کے چچا اور عاص بن وائل کے ماں جائے بھائی تھے۔

[2] بلاذری کا بیان ہے کہ عرب سات سال تک نوبیوں سے جنگ کرتے رہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جگہ والی مصر بنائے گئے۔ تو انہوں نے نوبیوں سے اس شرط پر صلح[۵] کر لی۔ کہ وہ والی مصر کو غلاموں کی صورت میں سالانہ جزیہ ادا کیا کریں گے۔ اور اس کے مقابلہ میں عرب والی انہیں پارچات اور خوراک کی مقررہ مقدار ادا کر دیا کریں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ صلح فریقین کے درمیان مساویانہ سطح پر عمل میں آئی۔ اسے فاتحانہ صلح نہیں کہا جا سکتا۔

صلح خواہ کسی نوعیت کی ہو۔ بہر حال اس سے عمروؓ کا اصلی مقصد پورا ہو گیا۔ اور وہ اس علاقہ میں دشمن کے خطرہ سے محفوظ ہو گئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۳ ابن الاثیر نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ عرب نوبیوں کے سخت دباؤ اور شدید مقابلہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہوئے۔

۴ حضرت عثمان بن عفان کے عہد میں۔

۵ یعقوبی لکھتا ہے کہ صلح کی شرط یہ تھی کہ نوبہ والے عامۃ المسلمین کے لئے ۳۶۰ نفر اور خاص والی کے لئے ۴۰ نفر غلام دیا کریں گے (تاریخ الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

(۶)

عمروؓ بن عاص کے اصولِ حرب

- جاسوسی یا خبرداری
- بھرتی یا تیاری
- چھاپہ یا اچانک فوج کشی
- حملہ یا جارحیت
- محاصرہ یا ناکہ بندی
- فوج کی سلامتی یا حفظِ قویٰ
- باطنی قوت یا کردار

جب سے جنگ کی ابتدا ہوئی ہے۔ اسی وقت سے اس کے کچھ اصول اور مقدمات بھی چلے آرہے ہیں۔

اور یہ اصول ایسے پختہ اور ہمہ گیر ہیں کہ ہتھیاروں کی تبدیلی تو وقت اور موقع کے ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے لیکن یہ اصول کسی حال میں تبدیل نہیں ہوتے۔

یہ اصول و مقدمات جنگ کے لئے اس قدر ضروری ہیں کہ میدان جنگ کے کسی کمانڈر کسی قائد کو بھی ان کا لحاظ رکھے بغیر مفر نہیں۔ فتح و نصرت سراسر انہی اصول کے مطابق عمل کرنے پر موقوف ہے قائد ان کو جتنا زیادہ برتے گا۔ فتوحات اتنا ہی بڑھ کر اس کا استقبال کریں گی۔

ان اصول و مقدمات کی حقیقت کیا ہے اور ان کی تعداد کتنی ہے؟

اس بارے میں مورخین کے اقوال مختلف ہیں۔

کلاوزفتر کے نزدیک ان کی تعداد چار ہے:- (۱) بھرتی (۲) پیش قدمی اور پہل (۳) سرعت عمل (۴) چھاپہ یعنی بے خبری میں حملہ۔

ہنڈرسن ان چار میں تعاقب کا اضافہ کرتا ہے۔

جومینی کے نزدیک ان کی تعداد پانچ ہے اور وہ یہ ہیں:- (۱) آمادگی کار (۲) تیز حرکت (۳) بھرتی و تیاری (۴) حملہ و بار جیت (۵) چھاپہ یعنی بے خبری کا حملہ

فوش اپنی کتاب "اصول الحرب" میں چار اصول بیان کرتا ہے:- (۱) تیاری اور بھرتی (۲) آزادئ کار (۳) فوج کی تقسیم یا مورچہ بندی (۴) فوج کی حفاظت

چونکہ ہم اس وقت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے اصول جنگ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اور ہم نے اس کے لئے اپنی کتاب کا ایک مستقل باب وقف کیا ہے ——— جسے اگر کتاب کا مرکزی حصہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا ——— اور اس میں ہم عمرو رضی اللہ عنہ کے اصول جنگ کو جدید روشنی میں پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم ایک ایک اصول پر مستقل بحث کر کے مثالوں کے ذریعہ اس کی پوری وضاحت کریں گے۔ اور یہ بات ثابت کریں گے کہ عمرو رضی اللہ عنہ اگرچہ جدید اسلحہ جنگ سے لیس نہ تھے۔ لیکن جدید اصول جنگ سے ضرور واقف تھے۔

اور یہ اصول بھی انہوں نے کسی فوجی تعلیم گاہ سے حاصل نہیں کیے تھے بلکہ اپنی ذہانت اور

اور ذکاوت سے خود انہیں وضع کیا تھا۔ اور پھر اپنے ہی میدانوں میں ان کا تجربہ اور استعمال بھی کیا تھا۔ اور عمروؓ کی پے در پے اور عظیم الشان کامیابیاں بھی انہی باتوں کی رہین منت تھیں کہ انہیں اپنے اصولِ جنگ پر یقین کامل اور اعتمادِ صادق حاصل تھا۔

عمروؓ کے سب سے نمایاں اصولِ جنگ چار تھے :۔

۱۔ فوج کی بھرتی اور سامانِ جنگ کی فراہمی

۲۔ چھاپہ مارنا یعنی دشمن کی بے خبری میں اچانک حملہ کر دینا

۳۔ حملہ میں پیشقدمی اور پہل کرنا

۴۔ حفظ افواج

چونکہ عمروؓ اپنی تمام فوجی کارروائیوں سے پہلے دشمن کے حالات سے باخبر ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ "جاسوسی" کو نہ صرف یہ کہ داخلِ اصول کرلیں۔ بلکہ میدانِ عمل کی طرح اوراقِ کتاب میں بھی اوّل نمبر پر اسی کا بیان کریں۔

عمروؓ نے اپنے معرکوں میں "محاصرہ" کا طریقہ کثرت سے اختیار کیا ہے۔ اس لئے ہم نے اسے بھی اصول و مبادی کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔

فوج میں اگر اخلاق، کردار اور عزم راسخ کی نفسیاتی اور روحانی طاقت نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی میں باقی تمام اصولِ جنگ بیکار اور غیر مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ اور عمروؓ بھی ہر قدم پر اس اصول کو پورے اہتمام کے ساتھ زندہ اور فعال رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے ہم نے "باطنی قویٰ" کے بغیر اصولِ جنگ کی فہرست کو ناقص سمجھا۔

باطنی قویٰ کو اگرچہ جنگ کے اصول میں شامل کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن جنگ میں اس کی اہمیت اسے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اگر ہم عواملِ جنگ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا چاہیں تو جتنا وزن تمام مادی عوامل کو حاصل ہو گا۔ اتنا ہی وزن روحانی اور اخلاقی عوامل کو بھی حاصل ہو گا۔ اور ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ میدانِ حرب و ضرب میں جس قدر اہمیت مادی قوتوں کو حاصل ہوتی ہے اتنی ہی اہمیت روحانی قوتوں کو بھی حاصل ہے۔ بلکہ بہت سے قائدین نے تو روحانی قویٰ کو اولین درجہ عطا کیا ہے۔ اور وہ اس کا اہتمام جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران دونوں حالتوں میں سب سے زیادہ رکھتے تھے۔

ہم نے اس بات کی احتیاط رکھی ہے کہ اصولِ جنگ بیان کرتے وقت سابق تفصیلی واقعات

کی تکرار سے کتاب کو غیر ضروری طوالت نہ دیں۔ اس لئے مثالوں کی طرف اجمالی اشارات کر دیئے گئے ہیں۔ اور یہ اشارات ہمارا مقصد واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

(۱)

جاسوسی

جاسوسی یا اطلاع یابی کا کام اس زمانے میں مستقل جماعتوں اور تنظیموں کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے لیکن عمروؓ بن العاص کے زمانے میں اس کام کو افراد انجام دیتے تھے۔

اطلاع یابی اور دریافت احوال ایک ایسا عمل ہے جسے جنگ کے دوسرے تمام کاموں پر فوقیت حاصل ہے۔

سپہ سالار کوئی بھی ہو اس بات پر مجبور ہے کہ اپنے افراد یا اپنے وفد یا منظم جماعتوں کو دشمن کے ملک یا اس کے کیمپ میں خفیہ طریقہ پر پھیلا دے تاکہ وہ دشمن کی نقل و حرکت اور جنگی تفصیلات لا کر اپنے قائد کے سامنے پیش کر دیں۔ مثلاً دشمن کی تعداد کتنی ہے؟ اس کے پاس اسلحہ کیا کیا ہے اور کتنا ہے؟ اس کا نقشۂ جنگ کیا ہے؟ اس کے وسائل جنگ اور اصول جنگ کیا ہیں؟ اس کے حوصلے کتنے بلند ہیں۔ قلعوں، پناہ گاہوں اور مورچوں کی کیا مضبوطی ہے؟ اور اس کے علاوہ ملک کی اندرونی فضا کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

ان حالات و واقعات کی جیسی کچھ تصویر جاسوسوں کے ذریعے قائد کو ملے گی اسی کو سامنے رکھ کر وہ اپنا نقشۂ جنگ تیار کرے گا۔

عمروؓ نے عام قائدین کی طرح جاسوسی کے شعبہ کو ہر مقام پر پوری اہمیت دی۔ اور اس وقت تک کسی میدان میں قدم نہیں بڑھایا جب تک دشمن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل نہ کر لیں۔

عمروؓ کی مسلسل کامیابی کا راز بھی اسی میں تھا کہ وہ پہلے دشمن کے تمام پہلوؤں کو جانچ پڑتال کر کے دیکھ لیتے تھے۔ اور پھر اس کے کمزور پہلو پر ضرب لگاتے تھے۔ اس لئے اپنی ضرب میں کامیاب ہوتے تھے۔

★

اجنادین میں عمروؓ نے اپنے جاسوس بھیج کر دشمن کے محاذ جنگ، اس کی فصیلوں، قلعوں،

اور خندقوں کے متعلق معلومات حاصل کیں لیکن جب ان کو ناکافی دیکھا۔ تو پھر بذاتِ خود جاسوسی کے لئے اس کے کیمپ میں داخل ہو گئے۔ اس لئے کہ مقابلہ بڑا سخت تھا۔ اور ارطبون جیسا مشہور زمانہ مدبر اور پُرفن رومی سپہ سالار مقابلہ پر تھا۔ جسے شکست دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ خود تشریف لے گئے اور اس سے خود بات چیت کرکے بہت سے ضروری جائزے لے آئے اور پھر انہی جائزوں کی روشنی میں نقشۂ جنگ تیار کرکے اُسے نہ صرف تاریخی شکست دی بلکہ اپنی کامیاب جاسوسی کی سند میں خود ارطبون ہی کی زبان سے تاریخ کے صفحات پر یہ اعتراف لکھوا لیا کہ :۔ ——— "یہ شخص مجھے بھی چکمہ دے گیا۔ یقیناً یہ دنیا کا سب سے بڑا ٹھگ ہے۔"

عمروؓ کی ماہرانہ جاسوسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مصر کے تمام حالات کا جائزہ تماس کی پہلی ہی ملاقات میں لگا لیا تھا۔ وہی تماس جسے انہوں نے دو مرتبہ موت کے منہ سے بچایا تھا۔ اور اُس ایک ہی جائزہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا علم حاصل کر لیا تھا کہ :۔

۱۔ مصر کے فاتحین کو کس راستہ سے پیش قدمی کرنی چاہیئے ؟

۲۔ اہلِ مصر دینی، سیاسی اور مالی واجبات کا کتنا دباؤ برداشت کر سکیں گے ؟

۳۔ رومیوں کے بھاری ٹیکسوں سے اُن کا تنفر کس درجہ تک پہنچ چکا ہے ؟

۴۔ اسکندریہ کی سہ طرفی حفاظت کیسی مضبوط فصیلوں سے کی گئی ہے اور اس کی تسخیر کس طرح ممکن ہے ؟

✱

مصر کے سر سر کے میں عمروؓ نے قدم قدم پر جاسوسی سے فائدہ اُٹھایا۔ اُم دنین کے محاصرہ میں اُن کے جاسوسوں ہی نے قلعہ کے منافذِ دخول و خروج کا سراغ لگایا تھا جس سے اس کی فتح آسان ہوئی ∴

✱

پھر جب اُم دنین کی ہزیمت خوردہ افواج بابلیون میں قلعہ بند ہو گئیں۔ اس وقت بھی عمروؓ کے جاسوسوں ہی نے قلعہ کے گرد گھوم کر مندرجہ ذیل بنیادی معلومات فراہم کی تھیں :۔

۱۔ قلعہ میں دشمن کی تعداد کثیر ہے۔

۲۔ قلعہ کی دفاعی قوت مستحکم ہے۔

۳۔ دشمن کثیر التعداد منجنیقوں سے مسلح ہے۔

بہہ دریائے نیل کی طغیانی نے قلعہ کی خندق کو پانی سے بھر رکھا ہے
انہی معلومات کی بنیاد پر عمروؓ نے صوبہ فیوم کے حملہ جات کو ترتیب دیا تھا۔

*

فیوم کی مشغولیت کے دوران بھی عمروؓ کے جاسوس دیگر اطراف واکناف میں جاسوسی کر رہے تھے۔ منا کی تیاری کی خبر وہی لائے تھے جس پر عمروؓ نے اس کی پیشقدمی کو روکنا ضروری سمجھا تھا۔

*

جن لوگوں نے فرمیس کی فصیل کے خفیہ شگاف کا پتہ لگایا تھا اور جس کے ذریعہ مسلمان فوجیں اندر داخل ہوئی تھیں وہ بھی عمروؓ کے جاسوس ہی تھے۔ جو صبح و شام شہر کے گرد گشت لگاتے رہتے تھے۔

*

تاریخ کے تمام حوالہ جات میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ عمروؓ نے اپنے جاسوس سواروں کو قرقیشیں میں پھیلا رکھا تھا۔ اور انہی جاسوسوں نے آخر میں انہیں اس بات کی خبر دی تھی کہ بیبلیون میں جرجیر نے زبردست تیاری کر رکھی ہے جس کی بنیاد پر انہوں نے اپنی مزید پیش قدمی کے لئے خلیفہ سے کمک اور اجازت طلب کی تھی۔

(۱۴) بھرتی یا فراہمی

بھرتی سے مراد عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ قائد فوجی نفوس کی زیادہ سے زیادہ تعداد جمع کرے تاکہ اُسے دشمن کے مقابلہ میں صف آرا کر سکے جو جنگ کا اصلی اور مرکزی مقام ہے۔
لیکن ہماری مراد بھرتی سے نفوس، رسد اور اسلحہ جیول کا فراہم کرنا ہے۔
عربوں نے فراہمی یا بھرتی کا سبق خود اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ آپؐ فوجی بھرتی کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ بعد کے مسلم قائدین نے غزواتِ رسولؐ میں خود شریک ہو کر اس حربی اصول کی اہمیت کا سبق سیکھا۔
فنونِ حرب کے شاگردانِ رسالت میں عمروؓ بن العاص بھی ایک ہونہار شاگرد تھے۔ اور انہوں نے جو کچھ سیکھا تھا اس کا اہتمام وہ جزوِ ایمان سمجھ کر ہمیشہ کرتے رہے۔

*

غزوۂ ذات السلاسل میں جب عمروؓ نے اپنی فوج کو دشمن کے مقابلہ میں بہت کم پایا۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے عبیدہؓ بن الجراح کی قیادت میں اچھی خاصی امداد بھیجی۔ یہ امداد کا طلب کرنا اور امداد کا بھیجنا دونوں اس بات کا ثبوت ہیں کہ تعداد یعنی بھرتی کی اہمیت حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عمروؓ بن العاص دونوں کی نگاہ میں بہت زیادہ تھی ؛

*

بھرتی اور اضافۂ تعداد کی اہمیت جنگ یرموک میں بھی واضح ہوئی۔ جب سابق صورت حال یہ تھی۔ کہ مسلمانوں کے دستے جدا جدا مستقل قیادت کے تحت جنگ کرتے تھے مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ اسی صورت حال کو باقی رکھا جائے یا بدل دیا جائے۔ تو عمروؓ کی رائے یہ تھی کہ تمام متفرق دستوں کو یکجا ہو کر ایک ہی قیادت کے ماتحت جنگ کرنی چاہیئے۔ اور ان کی یہ رائے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کی رائے کے عین مطابق تھی اور اسی پر عمل کیا گیا۔

اس رائے کا خلاصہ یہ تھا کہ چھوٹی چھوٹی گاردوں اور کمپنیوں کو بھرتی کے ذریعہ ایک بڑے یونٹ اور بڑی فوج میں تبدیل کر دیا جائے اور دشمن کی بڑی تعداد کا مقابلہ بڑی سے بڑی تعداد کے ساتھ کیا جائے۔ یہ بھی گویا بھرتی اور اضافۂ تعداد ہی کی ایک عملی شکل تھی ؛

*

جب بھی ضرورت پڑی، عمروؓ ہمیشہ خلیفہ سے کمک طلب کرتے رہے۔ اور خلیفہ نے بھی عمروؓ کو مصر روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ میں تمہیں مدد بھیجتا رہوں گا اور وہ اس وعدے کو پورا بھی کرتے رہے ؛

*

ہم لکھ چکے ہیں کہ عمروؓ اندرون مصر نقل و حرکت کر رہے تھے۔ تو بعض عرب ان کی فوج میں خود آ آ کر شریک ہو جاتے تھے اور وہ ان کو خوش آمدید کہتے تھے ؛

*

واقعہ کوم شریک میں جب شریک کی فوج رومیوں کے محاصرہ میں گھر کر خطرہ میں آ چکی تھی تو عمروؓ نے امداد بھیج کر ہی اُن کی جان بچائی تھی ؛

*

صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ عمروؓ نے کمک طلب کی اور حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کے بھیجنے سے انکار کیا۔ اور وہی آخری موقع تھا جب عمرو افریقیا کے وسط میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اور

امیرالمومنین اس رائے کے مخالف تھے۔ چنانچہ ان کا امداد سے انکار کرنا صرف اس لئے تھا۔ کہ جنگ بند کر دی جائے اور اسلامی افواج مصر واپس آ جائیں ؛

(۳) چھاپہ یا اچانک حملہ

چھاپہ مارنے کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے تیار ہونے سے پہلے ہی اس پر جا پڑیں۔
حملے کی اس نوعیت کا اثر دشمن پر بہت ہی بُرا پڑتا ہے۔ اس سے دشمن ایسا بدحواس ہو جاتا ہے کہ اس کی رہی سہی تیاری بھی درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے، حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا سارا نظم و نسق تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس حملہ آور پر اس کا اثر ہر حیثیت سے اچھا پڑتا ہے۔ وہ میدان پر آن کی آن میں قابض ہو جاتا ہے جس سے اس کا حوصلہ بلند ہوتا، جوش اور ولولہ بڑھتا اور مزید فتوحات کے لئے راستہ زیادہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

چھاپہ کے یہی دو طرفہ اثرات و نتائج ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے ہر قائد اس کے موقع تلاش کرتا ہے۔ اور جب بھی کوئی موقع مل جائے تو اُسے غنیمت سمجھتا اور اُس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔
عمروؓ اپنے اکثر معرکوں میں اس موقع کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ چونکہ وہ اس اصول کی اہمیت کو شعوری طور پر خوب سمجھتے تھے اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے میں بھی انہوں نے کوئی کمی نہیں رکھی ؛

*

صوبۂ فیوم میں ان کی متعدد غارت گریاں اور چھاپے اس کی نمایاں مثال ہیں۔ ان چھاپوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے علاقہ میں دشمن پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اور اس کے بعد وہ عمروؓ کا راستہ روکنے کی ہمت نہ کر سکا؛

*

عمروؓ کے چھاپہ کی دوسری مثال حنا کے مقابلہ میں سامنے آئی۔ جب انہوں نے اس کے کیمپ سے بہت فاصلے پر جا کر اُسے اپنے حملے سے مطمئن کر دیا۔ اور پھر اچانک پیش قدمی کر کے اُس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے بدحواس کر کے اُس کے بہادروں کو تلوار کے گھاٹ اتارا ؛

*

اس سے بھی زیادہ واضح مثال معرکۂ بابلیون میں سامنے آئی ہے، جب عمروؓ نے اپنے دو دستوں کو

دشمن سے پوشیدہ رکھا تھا انہیں عین اس وقت ظاہر ہو کر تازہ حملہ کرنے کا حکم دیا تھا جب معرکہ کارزار گرم تھا اور دشمن ہر طرف سے بے خبر صرف سامنے کے مقابلہ میں منہمک تھا۔ اور ان کے اس چھاپہ کے نتیجہ میں رومیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے شکستہ دل ہو گیا؛

*

طرابلس کی تسخیر بھی چھاپہ ہی کی رہین منت ہے۔ جب مسلمان فصیل کے ایک پوشیدہ شگاف کے ذریعہ اچانک شہر میں داخل ہوتے اور تکبیر کے نعروں سے اہل شہر کو ایسی حالت میں بدحواس کر دیا۔ جبکہ وہ اس حملہ کا وہم و گمان بھی نہ رکھتے تھے؛

*

قلعہ بابلیون کی تسخیر بھی اچانک حملہ ہی کی بنا پر ہوئی۔ جب زبیر ابن العوام اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں سیڑھی کے ذریعہ فصیل پر چڑھے۔ اور انہوں نے تکبیروں کی صداؤں سے اہل قلعہ کے دل ہلا کر اس بات کا یقین دلا دیا کہ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو چکے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اہل قلعہ اس چھاپہ سے بدحواس، خوفزدہ اور دل شکستہ ہو گئے اور انہیں صلح کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نظر نہ آیا؛

*

طرابلس میں بھی فصیل کے خفیہ شگاف کے ذریعہ مسلمان جاسوسوں کا یکایک شہر میں داخل ہو کر تکبیر کے غلغلے بلند کرنا اور پھر باقی فوج کا شہر میں داخل ہو جانا چھاپہ کی ایک واضح مثال ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اہل شہر کو اپنی گردنیں پیش کر دینے یا پھر اپنے آپ کو دریا کی موجوں کے حوالے کر دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا؛

*

ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ عمروؓ نے طرابلس سے فارغ ہو کر عبداللہ بن زبیرؓ کو کس طرح راتوں رات صبراتہ روانہ کیا۔ اور پھر وہ کیسی غفلت کی حالت میں شہر پر جا پڑے۔ جبکہ وہ چوپٹ دروازوں سے اپنے مال مویشی نکال رہے تھے۔ مویشی کیا نکال رہے تھے دشمنوں کو داخل کر رہے تھے۔ اس طرح مسلمانوں نے دشمن کو اس کے بستر پر ہی جا لیا اور اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ آنکھیں مل کر دشمن کو دیکھ بھی سکے چہ جائیکہ وہ تلوار لے کر اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو۔

*

(۴) حملہ یا پیش قدمی

یعنی دشمن کے وار سے پہلے ہی اُس پر وار کر دینا۔ اور اسے پیش قدمی کا موقع دیئے بغیر خود اُس کی طرف پیش قدمی کرنا۔ ابھی وہ تلوار کو نیام سے نکال ہی رہا ہو کہ اپنی تلوار کو اُس کی گردن کے پار کر دینا

اکثر قائدینِ حرب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ فتح و نصرت۔ پیش قدمی یعنی اقدامی عمل ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے دفاع یعنی منفی عمل سے نہیں۔

قائدین کی اس رائے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کسی ملک کا دفاع بھی اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس میں حملہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو بجا ہوگا۔

پیش قدمی کی تاثیر ہی کچھ عجیب ہوتی ہے۔ حملہ کا ارادہ ہی فوج کی ہمت و شجاعت میں کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے پیش قدمی صرف قدم ہی آگے نہیں بڑھاتی بلکہ دل کو بھی قدموں کے ساتھ آگے بڑھاتی اور بڑھاتی ہی چلی جاتی ہے[1]۔

تاریخِ حرب نے ہم سے جن جنگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن میں سے اکثر و بیشتر کا فیصلہ پیش قدمی کرنے والے فریق ہی کے حق میں ہوا ہے جس نے پہل کی وہی کامیاب اور کامگار رہا اور جو ذرا جھجکا وہ مارا گیا۔

عمرؓ نے اپنی لڑائیوں میں اس اصول کی کہاں تک پابندی کی۔ اس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل تاریخی اشارات سے لگا سکتے ہیں:۔

*

جیسا کہ آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں غزوۂ ذات السلاسل اور پھر میدانِ یرموک اور اس کے بعد فلسطین اور شام کے ان تمام معرکوں میں جن کی قیادت اُن کے ہاتھ میں رہی انہوں نے حملہ کرنے میں ہمیشہ پیش قدمی کی۔

*

اس کے بعد مصر کے طول و عرض میں بھی جتنے اہم معرکے پیش آئے۔ اُن میں عمروؓ نے جارحانہ اور

---

[1] حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی طریقہ یہی تھا کہ جب حضورؐ سنتے تھے کہ فلاں قبیلہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں یا ارادہ کر رہا ہے تو قبل اس کے کہ وہ ہوشیار ہو حضورؐ اس پر جا پڑتے تھے اور حضورؐ کا یہ طریقہ ہمیشہ سو فیصدی کامیاب رہا (محمد احمد پانی پتی)

رومیوں نے مدافعانہ حیثیت اختیار کی۔شہر فرما پر حملہ کرنے والے عمروؓ تھے ÷

*

ام ذنین پر بھی انہوں نے ہی حملہ کیا تھا۔ اس کے بعد صوبہ فیوم کے تمام حملے بھی انہی کی طرف سے کیے گئے۔ یہاں تک کہ خنا کی جمعیت جو حملہ کے ارادے سے نقل و حرکت میں آچکی تھی۔ اس پر بھی آگے بڑھ کر عمروؓ ہی نے حملہ کیا اور اس کا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اُن پر حملہ آور ہو سکے ÷

*

بلیوپولیس میں بھی عمروؓ ہی کے حملے سے جنگ شروع ہوئی۔ اور پھر وہاں جنگ میں بھی سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت پوشیدہ دستوں نے دو طرف سے تازہ دم اور اچانک حملے کیئے۔ جن کی تابِ مقاومت رومی نہ لاسکے اور شکست کھا گئے ÷

*

بابلیون اور اسکندریہ میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ عمروؓ ہی حملہ آور کی پوزیشن میں رہے اور رومیوں کو دفاع سے آگے نہیں بڑھنے دیا ÷

*

اسکندریہ کے بعد برقہ اور طرابلس کے تمام علاقے میں عمروؓ ہی نے حملے کر کے فتوحات حاصل کیں۔ اور کسی جگہ بھی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ عمروؓ نے مدافعانہ حیثیت اختیار کر کے دشمن سے جنگ کی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمروؓ ایمان کی حد تک جارحیت پر یقین رکھتے تھے۔ اور اُن کے نزدیک پیش قدمی سے بڑھ کر فتح اور نصرت اور کامیابی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا ÷

(۵) محاصرہ یا ناکہ بندی

محاصرہ فنونِ حرب میں ایک کامیاب اصول شمار کیا جاتا ہے۔ اور کامیاب ہونے کے ساتھ سہل اور کم مشقت بھی ہے۔ اس ذریعے سے جو فتح حاصل ہوتی ہے۔ وہ دیرپا اور مستحکم ہوتی ہے۔ لیکن یہ محاصرہ کنندہ کے لیے جتنا کم مشقت ہے محصور کے لیئے اتنا ہی صبر آزما اور کمرشکن بھی ہے۔ محاصرہ زدہ کی رُوح جب ایک دفعہ محاصرہ کی قید سے مضمحل ہو جاتی ہے۔ تو پھر وہ مشکل ہی سے دوبارہ بحال ہوتی ہے عمروؓ نے اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔

فتوحاتِ شام کے دوران انہوں نے سب سے پہلے دمشق میں اس کا تجربہ کیا۔ تجربہ کامیاب رہا

تو پھر انہوں نے اس طریقہ کو قریب قریب ہر جگہ استعمال کیا اور اس کے اچھے نتائج سے بہرہ مند ہوتے رہے۔

*

فرما کی تسخیر محاصرہ سے کی گئی

ام دنین میں بھی محاصرہ ہی کا ہتھیار استعمال کیا گیا

اس کے بعد بابلیون کا محاصرہ تو عمروؓ کی تاریخ کا گویا شاہکار تھا۔ جو طویل ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا ہمہ گیر بھی تھا۔ کہ اس میں انہوں نے اہل قلعہ پر بھی فوجی امداد کے علاوہ ہر قسم کی رسد کی امداد کو بھی قطعی طور پر بند کر دیا تھا۔

*

اسکندریہ کا محاصرہ اگرچہ سہ طرفی تھا اور چوتھی جانب سمندر رہنے کی وجہ سے اُسے مکمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر بھی محاصرہ کا مقصد پوری طرح حاصل رہا اور خشکی کے محاصرے نے اس کو باقی تمام علاقہ سے کلیۃً منقطع کر دیا تھا۔ جس نے محاصرہ زدگان کے دلوں کو شکستہ اور حوصلوں کو پست کرنے میں اپنا پورا اثر دکھایا۔

*

طرابلس میں بھی محاصرہ ہی نے کامیاب کیا جس کی بنا پر اُنہیں باہر سے نہ فوجی امداد پہنچ سکی اور نہ رسد ہی۔ اور اس اسیرانہ زندگی نے اُن کے حوصلوں کو اس قدر پست کر دیا تھا۔ کہ چند نفوس نے اندر داخل ہو کر فوجی کارروائی شروع کر دی اور اہل شہر اُن کا مقابلہ نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ باقی فوج بھی اُن کے ساتھ جا کر مل گئی۔

اور یہ بھی محاصرہ کی زبردست کامیابی تھی کہ سقوط طرابلس کی خبریں صبراتہ تک بھی نہ پہنچ سکیں۔ اور وہ ایسی بے خبری کے عالم میں دھر لیے گئے کہ شہر پناہ کے سارے دروازے چوپٹ کھلے تھے اور مویشیوں کو چرنے چگنے کے لئے باہر نکالا جا رہا تھا۔

(۶) حفظِ فوج

قائد کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی فوج کی پوری پوری حفاظت کرے۔ اُس وقت بھی حفاظت کرے۔ جب وہ اپنے کیمپ اور اپنی بارکوں میں ہو اور اُس وقت بھی حفاظت رکھے جب وہ میدانِ حرب و ضرب میں دشمن کے ساتھ گتھم گتھا ہو رہی ہو۔

فوج کی حفاظت دو عوامل کے ذریعے ہوتی ہے :-
۱۔ اندھا دھند خطرات میں فوج کو نہ دھکیلنا
۲۔ فوجی اسرار کو پوری طرح پوشیدہ اور سربستہ رکھنا
ان دونوں باتوں کی تعلیم مسلمان قائدین کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ اِسْتَعِیْنُوْا عَلٰی قَضَاءِ حَوَائِجِکُمْ بِالْکِتْمَانِ یعنی اپنے مقاصد کے حصول میں رازداری سے مدد لو۔

*

غزوۂ ذات السلاسل میں عمروؓ نے اپنی فوج کو ہزیمت خوردہ دشمن کے تعاقب سے روک دیا تھا۔ تو ان کے ساتھیوں کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اور انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اس کی شکایت کی۔ تو عمروؓ نے نبی کریمؐ کی جواب طلبی پر جو صفائی پیش کی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمروؓ شروع ہی سے فوج کی حفاظت کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا ــــــ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دشمن کی سرزمین میں لڑ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں بیحد محتاط رہنا چاہیئے۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر ہم دشمن کے تعاقب میں دور نکل جاتے اور اسے کسی جگہ تازہ امداد میسر آجاتی۔ تو پھر مسلمانوں کو ایسی حالت میں خطرہ پیش آجاتا جبکہ وہ اپنے مرکزِ اعانت سے بہت فاصلے پر ہوتے"۔

*

اسی ذات السلاسل کے دوران عمروؓ نے اپنی فوج کو سخت سردی کے باوجود آگ جلانے سے روک دیا تھا جو ان کے ساتھیوں کو ناگوار ہوا۔ اور انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو درمیان میں ڈال کر کوشش کی تھی کہ عمروؓ اپنا حکم واپس لے لیں لیکن عمروؓ نے ابو بکرؓ کی بات نہیں مانی تھی۔ اور صاف صاف کہہ دیا تھا ــــــ "اگر کسی نے آگ جلائی تو یاد رکھیئے کہ میں اسی آگ میں اسی کو زندہ جلا دوں گا"۔ مسلمان غزوے سے لوٹ کر آئے تو لوگوں نے اس کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جس کے جواب میں عمروؓ نے عرض کیا کہ ــــــ "مجھے اندیشہ تھا کہ اگر ہم نے آگ روشن کی۔ تو دشمن اس کی روشنی میں ہماری قلتِ تعداد کا اندازہ لگا لے گا۔ اور اس کے حوصلے بلند ہو جائیں گے"۔ عمروؓ کا یہ حکم بھی حفظِ فوج ہی کی خاطر تھا۔

*

بابلیون کے محاصرے کے دوران میں جب عمروؓ کو اس بات کی خبر ملی۔ کہ تھیوڈور زبردست

تیاری کے ساتھ اہل قلعہ کی امداد کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ تو انہوں نے اس میں اپنی فوج کے لئے تمام خطرات کا اندازہ لگا لیا۔ اور ضروری سمجھا کہ دشمن کی پیش قدمی کو راستہ میں ہی روک دینا چاہیئے۔ چنانچہ بلا تاخیر روانہ ہو گئے سمنود کے قریب دشمن سے جا کر بھڑ گئے اور اس کی پیش قدمی کو روک دیا۔

*

اسکندریہ جیسے اہم محاذ پر روانہ ہوئے۔ تو اپنی فوج کے عقب کو محفوظ کرنے کے لئے ایک دستہ بابلیون میں چھوڑ گئے۔ جو سراسر حفظ فوج ہی کی ایک تدبیر تھی۔

*

اسکندریہ جانے کے لئے نیل کے مغربی کنارے کا انتخاب بھی حفظ فوج ہی کے پیش نظر کیا گیا تھا۔ اس لئے کہ مشرقی کنارے پر جگہ جگہ ندی نالے راستہ روکتے تھے۔ جن کے عبور کرنے میں عربی گھوڑوں کو دشواری پیش آتی اور وہ راستے ہی میں مضمحل ہو جاتے۔

*

راستے میں اسکندریہ کے قریب قلعہ نقیوس کو دیکھا تو اسے بھی اسی لئے تسخیر کرنا مناسب جانا کہ اگر وہ آزاد رہا تو مسلمان فوج کے لئے عقب سے خطرہ پیدا کر سکتا ہے۔

*

اسکندریہ کے دوران محاصرہ میں محاصرہ کی طوالت کا اندازہ لگا کر نشیبی مصر کی طرف نقل و حرکت کرنا بھی اسی غرض سے تھا کہ اسکندریہ کے محاصرین اس طرف کے خطرات سے محفوظ ہو جائیں۔

*

پھر جب اسکندریہ سے فراغت ہو گئی تو اس کے بعد برقہ اور طرابلس کا رُخ بھی اسی غرض کے لئے کیا گیا تھا۔ کہ مصر اور افواج مصر مغربی ممالک کی طرف سے بھی امن و محفوظ ہو جائیں۔ جہاں رومیوں کا اقتدار بدستور موجود تھا۔ اور اگر خلیفہ عمرؓ انہیں مزید پیش قدمی سے حکماً نہ روک دیتے تو عمروؓ یقیناً شمالی افریقہ میں بھی اپنی فتوحات کو جاری رکھتے۔

*

اس کے بعد نوبیوں کے علاقہ کا رُخ بھی اسی وجہ سے کیا تھا کہ مصر اور افواج مصر جنوب کے خطرات سے بھی ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جائیں۔

*

حقیقت تو یہ ہے کہ عمروؓ نے حفاظت مصر کے جس نظریہ کی اساس پر طرابلس اور سرزمین نوبہ کو فتح کیا تھا۔ اسی نظریہ کے ماتحت خود مصر کو بھی فتح کیا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ فلسطین کی فتح کے بعد رومیوں کی اکثریت مصر کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ اور اس نے وہاں اپنی طاقت کو مجتمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ وہ مصر میں اپنی طاقت بنا کر فلسطین کی بازیابی کی کوشش کریں گے۔ عمروؓ نے خلیفہ کے سامنے یہی موقف پیش کیا تھا۔ اور عرض کیا تھا۔ کہ فلسطین کا بقا سراسر مصر کی تسخیر پر موقوف ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے انہیں فتح مصر کی اجازت دے کر مصر کی تاریخی فتوحات کے لئے روانہ کر دیا تھا۔

(۷) باطنی قوت

جنگ میں کامیابی کے جہاں اور بہت سے عوامل اور وسائل ہیں۔ وہاں ایک نہایت اہم باطنی قوت بھی ہے۔ اور غائر نظر سے دیکھا جائے تو مادی ذرائع بھی اس وقت تک کارآمد نہیں ہوتے جب تک ان کے استعمال کرنے کے لئے باطنی قویٰ تیار نہ ہوں۔

باطنی قوت سے مراد شجاعت قلب جرأت اقدام اور فتح و نصرت کا یقین ہے[1]۔ اور ظاہر ہے کہ جس فوج کے اندر یہ صفات نہ ہوں گی۔ اس کی کثرتِ تعداد، اس کی سلاح پوشی اور اس کی مہارتِ فنون کسی کام بھی نہیں آسکتی۔

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ بہت دفعہ کثیر التعداد افواج میدان جنگ میں اتریں۔ اور شرمناک ہزیمت کھا کر پسپا ہوئیں۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ —— صرف یہ کہ ان میں باطنی قویٰ کی کمی تھی —— اس کے مقابلہ میں وہی تاریخ ہمارے سامنے ایسی مثالیں بھی پیش کرتی ہے جن میں مٹھی بھر جماعت میدان میں آئی اور عظیم الشان کامیابی حاصل کر گئی۔ اس کی وجہ بھی یہی اور صرف یہی تھی کہ اس نے اپنی قلتِ تعداد کو کثرتِ صفاتِ حسنہ سے پورا کر لیا تھا۔

باطنی قویٰ سے مراد فوجیوں کی صفات، ان کے اخلاق، ان کا حسنِ انتظام، ان کی بہادری، ان کا اخلاص، ان کی قوتِ برداشت، ان کا اعتماد نفس، اور ان کے قائدین کی قدرتِ قیادت ہے۔ اور ان

---

[1] افسوس مؤلف نے یہاں باطنی قوت کا مقصد ہی مادی ذرائع لیے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ باطنی قوت سے مراد طہارت و پاکیزگی شوق شہادت، ایثار و قربانی اور حق و صداقت کے لئے جان کی بازی لگا دینے کے ہیں (محمد احمد پانی پتی)

سب سے بڑھ کر اس نصب العین کے ساتھ عقیدت و وابستگی ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ میدان میں اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر آ گئے ہیں۔

کلاز فتز کے نزدیک باطنی قوت سے مراد وہ روح ہے جو جنگ کے حرکات و سکنات پر حاوی اور مسلط ہو۔

بعض نے باطنی قوت کی اہمیت کو ان الفاظ کے ساتھ واضح کیا ہے کہ: ــــــــ "ہر شخص کی کامیابی کا اصلی راز اس کی باطنی قوتوں ہی میں پوشیدہ ہوتا ہے"۔

عمروؓ بن العاص کی کامیابیوں کا راز بھی اُن کی باطنی صفات ہی میں مضمر تھا۔ اور پھر ان کی صفات عالیہ کے عکس نے ان کی فوج کے ایک ایک سپاہی کو بھی صفاتِ عالیہ کا حامل بنا دیا تھا۔ ان کے دل و دماغ کو سکون و سکینت کی بے بہا دولت ملی تھی۔ اُن کے قلب و جگر، شجاعت و دلیری اور اقدام و عزیمت کے فولاد بن گئے تھے۔ اُن کے فکر و دماغ میں کوشش و تدبیر کے طاقتور بلب روشن ہو گئے تھے۔ وہ اگر ایک طرف اپنے دشمن کے لئے مجسم قہر و جبروت تھے۔ تو دوسری طرف اپنے ساتھیوں کے لئے سرتاپا رحمت و شفقت بھی تھے۔ اور سب سے بڑی صفت ان میں یہ تھی کہ وہ اپنے نصب العین کی اہمیت و تقدیس پر سب سے زیادہ اعتماد اور یقین رکھتے تھے۔

عمروؓ نے اپنی باطنی قوت کا صحیح تعارف خود اپنے الفاظ میں اس وقت کرایا تھا جب قرہؓ بن ہبیرہ انہیں عربوں کے فتنۂ ارتداد سے خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔ جس پر انہوں نے قرہؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

"کیا تو نے مجھے ارتداد عرب سے ڈرانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم اُن عربوں کو اُن کے ساتھ تجھ کو بھی گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے روند ڈالوں گا۔ اور نیری گردن تک پہنچ کر ہی دم لوں گا۔ خواہ تو اپنی گردن کو جنات کی بالوں کے پیچھے کیوں نہ چھپا دے"۔

عمروؓ کو جتنے معرکے بھی پیش آئے۔ اُن سب میں قلت کا مقابلہ کثرت کے ساتھ تھا۔ اور اس کے باوجود انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی تھی کہ اُن کی باطنی قوتیں نہایت ارفع و اعلیٰ اور مضبوط و توانا تھیں۔ اور ان قوتوں کو انہوں نے جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات گرامی سے حاصل کیا تھا۔ اور یہ اصلاً اور نقلاً مذہبی قوتیں تھیں۔ جن کا مظاہرہ سب سے پہلے میدانِ بدر میں ہوا تھا۔ جب قریش کی ایک ہزار کی تعداد کو صرف تین سو تیرہ مسلمانوں کی قلت نے فیصلہ کن شکست دی تھی۔

مصر کے ایک قبطی نے اسلامی فوج کے حوصلوں کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا تھا کہ:۔

"یہ لوگ عجیب ہیں۔ کبھی شکست کا تصور بھی ان کے حاشیۂ خیال میں نہیں آتا۔ جدھر کا رُخ کرتے ہیں کامیاب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور جس پر غالب آتے ہیں اُس کے آخری فرد کو بھی قتل کیے بغیر نہیں چھوڑتے"۔

قبطی کے اس قول میں خلافِ واقعہ کوئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ اس لئے کہ عمرو ہمیشہ اپنی فوج کو یہی کہا کرتے تھے کہ ——— "آگے بڑھو، آگے بڑھو، اللہ کی مدد تمہارے ہی دست و بازو بن کر نازل ہوگی"۔

باطنی قوت مندرجہ ذیل تین عوامل پر موقوف ہے اور یہی تین عوامل اُس کی ترقی کے اسباب بھی ہیں:۔

۱۔ عمومی عوامل

۲۔ وہ عوامل جو فوج اور قائد کے درمیان ربط باہمی پیدا کرتے ہیں۔

۳۔ نفسیاتی عوامل

موخرالذکر ہر دو عوامل کا تذکرہ ہم کتاب کے آخری صفحات میں عنوانِ قیادت کے ماتحت کریں گے۔ اس جگہ ہم صرف عمومی عوامل کا بیان کرتے ہیں۔

عمومی عوامل کی دو قسمیں

عمومی عوامل کی بھی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ نصب العین کا یقین راسخ جس کے لئے جنگ کی جا رہی ہے۔

۲۔ نظم و ضبط کی وفاداری اور اطاعت

۱۔ نصب العین کی صداقت کا یقین اُن اسباب کا جاننا ہر فوجی کے لئے ضروری ہے۔ جن کی بنا پر وہ جنگ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ان کا صرف جان لینا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ اُن کی صداقت و اہمیت اور زندگی میں اُن کی شدید ضرورت کا یقین بھی لازمی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اُن اسباب کا تعلق جس طرح زندگی کے ساتھ مربوط ہونا چاہیئے۔ اسی طرح عقیدہ سے اور نظامِ حکومت کے ساتھ بھی مضبوط ہونا چاہیئے۔

نصب العین کا یقین بھی معمولی قسم کا نہیں بلکہ اس درجہ ترقی یافتہ ہونا چاہیئے۔ کہ اس کی خاطر جانی اور مالی ہر قسم کی قربانی دی جا سکے۔ اور پھر یہ قربانی بھی پورے شعور و ارادہ اور عزم و اخلاص کے ساتھ ہو۔ نیم شعوری اور دوسروں کی دیکھا دیکھی یا محض فوجی ضبط کے خوف سے نہ ہو۔

عمروؓ کی قیادت کے ماتحت جنگ کرنے والی فوج نے جزیرۂ عرب میں پرورش پائی تھی۔ ابتدائی

طویل زندگی بتوں کی پرستش اور اُن محدود مشاغل میں گذرتی رہی جو اُن کے قریبی ماحول سے وابستہ تھے اور وسعت اختیار کرتے تو زیادہ سے زیادہ جزیرۂ عرب کے طول و عرض تک پھیل جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اسلام ظاہر ہوا۔ حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی چھوڑ کر ایمان باللہ کی دعوت دی۔ قبائل نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ اور ایک ایک کر کے سب ہی اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور ایسی زبردست قوت بن گئے جس کی شوکت و صولت کو للکارا نہیں جا سکتا تھا۔

عربوں کو چونکہ دعوتِ اسلام ہی نے ایک جھنڈے کے نیچے جمع کیا تھا۔ اس لئے ان کا کلمہ جامعہ اور ان کا ہدف مقصود آپ سے آپ متعین ہو گیا۔ اور وہ تھا: "ایمان باللہ کی طرف انسانیت کو دعوت دینا اور اس دعوت کو جزیرہ کی حدود سے باہر نکال کر تمام دنیا میں پھیلا دینا۔"

یہ نصب العین انفرادی طور پر ایک ایک مسلمان کا اپنا نصب العین بھی تھا۔ اور اجتماعی طور پر سب کا مشترک قومی نصب العین بھی بن گیا تھا جس کے ساتھ انہیں ایسی والہانہ محبت اور عقیدت تھی کہ وہ اسے اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اُن کے ایمان کا کوئی جزو، قلب کا کوئی گوشہ اور روح کی کوئی رمق ایسی نہیں تھی جو اس کے تسلط سے باہر اور اس کے عشق سے خالی ہو۔ اور وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے۔ کہ ہم اسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اسی کے راستے میں جان دینا ہماری حلال موت ہے۔ ہم زندہ رہیں گے تو اسی کے لئے اور مریں گے تو اسی کے راستے میں۔

یہاں تک کہ اس کے راستے میں جان دے دینا بجائے خود ایک محبوب شغل اور پسندیدہ مقصد بن چکا تھا اور وہ اس کی خاطر قربان ہو جانے کو جنت کا ایک یقینی ذریعہ تصور کرتے تھے۔

یہ جذبات اور تصورات تھے جو باہم مل کر ان کے اندر ایک ایسی زبردست اور ناقابلِ تسخیر روحانی طاقت پیدا کر دیتے تھے جو دنیا کے لالچ، عزت و جاہ کی حرص اور ایسے ہی دوسرے دنیوی مقاصد سے اُن کی نیتوں کو وراء الوراء اور فوق الفوق لے جاتے تھے۔ اور وہ اعلاء کلمۃ اللہ کے سوا ہر مقصد کو اپنی ہمت عالیہ کے لئے پست اور ذلیل سمجھتے تھے۔

*

عمروؓ کی صفتِ اخلاص کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں غزوۂ ذات السلاسل کے لئے بُلا کر فرمایا کہ :-

"اے عمرو میں تمہیں سپہ سالار بنا کر ایک مہم پر بھیجنا چاہتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وہاں سے تمہیں سالم و غانم لوٹائے"۔

تو اس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مال کی رغبت کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوا ہوں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منشا معلوم کرنے کے بعد فرمایا:۔

"یہ ٹھیک ہے ..... لیکن مرد صالح کو مال صالح حاصل کرنا ممنوع نہیں ہے"۔

*

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ عمروؓ کو بنو قضاعہ کی طرف سے جہادِ مرتدین میں شریک ہونے کے لئے بلاتے ہیں۔ اور ان کے سامنے کچھ دنیوی زندگی کی ترقیات بھی پیش کرتے ہیں۔ تو عمروؓ ان کو بھی جن الفاظ کے ساتھ جواب دیتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

"میں اللہ کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے بعد ان تیروں کے پھینکنے اور اکٹھا کرنے والے ہیں۔ آپ ان میں سے اس کو منتخب فرمالیں جو ان میں سب سے زیادہ سخت ہو دشمن کے سامنے، سب سے زیادہ نرم ہو اللہ کے سامنے اور دوسروں سے بہتر ہو آپ کے نزدیک۔ پھر آپ اسے ہر اس نشانہ کی طرف پھینکدیں جس کی آپ کو اطلاع ملے"۔

*

خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن الخطاب رضؓ، زبیر بن العوام رضؓ کو عمروؓ کی امداد کے لئے مصر بھیجنے کے واسطے بلاتے اور کسی دنیوی منصب کی امید دلاتے ہیں۔ تو زبیرؓ بھی عمروؓ کی طرح کامل استغنا پیش کرتے ہیں۔

خلیفہ نے فرمایا تھا کہ ——— "زبیرؓ کیا تم مصر کی گورنری قبول کرنا چاہتے ہو؟"

تو زبیرؓ نے جواب دیا تھا کہ:۔

"مجھے گورنری کا کوئی لالچ نہیں ہے۔ میں صرف اللہ کے راستے میں جہاد اور مسلمانوں کی امداد کے لئے جانے کو تیار ہوں"۔

۲۔ **اطاعت اور فرمانبرداری** | جنگ میں کامیابی کے لئے دوسری اہم شرط فوج کا وفادارانہ جذبہ اطاعت

ہے۔ اطاعت تو نظم و ضبط اور ڈسپلن کے خوف سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن ایسی اطاعت باطنی قوت کو پختہ کرنے کے بجائے الٹا کمزور کرتی ہے اس لئے ہم جس اطاعت کا باطنی قوت کے تحت ذکر کر رہے ہیں اُس سے مراد خوف کی اطاعت نہیں ہے بلکہ شوق کی اطاعت ہے۔

جس فوج میں شوق کی اطاعت کا کامل جذبہ ہو گا۔ وہ اپنے قائد کے اشارے پر ہر خطرے میں کود جانے کے لئے تیار رہے گی۔

عمروؓ کی ذات میں اطاعت کی صفت بھی اعلیٰ پیمانے پر موجود تھی۔ اور ان کی اس صفت کا اثر فوج پر بھی پوری طرح قائم تھا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ کو ذات السلاسل کا حکم دیا تو فوراً اطاعت کی۔ اور تلوار اٹھا کر روانہ ہو گئے۔

*

حضرت ابوبکرؓ نے جہاد مرتدین کی قیادت سونپی تو فوراً تیار ہو گئے۔

پھر شام و فلسطین کی شرکت جہاد کا حکم ہوا تو سر تسلیم خم کر دیا۔

خلیفہ عمرؓ نے مصر اور شمالی افریقہ کا حکم دیا تو کوئی پس و پیش نہ کی۔

یہاں تک کہ جب وہ مسلسل فتوحات کے جوش میں شمالی افریقہ کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔ اور جب اچانک ان کے سیلاب عزائم کو خلیفہ نے روک دیا۔ تو انہوں نے اپنی فوجوں کو ان کے حکم کے بعد ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھنے دیا۔

جب خود قائد میں جذبۂ اطاعت اس درجہ موجود ہو۔ تو پھر اس کی فوجوں میں یہ جذبہ کیا کچھ کم ہو گا۔ اور یہی حقیقت بھی تھی کہ ان کی فوجیں بھی ان کی والہانہ فرماں بردار اور فداشعار تھیں۔ اور ذاتی مصلحتوں کو جانتی اور فوجی مصلحتوں پر بلا تردد قربان کر دیتی تھیں۔

ذات السلاسل میں آپ اس کا نمونہ دیکھ چکے ہیں۔ فوج نے بہادری کے جوہر دکھا کر طاقتور دشمن کو ہزیمت دی۔ اور اُس کا دلی منشاء یہ تھا کہ بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کر کے اُس کا کلی استیصال کر دیا جائے۔ لیکن عمروؓ کی مصلحت اس کے خلاف دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے فوج کو تعاقب سے روک دیا اور وہ فوراً رک گئی۔

اسی معرکہ میں عمروؓ نے فوج کو حکم دیا کہ آگ روشن نہ کریں۔ اور فوج نے اس کی بھی بلا چون و چرا تعمیل کی۔ حالانکہ موسم نہایت سرد اور صبر آزما تھا۔

غرض عمرؓ فوج کو جو بھی حکم دیتے تھے۔ وہ بلا زدد اس پر عامل ہو جاتی تھی جس کی مثالیں تاریخ عمرؓ کے صفحہ صفحہ پر آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت اور حکم برداری جنگ کا جوہر اصلی ہے۔ جس کا ایک فوجی کے خمیر کے اندر داخل ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔ افواجِ عمرؓ کے باطنی قویٰ کو اسی جوہر اطاعت نے مضبوط اور فولاد شکن بنا دیا تھا۔

اور ایک عمرؓ ہی پر کیا موقوف ہے۔ عالمِ انسانیت کے جس میدان میں بھی قائدین نے کسی قسم کی جنگیں لڑی ہیں۔ ان کے اسباب دعوامل میں اس جوہر اطاعت کی کار پردازی سب سے بڑھ کر رہی ہے۔
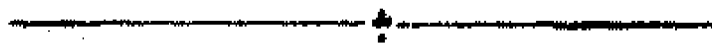
باب سوم

عمرؓ خلفاء کے ساتھ

- ابوبکرؓ صدیق کے ساتھ
- عمرؓ بن الخطاب کے ساتھ
- عثمانؓ بن عفان کے ساتھ
- علیؓ اور معاویہؓ کے ساتھ

(۱)

خلیفہ ابوبکرؓ کے ساتھ

"میں تو اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں۔
اور آپ اللہ تعالیٰ کے بعد ان تیروں کے پھینکنے
اور جمع کرنے والے ہیں۔ آپ ان میں سے ایسے
تیر کو منتخب فرما لیں جو دشمن کے سامنے سخت،
اللہ کے سامنے نرم اور آپ کے نزدیک افضل ہو۔
اس کے بعد آپ کو پورا اختیار ہے کہ اُسے جس
نشانہ کے لئے چاہیں استعمال فرمائیں....."

عمروؓ بن العاص

ابوبکرؓ سے خطاب کرتے ہوئے

عمروؓ بن العاص اور ابوبکرؓ کی پہلی حربی ملاقات غزوۂ ذات السلاسل میں ہوئی۔ جب انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد طلب کی تھی، جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراح کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ شامل تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس جنگ میں عمروؓ کی شخصیت، ان کی مہارت جنگ، اہلیت قیادت، ہمدردیٔ اسلام، حفظ افواج اور تحفظِ مصالح اسلامیہ وغیرہ بلند پایہ صفات کے علاوہ اپنے مقصد اصلی کے ساتھ والہانہ شغف کا بہت قریب سے مطالعہ کیا تھا جس سے اُن کی شخصیت کا علو وارتفاع اُن پر پوری طرح واضح ہوگیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرماگئے اس حال میں کہ عمروؓ بن العاص کی قیادت سے خوش تھے۔

آپؐ کے بعد خلافت کی ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ کے سپرد ہوئی۔ عمروؓ کو ابوبکرؓ پہلے ہی جانچ تول چکے تھے۔ اور ان کی شخصیت کا سراپا اُن کے ذہن میں پوری وضاحت کے ساتھ منقش تھا۔

خلافت کی ابتداء ہی میں جزیرہ عرب کو منکرینِ زکوٰۃ کے زبردست فتنہ سے دوچار ہونا پڑا جس سے مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا اور وہ اپنے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔

اس نازک دَور میں خلیفہ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت پامردی اور ثبات قدمی کے ساتھ بگڑے ہوئے حالات کا مقابلہ کیا اور صاف صاف اعلان کردیا کہ: ——— "خدا کی قسم اگر کوئی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کی جانے والی ایک رسی کو بھی آپؐ کے بعد ادا کرنے سے انکار کرے گا۔ تو میں اس کے مقابلہ میں تلوار اٹھا لوں گا۔"

اس اعلان کے بعد وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے تھے ہر قبیلہ سے آآکر آپ کے گرد جمع ہونے شروع ہوگئے۔ اور اُن کی مدد سے حضرت ابوبکرؓ نے قبائلِ عبس، ذُبیان، بنوبکر اور اُن سے آآکر ملنے والے لوگوں کو شکست دی اور انہیں ابرق سے جلاوطن کیا۔

اس کے ساتھ ہی فتنۂ ارتداد نے سر اٹھالیا جس کے لئے خلیفہؓ نے تمام مسلمانوں کو متعدد (۱۱) جھنڈوں کے نیچے جمع کردیا۔ ہر جھنڈے کا امیر جدا تھا۔ پھر ان سب کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ کردیا کہ راستہ میں بھی طاقتور مسلمانوں کو اپنے ساتھ شامل کرتے رہنا۔

انہی جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا[1] عمرو بن العاص کا بھی تھا۔ جنہیں شمالی عرب میں بنو قضاعہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا۔

عمرو نے اپنا فرض منصبی اس حسن و خوبی کے ساتھ پورا کیا کہ خلیفہ اُن سے بہت خوش ہوئے اور انہیں ان تمام قائدین میں صف اول کا قائد شمار کرنے لگے جن سے انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں کام لیا تھا۔

ابھی عمرو قضاعہ ہی[2] میں تھے کہ خلیفہ رضؓ نے انہیں مندرجہ ذیل پیغام بھیجا:۔

"ابو عبداللہ اگر تم موجودہ منصب پر فارغ ہو تو تمہاری مرضی ہے ورنہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں موجودہ ذمہ داری سے فارغ کرکے ایسے منصب پر مامور کرنے کے لئے تیار ہوں جو تمہارے لئے دین اور دنیا دونوں لحاظ سے اس کی بہ نسبت بہتر ہو۔"

اس کا جواب عمرو نے یہ دیا کہ:۔

"میں تو اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں۔ جن کے پھینکنے والے اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہیں۔ آپ ان میں سے ایسے تیر کو منتخب فرمالیں۔ جو دشمن کے سامنے سخت، اللہ کے سامنے نرم اور آپ کے نزدیک دوسروں سے بہتر ہو۔ اور پھر آپ کو اختیار ہے کہ اُسے جس نشانہ کے لئے چاہیں استعمال کریں . . . . ."

اس کے بعد عمرو دوسرے قائدین کے ساتھ فلسطین اور شام کی طرف روانہ کردیئے گئے جہاں انہیں تیوذریک کی قوت سے ہزار[3] افواج کا مقابلہ کرنا تھا۔

---

[1] شمالی جزیرہ کی طرف تین جھنڈے روانہ کئے گئے تھے باقی آٹھ جھنڈے جنوب کی طرف روانہ ہوئے تھے جن کا ذکر ہم فتنہ ارتداد کے ذیل میں کرچکے ہیں۔

[2] عمرو فتنۂ ارتداد کو ختم کرنے کے بعد بھی قضاعہ ہی رہے۔

[3] رومیوں کی فوج اس طرح تقسیم تھی کہ:۔

تیوذریک کی فوج (۹۰ ہزار) عمرو کے بالمقابل

فیقار بن نطوس کی فوج (۶۰ ہزار) ابو عبیدہ کی صفوں کے سامنے

دراقص کی فوج (۴۰ ہزار) شرحبیل کے سامنے

جرجہ بن تو ذر کی فوج ( ) یزید بن ابی سفیان کے سامنے

مسلمانوں نے رومیوں کے اس ٹڈی دل کو جو حد وشمار سے باہر تھا دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے صورتِ حال کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کے لئے ایک قاصد عمرو کی طرف اور دوسرا خلیفہ ابوبکرؓ کی طرف روانہ کیا۔

عمرو کی رائے تھی کہ مسلمان چھوٹی چھوٹی قیادتوں میں تقسیم ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے جواب میں لکھا کہ :-

"میری رائے تو یہ ہے کہ اگر مسلمان ایک قیادت کے ماتحت ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں تو پھر اس قلت کے باوجود بھی دشمن کا مقابلہ کر کے اسے شکست دے سکتے ہیں۔ اور اگر اسی طرح جداگانہ قیادتوں میں بٹے رہے تو پھر اس کا مقابلہ مشکل ہے۔"

دوسری طرف خلیفہ ابوبکرؓ کا جواب بھی عمرو کی رائے کے مطابق ہی آیا کہ :-

"سب اکٹھے ہو کر ایک لشکر ہو جاؤ اور دشمن کے ٹڈی دل سے ٹکرا جاؤ۔ تم سب انصار اللہ ہو اس لئے اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔ تمہارے مقابلہ میں مشرکین اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگ ہیں، اور اللہ اپنے نافرمانوں کو کامیاب نہیں کریں گے۔ بلکہ ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تمہارے مقابلہ میں ذلیل و رسوا کریں گے۔ اس لئے تم گناہوں سے اپنے دامنوں کو پاک رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد ضرور فرمائیگے۔"

عمرو کی رائے کے ساتھ نہ صرف خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے متفق تھی۔ بلکہ خالد بن ولید کی رائے بھی متفق تھی۔ جو عراق سے آکر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے۔ اور جب انہوں نے نظم ونسق کی تفریق پر نظر ڈالی تو اس کو پسند نہ کرتے ہوئے اسے ختم کیا اور سب کو ایک ہی قیادت کے ماتحت جمع کر کے فرمایا :-

"تمہارے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ایسے انتشار اور افتراق کے ساتھ اس قوم سے جنگ کرو جو ایک نظام کے ساتھ مربوط اور متحد ہے۔"

مسلمانوں کو ایک قیادت کے ماتحت ایک لشکر بنا دینے کے بعد خالد بن ولید نے ان کی دستہ بندی

لہ مسلمان فوجیں مختلف جھنڈوں کے ماتحت بالکل ایک دوسرے سے جداگانہ تھیں جن کے قائد بھی ایک دوسرے سے الگ تھے اور منتشر طریقے سے جنگ بھی بالکل ایک دوسرے سے جدا۔

سلہ ایک دستہ ایک ہزار فوج کا تھا

کر کے مندرجہ ذیل محاذ ان کے سپرد کر دیئے:۔

قلبی محاذ ابو عبیدہؓ کے لئے میمنہ (دایاں بازو) عمروؓ اور شرجیلؓ کے لئے، میسرہ (بایاں بازو) یزیدؓ بن ابی سفیان کے لئے۔

مسلمان ابھی جنگ یرموک کا ابتدائی نقشہ ہی بنا رہے تھے کہ خالد ابن ولید کو خلیفہ کی وفات اور حضرت عمرؓ کے تقرر کی اطلاع پہنچی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے ساتھ ہی وہ رابطہ بھی ختم ہو گیا۔ جو عمرو بن العاص کو ان کی ذات کے ساتھ حاصل تھا۔ اور یہ رابطہ وہ تھا جو عمروؓ کی امارت اور ابوبکرؓ کی اطاعت سے شروع ہو کر عمروؓ کی اطاعت اور ابوبکرؓ کی امارت پر ختم ہوا تھا۔

بہر حال جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت عمروؓ بن العاص سے راضی تھے اسی طرح خلیفہ اول بھی اسی حال میں رخصت ہوئے کہ وہ بھی ان سے خوش تھے۔

(۲)

حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے ساتھ

"برا ہو اس زمانہ کا جس میں عمروؓ ابن العاص، عمرؓ ابن الخطاب کا کارندہ ہے۔ خدا کی قسم مجھے وہ دن یاد ہیں جب خطاب اور اس کا بیٹا عمر دونوں کے سروں پر ایک لکڑی کا گٹھا ہوتا تھا، اور وہ اس سے بس اتنی روزی پیدا کر لیتے تھے جو ان کے پیٹوں تک بمشکل پہنچتی تھی۔ اور عاص کا یہ مقام تھا کہ دیباج کے زرکار لباس تک کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا کرتے تھے۔"

عمروؓ بن العاص

ناصحِ عمر محمد بن مسلمہ سے

عُمر اور عمرو کے تعلقات کی ابتدا غزوۂ ذات السلاسل میں اس طرح ہوئی۔ کہ عمر ابن خطابؓ اس کمک کے ایک سپاہی تھے۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن العاص کے لئے بھیجی تھی۔

عمرؓ نے اس ملاقات میں اُن کی تدبیر و سیاست کو قریب سے دیکھا۔ اُن کے سامنے ابو عبیدہؓ اور عمرو کی وہ باہمی کشمکش بھی آئی جس میں عمرو پوری فوج پر اپنی واحد قیادت چاہتے تھے اور ابو عبیدہ دو قیادتوں کے حق میں تھے۔ اور اُنہی کے سامنے عمرو اور فوج کی وہ مخالفت بھی سامنے آئی۔ جو ہزیمت خوردہ فوج کے تعاقب اور آگ روشن کرنے کے بارے میں پیش آئی تھی۔ ان تمام واقعات نے حضرت عمرؓ کے سامنے عمرو کی تصویر ایک آزمودہ کار اور پُر اعتماد قائد کی حیثیت سے پیش کی تھی۔

عاص اور عمرؓ واقعہ تو یہ ہے کہ عُمر اور عمرو کی یہ ملاقات پہلی ملاقات نہیں تھی۔ بلکہ ان کے تعلقات بہت پہلے اُس وقت قائم ہو چکے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا۔ اور اُس وقت عمرو بدستور اپنے آبائی دین پر تھے۔ جب قریش کو عمرؓ کے اسلام کا علم ہوا تو سب نے مل کر انہیں تکالیف دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اور عمرؓ قریش کے خوف سے اپنے گھر میں سکڑ کر بیٹھ رہے تھے ایسے آڑے وقت میں عمرو کے والد عاص نے انہیں اپنی پناہ میں لیا تھا۔[1]

---

[1] عبداللہ بن عمرؓ نے پناہ دینے کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ :— "جب میرے والد حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ تو انہوں نے کہا کہ "قریش میں سب سے زیادہ بہتر طریقہ پر بات کو نقل کرنے والا کون ہے؟" جواب ملا "جمیل بن معمر جمحی"۔ اس پر عمرؓ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا "جمیل تمہیں معلوم ہے کہ میں اسلام لا کر دین محمدی میں داخل ہو گیا ہوں"۔ اتنا سننا تھا کہ جمیل منہ پھیر کر اپنی چادر گھسیٹتا ہوا تیزی کے ساتھ چلا گیا۔ حضرت عُمرؓ بھی پیچھے ہو لئے وہ سیدھا مسجد کے دروازے پر پہنچا اور بلند آواز سے چلایا "اے قریش سُن لو خطاب کا بیٹا عمر بھی بددین ہو گیا ہے۔" حضرت عمرؓ فوراً اس کے پیچھے سے بولے "جھوٹ بکتا ہے۔ میں بددین نہیں ہُوا بلکہ اسلام لایا ہوں۔ اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔" بس پھر کیا تھا سب اُن پر پل پڑے۔ وہ بھی مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ دوپہر تک برابر لڑتے رہے۔ حضرت عمرؓ اکیلے تھے۔ آخر تھک کر بیٹھ گئے اور سب لوگ انہیں گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ اُن سے کہہ رہے تھے کہ "جو تمہارا جی چاہے کر لو۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی بھی ہو گئے تو یا تو تمہارا دین ختم کر کے چھوڑیں گے یا پھر اپنے دین سے تائب ہو جائیں گے (باقی اگلے صفحہ پر)

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت ابوبکرؓ کے وفات پاجانے کے بعد خلافت پر حضرت عمرؓ متمکن ہوئے۔
اس وقت عرب فوجیں یرموک کی شدید جنگ میں مشغول تھیں۔ اور ان کے بعض حصوں کی قیادت عمرو بن العاص کر رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت شروع ہوتے ہی عمرو اسلامی افواج فلسطین اور شام کے علاقوں میں جنگ کرنے چلے گئے اور وہاں کے بعض معرکوں کو بھی شروع کیا۔ اُن میں دشمن کا ایسا قلع قمع کیا جس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

بیت المقدس کے بعد اس علاقہ سے فارغ ہوتے ہی انہوں نے ایک ایسے ملک کی طرف جھانکنا شروع کردیا جس میں ان کی تاریخ کے چاند ستارے سب سے زیادہ روشن ہونے والے تھے
یہ دریائے نیل کی مملکت تھی جس کی زیارت عمرو اس سے پہلے شماس کے ساتھ کرچکے تھے اور جس نے ان کے دل ودماغ اور عقل واعصاب پر پوری طرح قابو پا لیا تھا۔

انہوں نے خلیفہ عمرؓ سے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ اور جب انہیں اس طرف مائل نہ دیکھا تو بات کو زیادہ پُرزور بنانے ہوئے اُن فوائد کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جو مصر کی تسخیر کے بعد عالم اسلام کو ہوتے نظر آتے تھے۔ اور آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ میں اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی حال میں قریش کا ایک بوڑھا سردار یمنی چغہ اور منقش کرتہ پہنے ہوئے موقع پر پہنچا اور لوگوں سے پوچھا: "یہ کیا بات ہے؟" جواب ملا کہ "عمر بددین ہوگیا ہے۔" وہ بولا۔ "پھر کیا ہوا، ایک شخص نے اپنے لئے فیصلہ کرلیا ہے اب تمہارا کیا مقصد ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ عدی بن کعب کی اولاد اپنے آدمی کا یہ حال نہیں دیکھے گی۔ اگر ان لوگوں نے اپنے آدمی کی حمایت میں تلوار نکال لی۔ تو پھر سخت فساد برپا ہوگا۔ اور مکہ کی سرزمین خون سے بھر جائے گی۔ لہٰذا اس کا راستہ چھوڑ دو۔"
عبداللہؓ مزید کہتے ہیں۔ کہ عمرؓ ڈر کے مارے گھر میں چھپے بیٹھے تھے۔ کہ عاص بن وائل بھی اُن کے پاس آئے۔ یہ قبیلہ بنو سہم کے ہیں۔ جو زمانہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ آکر عمرؓ سے پوچھا: "تم کس حال میں بیٹھے ہو؟ تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"
عمرؓ یہ سن کر کچھ مطمئن ہوگئے اور عاص باہر نکل آئے۔ دیکھا کہ لوگ بکثرت اکٹھے ہوکر چلے جا رہے ہیں۔ عاص نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ جواب ملا: "ابن خطاب کی خبر لینے جو بددین ہوگیا ہے۔" عاص نے کہا: "عمر بددین ہوگیا، تو کیا ہوا۔ لو! آؤ میں اسے پناہ دیتا ہوں۔" یہ سن کر لوگ منتشر ہوگئے۔

لئے آپ سے بہت بڑی فوج نہیں مانگوں گا۔

خلیفہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی۔ تو انہوں نے بھی تسخیر مصر ہی میں باقی مفتوحہ علاقوں کا بقا محسوس کیا۔ اس لئے کہ فلسطین اور شام کے ہزیمت خوردہ رومی مصر میں دوبارہ منظم ہو کر اپنے ملکوں کی بازیابی کے خواب دیکھ سکتے تھے۔ اور اس سے بھی زیادہ فائدہ یہ نظر آیا۔ کہ سرزمین مصر پیداوار کا خرمن ہے۔ اور اس سے بجا طور پر یہ امید کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ عالم اسلام کے گرسنہ علاقوں کی بھوک بھی رفع کر سکے گا۔

مصر میں | خلیفہ عمر رض کے لئے اب عمرو کو اجازت دینے میں کوئی پس و پیش باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اچھی خاصی فوج اور زبیر بن العوام جیسے آزمودہ کار قائد ان کے حوالے کئے اور مصر کی طرف روانہ کر دیا۔

عمرو کی فوجیں حدود مصر میں اتر گئیں۔ کام شروع کر دیا اور ہیلیوپولیس اور بابلیون کے زبردست معرکوں کے بعد مرکز مصر اسکندریہ کو بھی فتح کر لیا۔

وہ دیکھو، رومی مصر کے کونے کونے میں عمرو بن العاص کی فوجوں سے شکست کھا کر ذلت و رسوائی کے دامن گھسیٹتے ہوئے اب آخری طور پر مصر کی حدود سے نکل رہے ہیں۔ سونے کی چڑیا ان کے پنگل سے اڑ کر عمرو کے بازوئے شاہین پر جا بیٹھی ہے۔ اور وہ قیامت تک انشاء اللہ مسلمانوں ہی کے سر پر اپنا سایۂ ہمایونی ڈالتی رہے گی۔

برقہ اور طرابلس میں بھی | مصر کی حفاظت کے لئے مغرب کی طرف پیش قدمی ضروری تھی۔ اس لئے بالآخر وہ دونوں علاقے بھی فتح کر لئے گئے۔

افریقہ کا علاقہ باقی رہ گیا تھا اور عمرو چاہتے تھے کہ ساتھ ساتھ اس کو بھی فتح دیا جائے۔ اور اس کے لئے انہوں نے خلیفہ رض سے مزید امداد بھی طلب کر لی تھی۔ لیکن خلیفہ عمر رض نے جو کہ اسلامی فتوحات کو فلسطین اور شام سے آگے بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ مزید پیش قدمی کی نہ اجازت دی اور نہ اس کے لئے مزید کمک روانہ کی۔ لہٰذا عمرو لاچار مصر واپس آ کر اپنے جدید دارالخلافہ فسطاط میں فروکش ہو گئے۔

مصر کی اصلاح اور خوش حالی | اب عمرو کے لئے سوائے اس کے کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ کہ وہ مصر کی اندرونی اصلاح اور ترقی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس کے باشندوں کو پہلے سے زیادہ خوشحال، متمدن اور جدید انتظامات کا ثنا خواں بنائیں۔ اسلامی عدل و مساوات کے مظاہروں سے ان کے دلوں کو مطمئن کریں۔ انسان کو ہر قسم کی مذہبی و شہری آزادی عطا کر کے ان کے دل و دماغ سے اس دور استبداد کی تلخی کو محو کر دیں جسے وہ رومیوں کی غلامی میں برداشت کرتے چلے آ رہے تھے۔

عمروؓ نے مصر پر نہایت نرم مزاجی اور اعتدال کے ساتھ حکومت کی۔ ہر علاقہ کے مقامی شرفاء اور چودھریوں کو حکومت میں حصہ دار بنایا، اور تمام انتظامی معاملات انہی کے مشوروں سے انجام دیتے۔ ابن عبدالحکم کا بیان ہے:-

"دیہات کے نمبردار اور مکھیا اس بات کے پابند تھے کہ ہر سال جمع ہوں۔ اور اپنے اپنے علاقہ کے زرعی حالات کو سامنے رکھ کر خود ہی سرکاری واجبات کا اندازہ پیش کر دیں جس کے مطابق وصولی عمل میں لائی جائے۔"

وصولی کے اس طریقہ سے اگر کبھی مقررہ مقدار سے زیادہ خراج حاصل ہوتا۔ تو اُسے بھی اُسی علاقہ کے رفاہِ عام کے کاموں پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

عمروؓ نے اہلِ مصر سے ٹیکسوں کا بوجھ اتنا ہلکا کر دیا تھا کہ کہنے والے یہاں تک کہتے ہیں کہ پورے طول و عرض سے صرف بارہ ہزار دینار وصول ہوتے تھے۔ اور بقول عرب مورخین یہ مقدار اُس مقدار سے بہت ہی کم تھی۔ جو مسلمانوں سے پہلے مقوقس اہلِ مصر سے وصول کرتا تھا۔ اور جو بیس ہزار دینار تھی۔ اور اس کے علاوہ بھی قسم قسم کے ظالمانہ انفرادی اور شخصی ٹیکسوں سے مدعیوں نے اہلِ مصر کی کمر توڑ رکھی تھی وہ اس کے علاوہ تھے۔ عمروؓ نے ان سب کو ختم کر کے حد مقرر کر دی۔ کہ فی کس دو دینار سالانہ سے زیادہ کسی متنفس سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ اور نابالغ بچوں، ضعیف بوڑھوں، عورتوں، مجنونوں اور مسکینوں سے یہ بھی نہیں لیا جائے گا۔

عمروؓ نے بطریق بنیامین کو خاص طور پر اپنا مشیر بنا لیا تھا۔ اور اُس نے بہت سے مفید مشورے پیش کیے مثلاً:-

۱۔ خراج اُس وقت وصول کیا جائے جب لوگ پیداوار تیار کر چکیں۔
۲۔ پانی کے نالے ہر سال کھدوا کر صاف کرائے جایا کریں۔
۳۔ نہر کے پلوں کی مرمت اور ان کے شگافوں کی درستی بروقت کرائی جایا کرے۔
۴۔ رعایا کے کاموں کی انجام دہی کے لئے بے رحم عامل کبھی مقرر نہ کیے جائیں۔

اس بارے میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ عمروؓ بن العاص نے ولایتِ مصر کے ابتدائی دور میں اعتدال سے بھی زیادہ نرمی سے کام لیا جس سے ان کا مقصد اہلِ مصر کو مانوس کرنا تھا۔ لیکن خلیفہ عمرؓ نے جزیہ خراج کے بارے میں نرمی کو پسند نہیں کیا۔ اور آخر کار اسی خلیج کے بخارات خلیفہ اور قائد کے تعلقات پر کشیدگی کے بادل بن کر چھا گئے۔

مصر کا تعارف اس کشیدگی کی ابتدا عمروؓ کی اس تحریر سے شروع ہوئی جو انہوں نے خلیفہ عمرؓ کو ان کے اس خط کے جواب میں بھیجی تھی جس میں حضرت عمرؓ نے مصر کا تعارف طلب کیا تھا۔ عمروؓ نے لکھا:۔

"امیرالمومنین اطال اللہ بقاءہ کا خط وصول ہوا جس میں انہوں نے مصر کا تعارف طلب فرمایا ہے ـــــ امیرالمومنین کو معلوم[1] ہو کہ مصر ایک زرخیز قریہ[2] اور سرسبز درخت ہے۔ جس کا طول ایک ماہ اور عرض دس دن[3] ہے۔ مٹی رنگ کے پہاڑوں[4] اور بھورے رنگ کے ریگستانوں[5] کی آغوش میں پڑا ہے۔ بیچ وسط میں اس کی صبح و شام کشتی دریائے نیل کرتا ہے جس کے قطرات خوش قسمتی کے حامل اور سفر و سیاحت[6] کی برکتوں سے پُر ہیں۔ اس کی رفتار اور قد و قامت چاند سورج کی طرح گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اور اس کے مدوجزر کے بھی اوقات[7] ہیں۔ اس پر ایک دور ایسا آتا ہے۔ جب وہ اپنی موج میں آکر دہنے والوں کی لوکیاں ہی نہیں بلکہ حوض کے حوض بھر دیتا ہے۔ جوش و خروش اور وجد میں آکر اپنے آپے سے بھی باہر نکل جاتا ہے۔ اور زمین اور پہاڑوں کے چشمے اس کو عالم وجد میں شاباش دے کر زیادہ سے زیادہ مست کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس مستی کے عالم میں اس کا جوش و خروش[8] قابل دید ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں آس پاس کے ساحلی دیہات ایک دوسرے سے بالکل کٹ جاتے ہیں۔ اور ملکی کشتیوں کے بغیر ان تک آمدورفت ممکن ہی نہیں رہتی۔ اس طرح اپنی طغیانی کا کمال دکھا لیتا ہے۔ تو پھر خود

۱۔ آسانی کے ساتھ قدم اٹھانے والا

۲۔ سبزیوں اور شاخوں والا

۳۔ یعنی پیدل چلنے والا اسے طولاً ایک ماہ میں اور عرضاً دس دن میں طے کر سکتا ہے

۴۔ اس کا احاطہ ایسے پہاڑ کرتے ہیں جو سیاہی مائل ہیں

۵۔ ایسا رنگ جو سفیدی، سرخی اور زردی سے مخلوط ہو۔

۶۔ پسندیدہ آمدورفت والا

۷۔ یعنی اس کے بڑھنے اور گھٹنے کے اوقات مقرر ہیں

۸۔ یعنی پانی کی زیادتی

ہی کمزور پڑتا اور اس کے[1] پاؤں واپس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنی سابق حالت کی طرف عود کرتا ہے[2]۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اس کے اہل ملک خواب خستہ اور دل شکستہ[3] حالت میں اپنے گھروں سے نکلتے ہیں۔ زمینوں کے پیٹ چاک کرتے اور اُن میں امیدوں کے بیج ڈالتے ہیں۔ اور اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں۔ کہ وہ ان کو بالیدگی اور نشو و نما عطا کرے۔ جب ان کی دعائیں زمین کے اندر سے ابھر کر کھیتوں کی شکل میں لہلہاتے اور دیکھنے والوں کے سامنے نظارے[4] پیش کرنے کے قابل ہو جاتی ہیں۔ تو پھر انہیں معمولی شبنم یا بارش ہی کافی ہو جاتی ہے[5]۔

یہ ہے اے امیر المؤمنین آپ کا مصر جسے سفید موتی کہہ لیجئے تب بھی درست ہے۔ اور سیاہ عنبر، سبز زمرد[6] اور نقشین دیباج کہہ لیجئے۔ سب کچھ درست ہے۔ اللہ برکت کرے اس کی خشکی اور تری میں۔ ترقی دے اس کے باشندوں اور رہنے والوں کو۔ برقرار رکھے اس کے اہالی موالی کو۔ اور توفیق دے اس بات کی کہ ان کے کمتروں کی شکایات بہتروں کے خلاف سنی جائیں۔ اُن کا خراج قبل از وقت وصول کر کے انہیں پریشان نہ کیا جائے۔ وصولیات کی ایک تہائی رقم اُن کے پلوں اور نالوں پر خرچ کی جائے۔

اگر اس کے حکام و عمال نے اس نقشہ پر کام کیا تو وہ دن دور نہیں جب اس کی پیداوار کے ساتھ وصولیات میں بھی دگنا اضافہ ہو گا ———— اوّل و آخر کی سب توفیق

---

١ یعنی زمین میں جذب ہو جاتا ہے

٢ اسی تیزی کے ساتھ کم ہو جاتا ہے جس تیزی کے ساتھ بڑھا تھا۔ بعض نسخوں میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ جیسے شروع میں تیزی کے ساتھ بڑھا اور شدت کے ساتھ بلند ہوا تھا۔

٣ ایک روایت میں ہے کہ "اس وقت قوم نکلتی ہے کہ اپنی وادیوں میں کھیتیاں بوئے"

٤ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "یہاں تک کہ جب نمایاں ہو جائے اور بلند ہو جائے"

٥ ایک روایت میں یہ ہے کہ "وہ اپنی غذا زمین کے نیچے سے حاصل کرتی ہے۔ اس وقت اس کے دوہنے والے دودھ حاصل کرتے ہیں اور اس کی کمیاں کم ہو جاتی ہیں یعنی اس کے محصولات بڑھ جاتے ہیں

٦ ایک روایت میں یہ ہے کہ "اچانک وہ سبز رنگ کا زبرجد بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔"
مسلم مؤرخین نے لکھا ہے کہ:۔۔۔۔ حضرت عمرؓ کے پاس عمروؓ کا خطبہ پہنچا تو پڑھنے کے بعد فرمایا:۔
"ابن عاص، اللہ تمہیں خوش رکھے، تم نے تو مصر کا ایسا تعارف کرا دیا۔ جیسے میری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو۔"

خراج کا قضیہ خلیفہ عمرؓ کے دل میں عمرو بن العاص کی طرف سے بدگمانیاں شروع ہو گئیں۔ ان بدگمانیوں کا پس منظر یہ تھا کہ عمروؓ نے خراج کی مقدار ایک کروڑ بیس لاکھ دینار وصول کی۔ حالانکہ مقوقس دو کروڑ دینار وصول کرتا تھا۔ اور اس بارے میں دونوں کے درمیان مراسلات جاری رہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ غلط فہمی کس حد تک بڑھ چکی تھی۔
ایک مرتبہ خراج پہنچنے میں دیر لگ گئی۔ خلیفہ عمرؓ نے مندرجہ ذیل خط لکھا:۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر بن خطاب کی طرف سے عمرو بن العاص کے نام۔ السلام علیکم
اما بعد! میں تمہارے برتاؤ پر فکر مند ہوں۔ تمہاری سرزمین وسیع بھی ہے۔ اور رفیع المرتبہ بھی۔ باشندے بھی وہاں کے کثیر التعداد، مضبوط اور طاقتور تھے۔ فراعنہ مصر نافرمان اور کافر تھے تو کیا، انہوں نے مصر کی زمین پر تو پوری توجہ دے کر اسے آباد کر رکھا تھا۔ اب مجھے ایسی زمین کے خراج کی ایسی سست رفتار وصولی پر بہت تعجب ہو رہا ہے۔ کہ باوجود خراج سابق حکومتوں کے خراج سے نصف بھی نہیں ہے۔ اور ان سالوں میں وصول ہو رہا ہے۔ جن میں قحط اور خشک سالی کا بھی کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔
اس بارے میں میں تمہارے متعدد خطوط بھی ارسال کر چکا ہوں۔ اور امید کرتا رہا ہوں کہ کبھی تو غفلت سے بیدار ہو گے۔ اور کانٹ چھانٹ کے بغیر پورا پورا خراج روانہ کرو گے۔ لیکن تم ہو کہ برابر حد درجے لنگ پیش کر کے اپنی جگہ مطمئن ہو جاتے ہو۔ تمہارے عذرات میرے نزدیک درست نہیں۔ میں کسی حال میں بھی اس سے کم خراج قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جو تم سے پہلے کی حکومتیں وصول کرتی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ تمہیں میرے خطوط پڑھ کر انقباض کیوں ہو جاتا ہے۔ اگر تم کافی جدوجہد کرتے رہنے کے بعد بھی کامیاب نہیں ہو رہے ہو تو تمہارے طرز میں قدرتاً جان ہونی چاہیئے۔ اور عذر واقعی لامحالہ قبولیت حاصل کر کے رہتا ہے۔ اور اگر تم خراج کی رقم

برباد اور خرد برد کر رہے ہو۔ تو پھر معاملہ تمہاری خواہشات کا تابع نہیں رہے گا۔ میں نے گذشتہ سال تمہاری جانچ پڑتال صرف اس لئے نہیں کی۔ کہ تم آئندہ سال ہوشیار ہوجاؤ گے اور خراج کو مطلوبہ سطح پر لے آؤ گے۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ کہ تمہارے بدنیت عمال تمہیں کبھی ایسا نہ کرنے دیں گے۔ کیونکہ وہ خیانت کرتے ہیں اور تمہاری پناہ لے کر کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھ لو کہ میرے پاس اس کا بھی شافی علاج موجود ہے

ابو عبداللہ! گھبراؤ نہیں تم سے حق وصول کیا جائے گا اور تمہیں دینا پڑے گا۔ کیونکہ دریا موتیوں کو اپنی تہہ میں زیادہ عرصہ تک پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ حق جو کچھ بھی ہے وہ پوری طرح واضح ہے۔ بات کھل کر سامنے آچکی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ کچھ پوشیدہ رہ گیا ہے۔[1] والسلام

خلیفہ رضہ کے طرز خطاب نے عمروؓ کو غضب ناک کر دیا۔ اور انہوں نے اپنے اور اپنے عمّال پر لگائے جانے والے الزامات کو دور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل جواب بھیجا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے امیرالمومنین کی خدمت میں عمروؓ بن العاص کی طرف سے حمد باری اور سلام مسنون کے بعد۔ امیرالمومنین کا خط موصول ہوا جس میں تاخیر خراج کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے فراعنۂ سابقہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور اور اس بات پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ اسلامی دور کا خراج اُن کے خراج سے کم کیوں ہے۔ امیرالمومنین اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ اُن کے زمانے میں زمین زیادہ آباد تھی۔ اور یہ ان کی کافرانہ اور دنیا پرست زندگی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ زمین پر اپنی پوری قوت صرف کرتے تھے بخلاف مسلمانوں کے —— آپ نے جو کہا ہے۔ کہ نہر موجود ہے مگر دودھ نہیں دیتی۔ سو عرض ہے کہ جتنا دودھ وہ دے سکتی تھی۔ میں نے اس کا آخری قطرہ تک نکال لیا ہے۔

---

[1] یہ بات ظاہر ہے کہ اس مراسلہ کی تاریخ تقریباً ۲۳ھ ہے (فتح العرب لمصر ص ۲۱۹)

[2] اسد بن عمرو دستاہ کا بیان ہے کہ زمانہ ۶؎ میں مصر کا خراج نو کروڑ ساٹھ لاکھ دینار تھا (اعلاق النفیسہ جلد ۱ ص ۸۱) مقریزی کے بیان کے مطابق نو کروڑ دس لاکھ تھا

ابن وجیہ کا بیان ہے کہ اس زمانہ کا دینار اسلامی زمانہ کے دینار سے تین گنا زیادہ قیمت کا تھا۔

آپ کا نہایت تہدید آمیز خط ملا جس میں آپ نے بہت سخت الفاظ میں مجھ پر تنقید کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پس منظر کوئی ایسا جذبہ ہے۔ جسے آپ ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ اور اسی لئے آپ نے مجھے ایسی باتیں لکھی ہیں۔ جو میرے لئے حد درجہ دل شکنی کا باعث ہیں۔ حالانکہ آپ کے شایان شان یہ بات تھی کہ آپ سنجیدہ، فیصلہ کن اور پُر معنی باتیں کرتے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اوّل کے عہد میں بھی عامل رہے ہیں۔ اور بحمد اللہ امانت داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے اور اپنے پیشواؤں کے حقوق کی حفاظت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا کام ہم نے کسی زمانہ میں نہیں کیا۔ اور اس کی تصدیق آپ خود بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کے ذلیل لقموں سے مجھے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ بالخصوص آپ کے اس مراسلہ کے بعد جس میں آپ نے نہ اپنے بھائی کی آبرو باقی رکھی ہے اور نہ اس کا لحاظ ہی کیا ہے۔

اے ابن خطاب! خدا کی قسم جب سے میری طرف الزامات منسوب کیئے گئے ہیں، خود اپنے نفس پر شدید غضب ناک ہو رہا ہوں۔ حالانکہ وہ ان سب الزامات سے پاک اور صاف ہے جن کا تعلق اس کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ میرے ذمہ براہ راست جن لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہے وہ آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ اور حالات یہ ہیں کہ اگر میں یثرب کے یہودیوں جیسا بھی سخت گیر ہو جاؤں تب بھی اس مقدار پر زیادتی نہ کر سکوں گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے اور میرے دونوں کے گناہ معاف فرمائے۔

کچھ باتیں میرے علم میں ایسی بھی تھیں جنہیں لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ قلم بے اختیار ان کی طرف پھیلا جا رہا تھا۔ لیکن آپ کا مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا بنایا ہے۔ اور میں اُسے کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ والسلام۔"

اس خط و کتابت کے بعد بھی خراج کی الجھن دور نہ ہوئی۔ اور فریقین کے مابین برابر کشیدگی بڑھتی چلی گئی۔ تنبیہی اور زد یدی مراسلات اس کے بعد بھی آتے جاتے رہے۔ اس سلسلہ کا آخری خط جو خلیفہ کی طرف سے عمرو کے نام آیا وہ مندرجہ ذیل تھا۔

"عمر بن الخطاب، کی طرف سے عمرو بن العاص کے نام۔ السلام علیک، حمد باری تعالےٰ۔

کے بعد...... سخت افسوس ہے کہ میں تمہارے پاس متعدد خطوط تاخیر خراج کے بارے میں لکھ چکا ہوں۔ لیکن تم ہو کہ اُن سب کو گول کر جاتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میں تم سے صرف اسی حال میں راضی ہو سکتا ہوں جب تم اپنے معاملات کو صاف رکھو۔ میں نے تمہیں مصر اس لئے نہیں بھیجا تھا۔ کہ اُسے تمہارے نفس اور تمہاری قوم کے لئے لقمہ بنا دوں۔ بلکہ اس لئے روانہ کیا تھا کہ مجھے تمہاری ذات سے امید تھی کہ اپنی قابلیت اور حسن تدبیر سے پورا پورا خراج وصول کرو گے ـــــــ دیکھو میرا یہ خط ملتے ہی فوراً خراج روانہ کر دو۔ اس لئے کہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ میرے پاس اُن لوگوں کی کتنی تعداد ہے جن کا انحصار اسی آمدنی پر ہے۔ والسلام۔"

عمروؓ بن العاص نے اس کا یہ جواب دیا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں عمرو بن عاص کی طرف سے۔ **امابعد**۔ امیرالمومنین کا خط وصول ہوا۔ جس میں آپ نے تاخیر خراج کی شکایت کرتے ہوئے گمان ظاہر کیا ہے۔ کہ میں حق کے راستے سے منحرف ہو گیا ہوں۔ میں قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ آپ نے جس مفاد کا ذکر کیا ہے۔ اُس سے مجھے قطعاً انکار نہیں ہے حقیقت تو یہ ہے کہ زمینداروں نے مجھ سے غلہ کی تیاری تک مہلت مانگ رکھی ہے۔ اور میں انہیں مہلت دے چکا ہوں۔ اب ان کے ساتھ نرمی ہی مناسب ہے۔ سختی کی جائے گی۔ تو پھر وہ اپنی اصلی ضروریات فروخت کر کے خراج ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ جو کسی طرح بھی قرینِ اخلاق و انصاف نہیں ہے۔"

لیکن خلیفہ عمرؓ کی بدگمانی اس کے بعد بھی دور نہ ہوئی اور انہوں نے عمروؓ سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ باشندگانِ مصر میں سے کسی آدمی کو میرے پاس روانہ کر دو۔ چنانچہ عمروؓ نے ایک قبطی کو بھیج دیا۔ خلیفہ نے اس سے خراج کے سابقہ حالات دریافت کئے۔ تو اس قبطی نے مندرجہ ذیل جواب دیا:۔

"اے امیرالمومنین تیاری اور آبادی کے بغیر کبھی خراج وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن آپ کے عامل ایسے ہیں کہ تیاری و آبادی کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اور جو چیز اُن کے سامنے آجاتی ہے اسی کو ہتھیا لیتے ہیں۔ اور ایسی سختی سے وصول کرتے ہیں

کہ گویا آج کے بعد انہیں پھر کبھی ہم سے کوئی واسطہ ہی نہ پڑے گا۔"

خلیفہ عمرؓ نے تقسیم خراج کے طریقہ سے بھی عمروؓ کو آگاہ کرنا چاہا اور اس سلسلہ میں لکھا کہ :-

"...... اما بعد۔ میرے رجسٹر میں جن آدمیوں کا اندراج ہے۔ اُن کے لئے بھی اور اُن کے علاوہ وہ لوگ جو مدینہ سے آکر تمہارے کام میں شریک ہوں۔ یا وہ جو تمہارے پاس آئیں یا دوسرے شہروں میں موجود ہوں۔ اُن سب کے لئے میں نے وظائف مقرر کر دیئے ہیں۔ تم بھی اس بات کا خیال رکھو۔ کہ جس شخص کا میں نے وظیفہ مقرر کر دیا ہے اور وہ تمہارے پاس آجائے تو تم اُسے اور اُس کے بچوں کو مقررہ وظیفہ ادا کر دینا۔ اور جن کا وظیفہ ابھی تک میری طرف سے مقرر نہیں ہو سکا اور وہ تمہارے پاس پہنچ جائیں۔ تو تم میرے مقرر کردہ معیار کے مطابق ان کا وظیفہ خود مقرر کر دینا۔ میں نے خود تمہارا جو وظیفہ مقرر کیا ہے۔ وہ دوسرے سب قائدین سے زیادہ دو صد دینار ہے۔ تم مسلمانوں کے عامل ہو۔ اور تمہاری ضروریات کی وسعت کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔ اس لئے میں نے کافی وظیفہ مقرر کیا ہے۔ اب تمہیں چاہیئے۔ کہ خراج کی مقدار بڑھانے کی کوشش کرو۔ اور اس میں سے اپنا مقررشدہ حق وصول کر کے باقی ماندہ میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات نکال لو۔ اس کے بعد جو بچ جائے اُسے میرے پاس بھیج دو۔ اور یہ بھی واضح رہے۔ کہ سرزمین مصر چونکہ زمین صلح ہے۔ اس لئے اس پر خمس واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پیداوار مسلمانوں کے لئے فے ہے۔ اس میں سے سب سے پہلے اُن مسلمانوں کے حقوق ادا کرو جو سرحدات پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور جنہوں نے سب مسلمانوں کو حفاظت کی ذمہ داریوں سے مستغنی کر رکھا ہے۔ اس لئے اُن کی خدمات کا پورا پورا صلہ انہیں ملنا چاہیئے۔ اِن کے بھگتان کے بعد جو کچھ بچے اس کی تقسیم کتاب اللہ[1] کے مصارف میں کرو۔ عمروؓ اس بات کو کبھی نہ بھولنا۔ کہ اللہ تعالےٰ تمہیں اور تمہارے اعمال کو یقیناً دیکھ رہا ہے۔ تمہاری حفاظت میں اہلِ ذمہ ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ وفائے عہد کی خاص طور پر وصیت فرمائی ہے۔ اور اس وصیت میں قبطیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا ہے

---

[1] یعنی قرآن کریم کی اشاعت میں

اور فرمایا ہے کہ "اِسْتَوْصُوْا بِالْقِبْطِ فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَّرَحِمًا (قبطیوں کے بارے میں نصیحت قبول کرو۔ اس لئے کہ وہ ذمی بھی ہیں اور قرابت دار بھی) قرابت داری یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی والدہ اُن ہی میں سے تھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "من ظلم معاهدا او كلفه فوق طاقته فانا خصمه يوم القيامة" یعنی جس شخص نے کسی معاہد ذمی پر ظلم کیا یا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا تو میں اس کی طرف سے قیامت کے دن جھگڑا کروں گا" ـــــ اے عمرو! اس بات سے ہمیشہ ڈرتے رہو کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے فریق مخالف نہ بن جائیں۔

اے عمرو خدا کی قسم! اس امت کی ذمہ داری مجھ پر بہت گراں ہے۔ اور میں اپنے آپ میں نقاہت محسوس کرتا ہوں۔ میری رعیت منتشر ہے اور میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس حال میں اٹھالے کہ میں کسی پر زیادتی کرنے والا نہ ہوں۔ خدا کی قسم میں ڈرتا ہوں کہ اگر تمہاری سختی سے ایک بوڑھا بھی ضائع ہو گیا تو اس کی بازپرس بھی اللہ تعالیٰ مجھ سے کرے گا۔"

خلیفہ عمرؓ نے محض تنبیہات ہی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اُن کے خلاف عملی قدم اٹھاتے ہوئے اُن کے مال کو تقسیم بھی کروالیا۔

بلاذری کا بیان ہے کہ[1]:-

"خلیفہ عمرؓ کا معمول تھا کہ جب کسی شخص کو کہیں عامل بنا کر بھیجتے۔ تو ان کی موجودالوقت ملکیتوں کی فہرست تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ پھر اگر دوران ملازمت اس میں اضافہ دیکھتے تو اس میں سے کبھی نصف سے لیتے اور کبھی سارا سارا اضافہ لے لیتے تھے[2]۔ چنانچہ اسی عادت کے مطابق انہوں نے عمروؓ کو لکھ دیا کہ:-

"تمہارے سامان، غلاموں، برتنوں اور جانوروں میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے تمہارا یہ حال عامل بننے سے پہلے نہیں تھا[3]۔"

---

[1] بلاذری، ص ۲۲۳

[2] امیر المؤمنین فاروق اعظم کا معمول تھا۔ کہ جب کسی عامل کو کسی جگہ مقرر کر کے بھیجتے تھے۔ تو اس کے سوا جات منتخبی (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کے جواب میں عمرو نے لکھا کہ "ہماری سرزمین تجارت اور زراعت کا مرکز ہے۔ اور ہم انہی ذرائع سے مزید دولت پیدا کر لیتے ہیں۔"

خلیفہ عمرؓ نے اس پر لکھا کہ :۔

"مجھے بُرے عمال کے بارے میں کافی اطلاعات مل چکی ہیں۔ اور تمہارا مراسلہ ایسے شخص کا مراسلہ معلوم ہوتا ہے جسے حق کی گرفت نے بوکھلا دیا ہو۔ اس لئے مجھے تمہارے بارے میں شک ہو گیا ہے۔ اور میں محمد بن مسلمہ کو تمہارا مال تقسیم کرنے کے لئے بھیج رہا ہوں۔ انہیں پوری اطلاعات بہم پہنچا دو۔ اور جس جس چیز کا وہ مطالبہ کریں۔ بلا تردد پیش کر دو۔ اور اگر وہ سختی سے پیش آئیں تو انہیں معذور سمجھو۔ اس لئے کہ اب پردہ فاش ہو چکا ہے۔"

عمروؓ نے خلیفہ کے منشا میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ ابن مسلمہ نے مال تقسیم کر لیا۔ نیز سخت گیری کی کوئی نوبت نہیں آنے دی۔ لیکن خلیفہ رضؓ کے اس برتاؤ سے عمروؓ کو بے حد صدمہ ہوا اور اسی صدمہ میں انہوں نے محمد بن مسلمہ سے کہا :۔

"یہ گھڑی بڑی ہی منحوس گھڑی ہے۔ جس میں ابن حنتمہ ہمارے ساتھ یہ معاملہ کر رہا ہے۔ میرے والد عاص کوئی گرے پڑے آدمی نہیں تھے۔ ان کا لباس خز اور دیباج سے کم درجہ کا نہیں ہوتا تھا۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ بکر کے اُسے بتا دیتے تھے کہ تمہیں اُس علاقہ سے اس قدر رقم وصول کرنی ہے۔ اگر کوئی عامل اس مقدار سے زیادہ وصول کرتا تو کبھی زائد مقدار تمام کی تمام لے لیتے اور کبھی تقسیم کر لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے شام میں خالدؓ بن ولید کے پاس ایک محاسب بھیج کر حکم دیا تھا کہ وہ اپنے نصف مال سے دستبردار ہو جائیں۔ بعض حوالجات میں لکھا ہے کہ خالد کے محاسبہ میں اتنی سخت گیری سے کام لیا گیا تھا کہ ان کے جوتے تک کو تقسیم کر کے ایک ان کو دے دیا گیا تھا اور دوسرا ضبط کر لیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنے عمال سے فرمایا کرتے تھے کہ "ہم نے تمہیں والی بنا کر بھیجا ہے تاجر بنا کر نہیں بھیجا۔"

حضرت عمرؓ کی اپنے عمال کے ساتھ اس سخت گیری کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ ان کے وقار اور حکومت کو ضعف پہنچایا جائے۔ اس لئے کہ عامل اور والی اپنے اپنے علاقہ کے مطلق العنان فرماں روا تھے اور خود حضرت عمرؓ جیسے اختیارات کے مالک تھے۔ لیکن یہ سب اس شرط کے ساتھ تھا کہ وہ عدل و انصاف سے کام کریں۔

محمد نے اس کا جواب یہ دیا کہ :-

"بہ ظلم کیا کہ رہے ہو ہوش کرو۔ اگر ابن حنتمہ کا زمانہ نہ ہوتا تو تمہاری ماں نشین اس سے آگے نہ بڑھ سکتی۔ کہ گھر کے صحن میں ایک بکری باندھ لیتے۔ وہ دودھ دیتی تو تم ہنسنے لگتے۔ اور وہ رہ تی تو تم بھی اس کے ساتھ مل کر رونے لگتے"۔

اس پر عمرو بولے :-

"محمد! میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری بات خلیفہ عمرؓ سے نہ کہنا۔ اس لئے کہ مجالس میں امانت داری ضروری ہے"۔

محمد نے مطلق کر دیا کہ جب تک عمرؓ زندہ ہیں اس وقت تک میں یہ گفتگو کسی کے سامنے بھی نقل نہیں کروں گا

عمرو بن العاص، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت تک مصر کی گورنری پر قائم اور عدل و انصاف کی بنا پر قبطیوں کے محبوب بنے رہے۔ اندرون ملک بہت سی اصلاحات جاری کیں، سیاسی نظم و نسق قائم کیا۔ جگہ جگہ نیل کی اندازہ گاہیں تعمیر کیں۔ حوض بنائے۔ پل تعمیر کئے۔ غرض اہلِ مصر کے ہر گونہ مفادات کو خود اپنا نصب العین سمجھ کر پورا کیا۔ اور ان کار گذاریوں کی احسان مندی میں اہلِ مصر بھی پوری طرح اُن کے مطیع اور گرویدہ رہے۔

خلیفہ حضرت عمرؓ اپنے آخری دور میں عمروؓ سے انتہائی طور پر بدظن ہو گئے تھے۔ اور ایسے کئی اقدام کر گذرے تھے۔ جن سے اُن کے مصری وقار کو صدمہ پہنچے۔ جن میں سب سے زیادہ خطرناک اقدام یہ تھا کہ انہوں نے عمروؓ کے متوازی بالائی مصر اور اقلیم فیوم کا حاکم اور محصلِ خراج عبداللہ بن ابی سرح کو بنا دیا تھا۔

بالآخر خلیفہ دوم حضرت عمرؓ ذی الحجہ ۲۳ھ کے آخری دنوں میں شہید کر دیئے گئے۔ اور اُن کی شہادت کے ساتھ عمرؓ اور عمروؓ کے باہمی اختلافات کا بھی ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

(۲۳)

حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ

"تعریف اُس اللہ کے لئے جس نے ہمیں اپنے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے شرف بخشا
اور آپ کے ذریعے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا میں
نے اپنے باپ عاص بن وائل کو بھی دیکھا ہے۔
اور تمہارے باپ عفّان کو بھی۔ خدا کی قسم عاص
تمہارے باپ سے زیادہ اشرف تھے....."

عمروؓ بن العاص
معزولی کے بعد عثمانؓ بن عفان سے

انتخاب عثمان رضؓ

خلیفہ عمرؓ زخمی کر دیئے گئے تو لوگوں نے عرض کیا: — "آپ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔" تو فرمایا: —

"اگر ابو عبیدہؓ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔ اور میرا رب سوال کرتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبیؐ کو ان کے بارے میں کہتے سنا تھا۔ کہ وہ اس امت کے امین ہیں — اگر سالمؓ مولیٰ بن حذیفہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بناتا اور میرا رب سوال کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبیؐ سے سنا تھا۔ کہ سالم سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔"

ایک شخص نے عرض کیا: — "میں اس کے لئے عبداللہ بن عمرؓ کا نام پیش کرتا ہوں۔" اس پر فرمایا کہ: —

"تیرا برا ہو، تو نے کیسی افسوسناک بات کہی۔ اور تیرا اس سے کیا مقصد ہے! کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں جو اپنی عورت کی طلاق سے عاجز آگیا۔ ہمیں تمہارے معاملات میں پڑنے کا کوئی لالچ نہیں ہے۔ خود میں نے کون سا قابلِ تعریف کام کیا ہے جو اپنی اولاد کے لئے بھی اس کو پسند کروں۔ اگر یہ ذمہ داری خیر تھی تو ہم نے اس کا کافی حصہ پا لیا۔ اور اگر شر تھی تو اس کی ساری برائی عمرؓ کے ذمہ رہے تو بہتر ہے۔ آلِ عمرؓ کی طرف سے بہتر ہے کہ ایک ہی فرد خدا کے حضور میں جواب دہی کرلے۔ . . . . تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جن کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ اہلِ جنت ہیں . . . . جن میں سے ایک سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل ہیں — جنہیں میں داخل کرنا نہیں چاہتا۔ باقی چھ یہ ہیں: — عبدمناف کے بیٹے علیؓ اور عثمانؓ۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ماموں عبدالرحمٰنؓ اور سعدؓ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور پھوپھی زاد زبیرؓ بن العوام اور طلحہؓ بن عبید اللہ۔ وہی ان میں سے کسی کو منتخب کرلیں۔ اور جب کوئی منتخب ہو جائے تو پھر تمہارا فرض ہے کہ پوری طرح اس کی مدد کرو اور اسے تقویت پہنچاؤ۔"

یکم محرم سنہ ۲۴ھ ر، نومبر سنہ ۶۴۴ء کو عثمان رضؓ پر اتفاقِ رائے ہو گیا اور وہ حضرت عمرؓ کے جانشین بنا دیئے گئے۔ مسلمانوں کی تمام ذمہ داری انہوں نے سنبھال لی۔ اور وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم

سے کنارہ کشی کر کے تیسرے خلیفہ ہو گئے۔

حضرت عثمان اور عمرو بن العاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص کی باہمی کشیدگی کا علم تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی اس بنیاد پر قائم تھی کہ اپنے قرابت داروں اور ان لوگوں کو مناصب دیئے جائیں جن سے رشتہ داری کا رابطہ ہو۔

دوسری پالیسی ان کی یہ تھی کہ محکمہ جنگ اور محکمہ مال کو جدا کر دیا جائے۔

مصر میں جنگ اور خراج دونوں محکمے عمرو بن العاص ہی کے پاس تھے، اور اسی بنا پر ان کے اختیارات اور ان کا تسلط مصر میں بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔

عمرو طبعاً کچھ سرکش واقع ہوئے تھے۔ اس لئے جلد ہی ان کی سیاست خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست سے متصادم ہو گئی۔ اور باہمی اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ عمرو بن العاص صرف امور حربیہ کے والی ہوں۔ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح جو خلیفہ سابق کی طرف سے بالائی مصر کے حاکم ہیں، امور مال کے منتظم ہو جائیں۔

لیکن عمرو نے عبد اللہ کو مالیات کا چارج دینے سے انکار کر دیا۔ اور ان دونوں کے درمیان بھی کشمکش شروع ہو گئی۔ اور دونوں اپنی اپنی شکایات خلیفہ کے پاس پہنچانے لگے۔ خلیفہ کا میلان عمرو کی بہ نسبت عبد اللہ کی طرف زیادہ تھا۔ اس لئے کہ وہ ان کے رضاعی بھائی تھے۔ چنانچہ انہوں نے عمرو کو ولایت مصر کے تمام امور سے معزول کرتے ہوئے حکم دے دیا کہ تمام امور کی کلی ذمہ داری عبد اللہ ہی کے سپرد کر دی جائے۔[1]

معزولی کی تاریخ مؤرخین کے درمیان اس معزولی کے سال کی تعیین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ عمرو کی معزولی منویل کے اسکندریہ پر قبضہ سے پہلے عمل میں آ چکی تھی۔ جب منویل اسکندریہ پر پوری طرح قابض ہونے کے بعد مزید پیش قدمی کرتا ہوا نشیبی مصر کی طرف بڑھنے لگا، یہاں تک کہ قلعہ بابلیون کے قریب پہنچ گیا۔ تو خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو کو بلا کر منویل کی سرکوبی کے لئے دوبارہ مصر روانہ کیا۔[2]

---

[1] بلاذری ص ۲۱۴

مقریزی جلد ۱ ص ۲۹۷ و ص ۲۹۹

[2] ایک روایت کے مطابق اہل مصر نے جب دیکھا کہ منویل کے مقابلہ میں عرب شکست کھاتے جا رہے ہیں۔ تو

(باقی اگلے صفحہ پر)

ابن اثیر معزولی کا سال ۲۶ھ بتاتا ہے۔

طبری کے نزدیک معزولی ۲۷ھ میں ہوئی۔ اور اس نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ خلیفہ عثمان رضؓ نے عمروؓ بن العاص سے وصولی خراج کا محکمہ لے کر عبداللہ کے حوالے کر دیا تھا۔ جس سے دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ عبداللہؓ نے خلیفہ کو لکھا کہ:۔ عمروؓ نے خراج کی مقدار بہت کم کر دی ہے۔" عمروؓ نے لکھا کہ:۔ "عبداللہ میری تدابیر جنگ کو ناکام بنا رہا ہے۔" جس پر خلیفہ عثمان رضؓ نے عمروؓ کو لکھا کہ تم مصر کو چھوڑ کر واپس آجاؤ۔"

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے مندرجہ ذیل قرائن کی بنا پر طبری کی تائید کی ہے:۔

اولاً: یہ کہ خلیفہ عثمان رضؓ نے عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو افریقہ کی جنگ پر ۲۷ھ میں روانہ کیا ہے اور یہی وہ سال ہے جب رومی اسکندریہ پر قابض ہوئے۔"

ثانیاً: یہ کہ عبداللہ جنگ افریقہ میں کم از کم ایک سال تین ماہ مصروف رہے اور اس سے کم مدت قرین قیاس بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسلمان اپنے مرکز سے بہت دور تھے جنہیں آسانی کے ساتھ کمک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اور اس کے بالمقابل رومی افواج کا سلسلہ مواصلات، امداد و رسانی غیر منقطع اور مربوط تھا۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے معقول اندازہ یہی ہے کہ عبداللہ کی مصر کی طرف واپسی اسی وقت ہوئی۔ جب خلیفہ عثمان رضؓ نے ان کے لئے خمس الخمس (پچیسواں حصہ) مقرر کیا تھا۔ اور اس کا سال ۲۶ھ تھا۔

ثالثاً: یہ کہ "طبری کی روایت ہے کہ خلیفہ عثمان رضؓ نے عمروؓ کو خراج مصر سے ہٹا کر ان کی جگہ عبداللہ بن سعد کو مقرر کر دیا تھا جس کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے اور اپنی اپنی شکایات خلیفہ کے پاس بھیجنے لگے۔"

ظاہر ہے کہ اس شکوہ شکایت اور پھر خلیفہ کے غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنے میں بھی یقیناً کچھ نہ کچھ وقت ضرور خرچ ہوا ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انہوں نے خلیفہ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ عمروؓ کو مصر بھیج دیں تاکہ وہ رومی افواج کا مقابلہ کریں، اس لئے کہ وہ جنگ کے ماہر بھی ہیں اور دشمن کے دل پر ان کا رعب بھی ہے چنانچہ خلیفہ نے ان کی خواہش پوری کر دی۔

لہ تاریخ عمرو بن العاص صفحہ ۱۹۹

بنا علیہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن[1] کی رائے ہے کہ عمروؓ کی معزولی رومیوں کے قبضۂ اسکندریہ کے بعد ۲۱ھ کے اخیر یا ۲۲ھ کے شروع میں پیش آگئی ہے۔ اور یہ رائے اس لئے بھی قابل ترجیح ہے۔ کہ عبداللہ بن سعد مصر کے والی افریقہ کی جنگ کے بعد بنائے گئے۔ اور جب یہ بات ثابت ہے تو پھر یہ رائے قابل قبول نہیں رہتی کہ ان کی معزولی ۲۵ھ یا اس سے پہلے عمل میں آئی ہے۔

معزولی کے بعد مورخین اس بارے میں بھی مختلف الرائے ہیں۔ کہ معزولی کا زمانہ عمرو بن العاص نے کس مقام پر گذارا۔

بعض کا خیال ہے کہ وہ مصر ہی میں رہے یہاں تک کہ منویل کا حملہ پیش آگیا۔ اور خلیفہ نے مصر ہی میں ان کے پاس قیادت سنبھالنے کا حکم بھیج دیا۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ مکے چلے گئے تھے اور خلیفہ کا حکم انہیں وہیں ملا۔

بعض کا خیال ہے کہ وہ مدینہ آ گئے تھے۔

بعض نے لکھا ہے کہ وہ کچھ عرصہ مدینہ میں قیام کرنے کے بعد فلسطین جا کر گوشہ نشین ہو گئے تھے[2] لیکن اس دوران میں کبھی کبھی مدینہ بھی آ جاتے تھے۔

عمرو کے ساتھ ایک بات معزولی کا اثر عمروؓ کے دل و دماغ پر بہت گہرا پڑا۔ اور وہ خلیفہ کے خلاف غم و غصہ سے بھر گئے۔ اور کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ معزولی کے بعد مدینہ آئے اور خلیفہ کی سوتیلی بہن جو اُن کے نکاح میں تھی اُس کو طلاق دے دی[3]

ایک مرتبہ عمروؓ خلیفہ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ وہ روئی کا ایک یمنی جُبّہ پہنے ہوئے تھے اور ان دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:۔

عثمانؓ۔ تمہارے جبہ میں کیا بھرا ہوا ہے؟

عمروؓ۔ اس کے اندر عمروؓ بھرا ہوا ہے۔

عثمانؓ۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ روئی ہے یا کوئی اور چیز؟ خلیفہؓ نے بات کو ختم کرتے ہوئے عبداللہ بن سعد کے بارے میں سوالات شروع کر دیئے۔

---

[1] ڈاکٹر حسن ابراہیم کی رائے۔ بحوالہ تاریخ عمرو بن العاص صفحہ ۲۰۰

[2] فلسطین میں عمرو کا ایک محل تھا جس کا نام "العجلان" تھا

[3] طبری جلد ۵ صفحہ ۱۰ و صفحہ ۱۰۹

عثمانؓ:۔ تم نے عبداللہ کو کس حال میں چھوڑا؟
عمروؓ:۔ جس حال میں آپ پسند کریں۔
عثمانؓ:۔ اس کا کیا مطلب؟
عمروؓ:۔ اپنی ذات کے لئے بڑے طاقتور اور اللہ کے لئے بے حد کمزور
عثمانؓ:۔ میں نے تو انہیں حکم دیا تھا کہ وہ تمہارے نقشِ قدم پر چلیں۔
عمروؓ:۔ آپ نے اس کی طاقت سے باہر حکم دیا۔

طبری کی روایت ہے کہ عمروؓ نے معزولی کے بعد خلیفہ کی بدگوئی شروع کر دی تھی۔ اس لئے انہوں نے انہیں تنہائی میں بلاکر دریافت کیا۔

عثمانؓ:۔ اے نابغہ کے بیٹے تیری بزدلی کے گریبان میں اتنی جوئیں آخر کس بات نے پیدا کر دی ہیں۔ کیا تم سالِ اول ہی سے عامل رہتے نہیں آرہے تھے۔ اب میری بدگوئی کرتے پھرتے ہو۔ میرے سامنے کیسے تیور لے کر آتے ہو۔ اور پیٹھ پھیرتے ہی تمہارے تیور یکدم کیسے بدل جاتے ہیں۔

عمروؓ:۔ عوام الناس اپنے والیوں کی جو شکایات آپ تک پہنچاتے ہیں، وہ یکسر غلط ہیں اس لئے اے امیر المومنین آپ کو اپنی رعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔

عثمانؓ:۔ میں نے تمہیں تمہارے نقائص اور لوگوں کی کثرتِ شکایات کے باوجود بھی عامل بنائے رکھا تھا۔

عمروؓ:۔ میں آپ سے پہلے عمرؓ بن الخطاب کا عامل تھا۔ اور وہ اس حال میں رخصت ہوئے کہ وہ مجھ سے راضی تھے۔

عثمانؓ:۔ اگر میں بھی تم پر ویسی ہی گرفت قائم رکھتا جیسی گرفت عمرؓ رکھتے تھے تو تم سیدھے رہتے لیکن میں نے تمہارے معاملہ میں نرمی سے کام لیا تو تم زیادہ جری ہو گئے۔ یقین کر لو کہ جاہلیت میں میرے آدمی تمہارے مقابلہ میں زیادہ تھے۔ اور اس خلافت کے ملنے سے پہلے بھی کثرتِ افراد میں مجھے تم پر فضیلت حاصل تھی۔

سلہ اس ساری گفتگو سے اس غصّہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ جو عمروؓ کے دل میں حضرت عثمانؓ اور عبداللہ بن سعد کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا

عمروؓ: اس بات کو تو چھوڑ دو۔ اور اس اللہ کا شکر کرو۔ جس نے ہم سب کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے عزت و تکریم بخشی۔ اور پھر ان کے ذریعے سے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ میری ان آنکھوں نے عاص بن وائل کو بھی دیکھا ہے اور تمہارے باپ عفان کو بھی۔ اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عاص تمہارے باپ سے زیادہ باعزت تھے۔

عثمانؓ: ہم دونوں کو جاہلیت کی گفتگو بند کر دینی چاہیئے۔

عمروؓ عثمانؓ کے خلاف غصہ کے جذبات لیئے ہوئے باہر نکل آئے۔

عمروؓ کا یہ غم و غصہ حالات کا ایک طبعی تقاضا تھا۔ کیونکہ مصر کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کرنے والے صرف عمروؓ ہی تھے۔ مصر کا خیال بھی انہوں نے پیدا کیا۔ خلیفۂ دوم کو مصر کے لئے تیار کرنے والے بھی وہی تھے اور اس کے بعد عملی طور پر اُسے فتح کرنے والے بھی وہی۔ فتح ہو جانے کے بعد اسلامی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے والے بھی وہی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ اہلیت قیادت کے لحاظ سے بھی وہ عبداللہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ افضل و اعلیٰ تھے۔ اس لئے مصر کی گورنری کے حق دار سب سے زیادہ وہی تھے۔

اس کے بعد جب فتنۂ کبری کا آغاز ہوا۔ اور مسلمانوں کے رجحانات حضرت عثمان رضؓ سے برگشتہ ہو کر ناگوار صورت اختیار کرنے لگے تو عثمان رضؓ کو بالآخر انہی عمروؓ بن العاص کی ضرورت پیش آئی۔ اور اہم معاملات میں ان کے مشوروں کے بغیر انہیں کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔

حضرت عثمان رضؓ نے ایک دن عمروؓ بن العاص کو بلا کر اسی فتنہ کے بارے میں دریافت کیا۔

عثمانؓ: عمرو اس فتنہ کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟

عمروؓ: میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کے مقابلہ میں ضرورت سے زیادہ نرم اعتدال سے زیادہ فراخ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ فیاض ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپ اپنے پیشرو کی پالیسی پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اور سختی کی جگہ سختی سے اور نرمی کی جگہ نرمی سے کام لیں۔ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو عوام میں شر پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں آپ کو سخت گیری سے کام لینا چاہیئے۔ اور ان لوگوں کے ساتھ بلاشبہ نرمی برتنا چاہیئے۔ جو عوام کے خیر خواہ ہیں لیکن آپ ہیں کہ ہر شک و شبہ کے لئے فرش راہ بنے ہوئے ہیں۔"

سلہ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۰۹

ایک اور موقعہ پر حضرت عثمان رض نے فتنہ ہی کے بارے میں اُن سے مشورہ لیا۔ اور اس وقت دوسرے لوگ بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔

عثمان رض: عمرو! اس فتنہ کے بارے میں کیا کرنا چاہیئے؟

عمرو رض: میں خیال کرتا ہوں۔ کہ آپ بنو امیہ کی طرح لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو گئے ہیں۔ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہی رہ سکتے ہیں۔ اور آپ ٹیڑھے ہو گئے ہیں تو وہ بھی ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ یا اعتدال پر آ جیئے یا منصب چھوڑ دیجئے۔ اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو پھر اپنے موقف پر ڈٹے رہیئے اور آگے قدم بڑھانے چاہیئے۔

عثمان رض: تمہارا کیا حال ہے۔ تم پہلے اپنے گریبان کی جوئیں تو دیکھو۔ اس کے بعد کوئی بات کرنا۔ تمہارا منہ اس قابل ہے کہ ایسی باتیں کرو۔

عمرو رض خاموش ہو گئے۔ اور جب باقی سب لوگ چلے گئے تو بولے:۔

عمرو: نہیں، نہیں اے امیر المومنین۔ خدا کی قسم آپ کا احترام تو میرے دل میں میری اس گفتگو کے برخلاف بہت زیادہ ہے۔ لیکن میں نے وہ باتیں اس لئے کہی تھیں۔ کہ دروازے پر بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اور آپ نے ہم کو مشورہ کے لئے بلایا ہے تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی بات اُن کے کانوں تک پہنچا دوں۔ اور اس کے نتیجہ میں آپ کے لئے کوئی بہتر صورت پیدا کر لوں یا شر کو آپ کی ذات تک پہنچنے سے روک سکوں۔

خلیفہ حضرت عثمان رض کے ساتھ جب ان کا اختلاف بہت شدت اختیار کر گیا تو انہوں نے مدینہ چھوڑ کر فلسطین میں قیام اختیار کر لیا۔ اور آنے والے اہم واقعات کا اسی جگہ انتظار کرتے رہے۔

حضرت عثمان رض کے زمانہ کی تاریخ سے یہ بات ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو دوسرے بڑے بڑے صحابہ رض کے مقابلہ میں ترجیح دی۔ اور ان کی نصیحتوں پر ذرا دھیان نہ دیا۔ جو مخلصین کی طرف سے ان کے گوش گذار کی جاتی رہیں۔ خلافت سے دستبرداری کے لئے آخیر وقت تک تیار نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ فتنۂ کبریٰ شباب پر پہنچ کر بالآخر ان کی شہادت پر منتج ہوا۔

ڈاکٹر محمد اسعد طلس کا بیان ہے کہ:۔

"لوگوں کو عثمان رض کے خلاف سب سے زیادہ ابھارنے والی بات یہ تھی کہ انہوں نے ان بڑے بڑے صحابیوں کو جنہیں حضرت عمر رض نے مناصب سپرد کر

رکھے تھے، معزول کر کے ان کی جگہ ایسے آدمیوں کو مقرر کر دیا تھا جو نشانۂ طعن تھے۔ اس ذیل میں نمایاں مثالیں دو ہیں (۱) بصرہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی اور عبداللہؓ بن عامر کی تقرری (۲) مصر سے عمروؓ بن العاص کی معزولی اور عبداللہؓ بن سعد کی تقرری۔[1]

شہادت عثمانؓ مدینہ سے کچھ لوگ فلسطین پہنچے تو عمرو نے خلیفہ عثمان رضہ کے بارے میں حال دریافت کیا، ان میں سے ایک نے جواب دیا:۔ "میں انہیں سخت محاصرہ میں چھوڑ آیا ہوں۔"

اس پر عمرو نے فرمایا کہ:۔

"انا عبد اللہ۔ قد یضرط العیر والمکواۃ فی النار" (میں اللہ کا بندہ ہوں اونٹوں کی قطار اس وقت ہوا خارج کرتی ہے جب داغ کا لوہا بھٹی میں ہوتا ہے)

اس کے بعد پھر دوسرے وفد عمرو سے ملے جن کے ساتھ ان کے دو بیٹے محمد اور عبداللہ اور ایک اور شخص سلامہ بن روح جذامی بھی تھے۔ تو عمرو نے ان سے بھی دریافت کیا کہ:۔ "اس شخص[2] کا کیا بنا؟" تو ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ:۔ "شہید کر دیئے گئے۔"

یہ سن کر عمرو بولے:۔

"میں اللہ کا بندہ ہوں جب کسی زخم کو کھجلاتا ہوں۔ تو اس سے خون نکال کر چھوڑتا ہوں۔ میں اس شخص کے لئے اس بات کا زیادہ حریص تھا کہ وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پہ اپنی بکریاں چرایا کرتا۔"

---

[1] تاریخ الامۃ العربیہ صد ۳۸۳

[2] شخص سے مراد عثمان بن عفان ہیں

(۴)

علیؓ اور معاویہؓ کے ساتھ

"اے معاویہ خدا کی قسم آپ اور علی دونوں باہم اونٹ کے دو طرفہ وزن کی طرح ہیں۔ اگر ایک طرف آپ میں علی کی ہجرت، سبقت فی الاسلام، صحبت رسول، جہاد فی سبیل اللہ، عقل و دانائی اور علم و فضل نہیں ہے۔ تو دوسری طرف آپ کے بھی کچھ امتیازی خصائص ہیں۔ اب یہ بتائیے کہ اگر میں علی رضؓ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ دوں۔ تو آپ میرے لئے کیا کریں گے"؟

عمرو بن العاص

معاویہ رضؓ سے گفتگو کرتے ہوئے

(۱)

ثالثی تک

معاوی لا اعطیک دینی ولم انل
به منک دنیا فانظرن کیف تصنع
فان تعطنی مصر فاربح بصفقة
اخذت بها شیخا یضر وینفع

اے معاویہ میں اپنی اطاعت آپ کے حوالے
نہیں کرسکتا جب تک کہ آپ کی طرف سے اس
(۱) کا کوئی بدلہ نہ پاؤں۔ اب آپ خود سوچ لیں کہ
آپ کو کیا کرنا ہے۔
اگر آپ مجھے مصر دے سکتے ہیں تو میں اپنے
آپ کو بھی اس سودے میں نفع یاب سمجھوں گا
(۲) اور آپ بھی مصر دے کر ایک ایسے بوڑھے کو
حاصل کر لیں گے۔ جو نفع اور نقصان دونوں کی
مقدرت رکھتا ہے۔

عمرو بن العاص
ثالثی سے پہلے معاویہؓ سے بات کرتے ہوئے

حضرت علیؓ | حضرت عثمان رضؓ پر حملہ کرنے والے مسلمانوں کا خیال تھا کہ وہ تمام مشکلات جنہوں نے عہدِ عثمانی میں ملّتِ اسلامیہ کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا تھا قتلِ عثمان رضؓ کے بعد ختم ہو جائیں گی۔ لیکن عثمان رضؓ کا قتل ہونا تھا کہ مشکلات کا ایک نیا دور پہلے سے بھی زیادہ خوفناک طریقہ سے شروع ہو گیا اور فتنوں کا دروازہ بڑی شدت کے ساتھ کھل گیا۔

مسلمانوں نے حضرت علی رضؓ کو خلافت کے لئے پسند کیا۔ اور ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے دن اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کے بعد انصار اور مہاجرین کے کچھ لوگ حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:-

عوام: لوگوں کے لئے کسی امام کا ہونا ضروری ہے۔ اور آپ موجودہ لوگوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں۔

علی رضؓ: مجھے تمہاری امارت کی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی اور شخص کو منتخب کر لو جس کی بیعت میں بھی کر لوں گا۔

عوام: ہم تو آپ کے سوا کسی کو پسند نہیں کرتے ...... ہمارے نزدیک تو آپ سے زیادہ کوئی بھی خلافت کا حق دار نہیں ہے۔ آپ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ قرابت رکھنے والے ہیں۔

علی رضؓ: ایسا نہ کرو میں امیر بننے سے زیادہ وزیر رہنے کو پسند کرتا ہوں۔

عوام: خدا کی قسم ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے جب تک کہ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہ کر لیں۔

اس پر آپ نے ان کی بات مان لی۔ اور انہیں مسجد نبوی میں لے جا کر بیعت خلافت لے لی۔

مسلمانوں کی تقسیم | حضرت علی رضؓ خلافت حاصل کر کے ابھی آرام سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ مسلمان مختلف الرائے ہو کر گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر ایک اپنی اپنی بولی بولنے لگا۔

(۱) شام میں بنو امیہ نے حضرت معاویہ رضؓ کی قیادت میں حضرت عثمان رضؓ کے خون کا مطالبہ کھڑا کر دیا۔ اور قاتلین کو قتل پر ابھارنے کا غلط الزام حضرت علی رضؓ پر ڈالنے لگے۔

(۲) قاتلین کا ایک گروہ حضرت علی رضؓ کی تائید میں کھڑا ہو گیا۔ اور رائے پیش کی کہ علی رضؓ کی خلافت

کو بزورِ شمشیر نافذ کر دیا جائے۔

(۳) تیسرے فریق کا موقف یہ تھا کہ خلافت کا انتظام اسی صورت سے کیا جائے جس صورت سے حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں تھا۔ اس فریق کی نمائندگی طلحہؓ اور زبیرؓ کر رہے تھے جن کے ساتھ حضرت عائشہ رضؓ بھی تھیں۔ اور یہ تینوں پہلے تو دباؤ کے ماتحت حضرت علی رضؓ کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد بیعت توڑ دی تھی[۱]

(۴) ایک چوتھا فریق ایسا بھی تھا جو جماعت سے کنارہ کشی اختیار کر کے گوشۂ تنہائی اختیار کر چکا تھا۔ اور اُس نے خلافتِ اسلامیہ کے سیاہ و سفید سے اپنی دلچسپی کو بالکل ختم کر دیا تھا طبری عبد اللہ بن الحسن سے نقل کرتا ہے کہ:-

تمام انصار اور مہاجرین نے حضرت علی رضؓ کی بیعت کر لی تھی لیکن بعض مقتدر صحابہ ایسے بھی تھے جنہوں نے بیعت سے انکار کیا تھا۔ اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

عبد اللہ بن عمر رضؓ۔ حسان بن ثابت رضؓ۔ سعد بن ابی وقاص رضؓ۔ کعب ابن مالک رضؓ مسلمہ بن مخلد رضؓ۔ ابو سعید خدری رضؓ۔ محمد بن مسلمہ رضؓ۔ نعمان بن بشیر رضؓ۔ قدامہ بن مظعون رضؓ زید بن ثابت رضؓ۔ رافع بن خدیج رضؓ۔ اسامہ بن زید رضؓ۔ فضالہ بن عبید رضؓ۔ عبد اللہ بن سلام رضؓ مغیرہ بن شعبہ اور صہیب بن سنان رضؓ۔

عمروؓ کا موقف اس میں شک نہیں کہ عمروؓ نے امیر المومنین عثمان رضؓ کی شہادت سے خوشی محسوس کی۔ اور اسی وجہ سے وہ اُس گروہ میں شامل نہیں ہوئے جو قتلِ عثمان رضؓ پر غضب ناک تھا۔ بلکہ غیر جانبداری کے ساتھ حالات کا مطالعہ کرتے اور کسی ٹھوس نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے۔ تاکہ وہ اپنے آئندہ اقدام کے لئے کوئی واضح پروگرام تیار کرنے کے بعد میدانِ عمل میں آئیں۔ عمروؓ کے لئے اس موقف میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کہ وہ سعدؓ بن وقاص وغیرہ کی طرح بیابان[۲]

---

[۱] حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا جیسی طاہرہ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جیسے مقدس اور محترم صحابیوں کے متعلق جن کو اسی دنیا میں جنتی ہونے کی خوشخبری مل چکی تھی، اس قسم کا الزام قبول کرنے کے لئے دل ہرگز آمادہ نہیں ہوتا خواہ تاریخی روایات کتنی ہی اس کی تائید میں ہوں (محمد احمد پانی پتی)

[۲] یہ مصنف کا اپنا خیال ہے ضروری نہیں کہ مترجم اور قارئین کرام بھی اس سے متفق ہوں (محمد احمد پانی پتی)

سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ جائیں۔

انہوں نے اپنی ذکاوت تجربہ اور سیاسی سوجھ بوجھ سے زبیر رضہ، طلحہ رضہ اور سیدہ عائشہ رضہ کے موقف کے بارے میں اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ وہ بہت کمزور اور جلد مضمحل ہو جانے والا ہے۔ اور اس کی حمایت کرنے والا فریق بجائے خود اتنا کمزور ہے کہ حضرت علی رضہ کا مقابلہ کر کے ان کی خلافت کو ختم کرنے اور اس کے بجائے حضرت ابو بکر رضہ جیسی خلافت قائم کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور ان کا یہ گمان آگے چل کر درست بھی نکلا۔ جب اس فریق نے جنگ جمل میں شکست کھائی۔ طلحہ رضہ اور زبیر رضہ شہید کیے گئے اور سیدہ عائشہ رضہ کو عزت و تکریم کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔

عمرو، حضرت علی رضہ کے ساتھ شریک ہونے میں اس لیے متردد تھے۔ کہ انہیں حضرت علی رضہ کی اس مزاجی خصوصیت کا علم تھا۔ کہ وہ ملکی معاملات میں اپنی ذات کے علاوہ کسی دوسرے پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور جہاں تک ہو سکتا دوسروں کو بھی اپنی رائے کا تابع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور انہیں ان سے اس بات کی ہرگز امید نہیں تھی کہ وہ ابو بکر رضہ و عمر رضہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیاست کی بنیاد شوریٰ پر رکھیں گے۔

عمرو کا یہ توقف اس وجہ سے بھی تھا کہ ہمیشہ سے ان کی عادت اور مزاج طبعی میں یہ بات شامل تھی۔ کہ وہ اس وقت تک کسی کام میں بھی قدم آگے نہ بڑھاتے تھے جب تک کہ انہیں آثار و قرائن کے ذریعہ اپنی کامیابی کا یقین نہ ہو جاتا تھا۔ ان کی زندگی کی تفصیلات اس بات کی واضح طور پر تائید کرتی ہیں ——— مثلاً وہ اسلام ہی میں اس وقت داخل ہوئے جب انہیں یقین ہو گیا کہ حالات کا پانسہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی طرف پلٹتا جا رہا ہے۔ اور بتوں کا دور رُو بہ زوال ہے۔ ان کے اسلام کے باب میں ہم اس بات کا ذکر کر آئے ہیں کہ انہوں نے حبشہ کی ہجرت اسی لئے کی تھی کہ وہ وہاں بیٹھے ہوا کا رُخ دیکھتے رہیں۔ اور جس طرف کا پلڑا جھکتا دکھائی دے اُسی طرف اپنا وزن بھی ڈال دیں۔

چنانچہ آج بھی وہ اُسی ذہن کے مطابق مدینہ سے دُور بیٹھے ہوئے بیعت علی رضہ کی پیچیدگی کا جائزہ لے رہے تھے۔

طلحہ رضہ زبیر رضہ اور سیدہ عائشہ رضہ کے فریق کے درمیان میں سے نکل جانے کے بعد میدان میں حضرت علی رضہ اور حضرت معاویہ رضہ کے دو فریق باقی رہ گئے۔ جن میں حضرت معاویہ رضہ بنو امیہ

کی نمائندگی کرتے تھے اور حضرت علی رضؓ بنو ہاشم کی۔ اور یہ دونوں قبیلے زمانۂ جاہلیت ہی سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آرہے تھے۔ اور اسلام نے دشمنی کی آگ ان کے درمیان بھڑکا دی تھی۔ اس وقت حضرت علی رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ پر وہی پرانا اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ اور پرانے مناقشات ایک ایک کر کے دونوں کے سامنے آ رہے تھے۔ حضرت علی رضؓ نے حضرت معاویہ رضؓ کے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اور اُن کے باپ کے ساتھ متعدد مقامات پر جنگ کی تھی۔ اور تازہ سبب یہ کہ حضرت معاویہ رضؓ حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے شام کے فرماں روا ہونے کے ساتھ اُن کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ اس لئے انہی پر یہ فرض بھی عائد ہوتا تھا کہ خونِ عثمان کا مطالبہ کریں؎

آخر حضرت معاویہ رضؓ نے عمروؓ کی طرف نظر دوڑائی۔ اور اُنہیں اپنی مدد کے لئے دعوت دی۔ جسے عمروؓ کے زخم خوردہ جذبات نے لبیک کہا۔ دونوں ایک دوسرے کے حلیف اور ساتھی بن گئے اور قصاصِ عثمان کا مطالبہ استحکام پکڑ گیا۔ اور اسے مزید پختگی حضرت علی رضؓ کے اس طرزِ عمل سے ہوئی کہ حضرت علی رضؓ نہ صرف یہ کہ تفتیشِ قتل کو ٹالتے رہے بلکہ انہوں نے اُن قاتلوں کو اپنا مددگار بنا لیا۔ اور مزید یہ کہ حضرت معاویہ رضؓ کو شام سے معزول کرنے کا حکم بھی صادر فرما دیا۔

مشورے جنگ جمل میں کامیاب ہونے کے بعد حضرت علی رضؓ کو ذرا کچھ سکون ملا۔ اور وہاں سے ایک قاصد حضرت معاویہ رضؓ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ میرے ہاتھ پر سب مہاجرین و انصار نے بیعت کر لی ہے۔ اس لئے تم بھی آ کر بیعت کر لو۔ طلحہ رضؓ، زبیر رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ نے میرے مقابلہ میں خروج کیا تھا اس لئے میں نے اُن سے جنگ کی۔ اب تم آؤ اور میری اطاعت میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت علی رضؓ کے مراسلہ کا متن یہ ہے:۔

"...... امابعد! عوام الناس نے حضرت عثمان رضؓ کو خود شہید کیا ہے۔ مجھ سے کوئی مشورہ نہیں لیا۔ پھر انہوں نے باہم مشورہ کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اب جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو تم لوگوں سے میرے لئے بیعت لو اور شرفائے شام کا ایک وفد میرے پاس بھیجو۔"

؎ مصنف کے اس غلط اور بے بنیاد اتہام میں کوئی صداقت نہیں۔ آپس کے اختلافات کو اسلام کے سر منڈھ دینا مصنف کی بہت بڑی جسارت ہے (محمد احمد پانی پتی)

حضرت معاویہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ کا یہ خط پڑھنے کے بعد لپیٹ کر رکھ دیا۔ اور اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت علی رضؓ کے قاصد جریر[1] ابن عبداللہ جب بھی حضرت معاویہ رضؓ سے جواب کا تقاضا کرتے تو حضرت معاویہ رضؓ انہیں مندرجہ ذیل اشعار سنا دیتے :-

(۱) ادم اذا ما تعصن او خدن بیدی	حربا ضروسا تشب الجزل والضرما
(۲) فی جارکم وابنکم اذ کان مقتلہ	شنعاء شیبت الاصداغ واللمما
(۳) اعیا المسود بہا والسیدون فلم	یوجد لہا غیرنا مولی ولا حکما

ترجمہ:- (۱) قلعہ کے استحکام کی طرح صبر و سکون سے کام لو اور اگر زیادہ ہی جلدی ہے تو پھر میری طرف سے ایسی شدید جنگ کا تحفہ لے جاؤ جو چھوٹے موٹے ایندھن کے ساتھ بڑے بڑے فصیحوں بلیغوں کو بھی جلا کر خاکستر کر دے۔

(۲) وہ جنگ جو تمہارے بیٹوں، پوتوں کے ساتھ ساتھ تمہارے پڑوسیوں کو بھی نہ چھوڑے اور جو اتنی شدید اور خوفناک ہو جو زلفوں اور کنپٹیوں کو بڑھاپے تک پہنچا دے۔

(۳) اور پھر اس جنگ کا نتیجہ یہ ہو کہ حاسد اور سردار سب اس کے مقابلہ سے عاجز آ جائیں۔ اور آخرکار انہیں ہماری ہی سرداری اور ثالثی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑیں۔

حضرت معاویہ رضؓ اس بارے میں بھی مشورے کے لئے اپنے سابق مشیر عمروؓ بن العاص ہی کی طرف متوجہ ہوئے۔

---

[1] جریر اسی سال ایمان لائے جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چالیس دن پہلے اسلام قبول کیا۔ اور ان چالیس دنوں میں نہ آپ نے اندر آنے سے روکا اور نہ ایسا ہی ہوا کہ مجھے دیکھا ہو اور تبسم نہ فرمایا ہو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی کلاع اور ذی رعین میں ان کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ اور یہ اتنے خوبصورت تھے کہ حضرت عمرؓ ان کو "اس امت کا یوسف" فرمایا کرتے تھے۔ اور وہ خود بھی اپنے بارے میں کہتے تھے کہ "میں جاہلیت میں بھی سردار ہی رہا اور اسلام میں بھی" آخر میں کوفہ جا بسے تھے اور ۵۱ھ میں وہیں وفات پائی۔ ان کے بارے میں یہ شعر بھی کہا گیا ہے :-

لولا جریر ھلکت بجیلۃ	نعم الفتی وبئست القبیلۃ
اگر جریر نہ ہوتے تو قبیلہ بجیلہ ہلاک ہو جاتا	جوان اچھا ہے لیکن قبیلہ برا

ایک روایت کے مطابق عتبہ بن ابی سفیان نے معاویہ رضؓ کو مشورہ لینے کی رائے دی تھی چنانچہ انہوں نے عمروؓ کو مندرجہ ذیل مراسلہ بھیجا:۔

"...... اما بعد! علی رضؓ اور طلحہ رضؓ و زبیر کا معاملہ جس انجام تک پہنچا۔ اس کی اطلاع تمہارے پاس پہنچ چکی ہو گی۔ اب علی رضؓ کی بیعت کے لئے جریر بن عبداللہ آئے ہوئے ہیں۔ اور میں نے اپنا مشورہ تمہارے مشورہ پر موقوف رکھا ہوا ہے[1]۔ اللہ کا نام لے کر فوراً مجھ سے آکر ملاقات کرو[2]"

عمروؓ نے اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کو بلا کر حضرت معاویہ رضؓ کا خط سنا دیا۔ اور اس کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ جس پر عبداللہ کا مشورہ یہ تھا:۔

"بوڑھے ابا! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔ اس حال میں کہ وہ آپ سے راضی تھے۔ ان کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ بھی اسی حال میں سدھارے کہ آپ سے خوش تھے۔ اب آپ کے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ اپنے دین کو اس قلیل دنیا کے حوالے کر دیں۔ جو آپ کو معاویہ رضؓ کا ساتھ دینے سے حاصل ہو جائے گی[3]"

اس کے برخلاف محمد کا مشورہ یہ تھا کہ:۔

"اس کام میں جلدی کیجئے اور دُم بننے کی بجائے سر بننے کی کوشش کیجئے۔"

---

[1] دوسری روایت میں یہ ہے کہ "آجاؤ اس بارے میں تم سے تبادلۂ خیالات کرنا ہے۔"

[2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۱۸

[3] ایک روایت کے مطابق عبداللہؓ کے الفاظ یہ تھے:۔ "اگر کچھ کرنا ہی ہے تو علی رضؓ کے لئے کرو۔" جس کے جواب میں عمروؓ نے فرمایا: "تیری ماں تجھ پر روئے۔ اگر میں علی رضؓ کو مدد دیتا ہوں تو وہ مجھے اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دیں گے کہ میں بھی عام مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔ اور اگر معاویہ کو مدد دوں گا تو وہ مجھے ہر چیز میں اپنا لیں گے۔" اس پر عبداللہؓ نے عرض کیا: "میری رائے تو یہ ہے کہ آپ گھر بیٹھے رہیئے اور اسی میں آپ کے دین کی حفاظت ہے۔" لیکن اس کے برخلاف محمد نے کہا کہ "آپ نہ صرف عرب کے شرفا میں سے ایک ہیں بلکہ عرب کی کنجی ہیں یہ کوئی رائے نہیں ہے کہ عرب اپنا سب سے بڑا مسئلہ حل کر رہے ہوں اور آپ کسی مقام پر نظر نہ آئیں۔" اس کے بعد عمروؓ نے دونوں کو خطاب کر کے فرمایا:۔ "عبداللہ تم نے ایسا مشورہ دیا۔ جو میری آخرت کے لئے بہتر ہے۔ لیکن اے محمد تم نے وہ مشورہ پیش کیا جس پر میری آئندہ عزت اور شہرت کا انحصار ہے۔"

عمرو نے دونوں کے مشورے سن کر جو جواب دیا وہ مندرجہ ذیل اشعار کی صورت میں تھا:-

(۱) تطاول لیلی للنجوم الطوارق | وخوف التی تجلو وجوہ العواتق
(۲) فان ابن ہند سائلی ان ازورہ | وتلک التی فیہا بنات البوائق
(۳) وقد قال عبد اللہ قولا تعلقت | بہ النفس ان لم یقتطعنی عوائق
(۴) وخالفہ فیہ اخوہ محمد | وانی لصلب العود عند الحقائق

ترجمہ: (۱) میری ساری رات ستارگانِ صبح کے انتظار اور اس جنگ کی سوچ بچار میں بیت گئی جس میں کندھوں کی آزمائش ہوتی ہے اور چہروں پر پالش کیا جاتا ہے۔

(۲) ہاں ہاں ابن ہند نے مجھے ملاقات کے لئے بلایا ہے۔ اور میں خوب جانتا ہوں۔ کہ اس ملاقات کے پردے میں کیسی کیسی حسین دخترانِ ہلاکت چھپی بیٹھی ہیں۔

(۳) عبداللہ نے جو مشورہ دیا ہے وہ بلاشبہ دل پسند ہے۔ لیکن موانع کی زنجیریں مجھے جکڑ کر کسی دوسری ہی سمت لے جانا چاہتی ہیں۔

(۴) محمد نے عبداللہ کے خلاف مشورہ دے کر مجھے ایسی آزمائش کے لئے تیار کیا ہے جس کے لئے میری کمر مضبوط اور حوصلے بلند ہیں۔

عمروؓ شام میں بالآخر عمروؓ نے شام کی طرف کوچ کر دیا۔ اور حضرت معاویہ رضؓ سے ملاقات کر کے مشورہ دیا۔ کہ حضرت علیؓ کی بیعت قبول نہ کریں۔ اور خونِ عثمان کی بنیاد پر شامی فوج کے ساتھ اُن سے جنگ کریں۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ معاویہ رضؓ حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے شام کے گورنر تھے اور اپنی سلامت روی اور پسندیدہ برتاؤ کی بنا پر رعایا کے دلوں میں گھر کر چکے تھے۔ اس لئے شام کی افواج جاں نثاری کے لئے ان کے اشارۂ چشم و ابرو کی منتظر رہتی تھیں۔

لین دین حضرت معاویہ رضؓ نے عمروؓ سے کہا:- "عمروؓ ہاتھ بڑھاؤ اور بیعت کر لو" تو عمروؓ نے جواب دیا:-

"ہاں ہاں ضرور، لیکن پہلے یہ بات سن لو کہ میں اپنی اطاعت اس وقت تک دینے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک کہ تمہاری دنیا میں سے کچھ حصہ دے لوں"۔ اس پر حضرت معاویہ بولے "مصر تمہارے لئے یرغمال ہے"۔ اس پر عمروؓ نے مندرجہ ذیل اشعار پیش کئے:-

(۱) معاوی لا اعطیک دینا ولم انل | بہ منک دنیا فانظرن کیف تصنع

(۲) فان تعطنی مصر افاربح بصفقة　　اخذت بها شیخا یضر و ینفع

ترجمہ :- (۱) اے معاویہ میں اپنی اطاعت آپ کے حوالے نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ آپ کی طرف سے اس کا کوئی بدلہ نہ پاؤں۔ اب آپ خود سوچ لیں کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔

(۲) اگر آپ مجھے مصر دے سکتے ہیں تو میں اپنے آپ کو بھی اس سودے میں نفع مند سمجھوں گا۔ اور آپ بھی مصر دے کر ایک ایسے بوڑھے کو حاصل کر لیں گے، جو نفع اور نقصان دونوں کی مقدرت رکھتا ہے۔

ایک روایت میں دونوں کی گفتگو کا متن مندرجہ ذیل بیان کیا گیا ہے :-

"اے معاویہ خدا کی قسم آپ اور حضرت علی رضؓ دونوں باہم اونٹ کے دو طرفہ وزن کی طرح ہیں۔ اگر ایک طرف آپ میں حضرت علی رضؓ کی ہجرت، سبقت، صحبت، جہاد، سمجھ اور علم نہیں ہے تو دوسری طرف آپ کے بھی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں اب یہ بتائیے کہ اگر میں حضرت علی رضؓ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ دوں۔ تو آپ میرے لئے کیا کریں گے؟"

اس کے جواب میں حضرت معاویہ رضؓ نے فرمایا :-

"مصر کی حکومت دے دوں گا۔"

عمروؓ نے اس کے بعد حضرت معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت معاویہ رضؓ نے مصر کی حکومت کا وعدہ دے دیا۔

حضرت علی رضؓ کے قاصد جریرؓ نے واپس جا کر کہہ دیا کہ حضرت معاویہ رضؓ نے بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ اور وہ جنگ پر تیار ہیں۔ شام کی فوجیں ان کے تابع فرمان ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کے خون آلودہ کرتے اور زوجہ عثمان رضؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کا مظاہرہ منبر پر کر کے عوام کو قصاص پر آمادہ کر لیا ہے۔ اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ کے خون کی ذمہ داری سراسر حضرت علی رضؓ کے سر ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے قاتلین عثمانؓ کو اپنی

ؔ ایک روایت میں ہے کہ جب جریرؓ کو معاویہ رضؓ کے پاس دیر لگ گئی تو حضرت علی رضؓ نے انہیں مندرجہ ذیل تنبیہ بھیجی :-

"جونہی تمہیں میری یہ تحریر ملے تو معاویہ کو مجبور کرو کہ وہ دو باتوں میں سے ایک کا جلد فیصلہ کر لے۔ آمادۂ جنگ یا قائدہ بخش اطاعت۔ اگر جنگ پسند کرے تو اسے چھوڑ کر واپس آجاؤ اور اگر اطاعت کرے تو بیعت لے لو۔

پناہ میں لے رکھا ہے۔

صفین حضرت معاویہ رضؓ کے اس موقف نے حضرت علی رضؓ کو بھی حضرت معاویہ رضؓ کے خلاف غضب ناک کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے بھی حضرت معاویہ رضؓ کی گردن جھکانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ۵ شوال ۳۶ھ کو ۹۰ ہزار فوج کے ساتھ حضرت معاویہ رضؓ کی طرف نقل و حرکت شروع کر دی۔

اُدھر سے حضرت معاویہ رضؓ کی ۸۵ ہزار شامی فوج بھی حرکت میں آ گئی۔ اور دریائے فرات کے ایک ایسے ساحلی مقام پر فروکش ہو گئی۔ جہاں سے انہوں نے حضرت علی رضؓ کی فوج کو پانی حاصل کرنے سے روک دیا۔

عمروؓ نے حضرت معاویہ رضؓ کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "حضرت علی رضؓ اور ان کی نوے ہزار فوج جن کے کاندھوں پر تلواریں چمک رہی ہیں، پیاس کے تڑپے سے نہیں مریں گے۔ ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ہم بھی پانی پئیں اور وہ بھی۔"

لیکن حضرت معاویہ رضؓ نے عمروؓ کے مشورے کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا کہ۔

"ہرگز نہیں، خدا کی قسم ان سب کو اسی طرح پیاسا مر جانا چاہیئے جس طرح حضرت عثمان رضؓ نے پیاسے جان دی ہے۔"

پانی کی اس بندش سے غضب ناک ہو کر حضرت علی رضؓ کے ایک سپاہی نے مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:۔

(۱) ایمنعنا القوم ماء الفرات	وفینا الرماح وفینا الحجف
(۲) وفینا علی له صولة	اذا خوفوه الردیٰ لم یخف
(۳) ونحن غداة لقینا الزبیر	وطلحة خضنا غمار التلف
(۴) فما بالنا امس اسد العرین	ومالنا الیوم شاة النجف

ترجمہ (۱) یہ لوگ آج ہمارا پانی بند کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس تیر بھی ہیں اور تیر انداز بھی
(۲) ہمارے درمیان علی رضؓ کی وہ صولت بھی جسے بڑی سے بڑی ہلاکت بھی خوفزدہ نہیں کر سکتی
(۳) ہم کل زبیرؓ اور طلحہؓ کے مقابلہ میں بھی موت کے سمندر میں غوطہ زنی کر چکے ہیں
(۴) اے جھاڑی کے شیرو! کل تم ہمارا حال دیکھ چکے ہو۔ اور آج اے ٹیلہ کی بکری تو بھی ہمیں آزما لے گی۔

حضرت علی رضؓ نے حضرت معاویہ رضؓ کے مانعین آپ کے مقابلہ میں اپنا دستہ بھیج کر ان سے

پانی کا راستہ صاف کروا لیا۔ اور خود اُس پر قابض ہو گئے۔ لوگوں نے ردِ عمل کے طور پر چاہا کہ معاویہ رض کا پانی بند کر دیں لیکن حضرت علی رض نے فرمایا کہ "پانی اللہ کی ایک عمومی نعمت ہے جس سے کسی بھی فردِ بشر کو محروم نہیں کرنا چاہیئے"۔

چنانچہ انہوں نے معاویہ رض کے ساتھیوں سے چشم پوشی کی۔ اگرچہ اس دریا دلی سے حضرت علی رض کے ساتھیوں نے ناگواری محسوس کی لیکن حضرت علی رض نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

حضرت معاویہ رض نے حضرت علی رض کے پاس سفارت بھیجی کہ پیش آمدہ صورت حال کے ختم کرنے اور مسلمانوں کو افتراق سے بچانے اور دوبارہ متحد کرنے کے لئے گفت و شنید کا آغاز ہونا چاہیئے۔

صلح | گفت و شنید شروع ہو گئی۔

سب سے پہلے جس بات پر اتفاق ہوا وہ یہ تھی کہ محرم ۳۷ھ کے اخیر تک جنگ موقوف رکھی جائے۔

اس کے علاوہ جن مناقشات پر رد و قدح ہوئی اس کا کوئی بھی فیصلہ کن نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔

صلح کی مدت ختم ہوتے ہی صفر ۳۷ھ کے پہلے دن جنگ کا آغاز کر دیا گیا۔ حضرت علی رض کی صفوں سے روزانہ ایک بہادر نکلتا اور حضرت معاویہ رض کا بہادر اس کا مقابلہ کرتا۔ لیکن اس یکطرفہ طریقہ جنگ حضرت علی رض نے زیادہ دیر تک پسند نہ کرتے ہوئے گھمسان کا ارادہ کر لیا اور اپنے بہادروں کو ان الفاظ کے ساتھ حملہ کے لئے تیار کر لیا کہ "زیادہ دیر تک ان لوگوں کو اپنی اجتماعی طاقت سے نہیں بچا سکتے"۔

جنگ | حضرت علی کی فوج نے حملہ میں پیش قدمی کی اور حضرت معاویہ رض کی فوجوں نے بے حد نقصان اٹھایا۔ جنگ کئی دن تک جاری رہی جس کے دوران عمار بن یاسر بھی قتل ہوئے آخر حضرت علی رض کے بہادروں نے ایک ایسا بھرپور حملہ کیا کہ حضرت معاویہ رض کی فوجیں شکست کھا گئیں۔

ایک روایت کے مطابق خود حضرت معاویہ رض نے بھی فرار کا ارادہ کر لیا تھا لیکن فوراً ہی انہیں ابن اطنابہ کے یہ شعر یاد آ گئے۔[۱]

(۱) ابت لی ھمتی و ابی بلائی	و اخذی الحمد بالثمن الربیح[۲]

---

[۱] جیسا کہ ان سے روایت کئے گئے ہیں۔

[۲] دوسرے حوالہ جات میں مندرجہ ذیل اشعار ہیں:۔

ابت لی عفتی و ابی بلائی	و اقدامی علی البطل المشیح
و اعطائی علی المکروہ مالی	و اخذی الحمد بالثمن الربیح

(۲) واجشامی علی المکروہ نفسی	وضربی ہامۃ البطل المشیح
(۳) وقولی کلما جشأت وجاشت	مکانک تحمدی او تستریحی
(۴) لادفع عن ماثر صالحات	واحمی بعد عن عرض صحیح

ترجمہ (۱) میری ہمت اور میری آزمودہ کاری کو یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے۔ کہ میں سستی شہرت اور مفت کی تعریف حاصل کرتا پھروں۔

(۲) میرے نفس کا شدائد اور خطرات کی طرف اقدام کرنا اور بڑے بڑے محتاط بہادروں کی کھوپڑیوں پر ضرب لگاتا اور

(۳) جب میری ہمت اچھلے اور جوش مارنے لگے تو اس کو یہ کہہ کر محاذ پر جمائے رکھنا کہ تجھے تعریف بھی اسی جگہ کرانی ہے اور استراحت بھی یہیں کرنی ہے۔

(۴) یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ میں سب سے پہلے شریف زادیوں کی آبرو کو بچاؤں۔ اور پھر اس کے بعد اپنی عزت کو محفوظ کروں۔

فتح و نصرت حضرت علی رضہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اور حضرت معاویہ رضہ اہل شام کی طرف رخ کر کے پکار رہے تھے:۔

"اللہ کا خوف کرو، عزت و حرمت اور عورتوں اور بیٹیوں کے بارے میں"

عمروؓ کی تدبیر اپنی فوجوں کو خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر حضرت معاویہ رضہ اپنے مشیر عمروؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔

"ابن العاص ہم تو ہلاک ہوگئے۔ اب تم اپنی پوشیدہ قوتوں کو حرکت میں لاؤ"

عمروؓ نے اپنے دماغ کو کریدا اور اس کی گہرائی میں کوئی ایسی تدبیر ڈھونڈنے لگے۔ جس سے محاذ جنگ کا رخ بدلا جا سکے اور حضرت معاویہ کو شکست سے بچایا جا سکے۔ آخر عرب کے اس مشہور مدبر نے ایک تدبیر کی پناہ لی۔ اور پھر اس کی روشنی میں ایک ایسا منصوبہ تیار کر لیا جس سے حالات کا رخ یکایک پلٹ گیا۔ عمروؓ نے شامیوں کے لشکر میں چیخنا شروع کیا کہ:۔

"اے لوگو! جس شخص کے پاس تم میں سے کلام اللہ کے اجزا ہوں، وہ ان کو اپنے نیزے پر بلند کرلے"

مصاحف نیزوں پر اٹھائے گئے اور حضرت معاویہ رضہ کے لشکر سے یہ آوازیں بلند ہونے لگیں کہ:۔

"یہ اللہ کی کتاب فیصل ہے ہمارے اور تمہارے درمیان"

حضرت علی رضؓ کے لشکر نے بھی اس آواز کو سنا تو انہوں نے بھی اس نعرے کا جواب اس نعرے سے دیا کہ :-

"ہم کتاب اللہ کے فیصلے کا استقبال کرتے ہیں"۔

وقوع فتنہ اس طرح عمروؓ اس جمعیت اور شدت کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو اس وقت حضرت علی رضؓ کی صفوں میں پائی جاتی تھی۔ اور گویا انہوں نے اس فتح کو ان سے دور کر دیا جو ان کے بالکل قریب آ چکی تھی۔ سچ پوچھا جائے تو انہوں نے اپنی تدبیر سے حضرت علی رضؓ کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا۔ حضرت علی رضؓ بھی اس زبردست فریب کو بھانپ گئے اور اپنے سالاروں سے اس کا ذکر کیا۔ لیکن انہوں نے حضرت علی رضؓ سے اتفاق نہیں کیا۔ اور ان کے محاذ کا ایک حصہ اشتر کی قیادت میں برابر جنگ کرتا رہا۔ حضرت علی رضؓ کے ساتھیوں نے انہیں مجبور کیا کہ پورے محاذ پر جنگ بند کرا دیجیے۔ اور ان کے مجبور کرنے سے اشتر کے پاس جنگ بندی کا پروانہ بھیج دیا گیا۔ لیکن اشتر نے یہ کہتے ہوئے حکم ماننے سے انکار کر دیا کہ :-

"یہ وقت نہیں ہے کہ آپ مجھے میرے مقام سے ہٹائیں۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد فتح ہونے والی ہے اس لئے ذرا صبر سے کام لیجیے"۔

عوام الناس جوش میں آ چکے تھے اس لئے انہوں نے مطالبہ میں زیادہ شدت اختیار کرتے ہوئے کہا کہ :-

"خدا کی قسم آپ نے اشتر کے پاس جنگ بند کرنے کا نہیں، بلکہ جنگ جاری رکھنے کا حکم بھیجا ہے۔ اس کو فوراً اپنے پاس بلائیے۔ ورنہ ہم آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے"۔

پھر ایک قاصد اشتر کے پاس روانہ کیا اور قاصد سے کہا :-

"اشتر سے جا کر یہ بات کہنا کہ فتنہ پیدا ہو چکا ہے۔ اور تمہیں علی رضؓ نے فوراً بلایا ہے"۔

اس کے بعد حضرت علی رضؓ نے اشعث بن قیس کو حضرت معاویہ رضؓ کی طرف ان کا مقصد معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ جس کا جواب حضرت معاویہ رضؓ کی طرف سے یہ ملا کہ :-

"ہم اور تم دونوں کو کتاب اللہ کے حکم کی طرف پلٹ جانا چاہیئے۔ آپ اپنے میں سے ایک ایسا آدمی بھیجیں جو سب کی طرف سے نمائندہ ہو۔ اور ہم بھی اپنا ایک

نمائندہ بھیج دیں، پھران دونوں کو اختیار دے دیں، کہ وہ اللہ کی کتاب کے موافق راہ عمل نکال لیں۔"

حضرت علی رض کے ساتھیوں نے حضرت معاویہ رض کی پیش کش کو قبول کر لیا

اہل شام نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص کو نمائندہ بنالیا۔

حضرت علی رض کی فوج نے ابو موسیٰ اشعری کو پسند کیا۔ اور سب نے کہا: "ہم ابو موسےٰ پر راضی ہیں۔"

لیکن حضرت علی رض بذات خود ابو موسیٰ کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی فوج سے کہہ بھی دیا تھا کہ :۔

"تم اس سے پہلے میری نافرمانی کر چکے ہو اب اس بارے میں تو نافرمانی نہ کرو۔"

لیکن جب فوج نے ابو موسیٰ ہی پر اصرار کیا تو حضرت علی رض نے مجبور ہو کر خاموشی اختیار کر لی :

ابو موسیٰ اشعری | عبداللہ بن قیس بن سلیم اشعری یمن میں پیدا ہوئے۔ اور ظہور اسلام کے وقت مکہ آکر اسلام لے آئے تھے علم و فضل میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ابن عبدالبر نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ "کان علامۃ نسابۃ" (یعنی وہ بڑے پائے کے عالم اور نسب دان تھے) حضرت عمر رض نے مغیرہ بن شعبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ جہاں وہ شہادت عثمان رض تک رہے۔ حضرت علی رض سے اِس بناپر منحرف تھے۔ کہ انہوں نے ان کو منصب سے معزول کر دیا تھا۔

حضرت علی رض کا میلان ابو موسیٰ کی طرف اس لئے نہیں تھا کہ ان کے اندازے کے مطابق وہ ایک دیندار آدمی بے شک تھے۔ لیکن سیاست میں انہیں درک نہیں تھا۔ اور حضرت علی رض جانتے تھے کہ جنگی چالوں کا جواب دینے کی ان میں استعداد ہی نہیں ہے اور یقیناً یہ اپنی ذمہ داری میں شکست کھا جائیں گے —— دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت علی رض کے معتمد علیہ بھی نہیں تھے۔ اس لئے کہ جب اہل کوفہ ان کے پاس حضرت علی رض کے ساتھ خروج کرنے کے بارے میں مشورہ طلب کرنے گئے تھے تو انہوں نے انہیں ایسا کرنے سے روکتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ :۔

"آخرت کا راستہ تو یہ ہے کہ تم خروج نہ کرو اور دنیا کا راستہ یہ ہے کہ خروج کرو۔"

اور یہ بھی کہا تھا کہ :۔

"خدا کی قسم عثمان کی بیعت میری گردن میں ہے۔ اگر میں نے ان کے لئے قتال

نہیں کیا تو کسی اور کے لئے بھی قتال نہیں کرنا چاہیئے جب تک عثمان رضہ کے قاتلوں سے
بھی فراغت نہ پالیں اور جہاں کہیں بھی وہ ہیں انہیں کیفر کردار تک نہ پہنچا دیں۔"
ابو موسیٰ اشعری طبعاً بھی فتنوں سے گریزاں تھے اور انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا تھا:۔
"تم تکلف اس میں داخل نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ ایک اندھا فتنہ ہے جس میں سونے والا جاگنے والے سے، جاگنے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے، اور کھڑا ہونے والا سوار ہونے والے سے بہتر ہے۔ لہٰذا تم عربی درخت کی جڑیں بن جاؤ۔ تلواروں کو نیام میں ڈال لو، نیزوں کو زمین میں گاڑ دو۔ کمانوں کے چلے اتار دو۔ مظلوم کو پناہ دو، مجبور کی حمایت کرو۔ یہاں تک کہ قضیہ ایک طرف اور فتنہ برطرف ہو جائے۔"[۱]

عمروؓ اور ابو موسیٰؓ اکٹھے ہوئے اور متعدد اجتماعات کے بعد ۵ اصفر ۳۷ھ کو معاہدہ تحکیم (ثالثی نامہ) ترتیب پا گیا جس کا متن یہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر علیؓ بن ابی طالب اور معاویہ رضہ بن ابی سفیان متفق ہوئے ہیں۔ علی رضہ کا فیصلہ نافذ ہے تمام اہل کوفہ اور ان لوگوں پر جو مسلمانوں میں سے علی رضہ کے مددگار رہیں اور معاویہ رضہ کا فیصلہ نافذ ہے اہل شام اور ان لوگوں پر جو مسلمانوں میں سے معاویہ رضہ کے مددگار ہیں۔ ہم تسلیم کریں گے اللہ عز و جل کے حکم کو جو اس کی کتاب میں ہے۔ اور اس کے سوا کسی کو اپنے درمیان دخیل نہ ہونے دیں گے۔ بس ایک اللہ کی کتاب ہی فاتحہ سے خاتمہ تک ہمارے درمیان حکم ہوگی۔ ہم ہر اس چیز کو باقی رکھیں گے جس کو اس نے باقی رکھا ہے اور اس کو فنا کر دیں گے جس کو اس نے فنا کیا ہے۔ ہمارے ہر دو ثالثان یعنی ابو موسیٰ اشعری، عبد اللہ بن قیس اور عمرو بن العاص قرشی جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے۔ اس پر عمل کریں گے۔ اور جو کتاب اللہ میں نہ پائیں گے اس کے بارے میں سنت رسول اللہ سے فیصلہ کریں گے۔ ہر دو ثالثان نے فریقین (علی رضہ اور معاویہ رضہ) اور ان کی فوجوں اور معتبر لوگوں سے یہ عہد لے رکھا ہے۔ کہ وہ دونوں اپنی جانوں اور اہل و عیال کے

---

[۱] طبری ج ۱ ص ۲۳

اعتبار سے امن اور حفاظت میں ہیں اور امت مسلمہ ان کی مددگار ہے اس فریق کے مقابلہ میں جس کے خلاف یہ فیصلہ صادر کریں۔ فریقین کے تمام مسلمان اللہ کو گواہ بناتے ہیں کہ جو کچھ اس معاہدہ میں لکھا گیا ہے وہ درست ہے۔ اور اس تحریر کو عملاً جاری کرنا فریقین کے تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ امن، استقامت اور ہتھیار ڈال دینا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اور جہاں کہیں بھی وہ جائے اس کے جان مال اہل اولاد حاضر اور غائب سب کچھ امن اور حفاظت میں ہے۔ عبد اللہ بن قیس اور عمرو بن العاص پر بھی اللہ تعالیٰ کا عہد اور میثاق ہے کہ وہ امت کے اس قضیہ کا فیصلہ اس طرح کریں جس کی رو سے فریقین دوبارہ کسی جنگ اور تفرق میں مبتلا نہ ہوں۔ اِلّا یہ کہ وہ کھلم کھلا اس فیصلہ کی نافرمانی پر اتر آئیں۔ فیصلہ کرنے کی مدت ماہ رمضان تک ہے۔ اور اگر دونوں ثالث اس مدت میں بھی مزید اضافہ کی ضرورت سمجھیں تو ہر دو کی رضامندی کے بعد انہیں مدت کے بڑھانے کا بھی اختیار ہوگا۔ اور اگر فیصلہ کرنے سے پہلے دونوں میں سے کوئی وفات پا جائے گا۔ تو فریق متعلق کے امیر کو اس کی جگہ دوسرا ثالث پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔ اور ضروری ہے کہ وہ عادل اور انصاف پسند ہو۔ فیصلہ جس جگہ بیٹھ کر کیا جائے گا وہ کوفہ اور شام کے درمیان کا کوئی مقام ہوگا۔ اور اگر وہ دونوں پسند کریں گے تو وہ لوگ بھی وہاں جا سکتے ہیں جنہیں ان کی طرف سے اجازت مل جائے۔ دونوں ثالث اس بات کے مجاز ہوں گے کہ جن لوگوں کو بھی وہ پسند کریں انہیں بطور گواہ بلالیں اور ان کی گواہی اس عہدنامے پر ثبت کرالیں۔ اور یہ گواہ اس فریق کے خلاف معین و مددگار ہوں گے جو اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا یا اس کے اندر کوئی کجی داخل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اے اللہ ہم تجھ سے بھی اس دشمن کے خلاف مدد مانگتے ہیں۔ جو اس معاہدے کی بے حرمتی کرنا چاہے۔"

دس فقرے مذکورہ بالا دستاویز مندرجہ ذیل دس اہم فقروں پر مشتمل ہے۔

۱۔ تنازع کے فریقین حضرت علی رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ ہیں۔ اول الذکر کے ساتھ اہل کوفہ ہیں اور ثانی الذکر کے ساتھ اہل شام

۲۔ فریقین پہلے کتاب اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے بعد سنت پر

۳۔ ابو موسیٰ اشعری فریق علیؓ کی نمائندگی کرتے ہیں اور عمروؓ بن العاص فریق معاویہؓ کی
۴۔ دونوں نمائندے اپنی جان اور مال کی طرف سے پوری طرح امن و حفاظت میں ہیں۔
۵۔ ثالثی فیصلہ کی تکمیل تک فریقین کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوگی۔
۶۔ گواہ بلانے کا حق ثالثوں کو دے دیا گیا۔
۷۔ صلح کی مدت رمضان المبارک تک ہے جسے ثالثان بڑھا بھی سکتے ہیں۔
۸۔ ایک ثالث کے مرجانے پر متعلقہ فریق کا امیر دوسرا ثالث مقرر کرے گا۔
۹۔ فیصلہ کی جگہ کوفہ اور شام کے درمیان ہوگی۔
۱۰۔ قرارداد تحریری ہوگی جس پر گواہان دستخط کریں گے اور پھر اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری سب پر ہوگی۔

یہ بات بھی مقرر کر دی گئی کہ فیصلہ کا مقام دومۃ الجندل ہوگا۔

وفود حضرت علی رضہ نے مقام تحکیم کی طرف اپنی جانب سے چار سو آدمی روانہ کر دیئے۔ اور ان پر شریح بن ہانی حارثی اور عبداللہ بن عباس کو قائد بنا دیا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ ان کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

دوسری طرف حضرت معاویہ رضہ نے بھی چار سو شامیوں کے ساتھ عمروؓ بن العاص کو روانہ کر دیا۔

مقامِ تحکیم پر پہنچ کر عبداللہ بن عباسؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو مندرجہ ذیل باتیں سمجھائیں:۔

"حضرت علی رضہ آپ کو حکم بنانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے کہ آپ سے زیادہ فضل آدمی دوسرے موجود تھے۔ لیکن عوام الناس نے آپ ہی پر اصرار کیا۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ ان کے لئے بہت بُرا ہوا۔ اس لئے کہ عرب کا سب سے بڑا مدبّر اور ہوشیار شخص تمہارے مقابلہ پر ہے۔ اگر تم کوئی بات بھی یاد نہ رکھ سکو تو اتنی بات ضرور یاد رکھنا کہ حضرت علی رضہ کی بیعت میں وہ لوگ شامل ہیں، جنہوں نے ابوبکر رضہ و عمر رضہ اور عثمان رضہ کی بیعت کی تھی۔ اور حضرت علی رضہ میں کوئی نقص ایسا نہیں ہے جو منصبِ خلافت کے منافی ہو۔ دوسری طرف معاویہ رضہ میں کوئی صفت ایسی نہیں ہے جو اُسے منصبِ خلافت سے قریب کرتی ہو۔"

حضرت معاویہ رضہ نے اپنے ثالث عمروؓ بن العاص سے جو کچھ کہا وہ یہ تھا:۔

"اے ابو عبداللہ اہلِ عراق نے حضرت علی رضہ کو ابو موسیٰ کی نمائندگی پر مجبور کیا ہے۔ اور میں اور اہلِ شام تم پر راضی ہیں۔ اور تمہارے ساتھ جس شخص کو ملایا گیا ہے

وہ زبان کا دراز اور رائے کا کوتاہ ہے۔ اس لئے ضروری بات کرنا اور اپنی ساری رائے اُس کے سامنے نہ اُگل دینا۔"

مسعودی کا بیان ہے کہ بعض اہم اور غیر جانبدار صحابہ مثلاً سعدؓ بن ابی وقاص، عبداللہؓ بن عمر، مغیرہؓ بن شعبہ وغیرہ بھی عمروؓ بن العاص سے مل چکے تھے۔

عبداللہؓ بن عباس اور حضرت معاویہ رضؓ کی باتوں سے مندرجہ ذیل وضاحتیں نکلتی ہیں:۔

۱۔ حضرت علی رضؓ بذات خود ابو موسیٰ اشعری کی نمائندگی پر خوش نہیں تھے۔ بلکہ انہیں ساتھیوں کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا۔

۲۔ حضرت معاویہ رضؓ اور اہل شام عمروؓ بن العاص پر راضی تھے۔

۳۔ عمروؓ بن العاص اور حضرت معاویہ دونوں اس بات پر اتفاق کر چکے تھے۔ کہ ابو موسیٰ سیاسی معاملات میں بھولے اور سادہ لوح ہیں اس لئے انہیں کسی چال میں پھنسا لینا چاہیئے۔

۴۔ کثیر التعداد صحابہ بیعت علی رضؓ میں شامل نہیں تھے۔ اور ان کی عدم شمولیت کا اثر عوام کے دلوں پر تھا۔

۵۔ عبداللہؓ بن عباس کی بروقت گفتگو نے ابو موسیٰ کو دلی صدمہ پہنچایا تھا جس کی بنا پر اُن کے اخلاص اور حمایت علی رضؓ کے جذبات سرد پڑ گئے تھے۔ اور اس کے برخلاف حضرت معاویہ رضؓ کی باتوں نے عمروؓ کے اخلاص اور حمایت و نصرت کے جذبات کو اور زیادہ مضبوط کر دیا تھا۔

تحکیم (ثالثی فیصلہ) | دونوں حکم (ثالث) رمضان ۳۷ھ میں جمع ہو گئے۔

اجتماع کی کارروائی عمروؓ بن عاص کی اُس گفتگو سے شروع ہوئی۔ جس کے ایک ایک فقرے میں ایک ایک پھندا تھا ابو موسیٰ کو پھنسانے اور اپنے سوچے سمجھے منصوبے کی طرف لانے کے لئے۔

عمروؓ بن العاص۔ ابو موسیٰ سب سے پہلے ہم اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ اہل وفا کی حمایت کریں گے ان کی وفاداری کی بنا پر۔ اور اہل غدر کی مخالفت کریں گے اُن کی غداری کی بنا پر ——— کیا یہ بات درست ہے ابو موسیٰ؟

ابو موسیٰ (حمد وثنا کے بعد مسلمانوں کے موجودہ افتراق کا شکوہ کرتے ہوئے)

اے عمرو! ایسی بات ہونی چاہیئے جس کے ذریعہ موجودہ تفرقہ ختم ہو کر مسلمانوں کے دل آپس میں جڑ جائیں اور اُن کے درمیان دوبارہ الفت و محبت پیدا ہو جائے۔

عمروؓ (ہوشیاری کے ساتھ ابوموسیٰ کی ہمدردی حاصل کرتے ہوئے)

ابوموسیٰ یہی بات ہونی چاہیئے۔ اللہ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

(جدید کلام شروع کرتے ہوئے)

اگر ہم زبانی بات چیت کریں گے تو عین ممکن ہے کہ بات کے آخری حصہ تک پہنچتے پہنچتے اس کا پہلا حصہ فراموش ہو جائے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اپنی گفتگو کو ضبطِ تحریر میں لاتے رہیں۔

ابوموسیٰ نے عمرو کی اس رائے کو پسند کیا۔ اور عمروؓ نے کاغذ منگوایا اور کاتب کو بلا لیا یہ کاتب عمروؓ کا غلام تھا جسے عمرو نے مخاطب کر کے فرمایا:-

"لکھنا شروع کر اور تو ہی ہمارا گواہ بھی ہے اور دیکھنا کوئی ایسی بات نہ لکھنا جسے ہم دونوں تسلیم نہ کریں۔ متکلم بات کرنے کے بعد دوسرے ساتھی سے تسلیم کرائے گا اگر وہ تسلیم کرے اور لکھنے کا حکم دے دے تو لکھنا۔ اور اگر منع کرے تو نہ لکھنا۔"

اس کے بعد عمروؓ نے بات شروع کی اور کاتب لکھنے لگا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔۔۔۔۔۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس پر عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص اتفاق کر رہے ہیں۔ اور یہ فیصلہ اس حال میں کیا جا رہا ہے۔ کہ دونوں گواہی دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اس نے ہدایت اور دین حق اس لئے دے کر بھیجا ہے۔ کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دیں۔ خواہ یہ بات مشرکین کو کیسی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ ہم گواہی دیتے ہیں۔ کہ ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہ، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کا حق ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی روح کو قبض کر لیا۔"

یہاں تک کی گفتگو پر ابوموسیٰ نے اظہار اتفاق کیا اور غلام سے کہا کہ "لکھ" پھر اس کے بعد عمروؓ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں یہی فقرے کہے اور ابوموسیٰ نے ان سے بھی اتفاق کرتے ہوئے غلام کو حکم دیا کہ "لکھ" عمروؓ نے اس کے بعد کہا:-

"خلیفہ عمرؓ کے بعد مسلمانوں کے اجماع اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ کی مرضی سے حضرت عثمانؓ کو خلافت پر بٹھایا گیا اور وہ مومن تھے۔"

اس موقع پر پہنچ کر ابوموسیٰ نے عمروؓ کو ٹوکا اور فرمایا:-

ابوموسیٰ: خدا کی قسم یہ بات وہ نہیں ہے جس کے لئے ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

عمرو بن العاص (جواب دیتے ہوئے)
خدا کی قسم دو صورتوں میں سے ایک ہی ہو سکتی ہے یا وہ مومن تھے یا کافر۔
ابو موسیٰ رض۔ عمرو سے اتفاق اور کاتب کو مخاطب کرتے ہوئے "لکھو"
عمرو بن العاص۔ اب فرمایئے کہ عثمان رض ظالم کی حیثیت سے قتل ہوئے یا مظلوم کی حیثیت سے؟
ابو موسیٰ رض۔ مظلوم کی حیثیت سے۔
عمرو رض۔ پھر کیا اللہ تعالےٰ نے مظلوم کے ولی کو مطالبہ خون کا حق نہیں دیا ہے؟
ابو موسیٰ رض۔ ہاں دیا ہے۔
عمرو۔ کیا آپ کے علم میں معاویہ رض کے علاوہ عثمان رض کا کوئی دوسرا ولی ہے؟
ابو موسیٰ۔ نہیں۔
عمرو۔ اچھا تو پھر ہم اس بات پر شہادت پیش کرتے ہیں۔ کہ حضرت عثمان رض کو حضرت علی رض نے شہید کرایا ہے
ابو موسیٰ۔ اسلام میں جو حادثہ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب ہم جو جمع ہوئے ہیں تو خالص اللہ کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اس لئے ایسی بات کرو جس سے اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کی اصلاح فرمائے
عمرو۔ وہ کیا ہے؟
ابو موسیٰ۔ تم جانتے ہو کہ جس طرح اہل عراق معاویہ کو کبھی پسند نہیں کریں گے۔ اسی طرح اہل شام علی کو کبھی پسند نہیں کریں گے۔ پھر ہم کیوں نہ ان دونوں کو معزول کر کے عبد اللہ بن عمر رض کو خلیفہ بنا لیں۔

عمرو کی ہوشیاری | عمرو کی ہوشیاری چھلانگ لگا کر فیصلہ کے قریب پہنچ گئی۔ اور انہوں نے ابو موسیٰ کی تصدیق اور تائید کرنے میں پوری چابکدستی سے کام لیا لیکن عبد اللہ کے نام پر اعتراض کرتے ہوئے دوسرے متعدد نام گنوانے شروع کر دیئے جن سے ابو موسیٰ متفق نہیں ہوئے
اب عمرو نے اپنا آخری تیر پھینکتے ہوئے ابو موسیٰ پر سوال وارد کیا۔
عمرو۔ آپ کی اپنی کیا رائے ہے؟
ابو موسیٰ۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ان دونوں کو معزول کر دیں۔ اور اس کے بعد مسلمانوں کو اختیار دے دیں کہ وہ جس شخص کو پسند کریں اسے شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ بنا لیں۔
عمرو۔ بس رائے تو یہ ہے جو آپ نے اب پیش فرمائی ہے...... اٹھو ابو موسیٰ اور لوگوں کے

سامنے اعلان کر دو کہ ہماری رائے ایک بات پر متفق ہو چکی ہے۔

ابوموسیٰ (حاضرین سے) میری اور عمرو کی رائے ایک ایسی بات پر متفق ہو چکی ہے جس کے نتیجہ میں ہمیں امید ہے کہ اللہ عزوجل اس امت کے معاملے کو درست فرمائیں گے۔

عمرو: ٹھیک ہے..... ابوموسیٰ اب اصلی بات کہہ دیجئے[1]

ابوموسیٰ حضرت علی رض اور حضرت معاویہ کی معزولی کا فیصلہ لوگوں کو سنا دینے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ادھر عبداللہ بن عباس بھی عمرو کی سازش کو بھانپ گئے اور چلا کر بولے:۔

"افسوس تم پر اے ابوموسیٰ۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے تمہیں چکمہ دیا ہے اگر تم دونوں کسی بات پر متفق ہوگئے ہو تو اسے آگے کرو۔ تاکہ پہلے وہ بات کرے۔ اس کے بعد تم کرنا۔ اس لئے کہ عمرو بہت ہوشیار آدمی ہے اور عین ممکن ہے کہ خلوت میں تم دونوں کے مابین جو فیصلہ ہو چکا ہو منظر عام پر آکر عمرو اس سے صاف انکار کر دے۔"

لیکن ابوموسیٰ اشعری نے عبداللہ کی بات کو کوئی وزن نہیں دیا اور کھڑے ہوکر حسب ذیل اعلان کرنا شروع کر دیا[2]:۔

"اے لوگو! ہم نے اس امت کے معاملہ پر غور و خوض کیا۔ اور اس کے بعد ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ امت کی شیرازہ بندی اسی فیصلہ میں ہے۔ جس پر ہم دونوں متفق ہوگئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور اس کے بعد خلیفہ کے انتخاب کو امت کی اپنی صواب دید پر چھوڑ دیں۔ وہ جس کو پسند کرے اسے خلیفہ بنا لے۔ اس لئے میں نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیا ہے اب تم اپنے لئے جس شخص کو خلافت کے منصب کا اہل سمجھو اسے اپنا خلیفہ بنا لو۔"

ابوموسیٰؓ کے بعد عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد لوگوں سے مندرجہ ذیل خطاب کیا:۔

"اس شخص نے مجھ سے وہ بات کہی جو تم نے بھی سن لی۔ اور اس نے اپنے

---

[1] عمرو ابن العاص اور ابوموسیٰ اشعری کی باہمی گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عثمانؓ بحالت مظلومی شہید کیے گئے اور یہ کہ تنہا معاویہ رض ہی عثمان رض کے خون کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

[2] مسعودی کا بیان ہے کہ انہوں نے زبانی خطاب نہیں کیا بلکہ تحریری فیصلہ لکھا تھا جس میں علی اور معاویہ کو معزول کیا تھا۔ اس شرط پر کہ مسلمان اپنا خلیفہ خود منتخب کرلیں (جلد ۲ صفحہ ۲۲)

ساتھی کو معزول کردیا۔ اور میں بھی اس کے ساتھی کو معزول کرتا ہوں جیسا کہ اس نے آپ کے معزول کیا ہے۔ لیکن اپنے ساتھی معاویہ کو میں قائم رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ عثمان رضؓ ابن عفان کے ولی اور اُن کے خون کے دعویدار ہیں اور حکومت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں"

ابو موسیٰ یہ سنتے ہی جوش میں آگئے۔ اور اب انہیں وہ جال نظر آیا جو عمرو نے اُن کے پھنسانے کے لئے بچھایا تھا۔ آپس میں تُو تُو میں میں ہونے لگی۔ لیکن معاملہ ختم ہو چکا تھا۔ اور ابو موسیٰ کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تھا کہ وہ عوام الناس کو ان کے حال پر چھوڑ کر اپنی سواری پر بیٹھیں اور سیدھے مکے کی راہ لیں۔[1]

اس تحکیم یا ثالثی کے جو اہم نتائج نکلے۔ ان کا اندازہ مندرجہ ذیل نکات سے لگایا جاسکتا ہے:۔

۱۔ حضرت علی رضؓ نے حضرت معاویہ رضؓ کے مقابلہ میں دوبارہ تلوار اٹھانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کی فوج نے انکار کردیا۔ اور آپس میں مختلف الرائے ہوگئے۔ اور انہی کی صفوں میں سے خوارج کی ایک نئی جماعت نکل آئی۔

۲۔ اہل شام نے حضرت معاویہ رضؓ کے حق میں خوشی کے نعرے بلند کیے۔ اور وہ ان کے گرد زیادہ مضبوطی کے ساتھ جمع ہوگئے۔

---

[1] عبداللہ بن عباس، ابو موسیٰ کے بارے میں کہتے ہیں ؎

(۱) ابا موسیٰ بلیت وکنت شیخا   قریب القعر مخزون اللسان

(۲) وما عمرو من صفاتک یا ابن قیس   فیا للہ من شیخ یمانی

(۳) فامسیت العشیة ذا اعتذار   ضعیف الرکن منکوب الجنان

(۴) تعض الکف من ندم وماذا   یرد علیک عضک للبنان

ترجمہ (۱) ابو موسیٰ تم بوڑھے، ناقص عقل اور محتاط زبان تھے اس لئے زخم کھا گئے۔

(۲) اے ابن قیس، عمرو کی صفات و خصوصیات تم کہاں سے لاتے۔ اے یمن کے بوڑھے بس اللہ ہی تیرا بھلا کرے۔

(۳) اس شام تم کیسے معذور اور ضعیف القویٰ نظر آرہے تھے۔ اور بالآخر تمہیں اپنی باگ موڑ نے ہی بن پڑی۔

(۴) تم بے شک فرطِ ندامت سے اپنی ہتھیلیاں اور انگلیاں کاٹ رہے تھے۔ لیکن چور از وقت پچھتانے سے کبھی کچھ بنا بھی ہے۔

(۳) عمروؓ نے معاویہ رضؓ کو تو کامیاب کر دیا۔ لیکن اسلام کے سینے میں ہمیشہ کے لئے خنجر گھونپ دیا۔ کہ مسلمانوں میں سے ایک جدید فرقہ نکل آیا۔ جس کا منصب العین ہی بغض علی و معاویہ قرار پا گیا۔[1]

(۴) عمروؓ معاویہ رضؓ کے دائیں بازو اور مشیر نمبر ایک قرار پا گئے ؛

---

[1] مصنف کا حضرت عمروؓ بن العاص پر یہ ایک ایسا الزام ہے جس میں حقیقت کو بالکل دخل نہیں۔ خوارج کا گروہ اپنی کجروی کی بدولت عمل میں آیا۔ نہ کہ عمروؓ بن العاص کی اس کارروائی کی وجہ سے اس کی بنا پڑی۔ اپنے خبث باطن کے باعث خوارج حضرت علی رضؓ سے علیحدہ ہو گئے اور ان کو برا بھلا کہنے لگے۔ بے چارے عمروؓ بن العاص کا اس میں کوئی قصور نہیں (محمد احمد پانی پتی)

(۴)

وفات تک

"اے اللہ تو نے حکم دیا اور ہم نے نافرمانی کی
تو نے گناہ سے منع فرمایا اور ہم اس کا ارتکاب
کرتے رہے، یہ حال رہا اُس شخص کا جو آج تیری
پناہ میں آنا چاہتا ہے۔ اگر معاف کر دے تو تُو
غفور اور رحیم ہے۔ اور اگر مواخذہ کرنا چاہے
تو میں اس کا سزاوار ہوں .... اے اللہ
کوئی طاقتور نہیں جس سے مدد طلب کروں۔ کوئی
بے قصور نہیں جس کے سامنے عذر پیش کروں۔
تیرے سوا کوئی کبریائی اور مغفرت والا نظر نہیں
آتا۔ اس لیے تجھ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں۔
اور تیری ہی طرف لوٹ رہا ہوں"

عمرو بن العاص
موت کے بستر پہ اپنے پروردگار سے

بارہ برس بعد حضرت علی رضؓ نے خلیفہ ہو کر محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی بنا دیا تھا[1]
تحکیم کے بعد حضرت معاویہ رضؓ نے دو شخصوں کو جو قتلِ عثمان رضؓ سے رنجیدہ اور مصر میں مقیم تھے لکھ بھیجا کہ تم دونوں مصر کی حکومت سنبھال لو۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضؓ سے مدد طلب کی تو حضرت معاویہ رضؓ نے ۶ ہزار کا ایک لشکر عمرو بن العاص کی سرکردگی میں مصر روانہ کر دیا۔ تاکہ وہ وہاں پہنچ کر علی رضؓ کے مقرر کردہ حاکم کو مصر سے نکال دے اور اُسے شام کے ساتھ ملا دے۔
۳۸ھ میں عمروؓ مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور ۱۲ سال کے بعد مصر کی حدود میں پھر دوبارہ داخل ہو گئے۔ اور محمد بن ابی بکر کو حسب ذیل مراسلہ بھیج دیا:۔

"...... امابعد اے ابوبکر رضؓ کے بیٹے! اپنی جان کی حفاظت چاہتے ہو۔ تو میرا راستہ صاف کر دو۔ میں بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میرا چنگل تم پر پڑے۔ اس سرزمین کے لوگ تم سے برگشتہ، تمہاری حکومت سے ناخوش اور تمہاری اطاعت پر شرمندہ ہیں۔ اگر بات بگڑ گئی تو وہ خود تمہیں ہمارے حوالے کر دیں گے۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم مصر سے نکل جاؤ اور میری نصیحت قبول کر لو۔" والسلام

معرکہ مُلشاۃ محمد بن ابی بکر نے مراسلہ کا کوئی جواب نہیں دیا اور جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ فریقین شہر مُلشاۃ[2] میں صف آرا ہوئے۔ لیکن اس کی فوج عمروؓ کے حملہ کی تاب نہ لا کر شکست کھا گئی۔ اور اس کا اکثر حصہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ لیکن خود محمد بن ابی بکر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا جس کا تعاقب

---

[1] یاد رہے کہ یہ شخص امام مظلوم حضرت عثمان رضؓ کی شہادت میں سب سے پیش پیش تھا یہی سب سے پہلے خلیفہ رسول اللہ کے گھر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ داخل ہوا تھا اور اسی نے امیر المومنین عثمان غنی رضؓ کی داڑھی قتل کے ارادہ سے پکڑ لی تھی (طبری ۲ ص ۵۸۵ ج ۱)

[2] یعقوبی نے مسناۃ لکھا ہے۔

علی المبارک نے اپنے خطط میں المنشاۃ لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس نام کے کئی گاؤں تھے جن میں سب سے زیادہ بڑے اور مشہور منشاۃ اخمیم، منشاۃ بکار (الجیزہ)، منشاۃ مسرود (اخوفیہ)، منشاۃ اسیوط اور منشاۃ عاصم تھے۔ علی مبارک ہی نے یہ بھی کہا ہے کہ مقابلہ منشاۃ عاصم میں پیش آیا تھا۔ جو صوبہ دقہلیہ کا ایک گاؤں تھا۔ اور کوتس کے مرکز میں بحر صغیر کے ساحل پر واقع تھا۔

معاویہ بن حدیج نے کہا اور اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔[1]

عمروؓ فسطاط پہنچ گئے۔ جہاں انہیں صفر ۳۸ھ میں حضرت معاویہ رضؓ کا حکم پہنچ گیا کہ تمہیں مصر کا حاکم بنایا جاتا ہے۔ اور مصر تمہیں اس شرط پر دے دیا گیا ہے کہ فوج کا خرچ تمہارے ذمہ ہوگا۔ اور پھر اس کے بعد جو کچھ بچے گا اس کے مالک تم خود ہو گے۔

بدسلوکی لیکن یہ موقف زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکا۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضؓ کو شام اور مصر سب کچھ دلانے والے عمروؓ بن العاص ہی تھے۔

شاید اس کا پس منظر یہ ہو کہ حضرت معاویہ رضؓ عمروؓ کی طاقت اور ہوشیاری کا اندازہ لگانے کے بعد اس بات سے خائف ہو گئے ہوں کہ عمروؓ کبھی نہ کبھی دمشق پر ضرور ہاتھ ماریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اسی اندیشہ کی پیش بندی کے لئے ایک مراسلہ بھیجا جس میں یہ فقرہ تھا۔

"بشرطیکہ کوئی شرط اطاعت کو نہ توڑے۔"

عمروؓ نے اس فقرے کی تہہ کو پہنچ کر جواب میں لکھ بھیجا کہ:۔

"بشرطیکہ کوئی اطاعت شرط کو نہ توڑے"

خلیفۂ اموی اور والی مصر کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ لیکن معاویہ بن حدیج نے مداخلت کر کے ان کی باہمی صلح کرا دی۔

ابن عساکر کی روایت ہے کہ:۔

"جب خلافت تمام تر حضرت معاویہ رضؓ کو مل گئی۔ تو انہوں نے عمروؓ کے لئے مصر کو زیادہ سمجھا۔ دوسری طرف عمروؓ مصر کو اپنے لئے کم سمجھے بیٹھے تھے۔ اس لئے کہ حضرت معاویہ رضؓ کو سب کچھ دلوانے والے وہی تھے۔ اور انہیں خیال تھا کہ معاویہ رضؓ کو مصر کے ساتھ شام بھی میرے حوالے کر دینا چاہیئے۔ جب حضرت معاویہ رضؓ نے ایسا نہ کیا تو ان کے دل میں ناگواری پیدا ہو گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب ان دونوں کے درمیان کسی قیمت پر بھی مفاہمت نہ ہو سکے گی۔ لیکن ابھی معاملہ حد سے تجاوز نہ ہوا تھا کہ بعض دانشمندوں نے دونوں کے درمیان پھر مصالحت کرا دی اور مشورہ دیا کہ باہمی صلحنامہ کو تحریری شکل میں لے آؤ تاکہ پھر دوبارہ کوئی جھگڑا نہ پیدا ہو۔"

---

[1] بروایت ضعیف اسے آگ میں جلا دیا۔

چنانچہ دونوں کے درمیان بہ ثبت شہادت یہ معاہدہ طے پاگیا کہ حکومت مصر سات سال کے لئے عمروؓ کے ہاتھ میں رہے گی اور عمروؓ حضرت معاویہ کے مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔

اس معاہدہ پر بھی عمروؓ اور حضرت معاویہ رضہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے۔ اور عمروؓ کے دل میں برابر یہ خواہش ابھرتی رہی کہ انہیں مصر اور شام دونوں ملنے چاہئیں۔ اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضہ مصر کو بھی عمرو کے استحقاق سے بہت زیادہ سمجھتے رہے۔ باہمی نفرت بڑھتی اور فریقین کے اعصاب پر اثر انداز ہوتی رہی۔

ایک مرتبہ کا ذکر بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضہ نے اپنے اہل دربار سے سوال کیا کہ "سب سے زیادہ حیرت انگیز کیا چیز ہے؟" یزید نے جواب دیا "یہ بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان بلا ستون اور بلا بندش قائم ہے۔" دوسرے نے کہا "وہ حصہ جسے جاہل وصول کرے اور وہ محرومی جو عاقل کے حصہ میں آئے۔" تیسرے نے جواب دیا "وہ شے جس کی مثال دوسری نہ مل سکے۔" عمروؓ بن العاص بولے "سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ باطل پرست حق پرست پر غالب آجائے۔" اس پر حضرت معاویہ رضہ نے کہا "یوں نہیں بلکہ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انسان کو وہ سب کچھ مل جائے جس کا وہ مستحق نہ ہو اور وہ پھر بھی بے خوف رہے۔" ——— حضرت معاویہ رضہ کے اس سوال اور پھر عمروؓ کے مندرجہ بالا جواب اور حضرت معاویہ رضہ کے جواب الجواب سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر تعریض اور اشارے کر رہے ہیں۔ عمروؓ باطل پرست سے معاویہ اور حق پرست سے علیؓ مراد لے رہے ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں معاویہ رضہ مصر کا طعنہ دے رہے ہیں جو عمرو کو بطور الوفہ دیا گیا تھا۔

ایسے کو تیسا | حضرت معاویہ رضہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کو کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت معاویہ رضہ سے یہ بات کہہ کر انہیں معزول کروا دیا "تم نے باپ کو مصر دے دیا اور بیٹے کو کوفہ۔ اب تم گویا شیر کے دو جبڑوں کے درمیان آچکے ہو۔" حضرت معاویہ رضہ نے عبداللہ کو معزول کر کے ان کی جگہ مغیرہ کو مقرر کر دیا۔ عمروؓ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت معاویہ رضہ سے مل کر پوچھا "کیا آپ نے مغیرہ کو کوفہ کے خراج پر مقرر کیا ہے؟" حضرت معاویہ رضہ نے اثبات میں جواب دیا۔ جس پر عمروؓ نے کہا کہ "وہ سارا خراج خود کھا جائے گا اور تمہیں کچھ بھی نہ دے گا۔ خراج پر کسی ایسے آدمی کو مقرر کرو جو آپ سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہو۔" یہ بات سن کر حضرت معاویہ رضہ نے انہیں خراج سے ہٹا کر نماز پر مقرر کر دیا۔ پھر عمروؓ مغیرہ سے ملے اور پوچھا کہ کیا تم

نے عبداللہؓ کے خلاف امیرالمؤمنین کو مشورہ دیا تھا؟" وہ بولے "ہاں"۔ عمروؓ نے جواب دیا "جیسی کرنی ویسی بھرنی"۔

عمروؓ کی وفات: عمروؓ بن العاص وفات پاگئے۔
موت کی تاریخ عید الفطر ۴۳ھ تھی۔

موت سے تین سال پہلے رمضان ۴۰ھ میں تین خارجی اس بات پر اتفاق کرکے نکلے تھے کہ ہم میں سے ایک علیؓ کو دوسرا معاویہؓ کو اور تیسرا عمروؓ کو قتل کرے گا۔ چنانچہ ابن ملجم حضرت علیؓ کے قتل میں کامیاب ہوگیا۔ حضرت معاویہؓ کا قاتل ہمت ہار گیا۔ اور عمروؓ کے قاتل نے دھوکہ میں ان کی بجائے خارجہ بن حذافہ قاضی مصر کو قتل کر دیا، جو قتل کے دن عمروؓ کی علالت کی وجہ سے ان کی جگہ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب قاتل کو عمروؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ کہہ رہا تھا کہ "میں نے عمروؓ کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے خارجہ کا ارادہ کر لیا۔" اتنا کہہ کر وہ رو پڑا۔ عمروؓ نے پوچھا ——— "اتنا بڑا کام کرنے نکلا اور اب موت کو سامنے دیکھ کر بزدلی کے آنسو بہانے بیٹھ گیا۔ یہ کیا بات ہے؟" ——— قاتل نے جواب دیا "خدا کی قسم میں موت سے ڈر کر نہیں رو رہا ہوں، بلکہ اس صدمہ میں رو رہا ہوں کہ میرے دونوں ساتھی تو علیؓ اور معاویہؓ کے قتل میں کامیاب ہو جائیں گے اور میں ناکام رہ گیا۔" عمروؓ نے اس کی گردن مار دینے کا حکم دیا اور نعش کو سولی پر لٹکا دیا۔

لیکن وہی عمروؓ جو ۴۰ھ میں اس طرح موت کے چنگل سے بچ نکلے تھے، تین سال بعد آخر کار اس کے حوالے ہو کر ہی رہے۔

ابن عساکر کی روایت ہے کہ:-

"ہم عمروؓ بن العاص کے پاس ان کی وفات کے وقت گئے تو انہوں نے دیوار کی طرف منہ کیا اور دیر تک روتے رہے۔ اس پر ان کے بیٹے نے کہا: آپ کیوں رو رہے ہیں، کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ بشارتیں نہیں دے رکھی ہیں؟" یہ سن کر انہوں نے اپنا منہ ان کی طرف کیا اور فرمایا "میرے پاس بڑی سے بڑی کوئی امید ہے تو بس یہ ہے اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله۔ باقی میری عملی زندگی تین حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ میں میں اپنے آپ کو محمد ﷺ کا سب سے بڑا دشمن اور اس بات کا حریص پاتا ہوں کہ موقع پا کر ان کا کام تمام کر دوں۔ اگر میں عمر کے اس حصہ میں مر جاتا تو یقیناً سیدھا دوزخ میں جاتا۔ اس کے بعد میری زندگی کا دوسرا دور شروع

ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں اسلام کی محبت ڈال دی اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشرف باسلام ہونے کے لئے حاضر ہُوا۔ اور میں نے عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں بیعت کر لوں۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اور عرض کیا کہ پہلے ایک شرط کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ میرے پچھلے تمام قصور معاف فرما دیں۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ "عمرو! تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام پچھلی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح ہجرت اور حج بھی گذشتہ تمام گناہوں کو محو کر دیتے ہیں"۔ اس کے بعد میں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ اس عہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی دوسرا صاحب عظمت و جلال نہیں تھا۔ اور اگر مجھ سے کہا جاتا تھا کہ نبی کی تعریف کرو۔ تو میری زبان رعب رسالت کی بنا پر یارا نہیں دیتی تھی۔ یہاں تک کہ میں غایتِ ادب کی بنا پر آپ کے چہرۂ مبارک کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہ سکتا تھا ——— اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً سیدھا جنت میں جاتا ——— پھر اس کے بعد تیسرا دور آیا جس میں ہمیں حاکم اور والی بنا دیا گیا۔ اب مجھے کچھ خبر نہیں ہے کہ اس دور میں ہماری کیا حالتیں رہیں۔"

عمرؓ نے اپنے بیٹوں کو مندرجہ ذیل وصیتیں کیں:۔

"میں مر جاؤں تو مجھ پر نوحہ نہ کرنا۔۔۔۔ جب قبر میں اتار دو تو جلدی جلدی مٹی پھر دینا۔ اس لئے کہ میری دائیں کروٹ بھی مٹی کی ویسی ہی حق دار ہے جیسی بائیں کروٹ ہے۔ میری قبر میں پتھر اور مٹی نہ رکھنا پھر جب دفن سے فارغ ہو جاؤ تو میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہر نا جتنی دیر اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مجھے اپنے رب کے بھیجے ہوئے قاصدوں سے سوال و جواب کرنے میں تمہاری موجودگی سے سہارا رہے گا۔"

انہوں نے اپنے بیٹوں سے یہ بھی کہا کہ ——" اے میرے بیٹو! اللہ کے معاملے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو" بیٹوں نے جواب دیا۔" اباجان! اگر تمہارا مقابلہ موت کے سوا کسی اور سے ہوتا تو ہم اپنی جانیں آپ کی امداد میں قربان کر دیتے"۔ پھر کہا "مجھے سہارا دے کر بٹھا دو"۔ پھر قبلہ رو ہو کر کہا "اے اللہ تو نے حکم دیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو نے گناہ سے منع کیا لیکن ہم اس کا ارتکاب کرتے رہے۔ یہ حال رہا اس شخص کا جو آج تیری پناہ میں آنا چاہتا ہے۔ اگر تو اُسے معاف کر دے تو یہی تیری شان ہے۔ اور اگر پکڑنا چاہے تو میں اسی کا سزاوار ہوں ——

اے اللہ کوئی طاقتور نہیں جس سے مدد طلب کروں۔ کوئی صاحبِ عظمت نہیں۔ جس سے قصور معاف کراؤں۔ تیرے سوا مجھے کوئی کبریائی کا مالک اور پردہ پوش نظر نہیں آتا۔ اس لئے تجھ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں۔ اور تیری طرف ہی پلٹ کر آرہا ہوں۔ اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کرتے رہے اور اسی تکرار میں اُن کی جان نکل گئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حالتِ نزع میں ان کے بیٹے نے اُن سے کہا:۔

"ابا جان آپ ہمارے سامنے یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں کسی ایسے عاقل، ہوشمند سے اس کی حالتِ نزع میں ملاقات کرتا جو مجھے یہ بتا سکتا کہ جان کنی کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ابا جان آپ ہی ایسے آدمی ہیں اور میں آپ ہی سے یہ پوچھتا ہوں کہ ہم سے موت کی کیفیت بیان فرمادیں۔"

اس پر عمرو نے جواب دیا:۔

"پیارے بیٹے خدا کی قسم ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آسمان نے زمین کو ڈھانپ لیا ہے۔ اور میں سوئی کے ناکے سے سانس لے رہا ہوں۔ اور موت ایک کانٹوں بھری شاخ ہے جو میرے اندر پاؤں سے لے کر سر تک کھینچی جارہی ہے۔"

اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

لیتنی کنت قبل ما قد بدا لی ۔۔۔۔ فی رؤوس الجبال ارعی الوعولا

ترجمہ:۔ یعنی کاش میں اس سے پہلے جو مجھے اس وقت پیش آرہا ہے۔ کسی پہاڑ کی چوٹی پہ پہاڑی بکرے چرایا کرتا۔

مرنے کے بعد عمرو نے ترکہ میں تین سو پچیس سونے کی اشرفیاں، بیس لاکھ چاندی کے درہم، مقام رُبیط[1] کی مشہور جائیداد جس کی قیمت دس ہزار درہم تھی اور اس کے علاوہ مصر کے متعدد مکانات چھوڑے

ایک روایت[2] کے مطابق انہوں نے اپنے ترکہ میں ستر بہار[3] دینار چھوڑے جنہیں انہوں نے

---

[1] بروایت ابن عساکر وہ طائف میں ان کے انگوروں کی ٹٹیاں تھیں جن میں ایک لاکھ لکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ اور ہر لکڑی کی قیمت ایک درہم تھی۔

[2] یہ روایت دمیری کی ہے اور کتاب الحیوان میں درج ہے

[3] بہار بیل کی کھال کو کہتے ہیں جس میں دو اردب غلہ آجاتا تھا

موت سے پہلے نکال کر کہا تھا کہ" ان کا مالک کون بننا چاہتا ہے"؟ تو ان کے دونوں بیٹوں نے ان کے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر جب اس کی اطلاع حضرت معاویہ رضؓ کو ہوئی تو انہوں نے کہا" اس مال کے حقدار ہم ہیں۔ اس لئے کہ تمہارے باپ نے اسے دشمن کے مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے جمع کیا تھا۔

اور یہ کہہ کر اسے بیت المال میں داخل کر لیا۔

عمروؓ بن العاص سفح المقطم میں دفن کیے گئے۔

قبر کے مقام میں اختلاف ہے۔

ایک قول کے مطابق ان کی قبر امام شافعی کی قبر کے مغرب میں واقع ہے۔

بعض اس قبر کو عمروؓ کے بجائے قاضی قیس کی بتاتے ہیں

دوسرے قول کے مطابق عمروؓ اور عقبہ ابن عامر دونوں ایک ہی قبر میں دفن ہیں۔

تیسرے قول کے مطابق عمرو، عقبہ اور ابو بصرہ غفاری تینوں کی قبر ایک ہی ہے۔

یہ تھا عمروؓ کی زندگی کا آخری باب جو مسلسل غزوہ و جہاد اور قتل و قتال میں بسر ہوئی۔

عمروؓ ہی پر کیا موقوف ہے ہر انسان کی زندگی کا خاتمۃ الباب یہی ہے۔

عمروؓ کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے ؎

(۱) الم تر ان الدهر اخنت صروفه — على عمرو السهمي تجبى له مصر

(۲) فلم يغن عنه حزمه واحتياطه — ولا جمعه لما اتيح له الدهر

(۳) وامسى مقيما بالعراء وضللت — مكائده عنه واموا له الدثر

ترجمہ:- (۱) کیا تم نے نہیں دیکھا، زمانے کی گردش نے اس عمرو سہمی کو بھی اپنی گرفت سے نہیں بچنے دیا۔ جس کے سامنے مصر جیسی سرزمین باج گذار تھی۔

(۲) اسے تقدیر کے اٹل فیصلے سے نہ اس کی حزم و احتیاط ہی بچا سکی اور نہ اس کی جمعیت و تدبیر۔

(۳) آخر کار اسے اپنے تمام عقل و فراست اور کثرت اموال کے علی الرغم چٹیل میدان ہی کو اپنا دطن مالوف اور آخری اقامت گاہ بنانا پڑا۔

باب چہارم

عمرو — اور — قیادت

- قیادت کے معنی
- ایمان
- قائد کی شخصیت
- فوج کا انتظام
- سیاست وکیاست

قیادت کے معنی

فن حرب خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اور اسلحۂ جنگ خواہ کیسی ہی جدت اختیار کرلیں ، ہر حال میں اُن کا انتظام و انصرام انسان ہی کے ہاتھ کا محتاج رہے گا۔
جو فوج بھی کسی میدان میں فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیئے کبھی نکلے گی اُسے دیگر عوامل کے ساتھ سب سے اہم اور سب سے بڑے "عامل قیادت" یعنی رہنمائی سے ہمیشہ واسطہ پڑتا رہے گا۔ جس کے بغیر نہ فوج لڑ سکتی ہے اور نہ کسی میدان میں اُسے فتح حاصل ہو سکتی ہے۔
جو شخص بھی کسی میدانِ جنگ کی قیادت سنبھالنے کی جرأت کرے گا اُسے قدم قدم پر ملکۂ قیادت ، صفاتِ قیادت اور قدرتِ قیادت کی ضرورت پیش آئے گی۔
آیئے اب ہم یہ معلوم کریں کہ قیادت کی تعریف کیا ہے۔
جنگ کے بعض ماہرینِ خصوصی کے نزدیک قیادت انسان کی طبیعت اور اس کے مزاج کے ساتھ معاملہ کرنے کا نام ہے۔
بعض کے نزدیک انسانوں کی جماعت پر بحث و تمحیص ، ہدایت و ارشاد اور رغبت و توجہ کے ذریعے اثر ڈالنے اور پھر اس اثر کو کام میں لا کر انہیں ایک معین راستے اور مقررہ منزل کی طرف اتحاد و اتفاق اور اطاعت و اعتماد کے ساتھ چلانے کا نام قیادت ہے۔ جسے مختصر عبارت میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ — قیادت اُس فن کا نام ہے جس کے ذریعے انسانوں کو کسی معینہ منزل کی چلنے کے لیے آمادہ اور تیار کیا جاتا ہے۔
قیادت اگرچہ کوئی ایسا فن نہیں ہے جسے احاطۂ نظر میں لایا جا سکے۔ لیکن اس کے اثرات اور نتائج کے ذریعے اُسے احاطۂ علم میں ضرور لایا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا رابطہ سراسر قوائے معنویہ مثلاً رغبت و شوق ، شعور و احساس ، مقصد و مدعیٰ اور فرد و جماعت کے عقلی احساسات اور ذہنی کیفیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے پیشانی کی آنکھوں سے دیکھا جا سکے۔

قیادت کا مرتبہ و مقام عوامل حرب میں سب سے زیادہ بلند ہے۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیئے فوجوں کو جمع کرنا بھی اتنا زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتا جتنا مفید اچھی قیادت کا فراہم کرنا ہوتا ہے۔

جنگ کے لیے قیادت جتنی ضروری ہے۔ اتنی ہی قیادت کے لئے قابلیت اور لیاقت ضروری ہے۔ لیاقت سے مراد قائد کی روح۔ اس کے اندرونی قویٰ، اس کا تجربہ اور اس کا فوج کے ساتھ ایسا رابطہ اور برتاؤ ہے جس کے نتیجہ میں فوج کا ایک ایک سپاہی اپنی جان کو خوشی کے ساتھ قربان کر دینے کے لیے پیش کر دے

کامیاب قیادت کی جدید مثال نپولین کی قیادت ہے جس نے بے سروسامان فوج کو لے کر دیکھتے ہی دیکھتے الپ کے پہاڑوں کو عبور کر کے اٹلی اور لمبارڈیا کی سرزمین پر جھنڈا گاڑ دینے میں کامیابی حاصل کی ہے [1]

اور قدیم مثال حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت ہے۔ جنہوں نے بدر کے میدان میں کثیر التعداد قریش کو مٹھی بھر مسلمانوں کے ذریعہ شکست دے کر اعلیٰ ترین قیادت کا نمونہ پیش کیا۔

قائد جس قسم کا ہوتا ہے فوج بھی اسی قسم کی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی فوج کو کارساز اور لائق قائد میسر آ جاتا ہے تو اس کی قوت میں اس کی تعداد سے کئی گنا زیادہ اضافہ ہو جایا کرتا ہے۔

قیادت یا رہنمائی فوجی زندگی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس کی ضرورت زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی پیش آتی ہے۔ اور ہر شعبہ میں یہ اپنا اثر فیصلہ کن حد تک رکھتی ہے۔

قیادت کے ملکہ اور استعداد کے بارے میں بھی اہل علم کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ استعداد سب لوگوں میں نہیں ہوتی اور جن میں ہوتی ہے وہ بھی

---

[1] نپولین کے پاس بے سروسامان فوج تو تھی مگر جس وقت جنرل نادر خاں پیرس سے افغانستان آیا تو اس کے ساتھ تو کوئی بھی متنفس نہ تھا مگر وہ اپنی اولوالعزمی کی بدولت آخر کار تمام افغانستان کا مطلق العنان بادشاہ بن گیا۔ مگر اسے کیا کیجئے کہ ہمارے ذہنوں پر خواہ وہ پاکستان کے ادیب ہوں یا مصر کے انشاپرداز برتری یورپ کا ایسا رعب بیٹھا ہوا ہے کہ ان کو جب کوئی مثال دینی ہوتی ہے تو ان کے سامنے اس وقت بھی کسی یورپین کی تصویر آتی ہے اور مسلمانوں کے کارناموں کو وہ یکسر بھول جاتے ہیں۔ (محمد احمد پانی پتی)

پیدائشی ہوتی ہے جسے کسب اور کوشش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

بعض دوسرے اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ یہ استعداد انسانیت کے جوہر اصلی میں داخل ہے اور کم و بیش ہر شخص میں پائی جاتی ہے۔

جب یہ بات پایۂ ثبوت اور حد تجربہ کو پہنچ چکی ہے کہ فوج قائد کی صفات اس کے سلوک اور اس کے نمونۂ کردار سے غایت درجہ اثر قبول کرتی ہے تو پھر ہر قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر قیادت کی بہترین اور اعلیٰ ترین صفات پیدا کرے تاکہ وہ اپنے مقصد میں زیادہ سے زیادہ کامیاب اور فائز المرام ہو سکے۔

قیادت کی ضروری اور لازمی صفات کے بارے میں بھی اگرچہ اقوال مختلف ہیں لیکن مندرجۂ ذیل صفات پر تقریباً سب ہی کا اتفاق پایا جاتا ہے۔

(۱) یقین و ایمان (۲) بھروسہ و اعتماد (۳) نظم و نسق (۴) مقابلہ اور تصادم (۵) حفظ افواج (۶) حقائق کا مقابلہ (۷) قدرت و قابلیت (۸) شخصیت و وجاہت (۹) شجاعت و دلیری (۱۰) درستی اندازہ (۱۱) تدبیر و حیلہ اور (۱۲) ایثار ذات

ہم چونکہ اس باب میں عمرؓ کی قیادت سے بحث کر رہے ہیں اس لئے مندرجہ بالا صفات کے آئینہ میں عمرو کی قیادت کو دکھانا چاہتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ وہ صفات کیا تھیں جنہوں نے عمرو کی شخصیت کو تاریخ حرب کے اعلیٰ مقام پر پہنچا کر ہمیشہ کے لئے نمونۂ تقلید بنا دیا ہے۔

---

(۱) ایمان

عمرو بن عاصؓ جزیرہ عرب میں پیدا ہوئے۔ جہاں بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ اور آبادی چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں تقسیم تھی۔ جن کے درمیان اگر کوئی ربط و تعلق تھا تو وہ محبت کے بجائے عداوت کا اور انصاف کے بجائے زبردستی کا تھا۔ ایسی صورتِ حال میں دعوتِ محمدی نے ظاہر ہو کر انہیں اخوت و محبت اور عدل و مساوات کی طرف بلایا اور اُن بری عادات سے نفرت دلانی شروع کی جن کی فرماں روائی تمام جزیرۂ عرب پر قائم تھی۔ اور ایک قدم اس سے بھی آگے بڑھ کر اس دین کو بھی نشانۂ تنقید بنایا جو سارے جزیرے کا دین تھا اور اس کے بجائے ایک نیا دین پیش کر دیا۔

جزیرے کی اکثریت نئے دین کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑی ہو گئی اور تلوار سونت کر میدان میں نکل آئی۔ نئے داعیوں کو نشانۂ ظلم و ستم بنانا شروع کر دیا۔ جس سے تنگ آ کر وہ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

کیا حبشہ عرب سے دور تھا...... ؟ اور کیا عربوں کے گھٹنوں میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ بھاگنے والوں کا تعاقب حبشہ تک کر سکتے ؟ تھا، اور ضرور تھا اور صرف اس لیے تھا کہ ان کے درمیان ایسے مواقع کے لیے ایک اقدام پسند بہادر موجود تھا جو عاص کا بیٹا اور عمرو کے نام سے مشہور تھا۔

اس تمہید سے ہم یہ بات نکالنا چاہتے ہیں کہ عمرو نے دعوتِ اسلامیہ کے مقابلہ میں اندرونِ جزیرہ اور بیرونِ جزیرہ دونوں جگہ ایسی شدید جنگ لڑی جس میں صلح کے لیے کوئی لچک موجود نہیں تھی۔ بیرونِ جزیرہ کا ثبوت اُس کا وہ قول ہے جو اُس نے نجاشی سے کہا تھا: "یہ لوگ ایک انوکھا دین بنا کر کھڑے ہوئے ہیں۔ جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ۔ اور اس دین کا اصل بانی ایک جھوٹا آدمی ہے جو اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے کچھ بیوقوف قسم کے لوگ اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔"

دن گزرتے گئے اور دینِ قومِ محمد وسعت اختیار کرتا اور قریش کے بہادروں کو شکست پر شکست دیتا چلا گیا۔ عمرو بھی اپنی حدِ نگاہ تک دینِ جدید کی کامیابی کو دیکھتے رہے۔ اور بالآخر اُس

مقام تک پہنچ گئے جس پر کھڑے ہو کر وہ خود بول اُٹھے کہ :-

"بات کھل کر سامنے آگئی ہے اور میرے دل میں اسلام گھر کرتا جارہا ہے۔"

اور انہی کی صدائے بازگشت تھی جو اُن کے دوست نجاشی کی زبان سے بھی اس طرح سنائی دے رہی تھی کہ :-

"عمرو! محمد کی تابعداری اختیار کر لو۔ اس لیے کہ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں اور یقیناً وہ اپنے مخالفین پر اسی طرح غلبہ پاتے چلے جائیں گے جس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون اور افواجِ فرعون پر غلبہ پایا تھا۔"

عمرو اس مرحلہ پر پہنچنے کے بعد اپنے ضمیر کے تقاضے کو زیادہ دیر تک دبا نہیں سکتے تھے چنانچہ وہ ایمان لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اعلانِ اسلام کرتے وقت اپنی سابقہ غلطیوں کی معافی کا بھی اطمینان کر لیا۔

ایمان لانے کے بعد عمرو مسلمانوں میں بھی صدارت ہی کے مقام پر فائز ہوئے۔ اور چونکہ ان کا ایمان خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بھی ایک مضبوط اور راسخ ایمان تھا اس لیے حضور نے انہیں ایک ایسی مہم کے لیے دعوت دی جس کے نتیجہ میں مالِ کثیر کی اُمید تھی۔

تو عمرو نے اپنے اخلاصِ ایمانی ہی سے مجبور ہو کر حضور پر نور سے عرض کیا تھا کہ :-

"میرے آقا! میں نے مال کے لالچ اور دنیا کی طمع میں اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ اُسے حق اور صداقت سمجھ کر قبول کیا ہے۔"

اس باب میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ وہ عمرو کا ایمان ہی تھا جس نے انہیں ذات السلاسل میں اعداءِ اسلام کے مقابلہ میں تلوار کھینچ کر میدان میں نکل آنے پر آمادہ کیا تھا۔

وہ بھی ایمان ہی کا شعلہ تھا جس نے انہیں عہدِ صدیقی میں فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں سرکف کر دیا تھا۔

فلسطین کے جہاد میں بھی اُن کی جانبازی اور فیاضی دستِ افواج ایمان ہی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تھی۔

پھر عہدِ فاروقی میں مصر کا تاریک راستہ بھی انہیں ان کی مشعلِ ایمانی ہی نے ان کے سامنے روشن کیا تھا

اور مصر کے بعد برقہ، طرابلس، نوبہ اور شمالی افریقیا کی دور دراز سرزمین کو بھی اُن کے ایمان اور یقین محکم

کے مقابلیں ہی نے اُن کے لیے نزدیک تر بنا دیا تھا۔

بہر حال عمروؓ کا ایمان قوی اور ناقابلِ شکست تھا اور اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ان کی افواج نے بھی ان کی قوتِ ایمانی کا پورا پورا عکس قبول کیا تھا۔ اور جو عظیم الشان فتوحات ان کو حاصل ہوئیں ان میں قوتِ ایمانی نے پورا پورا کردار ادا کیا۔

ایمان کی جڑ اور اس کا تنہ مضبوط ہو جانے کے بعد پھر اُس تنے سے جو شاخ بھی نکلتی ہے وہ مضبوط اور شاداب ہی ہوتی ہے۔ عمروؓ کا ایمان بالدین ایک ایسی مضبوط جڑ تھی جس سے ہر ہر قدم پر جز دی مقاصد کے لیے ایمان کی شاداب شاخیں نکلتی اور کامیابی کے برگ و بار لاتی رہیں۔ اور جو مقصد، جو تدبیر، جو معرکہ اور جو محاذ بھی ان کے سامنے آیا اس پر وہ پورے بھر دسے، پورے عزم پوری صداقت، پورے اخلاص، پوری شجاعت اور پھر پورا ایمان و ایقان کے ساتھ جم گئے۔ اور آخری مقصد ہمیشہ ایک ہی رکھا اور وہ تھا اشاعت اسلام اور شہادت فی سبیل اللہ

---

(۲) شخصیّت

شخصیت کی کوئی جامع اور منطقی تعریف کرنا تو مشکل ہے۔ البتہ اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا جا سکتا ہے :-

بعض کے نزدیک شخصیت اُن صفات کے مجموعہ کا نام ہے جن کے ذریعہ ایک فرد دوسرے فرد سے امتیاز حاصل کرتا ہے۔

بعض کے نزدیک شخصیت ان جسمانی، عقلی اور اخلاقی صفات کے مجموعہ کا نام ہے جن سے کوئی انسان متصف ہو۔

بعض کے نزدیک شخصیت ان امتیازات کے مجموعہ کا نام ہے جن کی بنیاد پر افراد کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔

شخصیت کے کچھ اجزاء اوّلی ہیں اور کچھ اجزاء ثانوی۔

شخصیت کے اجزائے اوّلی وہ نسبتی صفات اور نسبتی قوٰی ہیں جو اپنی نوعیت اور اپنی مقدار کے اعتبار سے افراد کے درمیان گھٹتے بڑھتے اور مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان کے گھٹنے بڑھنے ہی سے شخصیات ایک دوسرے سے جُدا اور ممتاز ہوتی ہیں۔

شخصیت کے اجزائے ثانوی وہ عوامل ہیں جو باہر سے اس کے اندر داخل ہوتے اور اس کی تکوین و تشکیل میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان عوامل میں بھی کچھ فطری ہوتے ہیں، کچھ موروثی اور کچھ کسبی و اکتسابی۔ جو موقوف ہیں حالات، ماحول اور خصوصی تجربات پر۔

شخصیت کے انہی اجزائے اولی و ثانوی کی روشنی میں ہم عمرو بن العاص کی ذات و صفات کو دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں۔

۱۔ بصیرود | اعتماد علی النفس شخصیت کے بنانے اور اس کو پختہ کرنے کا سب سے بڑا عامل ہے۔ جس شخصیت میں خود اعتمادی پیدا ہوگئی اُس کے ہر عمل میں جان پڑ گئی اور اس کا ہر اقدام کامیابی کی منزل

تک پہنچ گیا۔

بھروسہ پیدا ہوتا ہے فرد کی قدرت وطاقت سے۔ اور جس شخص کو خود اعتمادی کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ ہر صورتِ حال کا مقابلہ اطمینان قلب اور تیقن نصرت کے ساتھ کرتا ہے۔

عمروؓ کو اس صفت کا کتنا حصہ ملا تھا۔ اور انہیں اپنی ذات پر کس قدر بھروسہ اور اعتماد حاصل تھا، اس کا اندازہ ان کی جنگوں اور دیگر کارناموں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

عمرو ذات السلاسل میں اپنی فوج کو ترتیب دے رہے تھے کہ ان تک وہ امداد پہنچ گئی جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہؓ کی قیادت میں روانہ کیا تھا۔ ان ابو عبیدہؓ نے جب اس بات کا اظہار کیا کہ فوج کی عمومی قیادت بھی ان ہی کے حوالے کر دی جائے تو عمروؓ نے ان کی خواہش کو رد کر دیا اور اس رد کی وجہ یہ تھی کہ عمروؓ کو اپنی ذات پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ اور فرائض قیادت ادا کرنے میں ابو عبیدہ سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ چنانچہ قیادت کا فیصلہ عمروؓ ہی کے حق میں رہا۔

دوسرے موقع پر عمرو اور قرہ بن ہبیرہ کے مابین ملاقات ہوتی ہے جس میں قرہ عمروؓ کو ان کے جہادِ مرتدین و منکرینِ زکوٰۃ کے موقف سے کچھ کمزور کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:۔

"عرب تمہارے ٹیکس گزار بن کر زندگی گزارنا ہرگز گوارا نہ کریں گے۔ اس لیے اگر تم انہیں زکوٰۃ کی معافی دے دو تو اس کے بعد وہ تمہارے مطیع و منقاد بن جائیں گے۔"

تو اس کا جواب عمروؓ نے یہ دیا تھا کہ:۔

"میں تجھے اس وقت جہنم کے کنارے پر دیکھ رہا ہوں اور اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ تو اور تیری جماعت اس کے اندر گر جانے کے لئے تیار کھڑی ہے۔"

اس کے بعد عمروؓ کا اعتمادِ نفس اُسے مزید جھنجوڑتا ہے:۔

"کیا تو ہمیں عربوں سے ڈرانے کی کوشش کرتا ہے۔ سُن لے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اُن کو اور ان کے ساتھ تجھ کو بھی گھوڑے کی ٹاپوں سے پامال کر کے رکھ دوں گا۔"

عمروؓ کا یقینِ ذات اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتا ہے:۔

"اور میں تیری گردن دبوچ کر ہی رہوں گا، خواہ تو اس کے آگے جنات کی باڑھ ہی کیوں نہ کھڑی کر دے۔"

یرموک کے موقع پر بھی عمروؓ کا اعتمادِ ذات ہی تھا جس نے پورے بھروسے کے

ساتھ مسلمانوں کی انفرادی قیادتوں کو اپنے پُراعتماد شورے سے ایک قیادت میں تبدیل کیا تھا اور پھر اس خوفناک جنگ میں فتح مبین حاصل کر کے گویا ایک بہترین عملی دلیل اپنی رائے کی اصابت پر قائم کر دی تھی۔

ارطبونِ روم کے مقابلہ میں نکلنے کی جرأت عمروؓ کبھی نہ کرتے اگر انہیں اعتماد اور بھروسے کی لازوال طاقت حاصل نہ ہوتی۔ اور پھر اس طاقت میں مزید شعلہ سامانی خلیفہ عمرؓ کا یہ قول پیدا نہ کر دیتا کہ:۔

"ہم نے بھی ارطبونِ روم کے مقابلہ میں اپنا ارطبونِ عرب بھیج دیا ہے۔"

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمروؓ ارطبونِ روم کے بھرے دربار میں بذاتِ خود سفیر بن کر گئے اور اپنی شخصیت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے کامیاب جاسوسی کر آئے۔ اور ارطبون کی آنکھوں میں ایسی دھول جھونک آئے جس کے بعد اُس نے خود اپنی زبان انفعال سے اس بات کا اعتراف کیا:۔

"عمرو یقیناً ساری دنیا سے زیادہ چالاک اور ہشیار شخص ہے۔"

اسی اعتماد علی النفس اور یقینِ ذات کا حیرت انگیز مظاہرہ اسکندریہ میں محصور ہو جانے کے وقت ہوا۔ جب رومی اسکندریہ میں صرف چار مسلمان تھے جن میں سے ایک خود عمرو تھے۔ اور طے پایا تھا کہ تم میں کا ایک ہمارے پہلوان کا مقابلہ کرے، اگر وہ غالب آجائے گا تو سب کو رہا کر دیا جائے گا۔ اور مغلوب ہوگیا تو چاروں گرفتار ہو جائیں گے۔ تو رومی پہلوان کے مقابلہ میں سب سے پہلے عمروؓ ہی نے بڑھنے کا ارادہ کیا تھا۔

غرضیکہ اپنی ذات پر بھروسہ تعمیرِ شخصیت کا ایک اہم عامل ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو قائد اپنی ذات پر بھروسہ کرے گا اس کی فوج بھی اُس پر یقیناً بھروسہ کرے گی اور جو قائد خود اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرتا اُسے اس بات کی کبھی اُمید نہ کرنی چاہیئے کہ دوسرے اُس پر بھروسہ کریں گے۔

عمروؓ کے اعتمادِ ذات کی جو مثالیں ہم نے اوپر پیش کی ہیں اُنہی کی یہ برکت تھی کہ فوج اور قوم دونوں کو عمروؓ پر بھروسہ تھا۔

اگر عمروؓ مصر کی طرف رغبت دلاتے ہوئے اپنے پورے اعتمادِ نفس کا ثبوت نہ دیتے تو یقیناً حضرت عمرؓ مصر کی مہم میں کبھی نہ پڑتے۔

اس کے بعد جب عبداللہ بن ابی سرح کے دور میں منویل نے دوبارہ اسکندریہ کی واپسی اور

مصر کی بازیابی کے لئے فتوحات شروع کر دی تھیں تو اہل مصر کو اگر عمرو پر بھروسہ نہ ہوتا تو وہ حضرت عثمانؓ سے عمرو کو بھیجنے کا مطالبہ نہ کرتے

چونکہ عمروؓ خود اپنی ذات پر اعتماد کامل رکھتے تھے اس لیے قوم کو بھی ان پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اور اسی اعتماد کی بنا پر انہوں نے دوبارہ مصر پہنچ کر منوئیل کو مصر سے مار بھگایا تھا۔

---

(۲)

مشکل پسندی اس بات پر بھی علمائے نفس کا اتفاق ہے کہ فرد قوی وہی ہے جو ذمہ داریوں کا متلاشی رہے اور فردِ ضعیف وہ ہے جو ہمیشہ ذمہ داریوں سے جی چرائے۔ اور اس طرح فرار اختیار کرے جیسے خوفناک درندوں سے فرار اختیار کیا جاتا ہے

ذمہ داری کی تلاش اور ان کو قبول کرنا فرد کے اندر قیادت کی صلاحیت، کارپردازی کی قدرت، اعتماد علی النفس، یقین محکم، جرأت و اقدام، پیش قدمی اور تعاون کی صفات کو پرورش کر کے اُسے بڑے بڑے کام کر جانے کے قابل بناتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جب منکرین زکوٰۃ اور مرتدین سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو اُس وقت عمروؓ بن العاص قضاعہ میں مقیم تھے۔ خلیفہ نے اُن کے پاس پیغام بھیجا کہ :-

"اے ابو عبداللہ میں تمہیں ایسے کام کے لئے فارغ کرنا چاہتا ہوں جو تمہاری معاش اور معاد دونوں کے لئے بہتر ہوگا"

پھر اس پر استدراک کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"الا یہ کہ تم اپنے لیے اُسی حال کو پسند کرو جس پر تم اس وقت ہو"

حالانکہ خلیفہ کا یہ استدراک عمروؓ جیسے شخص کے لئے بے محل اور خلاف واقعہ تھا۔ اس لیے کہ عمرو کے بارے میں کبھی یہ فرض ہی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی بھی ذمہ داری سے جان چرا سکتے ہیں چنانچہ عمرو کی طرف سے خلیفہ کے پاس اسی قسم کا جواب آیا بھی۔ جس میں انہوں نے عرض کیا :-

"......آپ ان میں سے ایسے تیر کو منتخب فرمالیں جو دشمن کے سامنے سخت ترین، خدا کے سامنے نرم ترین اور آپ کے نزدیک افضل ترین ہو۔ اور پھر اُسے جس سمت چاہیں پھینکا دیں......"

عمروؓ کے کاندھوں پر مرکز خلافت کی طرف سے ڈالی گئی ذمہ داریاں بظاہر اُس وقت ختم ہو جاتی ہیں جب انہوں نے خلیفہ حضرت عمرؓ کو بیت المقدس کا چارج دلوادیا تھا۔

لیکن ذمہ داریاں اُس شخص کی نسبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں جو ایک اہم شخصیت بننے کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ اور جیسے تاریخ کے درخشاں اُفق پر ابھی بہت سے چاند اور ستارے روشن کرنے تھے۔ اُس کے اعصاب فلسطین سے بھی بڑی اور کٹھن ذمہ داری کا بوجھ اُٹھانے کے لیئے انگڑائیاں لے رہے تھے۔ اور بالآخر انہوں نے خلیفہ عمرؓ کو ایک ایسے پُرخطر اقدام پر تیار کر ہی لیا جس کے بارے میں وہ کبھی سوچنے کے لیئے بھی تیار نہیں تھے۔ اور مشکل پسندی کی انتہا کر دی۔ جب خلیفہ سے صرف چار ہزار فوج لے کر مصر جیسی وسیع مملکت پر چڑھ دوڑے۔

مصر کے حاصل کر لینے کے بعد بھی ان کی مشکل پسندی کی پیاس نہ بجھی تو برقہ اور طرابلس کی طرف بڑھ گئے۔ وہ اس سے بھی آگے بڑھ جاتے اگر خلیفہ عمرؓ انہیں آگے بڑھنے سے نہ روک دیتے۔

مشکل پسندی یا تلاش ذمہ داری کی صفت کو دو اور صفات سے نہایت گہرا ربط ہے۔ جن میں سے ایک پختگی ارادہ ہے اور دوسری ثبات قدمی ہے۔ جو فرد بھی مشکل پسند یا ذمہ داری کو دعوت دینے والا ہوتا ہے وہ لازمی طور پر مضبوط ارادے کا مالک اور پھر اس ارادے کی تکمیل کے لیئے اسباب و ذرائع اور حالات و مواقع کی فراہمی پر ثابت قدم اور مستقل مزاج بھی رہتا ہے۔

عمرو کی تمام صبر آزما اور طویل جنگوں میں اُن کے سامنے اپنے آقا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارادہ قوی اور وہ استقلالِ مزاج نمونۂ تقلید رہا جس کا ثبوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۂ عرب میں دینِ جدید کی دعوت کے دوران پیش کیا تھا کہ ایک طرف اہل عرب اور بالخصوص قریش کا شدید ترین دباؤ تھا اور دوسری طرف فردِ واحد کا آہنی عزم اور کوہ شکن استقلال جس نے بالآخر فتح حاصل کی اور جزیرۂ عرب پر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کا جھنڈا گاڑ کر چھوڑا۔

اور عمرو بن العاص اپنے اقدامات میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا وہ ارشاد گرامی بھی ہر جگہ اپنے سامنے رکھتے تھے جو آپ نے اپنے چچا سے فرمایا تھا کہ :-

"چچا اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں گے تو میں اس کام کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔"

اور تاریخ اسلام ہمیں یقین دلاتی ہے کہ عمرو کے کانوں میں حضور کا یہ قول برابر گونجتا رہا۔ ہمیں یاد ہے کہ عمرو کے سامنے فتوحات کے دوران میں مصر کے حاکم نے گرانقدر مال پیش کیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ وہ مصر سے واپس چلے جائیں تو انہوں نے اس مال کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے نمٹ دیا تھا کہ ہم مال کے لیئے نہیں، اسلام اور صرف اسلام کے لیئے لڑنے آئے ہیں اور ہماری

قدر و قیمت اُس سے بہت ورا الورا ہے جو مصر کے حکمران سمجھتے ہیں۔
عمروؓ کا مصر سے بھی آگے مغرب کی طرف بڑھ جانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ان کو تسلسل پسندی قبول خطرات، قوت ارادہ اور مستقل مزاجی کی صفات کس پیمانہ پر حاصل تھیں اور ان کی شخصیت کی تعمیر میں ان صفات کا کتنا اہم حصہ تھا۔

---

(۳) عملی نمونہ فوج اپنے قائد سے بےحد متاثر ہوتی ہے۔ وہ اس کے نقش قدم پر چلتی اور اسے ہر کام میں اپنے سامنے ایک مثالی نمونہ بنا کر رکھتی ہے۔ ایسا نمونہ جس میں سرتاپا خوبیاں ہی خوبیاں نظر آئیں اور عیب ایک بھی دکھائی نہ دے۔ اور پھر اس کی تقلید بھی اس حد تک کرتی ہے، کہ کہنے والے کے اس قول کو سچ کر دکھاتی ہے کہ:-

"جیسا قائد ویسی فوج"

قائد کے لیئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنی اُس فوج کے لیے جس سے قدم قدم پر قوت، قدرت، شجاعت، اقدام اور قربانی کی اُمید رکھتا ہے اور اپنے ایک اشارۂ ابرو پر موت تک سے کھیل جانے کا آرزو مند ہے، ضروری ہے کہ وہ خود بھی اُن کے سامنے ایک کامل نمونۂ تقلید بنے۔ جس کے نقش قدم پر چل کر وہ بھی اس کی آرزوؤں کی تکمیل کریں۔

غزوۂ ذات السلاسل میں مسلمانوں نے عمروؓ سے آگ روشن کرنے کی اجازت مانگی تو اجازت نہ ملی۔ جس پر اُن کو غصہ آیا۔ اور واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اس بات کی شکایت بھی کر دی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے جواب طلب کیا تو عمروؓ نے عرض کیا:-

"مجھے اندیشہ تھا کہ آگ کی روشنی سے دشمن ہماری قلت تعداد کا صحیح اندازہ لگانے گا اور اس کے حوصلے بلند ہو جائیں گے"

پھر مزید عرض کیا کہ:-

"یا رسول اللہ خود میں بھی تو اُس کشتی میں سوار تھا اور سردی کا احساس سب لوگوں کی طرح کر رہا تھا"

مزید عرض کیا کہ:-

"میرا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ آگ روشن کر کے ہاتھ پاؤں گرم کر لوں"

عمرو کے آخرالذکر ہر دو فقروں سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ عمروؓ اپنی فوج کے ہر سرد وگرم میں اُن کے ساتھ رہتے اور اُن کے لیے عملی نمونہ بنتے تھے۔ جس سے فوج پر مطلوبہ عمل آسان ہو جاتا تھا۔

اجنادین میں باوجود اس کے کہ وہ فوج کے قائد تھے اور باوجود اس کے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جاسوس بنا کر دشمن کے کیمپ میں بھیج سکتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ جاسوس بن کر جانے میں خود ان کی جان کا خطرہ تھا۔ پھر بھی بذاتِ خود دشمن کے کیمپ میں پہنچ گئے اور اپنے اس عمل سے ثابت کر دیا کہ تمہارا قائد صرف حکم ہی دینے والا نہیں ہے بلکہ تمہارے سارے کاموں میں برابر کا شریک اور ایک اچھا نمونۂ عمل بھی ہے۔

---

(۴) دُور بینی | قائد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حالات کا اندازہ دور تک لگا سکے۔ اور اپنے احکام کے نتائج، اپنے فیصلوں کے اثرات، اپنے منصوبوں کے طول و عرض اور اپنے جائزوں کی رسائی کو حال کی روشنی میں دیکھنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کی روشنی میں بھی دیکھے۔ اس دُور بینی اور دُور اندیشی میں حقیقی ضمانت ہوتی ہے اُس کے اقدامات کی کامیابی اور نقل و حرکت کی فتح مندی کے لیے۔

یرموک میں عمروؓ نے جس وقت مسلمانوں کی متفرق افواج کو اتحاد کی لڑی میں پرو کر وحدت قیادت کا مظاہرہ کیا تھا تو اُس وقت اُن کے سامنے صرف یرموک ہی نہیں تھا بلکہ وہ یرموک کے بعد ہر میدان میں اس کی ضرورت کو پہلے میدانوں سے زیادہ محسوس کر رہے تھے۔ اور اتنی دُور دیکھ رہے تھے جتنی دُور عام قائدین کی نگاہ دوڑ ہی نہیں سکتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ مسلمان ایک بار یرموک میں متحد ہو جانے کے بعد پھر شام اور فلسطین کے تمام معرکوں میں متحد ہی رہے۔

مصر میں ام ذنین کی تسخیر کے بعد ہی عمروؓ نے دُور اور بہت دُور بابلیون میں اپنے آنے والے مؤقف کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے لیے ہمیں نیل کے اُتار کا طویل انتظار کے ساتھ ساتھ مزید فوجی امداد کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔ چنانچہ انہوں نے قبل از وقت ہی خلیفہ کو امداد کے لیے لکھ دیا تھا۔ اور طویل انتظار کے وقفہ کو استعمال کرنے کے لیے بھی انہوں نے منصوبہ بنا لیا تھا اور اس منصوبہ کے مطابق بذاتِ خود فوج لے کر صوبۂ فیوم کے رومیوں کو ہراساں کرنے اور ان کے قویٰ کو مضمحل کرنے کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

پھر جونہی زبیرؓ کی کمک مصر میں داخل ہوئی تو اُس سے ملنے میں جلدی کرنا بھی اسی دور بینی اور دقتِ نظر کا تقاضا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رومی ہمارے اور اس کمک کے درمیان حائل ہو کر اُسے ہمارے لیے بے سود بنا دیں

بابلیون کے محاصرہ کے دوران بھی جب انہیں تھیوڈور کی نقل وحرکت کا علم ہُوا تو اُن کی دُور بینی نے مشورہ دیا کہ اُسے قلعہ تک آنے سے پہلے دُور ہی کسی جگہ روک دیا جائے۔ چنانچہ عمروؓ بلاتاخیر بذاتِ خود اس کے مقابلہ پر بھی سمنود تک پہنچ گئے اور اس کے حوصلے کو پست کر دیا۔

اسکندریہ کے محاصرہ کو لمبا ہوتے دیکھ کر بھی عمروؓ نے ازراہ دُور بینی ضمنی فتوحات کا منصوبہ بنایا اور فاضل طاقت کو لے کر پورے ایک سال تک کریون، دمنہور، سخا، طوخ، دمسیس اور دمیاط وغیرہ علاقوں کی طرف کام کرتے رہے

بالائی مصر کے لیے حذافہ کی مہمات بھیجنے اور اُسے حذافہ کے ہاتھ سے فتح کرانے میں بھی عمروؓ کی دُور بینی ہی کار فرما تھی۔ اس لیے کہ اس علاقہ کے رومیوں سے کسی نہ کسی وقت خطرات پیش آ سکتے تھے۔

اسکندریہ سے جب خود قیرس پیغام صلح لے کر عمروؓ کے پاس پہنچا تو عمروؓ کی دور بینی ہی نے اس کا باعزت استقبال کرایا اور یہ الفاظ عمروؓ کی زبان سے کہلوائے کہ:۔

"آپ نے خود تشریف لا کر ہمارے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

اور عمروؓ نے اپنے اس استقبال کا فوری ردِ عمل بھی دیکھ لیا کہ قیرس نے اپنے مقام سے گر کر یہاں تک کہہ دیا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ زمین عطا کر دی ہے اس لیے آج کے بعد رومیوں سے کسی جنگ کا ارادہ نہ کریں۔"

بنیامین کو روپوشی سے نکال کر اس کے منصب پر بحال کرنا بھی عمروؓ کی دور بینی ہی کا تقاضا تھا۔ اور ان کی دور رس نگاہیں اُن فوائد کو پہلے ہی دیکھ رہی تھیں جن کا ظہور بعد میں ہُوا۔

یہاں تک کہ جب منویل نے دوبارہ اسکندریہ پر قبضہ کیا تو اس وقت اُس نے رومیوں کا کا ساتھ نہیں دیا اور اس کی اخلاقی ہمدردیاں بدستور مسلمانوں کے ساتھ رہیں۔

صبراتہ کے بعد عمروؓ چاہتے تو شمالی افریقہ کی طرف بدستور پیش قدمی جاری رکھتے۔ لیکن وہ بغیر سوچے سمجھے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اور جب انہوں نے دور بینی کی نگاہ سے معاملہ پر غور کیا تو آگے

بڑھنے سے پہلے خلیفہ سے اجازت اور مدد طلب کر لی

---

(۵) قوتِ فیصلہ | قوتِ فیصلہ سے مراد ہے پیش آمدہ معاملات میں جلد فیصلہ کرنا، اس فیصلہ کے نافذ کرنے کے لیے پوری طاقت سے احکام جاری کرنا اور پھر فوراً ان احکام پر عمل کرانا اور ان سارے کاموں میں پوری حکمت تدبیر اور عوامل کی جانچ پڑتال کا لحاظ رکھنا۔

ہم نے ابھی ابھی عمروؓ کی دور بینی کے بیان میں جو مثالیں ذکر کی ہیں وہی مثالیں عمروؓ کی قوتِ فیصلہ کا نمونہ بھی پیش کرتی ہیں۔ مثلاً:-

۱۔ مصر میں زبیر کی کمک کے ساتھ عمروؓ کا فوراً جا کر مل جانا۔

۲۔ محاصرۂ اسکندریہ کے دوران نشیبی مصر کی طرف پیش قدمیاں

۳۔ محاصرۂ بابلیون کے دوران سمنود کے مقام پر تھیوڈور کی پیش قدمی کو روکنا وغیرہ۔

لیکن قوتِ فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے اگر ہم ذات السلاسل کے دو واقعات کی طرف اشارہ نہ کریں تو مضمون تشنہ رہ جائے گا۔

(۱)۔ پہلا واقعہ وہ ہے جو ابو عبیدہؓ کے ساتھ پیش آیا، جب انہوں نے امداد لا کر فوج کی عمومی قیادت سنبھالنی چاہی۔ تو اسے پوری قوتِ فیصلہ کے ساتھ عمروؓ نے رد کر دیا۔ اس کا صحیح اندازہ آپ کو ان دونوں کی اُس گفتگو سے ہوگا جسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:-

عمروؓ۔ یہاں فوج کا یقیناً ایک ہی امیر اور ایک ہی امام ہوگا۔ دو نہیں ہو سکتے۔

ابو عبیدہؓ۔ عمرو! اختلاف نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ باہم اختلاف نہ کرنا۔

عمروؓ۔ لیکن اگر میں آپ کی بات نہ مانوں تو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنے کا حکم دیا ہے؟

ابو عبیدہؓ۔ یہی کہ میں تمہاری اطاعت کروں

عمروؓ۔ بس تو پھر میں آپ کی بات ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ امامت عمرو کے سوا کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔

(۲)۔ دوسرا واقعہ آگ روشن کرنے کا ہے۔ مسلمانوں نے ابو بکرؓ کو ان کے پاس آگ کی ممانعت کے بارے میں بات کرنے کے لیے بھیجا اور انہوں نے سفارش کی تو عمرو نے اُن کی بات سننا تک

گوارا نہ کی اور دوٹوک فیصلہ سنا دیا کہ:۔
"جو کوئی بھی آگ جلائے گا اُسے اُسی کی آگ میں پھینک دیا جائے گا"
اسی طرح فوج نے شکست خوردہ دشمن کے تعاقب پر اصرار کیا اور کہا کہ "ہم اُن کا پیچھا کرکے ان کا خاتمہ کردیں اور اُن کے ساز و سامان پر قبضہ کرلیں" ـــــ تو اس مرحلہ پر بھی عمرو کی قوت فیصلہ ہی نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کیا تھا کہ:۔
"بس میرا حکم یہی ہے جو میں دے چکا ہوں۔ اور اس کے بعد جو بھی ان کے تعاقب میں جائے گا سخت سزا کا مستوجب ہوگا"
عمرو کی یہی قوت فیصلہ تھی جس نے فوج کے درمیان مطلوبہ نظم و ضبط قائم رکھا اور جس کے نتیجہ میں فوج نے ہر میدان میں اُن کی پوری اطاعت کرکے دشمن پر ہر جگہ کامیابی اور فتحمندی حاصل کی۔

---

(۱۶) بے نفسی | کامیاب فرد پر متبادل کیفیات اور متضاد احساسات وارد ہوتے ہیں۔ اور اسی لیئے اس کی صفات متعین کرنے میں علمائے نفس کے مابین بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔
بعض کا خیال ہے کہ کامیاب فرد اپنی زندگی اور اپنے تصرفات میں مبالغہ پسند اور متکبر ہوتا ہے اور اپنے علاوہ ہر شخص کو مرتبے اور حیثیت میں اپنے سے کم سمجھتا ہے۔
حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ کامیاب فرد کے اطوار پر تواضع اور انکساری غالب آتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی حقیقت لوگوں پر خود بخود واضح ہو جاتی ہے اور وہ خود اس کی ثنا خوانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب دوسرے لوگ اس کی کارسازی، قدرت وطاقت اور توفیق و کامیابی کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر اُسے تکبر اور غرور کے ذریعہ اپنی شخصیت کو منوانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔
اس حقیقت کا قریب قریب سب اعتراف کرتے ہیں کہ خاموش عمل ہی کامیابی کا راستہ ہے اور تصنع اور بناوٹ ناکامی کی دلیل۔

ہر قائد اور رہنما کی طرح حربی قائد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ متواضع اور دھیما ہو۔ اور جہاں تک ہو سکے اپنے بارے میں مبالغہ آرائی سے پرہیز کرے۔ اس لیے کہ اپنی فن کاری، اپنے کارناموں اور اپنے تصرفات کو خود اپنی ہی زبان سے بیان کرنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ اس کے کارنامے، اُس کی مہارت فن اور اس کی کارپردازیاں اس کی تعریف اور توصیف کریں۔ بےشک

آں نست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید)

ہم عمروؓ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آجاتا ہے کہ باوجود عظیم الشان فتوحات اور کارناموں کے ان کے اندر غرور اور تکبر کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ اور اس کے بجائے تواضع اور انکساری ضرورت سے بھی زیادہ پائی جاتی تھی۔ انہوں نے اپنی مہارت جنگ اور فتوحات کا تذکرہ اپنی زبان سے اتنا نہیں کیا جتنا دوسرے لوگوں نے اور خود تاریخ نے کیا۔ جزیرۂ عرب کا بچہ بچہ عمروؓ کا تذکرہ اسلام کے ایک عظیم المرتبہ فاتح کی حیثیت سے کرتا تھا۔ اور مصر اور حوالی مصر کا ایک ایک فرد انہیں فاتح سے بھی زیادہ قائد اخلاق اور قائد تواضع کی حیثیت سے جانتا تھا۔

ام ذنین میں عربوں اور رومیوں کے درمیان نہایت صبر آزما اور بازو شکن جنگ ہوئی اور اس میں مسلمان ایسے تھکے کہ عمروؓ کے اکثر ساتھیوں نے تو ہمت تک ہار دی اور جنگ بند کر دینے کا خیال دل میں لانے لگے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے تو ان میں سے عین اس وقت جبکہ وہ فوج کی ہمت بڑھا رہے تھے، اٹھ کر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "انا لم نخلق من حدید" (ہم کوئی لوہے کے تو بنے ہوئے نہیں ہیں) حس پر عمروؓ نے اس کو جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔ "اسکت انما انت کلب" یعنی "خاموش رہ او کتے") اس پر اس شخص نے فی الفور جواب دیا "وانت امیر الکلاب یعنی" اور تم کتوں کے امیر ہو") لیکن عمروؓ کے تحمل اور بردباری نے اس شخص سے اعراض کیا۔ حالانکہ فوجی نظم وضبط کی رو سے اس شخص پر کئی سنگین دفعات عائد ہوتی تھیں اور عمروؓ کو اختیار تھا کہ اسے قائد کی حکم عدولی، قائد کی توہین اور اپنے فرض میں کوتاہی کی پاداش میں عبرتناک سزا دیتے۔ تاکہ باقی فوج اس کے بزدلانہ قول کے اثر سے متاثر نہ ہو۔ لیکن عمروؓ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنی فوج کی طرف متوجہ ہو گئے اور بدستور انہیں ترغیب جہاد دیتے رہے[1] اور فرمایا کہ "تقدموا فیکم ینصر اللہ" یعنی آگے بڑھو اللہ کی مدد تمہارے ہی دست وبازو بن کر نازل ہو گی۔

---

[1] محمد فرج مؤلف کتاب عمرو بن العاص کی حمایت میں جو کچھ چاہیں لکھیں۔ لیکن اگر یہ روایت صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ عمروؓ بن العاص میں اخلاق اور تہذیب کی بڑی کمی تھی۔ کسی شخص کی عزت نفس کا خیال نہ کرتے ہوئے اسے کتا کہہ دینا یقیناً حد درجہ کی بداخلاقی تھی۔ اور اگر وہ سپاہی فاروق اعظمؓ کی عدالت میں اپنی اس توہین کا دعویٰ کر دیتا تو پھر عمروؓ بن عاص کو سپاہی کی تحقیر کرنے کا مزہ آتا۔ (محمد احمد پانی پتی)

امیر فیض نے اپنی کتاب "حیات خلفائے محمدؐ" میں یہ بات واضح کی ہے کہ :-

"عمروؓ نے جب شہر (اسکندریہ) کے حاکم کے سامنے بلند پایہ اور بہادرانہ گفتگو کی جس سے حاکم نے انہیں سردار سمجھ کر قتل کا حکم دے دیا تو وردان نے اُن کے چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا کہ خاموش رہ، او کُتے اپنے سرداروں کے سامنے زبان چلاتا ہے ....."

کیا امیر فیض کی اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے عمروؓ کی تواضع اور انکساری کی انتہا میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے؟ رومی شہنشاہی کا خاتمہ کر کے مصر جیسی عظیم الشان مملکت کا فاتح اعظم اپنے ایک ادنیٰ سپاہی کے ہاتھ سے اپنے چہرے پر طمانچہ گوارا کرتا، گالیاں کھاتا اور کتے کا خطاب سنتا ہے۔ لیکن نہ رنجیدہ ہوتا ہے اور نہ ترش رو ——— صرف اس لیئے کہ اس ظاہرہ بدکلامی کے پہلو میں اچھے نتائج نظر آرہے تھے جن کے حصول پر عمروؓ اپنے رب کے شکر گزار تھے اور اُن نتائج کے راستہ میں جو رنج اور تکلیف پیش آرہی تھی اُس کا گوارا کرنا اُن کے لیے آسان ہو گیا تھا۔

تواضع کا کمال تو اُس وقت ہے جب کسی قائد کو تازہ تازہ فتح نصیب ہوئی ہو اور اس کا خون گرم اُسے اس بات پر مجبور کر رہا ہو کہ اپنی بڑائی اور کارپردازی پر فخر کرے۔ لیکن وہ اُس وقت بھی تواضع سے کام لے۔ اسکندریہ کی فتح کے فوراً بعد جب عمروؓ نے لطریق بنیامین کو روپوشی سے نکال کر بلا لیا اور اُسے ملاقات کی دعوت دی تو عمروؓ مجلس ملاقات میں سب لوگوں کے سامنے انتہائی تواضع اور انکساری کے ساتھ حاضر ہوئے اور بنیامین کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ بھی فروتنی اور تواضع ہی کا آئینہ دار تھا۔ فرمایا تھا :-

"میں نے ان تمام شہروں میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے فتح فرمایا ہے ان جیسی کوئی مذہبی شخصیت نہیں دیکھی۔"

غور کیجئے اس فقرے پر۔ عمروؓ نے ایک فاتح کی حیثیت سے خود اپنی ذات کے متعلق بات شروع نہیں کی بلکہ دوسرے شخص کے بارے میں کی۔ اور اپنی تعریف کرنے کے بجائے اُس شخص کی تعریف کی جسے رومیوں نے جلاوطن اور ذلیل کیا تھا۔ عمروؓ کی اس تواضع اور بے نفسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبطیوں نے انہیں حکمران اور فاتح کے بجائے رحمت کا فرشتہ اور نجات کا دیوتا سمجھا۔ اور

ل The History of the lives of Successors of Mohammad by Irving

روزِ اول ہی سے ان کے قلوب عمرو کے مسخر ہو گئے۔ جیسے کہ ساویرس نے اپنے مندرجہ ذیل قول میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے:۔

مصر والے عمرو سے ایسے خوش ہوئے جیسے بکری کا بچہ اُس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کی رسی ماں کا دودھ پینے کے لیے کھول دی جائے۔

(۷) محبت اور وفاداری: عسکری زندگی کے لوازمات اور اس کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد محبت اور وفاداری ہے جسے حسبِ مراتب ہر فرد میں پایا جانا چاہیئے۔ خاص طور پر قائد میں اس کی موجودگی سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر قائد میں اپنے سے اوپر والے سرداروں اور نیچے والے تبعین دونوں کے لیے بیک وقت محبت اور وفاداری موجود ہو تو یقیناً اس کی محبت کا عکس اس کی رعایا اور متبعین پر پڑے گا اور اس کی محبت کے ردِ عمل کے طور پر وہ بھی اُس سے محبت اور وفاداری کرنے لگیں گے۔

سردار اور امیر کی فرماں برداری ہر مسلمان پر اُس کے دین کی رو سے بھی واجب کی گئی ہے جیسے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (اللہ اور رسول اور اپنے صاحب امر کی اطاعت کرو) اسی بنا پر مسلمان اس اطاعت اور وُلاء کو دینی اور بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ اور چونکہ عمرو بن عاص پُرجوش اور پکے مسلمان تھے اس لیے وہ اس بنیادی تعلیم پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا اور اپنے سرداروں کے محب اور وفادار رہے۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کی محبت و اطاعت انہوں نے ہمیشہ کی۔ فتنہ ارتداد کے لیئے بلایا تو فوراً حاضر ہو گئے۔ فلسطین اور شام بھیجا جانا تو کوئی پس و پیش نہیں کی۔ فلسطین کی فوج کا قائد بنا دیا تو اس پر بھی راضی ہو گئے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر ابن الخطابؓ کی اطاعت بھی ہر قدم پر کرتے رہے۔ ان کے احکام کے ماتحت مصر کا چپہ چپہ اور مصر سے آگے برقہ اور طرابلس سب فتح کیا۔ اور پھر جب عین جوش اقدام کی حالت میں انہیں روک دیا گیا تو فوراً رُک بھی گئے۔

شام کی متفرق قیادتوں کے زمانہ میں بھی انہیں جن دوسرے قائدین کے ماتحت کام کرنا پڑا۔ ان میں بھی انہوں نے کامل اطاعت و وُلاء کا ثبوت پیش کیا۔ یرموک کے میدان میں وہ خالد ابن ولید کے مخلص اطاعت شعار تھے۔ دمشق اور فحل وغیرہ میں انہوں نے ابوعبیدہ کے ساتھ پوری وفاداری کا ثبوت

پیش کیا ــــ اور ان دونوں قائدوں کی مخلصانہ وفاداری اس حال میں کرتے رہے کہ وہ خود قدر و منزلت اور اہلیت وقیادت میں اُن سے کسی طرح کم نہ تھے [1]

چونکہ عمرو میں خود وفاداری کا عنصر بدرجۂ اتم موجود تھا اور وہ اپنے خلفاء کے پورے وفادار تھے۔ اس لیے اس کا عکس اور پرتو اُن کے ماتحتوں پر بھی پڑتا تھا کہ وہ ان کے سچے وفادار اور اطاعت شعار بن گئے۔ اور اپنے قائد کے اخلاقی رنگ میں پوری طرح رنگے گئے۔

---

(۸) **کارپردازی** فوجی زبان میں کارپردازی سے مراد اس بات کی قابلیت ہے کہ پیش آمدہ عمل یا مہم میں کم سے کم وقت اور کم سے کم محنت و مشقت خرچ کر کے اُسے کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا جائے

کارسازی یا کارپردازی شخصیت کی تعمیر کا ایک اہم عنصر اور میدانِ جنگ کا ایک بنیادی عامل ہے اور جس قائد میں کارپردازی کی صفت پائی جاتی ہے وہ ہر خطرے کا مقابلہ جرأت کے ساتھ اور مشکل کا ازالہ ہمت کے ساتھ کر لیتا ہے اس لیے کہ اس کی کارپردازانہ صلاحیتیں اس کی حکمت و تدبیر اور قوت و مقدرت کو اُجاگر کرتی اور اس قابل بنا دیتی ہیں کہ وہ بھروسے اور اعتماد کے ساتھ اپنے مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔

عمرو بن العاص کی شخصیت کو اس جوہر کا بھی اتنا وافر حصہ ملا تھا کہ وہ قبل الاسلام ہی کارپردازی میں ضرب المثل اور نمونۂ تقلید بن چکے تھے۔ دورِ جاہلیت کے لوگ بھی جن کاموں کو اپنی ہمت سے بالا سمجھتے تھے ان کو عمروؓ کے ذمہ ڈال دیتے تھے۔

مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے لیے حبشہ میں ان کا تعاقب کرنا ایک بہت بڑی مہم تھا۔ اور اس مہم کے لیے انہیں تمام عرب میں عمرو بن العاص کے علاوہ کوئی دوسرا کارپرداز نظر نہیں آیا۔ انہوں نے عمروؓ ہی کو حبشہ بھیجا۔ جس نے نجاشی پر پورا زور ڈالا اور ہر روز ایک نئی سے نئی شیر شکن حجت لگاتا اور نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف دبوچنے کی کوشش کرتا رہا

پھر جب وہ اسلام لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کارپردازانہ قدرت و قابلیت

---

[1] عمرو بن العاص کی بلند شخصیت کا ایک کردار یہ بھی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے ان کو ولایت مصر سے معزول کر دیا تو نہایت خاموشی کے ساتھ چارج دے کر چلے آئے۔ حالانکہ اگر چاہتے تو مصریوں کی حمایت کے بل بوتے پر علم عدولی کر کے سلطنت کے لئے ایک عظیم فتنہ برپا کر سکتے تھے (محمد احمد پانی پتی)

کا اندازہ لگا کر سریہ ذات السلاسل میں بھیجا۔ پھر سواع کے منہدم کرنے کا کام بھی انہی سے لیا۔ اس کے بعد مملکت ایران کی تسخیر بھی ان ہی کے ہاتھوں سے کرائی۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی نے ان کی کارپردازی کا مشاہدہ کیا تو اپنے دور کا سب سے بڑا کام یعنی اندرونی فتنوں کا انسداد انہی کے سپرد کیا اور اس کے بعد بیرونی فتوحات کے لیے فلسطین اور شام روانہ کیا۔

ان کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی بھی اگر اُن کی کارپردازی کے قدردان نہ ہوتے تو انہیں مصر، برقہ اور طرابلس پر لشکر کشی کی کبھی اجازت نہ دیتے۔

عمرو رضی کی کارپردازانہ صلاحیتوں کا پورا پورا ظہور اُس وقت ہوا جب وہ مصر کو فتح کرنے کے بعد اس کے حکمراں بنے اور اُس کے طول و عرض میں انصاف، مساوات، محبت اور اخوت کے ڈنکے بجا دیئے اور مصر والوں کو ایک ایسا خوش حالی کا دور دورہ دکھا دیا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔

حضرت عثمان رضی نے اس نازک وقت میں جب رومیوں نے دوبارہ اسکندریہ پر قبضہ کرلیا تھا ہر طرف نظر دوڑانے کے بعد آخر عمرو رضی ہی کی کارپردازی پر بھروسہ کیا اور انہیں رومیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دوبارہ مصر بھیجا۔

یہاں تک کہ اُس سب سے بڑے قضیہ کو بھی عمرو رضی ہی کی کارپردازی نے ایک طرف کیا جو شہادت عثمان رضی کے بعد عالم اسلام کو پیش آیا تھا۔ حضرت معاویہ رضی نے اُس نازک مرحلہ پر عمرو رضی کی کارپردازی ہی میں اپنے اُس خواب کی تعبیر دیکھی جو وہ حکومت کے بارے میں دیکھ رہے تھے۔

عمرو رضی بن العاص نے اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ حضرت معاویہ کو مشورہ دیا بلکہ میدان میں ان کے دوش بدوش جنگ بھی لڑی۔ اور عین اُس وقت جب حضرت علی رضی حضرت معاویہ رضی کو شکست دینے ہی والے تھے۔ عمرو رضی نے ایک زبردست تدبیر اختیار کر کے حالات کا رُخ شکست سے فتح کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ اور حضرت علی رضی کے ہاتھ پر بیعت ہو جانے کے باوجود اُن کی خلافت کا خاتمہ کر کے حضرت معاویہ کی خلافت قائم کرا دی۔[1]

---

[1] میں نے یہ بات عام طور سے دیکھی ہے کہ مصر کے قریباً تمام مسلمان مورخ اور مصنف اپنی تحریرات اور تصنیفات میں نہایت آزاد خیال ہوتے ہیں۔ اور حفظ مراتب کا خیال قطعاً نہیں کرتے (باقی اگلے صفحہ پر)

(۲) فوج کا انتظام

گذشتہ اوراق میں ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ قیادت انسانی طبیعت کے ساتھ معاملہ کرنے کا فن ہے ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ فوج موت و حیات کے میدان میں ظاہری ہتھیاروں کے ساتھ بہت سے معنوی ہتھیار بھی لے کر اُترتی ہے اور وہ اُن سب کو اپنی آخری حد تک استعمال کر کے جس طرح بھی ہو سکے فتح و نصرت حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ میدان میں اُترنے اور میدانی ہتھیاروں کو استعمال کرنے سے بھی پہلے کچھ ایسے محرکات ہوتے ہیں جو فوج کو میدان کی طرف دھکیلتے اور اُسے اپنی جان کی قربانی پیش کر دینے پر آمادہ کر دیتے ہیں۔

ان محرکات اور ترغیبات میں سب سے زیادہ اہمیت اس ربط و تعلق کو ہے جو قائد کو اپنی فوج کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور اس کے ردِّ عمل میں فوج بھی اپنے قائد کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہے۔

قائد اور اس کی فوج کے مابین اچھا رابطہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب قائد فوج کی ہر طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہ صرف یہ بلکہ آزاد خیالی کے جوش میں واقعات سے بھی اعراض کر جاتے ہیں۔ ایسی ہی صورت یہاں پیش آئی۔ نہ محمد فرج نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذاتی مرتبہ اور علوِ شان کا لحاظ کیا اور نہ اس بات کا خیال کیا کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں یہ واقعات کے خلاف ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت سے عمروؓ بن العاص کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ واقعہ تحکیم کے بعد بھی خلیفہ رہے اور کوئی ان کی "خلافت کا خاتمہ" نہیں کر سکا۔ اُن کے بعد اُن کے محترم فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام چھ ماہ تک سریر آرائے خلافت رہے اور بالآخر اپنی مرضی سے محض اختلاف سے بچنے کے لیے سلطنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔ پس حضرت عمرو بن العاص نے "خلافت کا خاتمہ" کس طرح کیا؟

پھر یہ بھی محمد فرج کا سخت مغالطہ ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی سلطنت کو خلافت قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کی حکومت میں "خلافت" کی کوئی بات بھی نہ تھی۔ ہاں وہ ایک عظیم الشان فرمانروا اور مسلمانوں کے سب سے پہلے بادشاہ ضرور تھے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے بڑی قابلیت اور لیاقت کے ساتھ بادشاہت کی (محمد احمد پانی پتی)

خبر گیری کرے، اس پر مہربان اور شفیق ہو اس کی حفاظت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے اور اس کے ساتھ ہر معاملہ میں ہمدردانہ رویہ اختیار کرے۔

فوج جب اپنے قائد کو اپنے اوپر مہربان دیکھتی ہے تو اُسے اپنی انتہائی خوش بختی تصور کرتی ہے اور پھر اس کا بدلہ وہ بھی اپنی طرف سے قائد کی وفاداری کی صورت میں ادا کرتی اور اس کے اشارۂ ابرو پر جان قربان کرنے کے لیئے تیار رہتی ہے۔

عسکری قائدین نے ہر زمانے میں سپاہ پروری کو اپنا اولین فریضہ تصور کیا ہے۔

سقراط کہتا ہے کہ:۔ "قائد کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اس بات کا ہر وقت جائزہ لیتا رہے کہ وہ اپنی فوج کی حربی اور شخصی ضروریات کو کس حد تک پورا کر رہا ہے اور کس جذبہ کے ساتھ پورا کر رہا ہے۔"

مارشل سلیم اپنے قائدین کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔ "اے قائدین سپاہ! میں تمہیں تمہاری قیادت ہی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ نہ کھاؤ، نہ پیئو، نہ بیٹھو، نہ اُٹھو یہاں تک کہ کسی درخت کا سہارا لے کر کھڑے بھی نہ ہو جب تک کہ تم اس قسم کے حالات نہ پیدا کر دو کہ تمہاری فوج تم سے پہلے یہ سب کچھ کرنے کے قابل ہو جائے۔"

مونٹگمری کہتا ہے کہ:۔ "اگر تم نے انسانیت کے جذباتِ لطیفہ کو پسِ پشت ڈال دیا تو یقین کر لو کہ تم کبھی کامیاب جرنیل نہیں بن سکتے۔"

ان ہر دو قائدین کے اقوال سے فوج کے انتظام کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قائد کا تعلق اپنی فوج کے ساتھ جتنا زیادہ گہرا اور مضبوط ہو گا، ویسا ہی تعلق فوج کو اپنے قائد کے ساتھ ہو گا۔

عمرو بن العاص نے بھی مسلمان فوج کی قیادت سنبھالی تو انہوں نے بھی انہیں مختلف میدانوں میں اُتارا اور کامیابی کی منزل تک پہنچایا۔

یہ کامیابی یوں ہی اتفاقیہ طور پر حاصل نہیں ہوئی بلکہ اس کے پیچھے اسباب و عوامل کی کارفرمائی تھی اور منجملہ ان عوامل کے ایک اہم عامل وہ رابطہ اور تعلق بھی تھا جو عمروؓ کو اپنی فوج کے ساتھ تھا ہم اس رابطہ کو مندرجہ ذیل تین حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کی ضروری وضاحت کرتے ہیں۔

۱۔ فوج کی ضروریات پوری کرنا۔ ۲۔ فوج کی سلامتی اور حفاظت کا خیال کرنا

۳۔ چھوٹے قائدین پر بھروسہ کرنا۔

ضروریات فوج | مصر میں عمرؓو بن العاص کی حکومت قائم اور مستحکم ہوگئی تو انہوں نے فوج کی ضروریات زندگی کے بارے میں سوچنا شروع کیا
خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی پالیسی یہ تھی کہ فوجیوں کو ان علاقوں میں جن میں وہ جہاد کرتے ہیں ازمین کی ملکیت کے حقوق نہ دیئے جائیں۔ تاکہ وہ یکسو ہوکر مصروف جہاد رہیں۔ اور ان کی توجہات دوسری طرف مبذول نہ ہوں۔
لیکن عمرؓو نے استحکام مصر کے بعد فوج کو ملکیت زمین کے حقوق عطا کردیئے۔ اور اس سے اُن کا مقصد فوج کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان کی حسن کارکردگی کا بدلہ دینا تھا
چنانچہ فسطاط کی آبادکاری کے وقت انہوں نے شہر کی نقشہ کشی اور قطعہ بندی کا کام اپنے چار فوجیوں کے سپرد کرتے ہوئے اس بات کی تاکید کی تھی کہ اس شہر کے قطعات اراضی کو بلا استثناء سب عربوں کے درمیان تقسیم کردیں۔ چنانچہ انہوں نے شہر کے اندر اپنی اپنی مرضی کے مکانات تعمیر کیئے۔ جن میں ہر قسم کے بلند و پست مکانات تھے۔ حضرت زبیرؓ کے مکان میں وہ تاریخی سیڑھی بھی محفوظ رکھی جس کے ذریعے وہ بابلیون کی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اور خارجہؓ بن حذافہ نے اپنے مکان پر اتنا اونچا بالاخانہ تعمیر کیا تھا جس سے وہ سارے شہر کا نظارہ کرسکتے تھے۔
عمرؓو نے رہائشی زمین کے ساتھ ساتھ زرعی زمین کے حقوقِ ملکیت بھی فوج کو عطا کیئے اور عام اہلِ مصر کی شرائط ان پر عائد کیں۔ چنانچہ وہ اپنی زمینوں کا خراج بھی مساویانہ طریقہ پر ادا کرتے رہے۔
اس کے علاوہ فوج کو خراج کی آمدنی سے وظائف بھی ملتے تھے۔
متعلقہ علاقہ پر فوج کی تین روز کی مہمانی بھی عائد کردی گئی تھی۔
جو زمین ہر گاؤں کے رفاہِ عامہ کے لیئے مخصوص کی جاتی تھی۔ اس میں بھی فوج کے حقوق شامل کردیئے گئے تھے۔ فوج کے لیئے ایک مسجد کی بھی ضرورت تھی۔ عمرؓو نے فسطاط میں اُسے بھی تعمیر کرادیا۔
فوج کے نہانے دھونے کی ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے بہت سے حمام بھی بنوائے۔
یہاں تک کہ ان کے دفن کے لیئے ایک قبرستان بھی مقرر کردیا جس میں خود عمرؓو بن العاص اور چار دوسرے صحابہ کرام دفن ہوئے۔

غرض یہ کہ فوج کی کوئی ادنیٰ اعلیٰ ضرورت ایسی نہیں تھی جو عمروؓ کے سامنے آئی ہو اور انہوں نے اس کو پورا نہ کیا ہو۔

عمروؓ کی اس سپاہ پروری کی شہرت یہاں تک ہوئی کہ رومیوں کی فوجیں بھی اُن کے حسن سلوک کو دیکھ کر اس بات کی آرزو کرنے لگی تھیں کہ کاش ہمارے جرنیل بھی عمروؓ ہی جیسے سپاہ پرور ہو جائیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اُن کے تحت الشعور میں اپنے قائدین کی نفرت اور عمروؓ کی محبت پیدا ہو جاتی تھی اور ان کی وفاداری کو مضمحل کر دیتی تھی۔

بابلیون کے محاصرہ میں مقوقس نے اپنے جاسوسوں کو مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیئے بھیجا تو اُن کے سردار نے جو معلومات بہم پہنچائیں وہ یہ تھیں:۔

ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن میں زندگی کی بجائے موت کی اور بڑائی کے بجائے خاکساری کی طرف رغبت ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی دنیا کا نہ لالچ ہے نہ حرص۔ یہ لوگ زمین پر بیٹھ جاتے اور گھٹنوں پر رکھ کر کھا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے۔ اُن میں ملند اور لپست کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اور نہ ہی اُن کے آقاؤں کو غلاموں سے پہچانا جا سکتا ہے۔"

یہ صورت حال تھی جس میں رومیوں نے عربوں کا مشاہدہ کیا۔ اور اس مشاہدہ میں بھی سب سے زیادہ اہمیت رومی سردار کے اس جملہ کو حاصل تھی کہ "ان کا سردار بھی بالکل ان ہی جیسا ہے" عمرو کے بارے میں دشمن کی طرف سے اس شہادت کا پیش ہونا اس بات کا اندازہ لگانے کے لیئے کافی ہے کہ عمروؓ کو اپنی فوج سے کتنی محبت تھی۔

اور یہ محبت اس لیئے بھی کہ وہ جو کچھ اپنی ذات کے لیئے پسند کرتے تھے وہی اپنی فوج کے لیئے بھی پسند کرتے تھے۔ جو حال قائد کا تھا وہی حال ہر فوجی کا بھی تھا۔ جو کچھ وہ پہنتا تھا وہی وہ پہنتے تھے۔ جو کچھ وہ کھاتا تھا وہی وہ کھاتے تھے۔ جس زمین پر وہ بیٹھتا تھا اس پر وہ بھی بیٹھتے تھے۔

ایسی جامع اور کلی مساوات کو دیکھ کر رومی اپنے دلوں میں اس بات کی کیا کچھ تمنائیں نہ رکھتے ہوں گے کہ کاش اُن کے جرنیل بھی اُن کے ساتھ عمروؓ ہی جیسا برتاؤ کریں۔

مقوقس نے اپنی فوج کے انہی تاثرات کا مقابلہ عمروؓ کی فوج کے ساتھ کرنے کے بعد تو یہ بات کہی تھی کہ:۔

"اُس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اگر یہ عرب پہاڑوں سے بھی ٹکرا جائیں گے تو انہیں بھی اپنی جگہ سے ہٹا کر چھوڑیں گے۔ کسی انسان کے لیئے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کا مقابلہ کرسکے۔"

نیز:۔

"خدا کی قسم یہ عرب اپنی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود ہماری کثرت اور سلاح پوشی سے زیادہ طاقتور اور شدید ہیں۔ ان میں کا ایک ایک فرد ہمارے سَو سَو افراد کے برابر ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ لوگ موت کو زندگی سے زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان میں سے جو بھی ایک دفعہ آگے قدم بڑھا دیتا ہے پھر اس کے بعد پیچھے ہٹنا جانتا ہی نہیں ہے۔

گھر سے نکلتے ہیں تو وطن اور بیوی بچوں کو ہمیشہ کے لیئے خیرباد کہہ کر نکلتے ہیں اور خدا تعالےٰ سے اجرِ عظیم کی امید رکھتے ہیں۔"

فوج کی سلامتی فوج کی پرورش کے ساتھ ساتھ اُس کی سلامتی اور حفاظت بھی نہایت ضروری ہے اور اس کے اچھے نتائج خصوصیت کے ساتھ اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب وہ دشمن کے مقابلہ میں برسرِپیکار یا کسی اور مقام پر مصروفِ کار ہو۔ ایسے مواقع پر اگر قائد اُن کی حفاظت پیشِ نظر رکھے گا تو اس سے اُن کی وفاداری و اطاعت شعاری میں اضافہ اور اُن کی باطنی قوتوں میں ترقی ہوگی اور وہ ہر اُس خطرے میں بلاپس و پیش نکل جائیں گے جس کا حکم اُن کے قائد کی طرف سے ملے گا۔ اس لیئے کہ انہیں اس بات کا یقین کامل ہو چکا ہے کہ اُن کا قائد اُن کی سلامتی کا پُوری طرح ذمہ دار اور اُن سے زیادہ خواہشمند ہے اور وہ انہیں ہلاکت میں کبھی نہیں ڈالے گا۔

عمروؓ بن العاص اپنی فوج کی سلامتی کا پورا انتظام کرتے تھے اور اس انتظام نے اُن کی فوج اور چھوٹے قائدین کو اُن کے ساتھ پوری طرح مربوط اور پُر اعتماد بنا دیا تھا۔

ذات السلاسل میں عمروؓ نے اپنی فوج کو آگ روشن کرنے اور دشمن کے تعاقب میں جانے سے اس لیئے روک دیا تھا کہ یہ دونوں باتیں سلامتیٔ فوج کے منافی تھیں۔

اسی ذات السلاسل میں سلامتیٔ فوج کی خاطر عمروؓ فوجی نقل و حرکت رات کے وقت کرتے تھے دن کے وقت چھپ جاتے تھے۔

یرموک میں عمروؓ کا متفرق افواج کو یکجا کرنا بھی سلامتی فوج ہی کے جذبہ کے ماتحت تھا۔ اس لیئے کہ رومی افواج جداگانہ قیادتوں کو ایک ایک کرکے آسانی کے ساتھ شکست دے سکتی اور ان کا خاتمہ کر سکتی تھیں۔

سلامتی فوج کی مثالیں مصر کی فتوحات میں بھی کافی ملتی ہیں۔ بابلیون کے محاصرہ میں تھیوڈور کی نقل و حرکت کی خبر پاتے ہی عمروؓ کا فی الفور اس کی طرف بڑھنا اور مقام سمنود میں اُس کے ساتھ ٹکرا جانا اور پھر اپنی فوجوں کو واپس بابلیون لے آنا بھی سلامتی فوج ہی کی ایک عمدہ مثال ہے۔

اسکندریہ کی طرف روانہ ہوتے وقت فوج کے ایک دستہ کو بابلیون میں تعینات کرنا بھی اسی بنا پر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اسکندریہ میں لڑنے والی فوج کو کسی عقبی حملے سے سلامتی حاصل ہو جائے۔

اسی طرح اسکندریہ کے قریب قلعہ نقیوس کی فتح بھی فوج کے عقب کو سلامت رکھنے ہی کے لیئے تھی۔

اس کے بعد محاصرۂ اسکندریہ کے دوران شمالی مصر کی فتوحات بھی اسی لیے تھیں کہ اسکندریہ کی فوجوں کو اُس طرف کے متوقع خطرات سے محفوظ کر دیا جائے۔

---

(۳) چھوٹے قائد: میدان میں ایک قائد ساری فوج کو لڑانے کے لیئے کبھی کافی نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے ضروری ہے کہ اُس کے ماتحت بہت سے چھوٹے قائد اور نائب ہوں۔ جو فوج کے ہر حصے کو بڑے قائد کے ساتھ مربوط رکھنے کا ذریعہ بنیں۔ اور قائد کے احکام فوجیوں تک اور فوجیوں کے حالات قائد تک پہنچاتے رہیں اور ان چھوٹے قائدین یا نائبین کا بھی پُرعزیمت، بڑا معتماد، بڑا اخلاص اور بڑے قائد کا انتہائی طور پر مخلص و وفادار ہونا ضروری ہے۔

چھوٹے قائدین میں مذکورہ بالا صفات اُس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب بڑا قائد ان پر بھروسہ کرے اور انہیں اپنے اپنے حلقہ ہائے نیابت میں خود اپنی برابر اختیارات عطا کرے۔

قائد کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نائبین کے اندر قیادت کی وہ تمام صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے جن کا ایک بڑے قائد میں ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ چھوٹے سے بڑے بن سکیں۔ اور تاریخ میں قیادت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ سکیں اور اسے چاہیئے کہ اُن کے اندر بیدار مغزی، وجاہت و شخصیت، ہمت و شجاعت، حزم و احتیاط، بھروسہ اور اعتماد،

تحمل و بُردباری، تواضع و انکساری، معقولیت کردار، اقدام اور پیش، خوش خلق و بیباک بازی، ذہانت و دانائی عدل و مساوات، اخلاص و وفاداری، فوج کے ساتھ ہم خیالی و ہمکاری، نرم خوئی اور بے لوثی و بےغرضی کی صفات پیدا کرے۔

عمروؓ کو اس ذمہ داری کا پورا احساس تھا۔ اور انہوں نے اپنے نائبین کی مطلوبہ تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

یہی وجہ تھی کہ عمروؓ کے چھوٹے قائد بہادر اور شجاع ہونے کے علاوہ اخلاص، ایمان، قوت اور اقدام کی صفات میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ اور ہر معرکہ میں عمروؓ کے دست و بازو اور لائق اعتماد معاون ثابت ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ان کے اس مخصوص مقام و مرتبہ کو اپنے مندرجہ ذیل فقرے میں ظاہر فرمایا تھا۔

"میں تمہاری مدد چار ہزار فوج سے کر رہا ہوں جس کے ہر ہزاری دستے کا سردار ایک ایسا بہادر شخص ہے جو اکیلا ہزار جوانوں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے"

اس سے مراد زبیرؓ، مقدادؓ، عبادہؓ اور خارجہ بن حذافہ ہیں۔ عمروؓ نے ان چھوٹے قائدین کے سپرد بہت سی مہمات کیں جن میں انہوں نے خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کیں اور ہم آئندہ سطور میں ان کا نام بنام ذکر کرتے ہیں۔

★

(۱) علقمہ بن حکیم
مسروق العکی
ابو ایوب مالکی

عمروؓ اپنی فوج کو فلسطین لے کر پہنچے تو دیکھا کہ مقابلہ پر ارطبون کی فوجیں ہیں۔ انہوں نے حالات کی نزاکت کا غائر نظر سے جائزہ لیا۔ اور تفصیلات سے واقف ہو کر نقشۂ جنگ اس طرح بنایا کہ دشمن پر یکبارگی تین طرف سے حملہ کیا جائے۔ اور یہ بات ناممکن تھی کہ ہر طرف حملہ کی قیادت ایک ہی قائد کر سکے۔ اس لیئے انہوں نے ہر محاذ کے لیئے جداگانہ قائد مقرر کر کے اُن کے نقشہ ہائے جنگ الگ بنا دیئے۔

علقمہ بن حکیم اور مسروق عکی کو ایلیا کی طرف اور ابو ایوب مالکی کو رملہ کی طرف روانہ کر دیا اور خود بقیہ فوج لے کر اجنادین پہنچ گئے۔

(ب) خارجہؓ بن حذافہ

معرکہ ہلیوپولیس میں بھی عمرؓو نے فوج کا ایک دستہ خارجہ کی قیادت میں اُم دنین کی جانب اس غرض کے لیے روانہ کر دیا تھا کہ جب دشمن ہمارے مقابلہ میں پوری طرح مشغول ہو تو دوسری طرف سے تازہ دم اور اچانک حملہ کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جس کا نتیجہ نہایت بہتر نمودار ہوا اسکندریہ کی طرف روانہ ہوتے وقت بھی عمرؓو نے بابلیون میں ایک حفاظتی دستہ تعینات کیا تھا۔ جس کی قیادت خارجہ کے سپرد تھی۔

بلاذری کی رائے کے مطابق عمرؓو نے فتح اسکندریہ کے بعد انہی خارجہ کو مقامات فیوم، اشمونین، اخمیم اور بشرواست وغیرہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ جنہیں انہوں نے فسطاط کی شرائط پر صلحاً فتح کیا تھا۔

(ج) عُبادہؓ بن صامت

جب مقوقس نے باہمی گفت و شنید کے لیے عمرؓو سے سفارت طلب کی تھی تو انہوں نے دس آدمیوں کی سفارت عبادہ کی قیادت میں روانہ کی۔ جن کے کالے رنگ کو دیکھ کر مقوقس نے نفرت کی اور کسی دوسرے آدمی کے آگے بڑھ کر بات کرنے کی درخواست کی تو تمام اہلِ وفد نے یک زبان ہو کر اُن کے بارے میں کہا تھا کہ :۔

"یہی کالا آدمی علم و فضل اور عقل و رائے میں ہم سے افضل اور ہمارا سردار ہے"
اس کے بعد جب انہوں نے مقوقس سے بات کی تو اس کا ایک ایک لفظ قوت و شوکت اور جرأتِ ایمانی سے لبریز تھا۔ اور اُس نے مقوقس کو اس درجہ مرعوب کر دیا تھا کہ نہ صرف یہ کہ اُس کا دل بیٹھ گیا بلکہ اُس کا اپنی افواج پر بھی اعتماد متزلزل ہو گیا تھا۔

یہ بھی عجیب حسنِ اتفاق تھا کہ عُبادہؓ کی گفتگو ہو بہو وہی گفتگو تھی جو اجنادین میں خود عمرؓو بن عاص نے مقوقس سے کی تھی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمرؓو بن العاص اپنے چھوٹے قائدین کو فنونِ حرب کے ساتھ ساتھ دشمن سے بات چیت کرنے کا ڈھنگ بھی سکھاتے تھے۔

(د) زبیرؓ ابن العوام

زبیر اُس امدادی فوج کے قائد تھے جو مصر پر حملے کے وقت عمرؓو کے ساتھ بابلیون کے معرکہ میں آ کر ملے تھے۔ اس لیے بابلیون کی تسخیر میں اُن کی کارپردازی کو بڑا دخل ہے۔

یہ وہی زبیرؓ ہیں جو اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر سیڑھی کے ذریعہ فصیل پر چڑھ گئے تھے۔ اور پھر نہایت جرأت کے ساتھ قلعہ کا دروازہ کھول دیا تھا۔

(ھ) شریک

مالک بن ناعمہ

تھیوڈور کی فوج نقیوسس میں شکست کھا کر اسکندریہ کی طرف بھاگی تو اس کا پیچھا دبانے کے لیئے مسلمانوں کی فوج روانہ کی گئی جس کی قیادت شریک کے سپرد تھی۔ رومی طرنوشش کے قریب خیمہ زن ہو کر شریک کے مقابلہ پر تیار ہو گئے۔ اور تین دن کی لڑائی کے بعد جب رومی مسلمانوں کا محاصرہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو شریک نے اپنے ایک ماتحت قائد مالک بن ناعمہ کو محاصرہ توڑ کر عمروؓ کے پاس امداد طلبی کے لیے دوڑا دیا۔ چنانچہ وہ حصار شکنی کے ساتھ تازہ کمک لے کر پہنچ گئے۔ جس کے بعد مسلمان حصار توڑ کر خطرے سے باہر ہو گئے۔

(و) وردان

وردان عمروؓ کے غلام تھے۔ لیکن ترقی کر کے قیادت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔
انہوں نے کریون میں مسلمانوں کی قیادت کی اور عبداللہ بن عمرو بن العاص انہی کی قیادت کے ماتحت زخمی ہوئے۔ اور جب انہوں نے زخم کی وجہ سے آرام کی اجازت چاہی تو وردان قائد نے انہیں آرام کی بھی اجازت نہیں دی تھی اور فرمایا تھا کہ :-

"آرام تو تمہارے آگے کی طرف ہے پیچھے کی طرف نہیں"

اسکندریہ میں جب عمروؓ بن العاص رومیوں کے درمیان محصور ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی وہ وردان ہی تھے۔ جنہوں نے حاکم شہر کے ارادۂ قتل کو بھانپ کر عمروؓ کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا تھا اور گالیاں دے کر ان کی جان بچائی تھی۔ اور کہا تھا کہ :-

"او کتے چپ رہ۔ اپنے سرداروں کے سامنے بک بک کرتا ہے!"

(س) مسلمہ بن مخلد

انہوں نے بھی عمروؓ کی جان اس وقت بچائی تھی جب وہ پہلی دفعہ اسکندریہ میں محصور ہوئے تھے اور حاکم اسکندریہ نے اپنے پہلوان سے مقابلہ کرنے کی شرط لگائی تھی اور جب ان کا پہلوان نکلا تھا تو عمروؓ خود اس پر جھپٹنا ہی چاہتے تھے کہ فوراً مسلمہ نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے انہیں روکا تھا اور کہا تھا کہ :-

عمرو! دہری غلطی کر رہے ہو۔ اپنے ساتھیوں سے پہلے ہی بچھڑے ہوئے ہو۔ حالانکہ تم ان کے امیر ہو۔ مسلمانوں کا نظام تمہاری ذات کے ساتھ وابستہ ہے، اُن کے دل تمہارے اندر اٹکے ہوئے ہیں اور وہ سوچ رہے ہیں کہ نہ معلوم اُن کا کیا حشر ہُوا ہو گا۔ اور دوسری غلطی یہ کرنا چاہتے ہو کہ اپنے آپ کو قتل کے لیئے پیش کر رہے ہو۔ اگر قتل ہو گئے تو اس سے مسلمانوں پہ جانتے ہو کتنی بڑی مصیبت نازل ہو جائے گی۔ ٹھہر جاؤ، تمہارا منشا میں پورا کیئے دیتا ہوں۔"

چنانچہ مسلمہ رومی پہلوان کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کو صحیح سالم قلعہ سے باہر نکال لائے۔

(س) عبداللہ بن حذافہ سہمی
عمیر بن وھب الجمحی
عقبہ بن عامر جہنی

اسکندریہ کے فتح ہو جانے کے بعد عمرو نے ان تینوں کو مستقل مہمات پر قائد بنا کر بھیج دیا تھا۔ عبداللہ بن حذافہ کو عین شمس کی طرف روانہ کیا تھا۔ عمیر کو تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا اور دقہلہ اور بوصیر وغیرہ کی طرف اور عقبہ کو (بقول بلاذری) نشیبی دیہات کی طرف

(ص) عقبہ بن نافع

برقہ اور طرابلس کی فتوحات میں عمرو نے ان سے بڑا کام لیا تھا۔ انہیں برقہ، زویلہ اور ان کے مضافاتی علاقوں کی طرف بھیج دیا تھا۔ جنہیں اُنہوں نے فتح کیا۔ اور پھر عمرو کی طرف سے وہی اس علاقہ کے امیر بھی بنا دیئے گئے۔ جہاں وہ ۶۲ھ تک امیر رہے۔

(ط) عبداللہ بن زبیر

طرابلس پر قبضہ حاصل ہوتے ہی عمرو بن العاص نے ان کو راتوں رات صبراتہ روانہ کیا تھا۔ جسے انہوں نے علی الصباح فتح کیا۔ اور اس حالت میں فتح کیا کہ اہل شہر ان کے حملہ سے قطعاً بے خبر اور اپنے روزمرہ مشاغل میں مصروف تھے۔

(ع) بسر بن ابی ارطاۃ

شمالی افریقہ کے شہر ودان کو اُنہوں نے فتح کیا جو شمالی افریقہ کی سب سے آخری فتح تھی۔

★

مذکورہ بالا تمام مثالوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عمروؓ اور ان کے چھوٹے قائدین میں کتنا سچا تعاون اور اشتراکِ عمل تھا اور ان کے اخلاص ہی کی یہ برکت تھی کہ اپنے اپنے موقع پر عمرو نے انہیں بڑی قیادت سنبھالنے کے مواقع پوری فراخ دلی کے ساتھ عطا کیے۔

ان کے اس اخلاص اور تعاون کے مختلف اسباب میں سے بڑا سبب یہ تھا کہ عمرو ان کو شایانِ شان اہمیت دیتے، اُن پر پورا بھروسہ کرتے، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور مساویانہ برتاؤ کرتے تھے۔ جس نے اُن کے اخلاص کو اس حد تک بڑھا دیا تھا جس کا اندازہ مسلمہ بن مخلد کے اس قول سے ہوتا ہے کہ:۔

"آپ امیر ہیں، مسلمانوں کا نظم آپ سے وابستہ اور اُن کے دل آپ کی ذات میں اٹکے ہوئے ہیں"۔

شاید عمروؓ کا یہ برتاؤ خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ کی اُس نصیحت کا نتیجہ تھا جو اُنہوں نے عمروؓ کو اُس وقت لکھ کر بھیجی تھی جب وہ فلسطین کے راستے میں تھے۔ اور وہ یہ نصیحت تھی:۔

"خوب سمجھ لو اے عمروؓ! تمہارے ساتھ بدر والے مہاجرین اور انصار ہیں۔ ان کے احترام اور حقوق میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ ان پر حکومت جتانے کی کوشش نہ کرنا اور تمہارے دل میں یہ شیطانی غرور بھی دخل انداز نہ ہونے پائے کہ ابوبکر نے اُن سے افضل سمجھ کر قائد بنایا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحبت اور نشست و برخاست رکھنا، زمانۂ جاہلیت کی یاد کو ان کے درمیان زندہ نہ ہونے دینا۔ کیونکہ اس سے ان کی باہمی رقابتیں عود کر آئیں گی۔ نیز اپنے لشکریوں کو قرآن کی تلاوت کی بہت تاکید کرتے رہنا۔"

---

(۴) سیاست اور فہم و فراست

سیاست اور ذہانت کا رابطہ تاریخ حرب کے ساتھ نہایت گہرا اور مضبوط ہے۔ علاوہ ازیں سیاست ذہانت اور ہوشیاری کے ساتھ مل کر قائد کی شخصیت کی تکمیل کرتی ہیں۔

مدبر قائد کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ اُسے سیاست، ہوشیاری، معاملہ فہمی، اور حُسنِ سلوک کی ترتیں وافر مقدار میں حاصل ہوں۔ اور وہ ان قوتوں کو کام میں لاکر اپنی مہمات اور ذمہ داریوں کو کامیاب بنائے۔

یہ صفات نہ صرف اس کی فوجی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہیں بلکہ عامۃ الناس کے دلوں کو بھی اس کی طرف مائل کرتی اور اس کی قدر و منزلت اور الفت و محبت پر مجبور کرتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ اُن عامۃ الناس کے درمیان خود اُس کے جانی دشمن بھی موجود ہوتے ہیں۔

ابھی کل کی بات ہے کہ دوسری عالمگیر جنگ کے خاتمہ کے بعد حلیفوں نے ۱۹۴۵ء میں جو بہیمانہ اور ظالمانہ برتاؤ مفتوح اقوام کے ساتھ کیا وہ تصرفِ قبیح اور بدسلوکی کی انتہائی خوفناک مثال تھا۔ جس پر عالمِ انسانیت جتنے بھی خون کے آنسو بہائے کم ہے۔ اُن کی درندگی اور سفا کی صرف میدان میں لڑنے والوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں رہی بلکہ وہ لوگ بھی اُن کے وحشیانہ مظالم سے نہ بچ سکے جو اُن کی تابعِ فرمان رعایا بن چکے تھے۔ ان کے ان ظلموں سے جو نہ سیاست کا تقاضا تھے اور نہ دانشمندی اور حسنِ تصرف کا، تمام عالم انسانی کی رائے عامہ ان ظالم حلیفوں کے خلاف ہوگئی۔ اور وہ انسانی ضمیر کی لعنت و ملامت کا ہدف بن گئے۔ اور اپنے کرتوت کی وجہ سے اگرچہ وہ بظاہر زمین پر فاتح نظر آتے تھے لیکن جہاں تک میدانِ اخلاق اور محاذِ انسانیت کا تعلق ہے وہ دونوں جگہ شرمناک شکست کھا گئے۔ وہ انسانی شرف سے پھسل کر بُری طرح ذلت و رسوائی کے غار میں گرے۔ اور یہ ذلت ان کے ساتھ تاریخ انسانی کی بقا تک چپٹی اور نسل در نسل تک اُن کے سروں پر پھٹکار کے بادل برساتی رہے گی۔

اب جبکہ ہم قائدین حرب کی سیاست پر عمومی بحث کر رہے ہیں اور عمروؓ کی سیاست کے بارے میں خصوصی گفتگو کرنے والے ہیں، سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اس بلند اور

افضل ترین انسانی موقف کا تذکرہ کریں جسے رسولِ انسانیت، قائدِ حنین و خندق، فاتح بدر و مکہ نے فتحِ عظیم کے بعد اختیار کیا تھا۔ مقابلہ پر اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ جو آج آخری شکست کھا کر اپنے اپنے گھروں میں گھسے ہوئے اس لمحہ کا انتظار کر رہے تھے جس میں انہیں خوف تھا کہ ستم کشیدہ فاتح اعظم وہی پیالہ انہیں بھی پلانے والے ہیں جو ان کے ہاتھوں خود پیتے رہے اور وہی خوفناک برتاؤ اُن کے ساتھ کرنے والے ہیں جو اُن کی طرف سے زندگی بھر اُن کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اور عنقریب کوئی ایسا حکم صادر ہونے والا ہے جس کے نتیجہ میں وہ سب ظالم اور قاتل تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں گے۔ لیکن اس کے برخلاف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو حکم آیا وہ عفوِ کریم اور لطفِ عمیم کی شان لیئے ہوئے تھا۔ حضورؐ نے فرمایا "اذھبوا فانتم الطلقاء"۔ (جاؤ جاؤ آج تم سب آزاد ہو)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ احسانِ عظیم دیکھ کر صرف قریش ہی کے دل مسخر نہیں ہوئے بلکہ خود مسلمانوں کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں جب انہوں نے دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک ایسا مثالی نمونہ دیکھا تھا جسے تاریخ نے نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ بعد میں۔ اور اس نمونہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب ساتھیوں اور خادموں نے یقیناً وہ سبق حاصل کیا جسے انہوں نے نبیؐ کے بعد اپنے اپنے دورِ حکومت میں دہرایا۔

عمروؓ بن عاص سیاست اور معاملہ فہمی کی اہمیت کو اعداد کے بارے میں ہمیشہ ملحوظِ نظر رکھتے تھے اور لیا اوقات اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف سیاست و دانائی ہی کی بنا پر ایسی حیرت انگیز کامیابی حاصل کر لیتے تھے جس کا حصول تلوار سے بھی ممکن نہ ہوتا تھا۔

عمروؓ نے سیاست اور دانائی کے ساتھ (اپنے چالاک دشمنوں کے لیئے) ایک تیسری صفت ہوشیاری کا بھی اضافہ کر لیا تھا۔ اور اس صفت میں بھی وہ اپنے سب ہم عصروں پر سبقت لے گئے تھے۔ حتیٰ کہ ارطبونِ روم سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ جس کی عیاری رومیوں کے درمیان ضرب المثل بن چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فرما دیا تھا کہ :-

"ہم نے بھی ارطبونِ روم کے مقابلہ میں اپنا ارطبونِ عرب بھیج دیا ہے"

چنانچہ ارطبونِ عرب ہی ارطبونِ روم کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے اور اس حد تک کامیاب ہوئے کہ خود ارطبونِ روم سے مندرجہ ذیل سندِ امتیاز حاصل کر آئے :-

"تعجب ہے کہ یہ شخص مجھے بھی دھوکہ دے گیا ہے۔ یہ تو ساری دنیا سے زیادہ چالاک نکلا!"

قریش زمانہ جاہلیت ہی میں عمروؓ کی سیاست اور ہوشیاری سے واقف ہو چکے تھے۔ اور اسی لیے وہ اپنی سخت الجھنوں میں اُن کے پاس امداد طلبی کے لیے آجاتے تھے۔ سب سے بڑی الجھن قریش کو اُن مسلمانوں کے بارے میں پیش آئی تھی جو اُن کے ظلم و ستم عاجز آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ جہاں انہیں نجاشی کے زیر سایہ امن و اطمینان میسر آگیا تھا۔ لیکن قریش نے پیچھے پیچھے عمروؓ کو بھیج دیا جس نے نجاشی پر مسلمانوں کی واپسی کے لیے پورا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا کہ:۔

"ہمارے بھائی بندوں کی ایک جماعت ہمارے اور آپ کے دین سے منحرف ہو کر آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہو گئی ہے۔ اور ایک ایسے دین کا دعویٰ کرتی ہے جسے نہ ہمارے باپ دادا جانتے اور نہ آپ کے۔ شرفائے قریش نے ہم لوگوں کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ ہمارے مجرموں کو ہمارے حوالے کر دیں۔"

اس کے بعد جب نجاشی نے مسلمانوں کو رُو در رُو بات کرنے اور اُن کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے دربار میں بُلایا اور جعفر بن عبدالمطلبؓ[1] درباری سجدے کی بجائے صرف سلام کرکے اندر داخل ہو گئے تو عمروؓ کی چالاکی نے اس موقع سے پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا:۔

"بادشاہ سلامت آپ نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ آپ کے مقابلہ میں بھی کیسے مغرور و متکبر ہیں۔ آپ کے سامنے آدابِ سلطانی بجا لانا بھی انہوں نے پسند نہیں کیا۔"

اس پر حضرت جعفرؓ نے فوراً جواب دیا کہ:۔

"ہمارے دین میں اللہ عزّ وجل کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔"

عمروؓ بن العاص پھر بولا:۔

---

[1] مصنف کو یہاں سہو ہو گیا ہے۔ یا یہ خیال میں اس کے قلم سے نکل گیا۔ صحیح نام ابوطالب ہے (محمد احمد پانی پتی)

"بادشاہ سلامت یہ لوگ ابن مریم کے بارے میں بھی آپ کے عقیدہ کی مخالفت کرتے ہیں اور انہیں خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے۔"

اس سے عمروؓ کا مقصد نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا تھا لیکن جعفر نے اس کے اس ارادے کو بھی ناکام بنا دیا۔ اور نجاشی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ (حکم) ہیں جسے اس نے کنواری مریم پر نازل فرمایا۔

★

زمانہ جاہلیت میں عمروؓ کی ہوشیاری کی دوسری مثال یہ ہے کہ عمرو کے وفدِ نجاشی کا ایک ساتھی عمارہ بن ولید بھی تھا جو نہایت خوبصورت اور عورتوں کا پسندیدہ نوجوان تھا۔ عمرو کے ساتھ اس کی بیوی بھی ہم سفر تھی۔ عمارہ نے اس کے ساتھ دل لگی کی باتیں شروع کر دیں اور اس کے قریب پہنچ کر بوسے کا طلبگار ہوا۔ عمرو کو یہ بات سخت ناگوار گزری مگر عمارہ نے ارادہ کر لیا کہ عمرو کا کانٹا درمیان سے نکال کر اس کی بیوی کے ساتھ مسرت کی گھڑیاں گذاری جائیں۔ اور یہ سوچتے ہی عمروؓ کو کشتی سے نیچے پانی میں دھکا دے دیا۔ عمارہ کا خیال تھا کہ اسے تیرنا نہیں آتا ہو گا۔ عمرو نے موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے اس وقت تو غصہ پی لیا لیکن دل میں یہ بات ضرور ٹھان لی کہ اسے اینٹ کا جواب پتھر سے ضرور دینا ہے اور یہی ہوا بھی، حبشہ پہنچ کر عمرو نے عمارہ کو ملکہ نجاشی کے ساتھ معاشقہ کی ترغیب دی اور وہ اس حد تک پہنچنے میں یہاں تک کامیاب ہو گیا کہ ملکہ نے اسے مخصوص شاہی تیل تحفہ کے طور پر دے دیا۔ دوسری طرف عمروؓ نے نجاشی کو بھی صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ نجاشی نے ایک جادوگر کو بلایا جس نے عمارہ کے سوراخ ذکر میں جادو کا منتر پھونک کر کوئی ایسی دوا اس کے اندر داخل کر دی جس کے اثر سے عمارہ پاگل اور مخبوط الحواس ہو گیا اور اسی حالت میں مر گیا۔

زمانۂ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ کی سیاسی اور تبلیغی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا تو ان صلاحیتوں سے ریاست عمان کے فرمانرواؤں تک دعوتِ اسلام پہنچانے میں کام لیا۔ عمرو تن تنہا بغیر کسی ہتھیار کے عمان پہنچ گئے۔ ریاست کے حکمران دو بھائی تھے۔ چھوٹے کا نام عباد تھا جو اپنے بڑے بھائی جیفر کے مقابلہ میں زیادہ خوش اخلاق تھا۔ اس لیئے عمروؓ

کی سیاست اور ہشیاری نے دعوتِ اسلامی کے لیے پہلے اُسی کو تاکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل پیغام اُس کے سامنے رکھ دیا۔

"میں تم دونوں بھائیوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ دونوں اسلام لے آؤ اور محفوظ ہو جاؤ۔ بلاشبہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

چھوٹے بھائی نے دعوتِ اسلامی کو قبول کر لیا۔ جیفر باقی رہ گیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی عمروؓ نے پوری سیاست، تدبیر اور حکمت و دانائی سے کام لیتے ہوئے پہلے تو اُسے یوں کہہ کر ڈرایا کہ۔

"اگر تو ایمان نہ لایا اور اُس رسول کی پیروی قبول نہ کی تو یقین کر لے اُس کے سوار تجھے اور تیرے ساتھیوں کو پامال کر کے رکھ دیں گے۔"

پھر اُسے کچھ لالچ سے نرم کرنے کی کوشش کی اور کہا:۔

"...... دیکھو ایمان لانا ہی بہتر ہے۔ اس طرح تم اپنی قوم کے حاکم بھی بنے رہو گے اور انہیں جنگ کی تباہی اور بربادی سے بھی بچا لو گے۔"

نرمی سے کام چلتا نہ دیکھا تو پھر سختی اختیار کر لی اور کہنے لگے:۔

"تیرا علاقہ مسلمانوں کے اُن نیزوں کی پہنچ سے کچھ دور نہیں جن کے خوف سے کفار کا پتہ پانی ہوتا ہے اور وہ بلاکسی مزاحمت کے دشمن کے قلب و جگر میں پیوست کر دیئے جاتے ہیں۔"

اس کے بعد پھر ایک ٹھنڈی ہوا دی اور کہا:۔

"میں سراسر تمہاری بھلائی اور تمہارے فائدے کا مشورہ پیش کر رہا ہوں۔ اسے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرو۔"

آخر کار عمروؓ کی یہ سیاست و دانائی کامیاب رہی اور ان دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

★

اجنادین میں عمروؓ نے خود ارطبون کے کیمپ میں پہنچ کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں ..... ارطبون بھی بھانپ گیا کہ ایسی باتیں کرنے والا مسلمانوں کا قائد عمروؓ ہی ہو سکتا ہے۔ اور پھر انہیں سازشی طور پر قتل کرا دینے کا منصوبہ بنا لیا۔ ایک طرف عمروؓ کو تحفے دے کر مطمئن اور خوش کر دیا اور دوسری طرف چوکیدار مل کو خفیہ پیغام بھیج دیا کہ دیکھنا یہ شخص تمہارے ہاتھوں سے بچ کر نہ جانے پائے۔

عمرو کے کانوں میں بھی کسی کہنے والے کی یہ بات پہنچ گئی کہ خیریت کے ساتھ داخل تو ہو گئے ہو لیکن خیریت کے ساتھ نکلنا مشکل ہے"۔ اور جب انہوں نے موقع کی نزاکت کا اندازہ کر لیا اور عیاری کا مقابلہ عیاری کے سوا ممکن نظر نہ آیا تو فوراً ارطبون کے پاس واپس پہنچ گئے اور اس کے عطا کردہ تحفہ جات ہی کو وسیلۂ نجات بناتے ہوئے بولے :-

"جناب میری غیرت یہ بات ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ میں ایسے بیش قیمت تحائف لیلا لے کر چلا جاؤں۔ اور میرے بھائی جو سب میرے ہی جیسے ہیں اور تعداد میں دس ہیں ان تحائف سے محروم رہیں۔ میں جناب سے اُن کے لیے بھی تحائف مانگنے آیا ہوں تاکہ جناب کا احسان عام ہو جائے"

اور اس کے بعد عمروؓ نے ارطبون سے وعدہ کر لیا کہ میں ان دسوں کو بھی جناب کی خدمت میں حاضر کرتا ہوں تاکہ وہ بھی بذاتِ خود اپنی زبان سے آپ کی فیاضی کا شکریہ ادا کر جائیں۔

ارطبون کو لالچ آیا کہ ہم ایک کے قتل پر کیوں اکتفا کریں پورے دس کو کیوں نہ قتل کریں اس لیئے اس نے چوکیداروں کو دوسرا حکم اس مضمون کا بھیج دیا کہ اس شخص کو سلامتی کے ساتھ جانے دیا جائے۔

عمروؓ صحیح سالم واپس آ گئے اور ان کی سیاست اور چالاکی ارطبون کو جکمہ دینے میں کامیاب ہو گئی۔

★

فتوحاتِ مصر کے دوران میں بہت سے مواقع پر عمروؓ کو اپنی سیاست تدبیر اور ہوشیاری سے کام لینا پڑا۔

★

اسکندریہ کی شرائط صلح طے کرنے کے لئے مقوقس بذاتِ خود عمروؓ کے پاس بابلیون پہنچا تو عمرو نے بطور سیاست اُس کا شایانِ شان استقبال کیا۔ اور فرمایا:-

"آپ نے بذاتِ خود تشریف لا کر ہمیں بہت ممنون فرمایا ہے"

جس کے جواب میں مقوقس کو بھی اپنے موقف سے نیچے گر کر کہنا پڑا کہ :-

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سرزمین عطا فرما دی ہے لہذا اس کے بعد رومیوں کے خلاف کسی جنگ کا ارادہ نہ کرنا"

★

سب سے بڑا سیاسی حربہ جو عمروؓ نے مصر میں استعمال کیا وہ بطریق بنیامین کو آزادی عطا کر کے اُسے دوبارہ اس کے دینی منصب پہ فائز کرنا تھا۔ جس سے اہلِ مصر کے قلوب یکبارگی مسخر ہو گئے اور ایک لمحہ کے اندر اُن کا وہ تمام خوف و ہراس جاتا رہا جو سیاسی انقلاب کے بعد کافی عرصہ تک مفتوح اقوام میں باقی رہا کرتا ہے

عمروؓ نے بنیامین کی ذات سے اور زیادہ فائدہ اُس وقت اٹھایا جب اس کے مشوروں کو ملکی انتظامات میں بھی دخیل کر لیا اور جو بھی اصلاحات جاری کیں اُس کے مشورے کے بعد جاری کیں۔ جس سے اہلِ مصر کے دل عمروؓ کی طرف اور بھی زیادہ مائل ہو گئے۔

مصر میں عمروؓ کی دوسری کارگر سیاست یہ رہی کہ انہوں نے اہلِ مصر کو پوری پوری دینی اور فکری آزادی عطا کی۔ جس کے بعد روم اور مصر کے عقلاء مختلف مذاہب کا آزادانہ مطالعہ اور ان کے درمیان موازنہ کرنے لگے۔ اور اس بحث و تمحیص کا خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ جب انہیں مسیحیت کا دائرہ اندرونی تفریقات سے پُر نظر آیا تو وہ سوچ سمجھ کر پوری قوتِ ایمانی کے ساتھ اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے جس میں کسی قسم کا باہمی فرقہ دارانہ نزاع موجود نہ تھا۔

یہ بھی عمروؓ کی ایک دُوررس سیاست ہی تھی کہ انہوں نے فوج کو ملکیتِ زمین کا حق تو دیا لیکن شرائط ملکیت میں اہلِ مصر سے زیادہ کوئی امتیاز اور استثناء عطا نہیں کیا۔ اس لیے کہ وہ اپنے سیاسی شعور کی بنا پر اس بات کو خوب جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو ذرا بھی فوقیت دی گئی تو اس سے اہلِ مصر کے قلوب میں حسد کی آگ مشتعل ہو جائے گی۔

★

نظامِ محصولات میں بھی عمروؓ نے بڑی نرمی سے کام لیا اور محصولوں کو جتنا بھی ہلکا کرنا ممکن تھا۔ ہلکا کر دیا۔ محصول کی مقدار مقرر کرنے کے بجائے اُسے پیداوار کی قلت و کثرت کا تابع بنا دیا۔ اور اس کے بعد بھی مزید سہولت یہ دے دی کہ جو علاقے قحط سالی وغیرہ آفات کا شکار ہو جائیں انہیں خراج سے کلیتہً مستثنیٰ کر دیا جائے۔

★

عروسِ نیل کے بارے میں بھی ایک دفعہ یہ صاف جواب دینے کے بعد کہ:۔

"اس جاہلانہ رسم کو اسلام کے دَور میں کسی طرح بھی زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔۔۔۔"

جب اہلِ مصر کو برابر مضطرب دیکھا تو خلیفہ عمرؓ سے مشورہ کر کے اُن کی دلجمعی کے لئے خلیفہ کا بھیجا ہوا پیغام دریا میں ڈالا جس کی عبارت یہ تھی کہ:۔

"اللہ کے بندے امیرالمومنین عمرؓ کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام ۔ امابعد
اے نیل اگر تو اپنی طرف سے رواں ہوتا ہے تو رواں نہ ہو۔ اور اگر تجھے روانی دینے
والا اللہ واحد و قہار ہے تو ہم اللہ واحد و قہار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تجھے
جاری کر دے ۔"

★

اہل مصر کے متعلق ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ رومیوں نے اپنے دور حکومت میں مدبرانہ سیاست سے ہرگز کام نہیں لیا جس کی بنا پر وہ اُن سے برگشتہ تھے ۔ اور جب اُن تک اسلامی حکومت کے عدل و مساوات کی خبریں پہنچتی تھیں تو ان کا ذہنی اور قلبی میلان اسلام کے نظام جدید کی طرف ہونے لگتا تھا ۔ اسی حال میں جب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے مصر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے تو انہوں نے اپنی خوابیدہ تمناؤں کی تکمیل اسی میں دیکھی کہ رومیوں کا عذاب اُن کے سر سے دور ہو ۔ اور اسلام کا ابر رحمت اُن پر سایہ فگن ہو جائے ۔ اس لیے مسلمانوں کے مقابلہ میں انہوں نے رومیوں کی کوئی امداد و اعانت نہیں کی ۔

★

حضرت عثمانؓ کے قتل اور حضرت علیؓ کی بیعت پر جو قضیہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا ۔ اس کے فرو کرنے میں بھی عمروؓ بن العاص کی تدبیر و سیاست نے اہم کردار ادا کیا ۔ اس نزاع کے فریق تین تھے ۔

۱۔ حضرت علیؓ اور اہل عراق
۲۔ حضرات زبیرؓ، طلحہؓ و سیدہ عائشہ صدیقہؓ
۳۔ حضرت معاویہؓ اور اہل شام

عمروؓ نے اپنا موقف متعین کرنے کے لیے تینوں پر نظر ڈالی اور اپنی سیاسی بصیرت اور تجربہ کی بنا پر اندازہ لگا لیا کہ زبیرؓ اور طلحہؓ کا موقف اور اس کی حمایت کرنے والی جماعت دونوں کمزور ہیں جس میں حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ٹھہرنے کی طاقت دکھائی نہیں دیتی ۔

اب باقی رہے علیؓ اور معاویہؓ

جہاں تک علیؓ کا تعلق ہے وہ اپنے سوا کسی دوسرے پر نہ اعتماد کرتے ہیں اور نہ اس کی رائے تسلیم کرتے ہیں ۔ اس لئے اُن کے ساتھ رہنے میں یہ قباحت ہے کہ مجھے اُن کا محض ایک تابع مہمل بن کر رہنا پڑے گا ۔

عمرو ابھی اسی شش و پنج میں تھے کہ حسنِ اتفاق سے ان کے پاس حضرت معاویہؓ کی طرف سے مشورہ طلبی کا خط آگیا جسے پڑھ کر انہوں نے اپنے بیٹوں کو مشورہ کے لیے بلایا۔

عبداللہؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ مل جانے کا مشورہ دیا جسے عمروؓ نے یہ کہکر رد کر دیا کہ علی کے ساتھ مل جانے کے بعد میری حیثیت ایک معمولی فرد سے آگے نہ بڑھ سکے گی۔ لیکن معاویہ مجھے ہر معاملہ میں اپنا شریک بنالیں گے۔

اس کے برخلاف محمد نے یہ مشورہ دیا کہ :۔ "آپ کو فوراً حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچ جانا اور دُم بننے کے بجائے سر بننا چاہیئے"

عمروؓ نے محمد کی بات کو ترجیح دیتے ہوئے مصر کی شرط پر حضرت معاویہ کی اطاعت اختیار کرلی اور شہادتِ عثمانؓ کو بنیاد بنا کر حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے خونِ عثمانؓ کا مطالبہ پیش کر دیا۔ جیسا کہ عمروؓ نے معاویہؓ کو مشورہ دیا تھا۔

صفین میں جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت علیؓ کی کامیابی اور حضرت معاویہؓ کی شکست کے آثار نظر آنے لگے اور قریب تھا کہ حضرت معاویہؓ میدان سے فرار اختیار کر جائیں کہ عمروؓ کی سیاست حرکت میں آگئی اور اُن کے حکم سے شامیوں نے قرآن کریم کے نسخے نیزوں پہ معلق کر کے نعرے لگانے شروع کر دیئے کہ :۔

"یہ اللہ عزوجل کی کتاب حکم ہے ہمارے اور تمہارے درمیان"

جس کا جواب حضرت علیؓ کی فوج نے بھی یہی دیا کہ :۔

"ہم کتاب اللہ کے فیصلے پہ راضی ہیں"

قضیۂ خلافت میں سیاستِ عمروؓ کی یہ فصلِ اول تھی جس نے حضرت علیؓ کی خلافت کو مکمل ہوتے ہوتے روک دیا۔

اس کے بعد سیاستِ عمروؓ کی فصلِ ثانی قضیۂ ثالثی سے شروع ہو کر حضرت معاویہ کی تکمیلِ خلافت پہ اس طرح تمام ہوئی کہ عمروؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو سیاسی داؤ پیچ میں لا کر پہلے اس بات پہ متفق کیا کہ ہم دونوں معاویہ اور علی کو معزول کر دیں۔ اور پھر اس کے بعد اُن کی زبان سے حضرت علیؓ کی معزولی کا اعلان کرا کر خود معاویہ کی برقراری کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد سیاستِ عمرو کی فصلِ ثالث نے اس بات سے تکمیل پائی کہ حضرت علیؓ کی فوج اُن سے جُدا ہو کر آپس کے اختلاف کا شکار ہوگئی۔ اور ان ہی کے اندر سے خوارج کا ایک نیا فرقہ ظہور پذیر

ہو گیا، جس کے تین افراد علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص کے قتل کے لیے نکل کھڑے ہوئے جن میں سے قاتل علی کامیاب ہو گیا۔ معاویہؓ کا قاتل ہمت ہار بیٹھا اور عمروؓ کے قاتل نے شبہ میں دوسرے کو قتل کر دیا۔

حضرت معاویہؓ نے عمروؓ کی سیاست سے فائدہ تو پورا پورا اٹھا لیا اور انہیں اپنا بانوا مشیر اور رازدار بھی بنا لیا لیکن ان کے دل میں اس بات کا کھٹکا ضرور رہا کہ میری سلطنت کا بقاء و قیام سراسر عمروؓ کی کارپردازی کا رہین منت ہے۔ اور عمروؓ کی نیت بدل بھی سکتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عمروؓ کے دل میں مصر کے ساتھ شام کا بھی لالچ پیدا ہوا اور دوسری طرف معاویہؓ نے مصر کو بھی ان کے حق سے زیادہ سمجھا اور طرفین کے درمیان کشیدگی شروع ہو گئی اور عمروؓ کی وفات تک باقی رہی۔

★

جس زمانہ میں عمروؓ بن العاص مصر کے حاکم تھے اُسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو کو کوفہ کا والی بنا دیا تھا۔ مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ سے یہ کہہ کر انہیں برطرف کروا دیا کہ اب تو آپ شیر کے دو جبڑوں کے درمیان آ گئے ہیں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے عبداللہ کو معزول کر کے حضرت مغیرہؓ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

عمروؓ کو علم ہوا تو وہ بھی انتقام لینے کے لیے حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے اور سیاست سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ:۔

"آپ نے کوفہ کے خراج پر ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو سب کچھ خود ہی ہضم کر جائیگا اور آپ کو کچھ نہ دے گا۔"

اور ساتھ ساتھ یہ مشورہ بھی دیا کہ:۔

"کسی ایسے شخص کو خراج پر مقرر کیجئے جو آپ کا لحاظ کرتا اور آپ سے ڈرتا ہو"

حضرت معاویہؓ نے عمروؓ کے مشورے کے مطابق مغیرہ کو محکمۂ خراج سے محکمۂ نماز کی طرف منتقل کر دیا۔ اس کے بعد عمروؓ بات جتانے کے لیئے مغیرہ سے بھی ملے اور تعریضاً اُن سے کہا۔

"یہ آپ کی اُس حرکت کا جواب تھا"

ختم شُد

ماخذ کتاب

بترتیب حروفِ تہجی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف
۱	ابن العاص	عباس محمود العقاد
۲	اشہر مشاہیر الاسلام فی الحروب والسیاست	رفیق العظم
۳	الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابن حجر العسقلانی
۴	الاعلاق النفسیۃ	احمد بن عمر بن رستادہ
۵	البیان المغرب فی اخبار المغرب	ابن العذاری المراکشی
۶	الجندی الجید	ابراہیم فراج واحمد شعوت
۷	الخطط	المقریزی
۸	الرحلۃ التیجانیہ	ابو محمد عبد اللہ التیجانی
۹	السیرۃ الحلبیہ	علی بن ابراہیم الملقب نور الدین بن برہان الدین الحلبی
۱۰	الصدیق ابوبکر	ڈاکٹر محمد حسین ھیکل وزیر معارف مصر
۱۱	العبر و دیوان المبتدا والخبر	ابن خلدون
۱۲	العبقریۃ العسکریہ فی غزوات الرسول	محمد فرج
۱۳	الفاروق عمر	عباس محمود العقاد
۱۴	الفتوحات الاسلامیہ	احمد بن السید زینی دحلان
۱۵	القضاۃ والولاۃ	الکندی
۱۶	القیادۃ	عبد التواب ھدیب والسید محمود شاکی
۱۷	التاریخ الکامل	ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد المعروف بہ ابن الاثیر الجزری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف
۱۸	الکامل فی اللغة	المبرد
۱۹	المسالک والممالک	ابن عبید اللہ البکری
۲۰	المعارف	ابن قتیبہ
۲۱	النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر القاھرۃ	ابوالمحاسن
۲۲	بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب	محمود شکری الالوسی
۲۳	تاریخ ابن صالح الارمنی	ابوصالح
۲۴	تاریخ الامم والملوک	محمد بن جریر الطبری
۲۵	تاریخ الامۃ العربیہ الخلفاء الراشدین	محمد اسعد طلس
۲۶	تاریخ الفتح العربی فی لیبیا	الطاھر الزاوی الطرابلسی
۲۷	تاریخ یعقوبی	احمد بن یعقوب بن جعفر
۲۸	تاریخ دمشق	ابن عساکر
۲۹	تاریخ عمرو بن العاص	ڈاکٹر حسن ابراھیم حسن پی۔ ایچ۔ ڈی۔
۳۰	جبابرۃ حرب	محمد فرج
۳۱	حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر القاھرۃ	السیوطی
۳۲	دیوان حنا النقیوسی	حنا النقیوس
۳۳	سیر البطارکہ	ساویرس الاشمونینی
۳۴	سیف اللہ خالد	محمد فرج
۳۵	عمرو بن العاص فاتح مصر	عبد السلام العشری
۳۶	فتوح البلدان	احمد بن یحیٰی البلاذری
۳۷	فتوح الشام	الواقدی
۳۸	فتوح العرب للمغرب	حسین مؤنس
۳۹	فتوح مصر	الواقدی
۴۰	فتوح المصر والمغرب والاندلس	عبد الرحمٰن بن عبد الحکم

نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف
۴۱	مروج الذهب و معادن الجواهر	ابوالحسن علی بن علی المسعودی
۴۲	مسالک الممالک	ابراهیم بن محمد الاصطخری
۴۳	معجم البلدان	یاقوت الحموی
۴۴	نهایة الارب فی فنون الادب	النویری
۴۵	The Arab Conquest of Egypt	Alfred Butler
۴۶	The history of decline and fall of the Roman Empire.	Gibbon
۴۷	A history of the lives Successors of Mohamed	Ruing
۴۸	L. Afrique Byzantine	Diehl
۴۹	Les- ~~Ber~~ bires	Fournel
۵۰	L. Alfrique du Nord	Capdel